تزک امیری

یعنی

سوانح عمری امیر عبدالرحمن خاں غازی امیر کابل

مصنفہ

ضیاء الملۃ والدین امیر المؤمنین امیر عبدالرحمن خاں
غازی والی دولت خداداد افغانستان و
کافرستان وغیرہ دام سلطنتہ و حشمتہ

مترجمہ

میرزا حیرت (دہلوی) مالک و ایڈیٹر کرزن گزٹ

کرزن پریس دہلی میں چھپی سنہ ۱۹۰۴ء

تزک امیری

پہلا باب ۱

ابتدائی زمانہ

سنہ ۱۸۵۳ء سے سنہ ۱۸۶۴ء تک

سنہ ہجری میں جب میری عمر بارہ سال کی تھی (غالباً امیر سنہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے تھے) میرے والد نے کابل سے بلخ جانے کے لئے مجھے بلایا۔ اس وقت میرے والد بلخ اور اُس علاقہ جات کے حاکم اور والیہ تھے جب میں بلخ پہنچا تو میں نے دیکھا وہ شبرغان کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ دو مہینے تک میں بلخ میں رہا اس عرصہ میں شبرغان فتح ہو چکا تھا جب میرے والد بلخ میں تشریف لائے ہیں میں نے دشت امام پر جا کے اُن کا استقبال کیا۔ والد ماجد کو دیکھ کے میری آنکھوں میں سرور پیدا ہو گیا آپ نے دوزانو ہو کے خدائے عرش و کرسی کے حضور میری سلامتی کی دعا مانگی۔ ہم دونوں بلخ واپس چلے آئے یہاں والد نے حکم دیا کہ میں پڑھنا شروع کروں۔ مجھے پڑھنے لکھنے سے ذاتی نفرت تھی شکاری سواری کا از حد شایق تھا۔ جو سبق میں آج پڑھتا تھا کل بھول جاتا تھا لیکن مجھ پر یہ جبر تھا کہ میں پڑھا کروں اور کوئی صورت اس سے نجات کی نہ مل سکتی تھی۔ میرے معلم نے میرے پڑھانے پر جان کھپا دی لیکن حسب مراد کامیابی نہیں ہوئی تھی سال کے آغاز میں والد بزرگوار نے ایک جدید مدرسہ میری تعلیم کے لئے تعمیر کرایا اور اس کے ساتھ ایک باغ بھی لگایا گیا تھا۔ یہ مدرسہ حوالی بلخ واقع مقام تختہ پول میں تعمیر ہوا تھا۔ یہاں مدرسہ بننے کی وجہ یہ تھی کہ بلخ کی صحت اچھی نہیں تھی دوسرے میرے والد ہمیشہ علی مرتضیٰ کے مزار شریف کی زیارت کے شایق تھے اور یہ مزار شریف تختہ پول کے بہت ہی قریب تھا اس لئے بآسانی زیارت سے مشرف ہو سکتے تھے

میرے والد نے یہاں حرم سرائیں۔ دربار چھاؤنیاں اور کارخانے بنائے ساتھ ہی کئی باغات بھی لگائے گئے اس طرح سے تین سال کے عرصہ میں ایک خوبصورت شہر بن بنا کے تیار ہوگیا۔

چوتھے سال کے موسم بہار میں میرے والد اپنے پدر بزرگوار دوست محمد خان کا شرف ملازمت حاصل کرنے کے لئے کابل تشریف لیگئے اور مجھے اپنی جگہہ بلخ کا والیسرائے بنادیا۔ میری پابندی اوقات ان چھ مہینے کے عرصہ میں یہ تھی۔ آٹھ بجے صبح سے پہلے تو میں اپنی تعلیم سے فارغ ہوجاتا تھا اور آٹھ بجے سے دو بجے دوپہر تک دربار کرتا رہتا تھا۔ دربار برخواست کرنے کے بعد سوجاتا تھا اور سہ پہر ہوا خوری کرنے چلا جاتا تھا۔ آغاز سرما میں میرے والد نے کابل سے مجھے لکھا کہ میرے پدر بزرگوار دوست محمد خان نے تجھے تشکرغان کی گورنری پر نامزد فرمایا ہے تو فوراً ایک ہزار سوار دو ہزار ملیشا اور چھ توپیں لیکے مقام مذکور پر روانہ ہوجا۔ حکم پہنچتے ہی میں تشکرغان روانہ ہوا جب میں وہاں پہنچا تو سردار محمد امین خاں برادر وزیر محمد اکبر خاں گورنری کا چارج دے کے روانہ کابل ہوگیا۔ میرے والد نے میرے لئے ایک مددگار کا تقرر فرمایا اس کا نام حیدر خاں تھا یہ شخص بڑا روشن ضمیر اور معزز قزلباش تھا جس کے پاس ایک جھنڈا ایک جنگی بینڈ اور دو سو سوار رہتے تھے۔ اس کا باپ محمد خاں بڑا قابل شخص تھا اور کابل میں اُس کے بہت سے پیرو تھے۔ اس وقت میری پابندی اوقات کی یہ صورت تھی۔ صبح سے نو بجے تک تعلیم۔ نو سے دو بجے تک دربار میں مقدمات کرتا تھا اور رعایا کے جھگڑے فیصلہ کیا کرتا تھا دو بجے کے بعد میں سوجاتا تھا اور پھر اٹھکے جنگی ورزشیں کرتا مثلاً شکاری سواری۔ پولو اور نشانہ بازی وغیرہ جمعہ روز تعطیل تھا۔ سارا روز شکار ہی میں گزار دیتا تھا اور شب کو تشکرغان کے قلعہ میں واپس آتا تھا۔ میرے تقرر کے پانچ مہینے کے بعد میرے والد اور میری والدہ ماجدہ (جو کابل میں تھیں جب سے میں وہاں سے روانہ ہوا تھا) مجھ سے ملنے کو تشریف لائیں میں اُنھیں دیکھ کے بہت خوش ہوا اور میں نے اُن کے دست مبارک پر بوسہ دیا۔

آغاز موسم بہار تک میرے پدر بزرگوار نے تشکرغان ہی میں میرے ساتھ قیام فرمایا۔ اور جب آپ بلخ تشریف لے گئے تو میری والدہ ماجدہ کو میرے ہی پاس چھوڑ گئے میں اپنی تعلیم اور انتظام جہانداری میں مصروف ہوا۔ چونکہ میں فوج اور رعایا پر بہت مہربان تھا اس لئے اکثر لوگ میرے دوست بن گئے میں نے بعض اشخاص کو انعامات دیئے اور جب فصل خراب ہوئی تو محاصل سرکار میں اُن پر تخفیف کر دی۔

دو سال کے بعد میرے والد تشکرغان واپس آئے اور مجھ سے حسابات صوبہ طلب فرمائے۔ جوں ہی

اُنہوں نے مد تخفیف محاصل پر نظر ڈالی فوراً اُسے نامنظور فرمایا میں نے دست بستہ التجا کی للہ دوبارہ وصول کرنے پر آپ زور نہ دیں لیکن آپنے تسلیم نہیں کیا اور ارشاد کیا میں دوبارہ وصول کرنے پر اس لئے مجبور ہوں کہ محاصل ملک اسقدر کم ہیں اور اخراجات فوج کی یہ کیفیت ہے یعنی آمدنی کم اور فوج زیادہ۔ تین مہینے میرے والد نے قیام فرمایا اور لوگوں سے قریب ایک لاکھ روپے کے جمع کیا یعنی جو روپیہ میں نے معاف کر دیا تھا آپ لیکے بلخ چلے گئے۔ اُنکے واپس تشریف لیجانے پر میں نے گورنری سے استعفا دیدیا اور اسکی وجہ یہ لکھدی جب میرے اختیارات میں دست اندازی کیجاتی ہے اور میں اپنے خیالات کے مطابق حکومت نہیں کرسکتا ناچار میں مستعفی ہوتا ہوں۔ میں اپنی جگہہ اپنے نائب کو گورنر تشکرغان مقرر کرکے آپ تختہ پول چلا آیا۔ اور یہاں میں اپنی تعلیم میں مشغول ہو گیا میں ہمیشہ جمعرات کی سہ پہر کو شکار کھیلنے چلاجاتا اور دوسرے روز شب کو واپس آتا گویا میں دو روز ایک شب گھر سے باہر شکار میں گزارتا۔ میرے پاس شکاری عملہ یہ تھا۔ دوسو کُتے۔ سو باز اور شکرے اور دوسرے شکاری پرندے تنسو خدمتگار غرض کل عملہ کی تعداد پانسو تھی۔ میں ہمیشہ جیحوں کے کنارے پر شکار کھیلا کرتا تھا بعض وقت دریائے بونیا کار میں مچھلی کا شکار کھیلتا ہثردہ نہر بلخ کا ہی ایک دریا ہے اسی اثنا میں وزیر یار محمد خاں گورنر ہرات نے میرے والد کو لکھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی آپکے صاحبزادے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں میرے والد نے منظور کرلیا میری شادی ہوگئی اور اس شادی سے گورنر ہرات اور میرے والد میں رشتہ اتحاد مضبوط ہوگیا۔ میرے باپ کا خاص الخاص مصاحب ایک شخص سردار عبدالرحیم خاں نامی تھا جو سردار رحیم داد خاں کے خاندان میں تھا یہ شخص نہایت بدذات اور حاسد تھا اور حصہ حسد موروثی طور پر اسے پہنچا تھا۔ دربار سے میرا رسوخ زائل کرنے کے پیچھے لگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا اگر میں فوج کا سپہ سالار بنگیا تو اُسکی کرکری ہوجائے گی اس نے میری طرف سے میرے والد کے کان بھرنے شروع کیے اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں کیں کہ وہ مجھہ سے ناراض ہوگئے۔ میرے والد کی فوجوں کا سپاہ سالار ایک انگریز تھا جس کا نام کابل میں جنرل شیر محمد خاں تھا اور اس کا اصلی نام کیمبل تھا۔ قندھار کی جنگ میں جو سنہ ۱۲۵۰ ہجری شاہ شجاع سے لڑی گئی تھی میرے دادا نے اُسے گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بہت بڑا لائق اور روشن دماغ جنگی افسر تھا اور ساتھہ ہی ڈاکٹر بھی بہت اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اس کا طرز و انداز شجاعانہ تھا اور یہ میرا پاس ادب بہت کیا کرتا تھا۔ یہ شخص اپنے زمانہ کا ایک قابل شخص تھا بلخ کی تمام فوجوں کی کمان اسی کے سپرد تھی جس

فوج کی تعداد تیس ہزار پانسو تھی جس میں پندرہ ہزار فوج باقاعدہ معہ رسالہ پیادے اور توپخانہ کے باقی ماندہ میں تین قوموں کے ملیشا سپاہی ازبک۔ درانی اور کابلی تھے۔ اسی توپیں تھیں جس میں سے آٹھ توپیں سردار اکرم خاں کے زمانہ گورنری میں کابل سے بھیجی گئی تھیں اور باقی توپیں میرے والد کی نگرانی میں خاص کابل میں بن کے تیار ہوئی تھیں۔ لشکر کی بہت ہی اچھی حالت تھی۔ ایکدن شیر محمد خاں (انگریز) نے میرے والد سے کہا کہ آپ اپنے صاحبزادہ عبدالرحمن کو میری تعلیم میں دیدیں تاکہ مرنے سے پہلے جو کچھ مجھے آتا ہے اس کی تعلیم میں اسے کر جاؤں۔ میرے والد نے منظور فرمالیا۔ اور مجھے ہدایت کی کہ تو روز تین گھنٹے شیر محمد خاں کے پاس تعلیم پانے چلا جایا کر تاکہ تیرا وقت بیکار نہ جائے۔ میں نے یہ جواب دیا "بچشم" میں خوشی خوشی گھر چلا آیا اور دو تین برس تک جراحی اور فوجی فنوں کی تعلیم پاتا رہا میرے والد نے کابل سے چند رفل بنانے والے کاریگر بلا کے میری تعلیم گاہ کے پاس ایک کارخانہ کھولدیا میں اس کارخانہ میں جانے لگا اور پہلے لہار کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا شروع کیا۔ میں نے اچھی طرح کام سیکھ لیا اور تین ڈبل رفل اپنے ہاتھ سے بنائے۔ یہ رفل ان رفلوں سے جو میرے استادوں نے بنائے تھے بہت ہی اچھے تھے سابق الذکر عبدالرحیم خاں کے دل میں اور بھی میرے حسد کی آگ بھڑکی اور وہ میرا جانی دشمن ہوگیا ایکدن اس نے میرے والد ماجد سے کہا کہ آپ کا صاحبزادہ عبدالرحمن شراب اور گانجا پیتا ہے حالانکہ خدا گواہ ہے کوئی منشی چیز میں نے کبھی استعمال نہیں کی ہیں چونکہ نوجوان تھا مجھے ان باتوں کا بہت ہی صدمہ ہوا اور میں نے ارادہ کیا کہ بلخ سے اپنے خسر صاحب کے پاس ہرات بھاگ کے چلا جاؤں۔

جب پوشیدہ پوشیدہ فرار ہونے کی تیاری کر رہا تھا میرے ملازمین نے والد ماجد کو مخبری کر دی کہ عبدالرحمن بھاگنا چاہتا ہے انہوں نے سنتے ہی اس کی تحقیق کی تو یہ خبر صحیح نکلی فوراً مجھے قید کر دیا۔ اور میرے تمام ملازمین اور لونڈی غلام مجھ سے علیحدہ کر لیے گئے۔ میری اس بیوقوفانہ حرکت نے حاسد عبدالرحیم کی چغلیوں کو اور بھی جلا دیدی اور اب اسے لگائی بجھائی کا اور بھی موقعہ ملا۔ ایک سال تک میں قید خانہ میں رہا بیڑیاں میرے پیروں میں پڑی رہتی تھیں اور میری زندگی بہت ہی ناخوش گزرتی تھی۔ اسی اثنار میں شیر محمد خاں کا انتقال ہوگیا اور عبدالرحیم کو یہ امید ہوئی کہ مرحوم کی جگہہ میں سپاہ سالار بنادیا جاؤں گا لیکن میرے والد اس سے مشتبہ ہوگئے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ یہ بڑا غدار اور فریبی شخص ہے والد نے عبدالروف خاں پسر جعفر خاں کو سپاہ سالاری کے عہدہ کے لئے مدعو کیا یہ شخص

بہت بڑا بہادر سپاہی تھا کئی لڑائیوں میں اسکی شجاعت کا اظہار ہو چکا تھا اور اخیر جنگ قندھار میں مارا گیا۔ یہ شخص شاہ حسام غازی حکمران قندھار کے وزیر کی اولاد میں سے تھا جب اس نے دیکھا کہ مجھے سپاہ سالار بنایا جاتا ہے تو صاف انکار کر دیا اور میرے والد سے کہا اس عہدہ کا مستحق آپ کا صاحبزادہ ہے ایک سال سے قید میں ہے اپنی خطاکاریوں کی سزا پا چکا جو سزا اُسے دیگئی وہ بہت کافی ہے آپ اسے طلب فرمائیے اور شیر محمد خاں کی جگہ نامزد کیجئے۔

یہ سنتے ہی میرے والد نے پہلے صاف انکار کر دیا اور کہا عبد الرؤف دیوانہ ہے جو ایسی تجویز پیش کرتا ہے کہ میں ایسے لڑکے کے تحت میں فوج کو دیدوں۔ عبد الرؤف نے عرض کیا جو کچھ آپ فرماتے ہیں صحیح ہے لیکن بطور امتحان اُسے سپاہ سالار بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ سُن کے میرے والد راضی ہوگئے اور مجھے طلب فرمایا۔

میں جیلخانہ سے سیدھا اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا نہ بالوں میں کنگھا ہو رہا تھا اور نہ منہ دُھلا ہوا تھا وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جس لباس میں وہ مجھے دیکھ چکا تھا اور اب بھی بیڑیاں میرے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں۔ جونہی میرے باپ کی نظریں مجھ پر پڑیں اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیساختہ مجھ سے یہ ارشاد کیا "تو کیوں اس حالت کو پہنچگیا اور کیوں تجھ سے یہ سلوک کیا گیا" میں نے جواب دیا میں بالکل بے گناہ ہوں یہ اُن لوگوں کا طفیل ہے جو اپنے کو خیر خواہ کہتے ہیں اور اُن ہی کے صدقہ میں میں اس حال کو پہنچا ہوں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اتنے میں عبد الرحیم میرا دشمن دربار میں آگیا اُس کی صورت دیکھتے ہی میں پکار اُٹھا۔ "یہی دغاباز شخص ہے جس کی وجہ سے میرے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہیں۔ زمانہ خود بتادے گا کہ ہم میں سے قصور کس کا ہے۔

یہ سنتے ہی عبد الرحیم مارے غصہ کے کانپ گیا ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا مگر سوائے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کے اور وہ کیا کر سکتا تھا۔

میرے والد نے جنگی افسروں سے خطاب کر کے یہ فرمایا "میں نے اپنے اس مجنون بیٹے کو تمہارا سپاہ سالار نامزد کیا ہے" یہ سنتے ہی کُل جنگی افسروں نے یک زبان ہو کے کہا "نہیں خدانخواستہ آپ کا صاحبزادہ مجنون کیوں ہونے لگا ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ نہایت دانا اور زیرک ہے آپکو بھی اسکا ثبوت ہو جائے گا اور آپ جان جائیں گے جن لوگوں نے اس پر بدچال چلنی کا الزام لگایا ہے وہ بدخواہ سلطنت ہیں

میرے والد نے پھر مجھے رخصت کیا اور حکم دیا کہ تم اپنے فرائض کی انجام دہی کرو۔ اس خوشی میں میں پھولا نہیں سمایا۔ جاتے ہی حمام کیا میرے سارے ملازم جو مجھ سے علیحدہ کر لیے گئے تھے میرے گرد جمع ہو گئے اور سب نے میری خلاصی اور آیندہ خوش قسمتی پر مجھے مبارکباد دی۔

دوسرے روز میں نے فوج کا چارج لیا اور کارخانوں اور میگزین کا معائنہ کیا۔ میں نے جنرل امیر احمد خاں کو (جو بعد ازاں میری طرف سے ہندوستان میں بحیثیت وکیل کے مقرر ہوا) کارخانوں کا منتظم مقرر کیا اور کمان افسر محمد زماں خاں کو میگزین کا سپرانٹنڈنٹ بنایا۔ سکندر خاں (جو بعد ازاں روسیہ اور شاہ بخارا کی جنگ میں مارا گیا اور جس کا بھائی غلام حیدر خاں(۱) اسوقت کابل میں کمانڈر انچیف ہے) کو اسی کے ایک ہمنام کے ساتھ جو بر کزئی جرگہ میں سے ہے میں نے چیف افسر بٹالن کیا۔ میں خود کل مختلف دفاتر کو صبح سے شام تک ملاحظہ کیا کرتا تھا اور روزمرہ اپنے والد کی خدمت میں اُن ترقیوں کا تذکرہ لکھ لکھ کے بھیجتا رہتا تھا جو میری نگرانی میں ہر روز ہوتی رہتی تھیں یہ دیکھ کے میرے والد مجھ سے بہت ہی خوش ہوتے تھے۔ لشکر کو میں نے ایسا شائستہ بنا دیا کہ کبھی آجتک ایسا ہوا ہی نہ تھا اور نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ موجودہ افسر انتہا درجہ عیش طلب تھے۔ اور امیر شیر علی کے وقت میں رشوت لینے اور اپنے فرائض سے غفلت کرنیکے عادی ہو گئے تھے لیکن اب میں نے ایسی زنجیروں میں جکڑ دیا کہ انھوں نے صرف اپنی تنخواہوں پر قناعت کی اور اپنا کام بھی خوب کرنے لگے۔ ایک قابل شاعر کا قول ہے "چوروں کے ساتھ شیر و شکر نہو کیوں وہ تیرے دماغ کو خراب کر دیں گے" میرے آدمی خدائے لایزال کی عنایت سے میری نصیحتوں پر کاربند ہو کے بتدریج ترقی کر جائیں گے۔

میری جنگی خدمات سے میرے والد کا پورا اطمینان ہو گیا۔ انھوں نے تمام فوجوں پر مجھے کامل اختیار دیدیئے اور اپنے قبضہ میں صوبہ کا حساب کتاب اور ملکی معاملات رکھے۔ کچھ عرصہ کے بعد میرے والد تاشکرغان تشریف لیگئے اور میں بھی اُنکی ہمرکاب اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ روانہ ہوا جب ہم وہاں پہنچے تو میر اتالیق کا بھائی ایک خط اور کچھ تحفے میرے والد کی خدمت میں لیکے حاضر ہوا۔ والد نے بہت جوش سے اُس کا استقبال کیا اور خوب آؤ بھگت کی اور یہ پیغام اُس کے بھائی کے پاس بھیجا چونکہ تمہارا ملک دریائے جیحوں کے کنارہ پر واقع ہے اور افغانستان سے ملتا ہوا ہے اس لئے تمہیں چاہیئے کہ تم بجائے شاہ بخارا کے

(۱) غلام حیدر خان کا ۱۸۹۸ء میں انتقال ہو چکا ہے۔

امیر دوست محمد خاں شاہ کابل کی سرپرستی میں آ جاؤ اور دوست محمد خاں کا نام تمہارے ہاں خطبہ میں داخل ہو جائے۔ یہ لوگ ابھی تک بڑی حقارت کی نظروں سے افغانستان کو دیکھا کرتے تھے۔ جونہی یہ مراسلہ میر اتالیق کا بھائی لیکے پہنچا۔ میر اتالیق آگ بگولہ ہو گیا اور اپنے بھائی پر دانت پیسنے لگا اور چاہا اسے قید کر دے لیکن وہ بھاگ کے تشکرغان کی جانب روانہ ہوا۔ مگر میر اتالیق کے سواروں نے اس کا تعاقب کیا اور ابدان پر اُسے آلیا۔ ہم نے یہ سنتے ہی اُس کی امداد کے لئے فوج روانہ کی لیکن امداد پہنچنے سے پہلے وہ قتل ہو چکا تھا ہماری فوج نے اُن سواروں کو شکست دی اور میر اتالیق کے بھائی کی لاش اُٹھا لائے میر اتالیق نے جب اپنے سواروں کی شکست کی خبر سنی شاہ بخارا امیر مظفر سے شکایت کی۔ امیر مظفر ابھی اپنے باپ کی وفات پر تخت نشین ہوا تھا۔ مقام حصار میں قیام کر کے بغاوت کو فرو کر رہا تھا۔ شاہ بخارا نے میر اتالیق کی شکایت پر التفات کیا اُسے ایک جھنڈا اور ایک خیمہ بھیجا اور حکم دیا کہ تو اپنے ملک میں لیجا کے اس خیمہ کو نصب کر اور یہ جھنڈا اُس پر لگا دے بس افغانوں کو ڈرانے کے لئے یہی کافی ہے۔ بھولا بھالا میر اتالیق یہ سمجھا کہ بس یہی امداد کافی ہے۔ کمبخت اپنے ملک کتغن میں چلا آیا اور خیمہ نصب کر کے جھنڈا اُس پر کھڑا کر دیا میرے والد نے اس معاملہ کی مفصل کیفیت امیر دوست محمد خاں کو لکھ کے بھیجی وہاں سے حکم آیا فوراً فوجکشی کر کے کتغان پر قبضہ کر لو۔ میرے والد نے اپنے بھائی سردار اعظیم خاں کو مقام کورم گھوسٹ سے جہاں کے وہ گورنر تھے بلا لیا اور مجھے اُن کے استقبال کے لئے مقام ایبک تک جانے کا حکم دیا۔

موسم بہار میں فوجکشی سے پہلے چھ دن کی چھٹی لیکے میں فوج کا معائنہ کرنے گیا آیا فوج کی ترتیب اور حسب خواہش کل سامان تیار ہیں یا نہیں۔ میں نے ہر چیز کامل پائی اور سارا سامان لیس دیکھا۔ میں نے اپنے والد کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بھی تشریف لا کے ترتیب اور سامان فوج کو ملاحظہ فرمالیں یہ سن کے میرے والد نے کہا مجھے تیرے انتظاماتِ فوج پر اطمینان ہے پھر مجھے ایک گھوڑا مع طلائی ساز و سامان اور زین وغیرہ کے عنایت کیا اور ایک جواہر نگار پٹی اور تلوار دیکے فرمایا "جا تجھے خدا کو سونپا اور اس کی حفاظت میں تجھے چھوڑا۔ میں نے اپنے والد کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور دو دن کے بعد اس لشکر کا کمانڈر انچیف ہو کے جو میرے چچا عظیم خاں کی سرگروہی میں رکھا گیا تھا روانہ ہوا۔ جب میں تشکرغان پہنچا تو وہ لوگ جو مجھ سے پہلے سے واقف تھے بڑے جوش سے

پیش آئے اور بڑی دھوم سے استقبال کیا۔ میں نے لشکرگاہ۔ نمازگاہ کے میدان میں قائم کیا اور احسان جتانے کے لئے شہر کے رؤسا کی دعوت کی وہ میرے اور میری فوج کے جاں نثار بنگئے پندرہ دن کے بعد میرے چچا جان مجھسے آملے اور ہم دونوں مل کے مقام اینک کی جانب روانہ ہوئے اور چند روز کے سفر کے بعد مقام مذکور پر پہنچ گئے۔ بار برداری کے جانوروں اور سامان رسد کے لئے ہمیں رستہ میں تین دن ٹھیرنا پڑا اور پھر ہمنے قلعہ غوزی کی طرف اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اس قلعہ میں میر اتالیق کے سوار اور پیادے مورچہ زن تھے پانچ دن کا سفر طے کر کے ہم قلعہ کے پاس پہنچے۔ میں نے اپنے بیس ہزار سوار لشکر کو جس کے ساتھ چالیس توپیں تھیں پہلے قلعہ کے سامنے آراستہ کیا تاکہ دشمن اسے اچھی طرح دیکھ لے اور پھر ایک محفوظ مقام پر مورچہ زن ہوا۔ میں نے تیسرے پہر کو چند افسروں کے ساتھ قلعہ کا معائنہ کیا کہ کون کون سی جگہہ توپیں نصب کرنے کے لئے موزوں ہے خوب دیکھ بھال کے اُن مقامات پر مورچہ بندی کا حکم دیا۔ میں نے احکام جاری کر دیئے کہ راتوں رات قلعہ کی طرف سُرنگیں کھودیجائیں صبح تک میرے ان تمام احکام کی تعمیل ہوگئی۔

سہ پہر کو میر اتالیق چالیس ہزار سواروں کے ساتھ قُلہ کوہ پر نمودار ہوا۔ اپنے سپاہیوں کو جو قلعہ میں تھے بہادری سے جم کے لڑنے کی ہمت دے رہا تھا۔ میں نے وہاں اُسے دیکھکر اس قیاس سے مبادا یہ ہمارے مورچوں پر حملہ کرے دو ہزار سواروں بارہ نخچّر کے توپخانوں اور پیادہ فوج کی چار بٹالینوں سے اُس کے عقب پر حملہ کرنیکا حکم دیا۔ میر اتالیق ہمارے قریب پہنچ جانے سے بالکل بیخبر تھا۔ یہانتک کہ بگاوری توپوں پر بتی پڑگئی اور فیر ہونے شروع ہوئے اس اچانک حملہ سے اُسے میری قلت فوج کی خبر نہ رہی اور وہ معہ اپنے تمام لشکر کے بھاگ گیا میں اپنے لشکرگاہ میں واپس چلا آیا اور گیارہ بجے شب تک سرنگوں کا معائنہ کرتا رہا اور سنتریوں کو اُن کے پہرے پر دیکھ کے میں آرام کرنے چلا گیا صبح ہوتے ہی میں نے لشکر کا معائنہ کیا۔ دو ہزار فوج بارہ میل کے فاصلہ پر بھیجدی تاکہ بطور ہراول کے وہ سامان بار برداری کے جانوروں کی حفاظت کرے اور اگر دشمن کوئی اچانک حملہ کرنا چاہے تو اُس کی نقل و حرکت کی مجھے خبر دے۔ تین دن کے بعد مجھے خبر پہنچی کہ پندرہ میل فاصلہ پر آٹھ ہزار سوار چشمہ شیر نامی مقام میں پوشیدہ ہیں اس کا مقصد یہی تھا کہ رستہ میں ہمارے سامان بار برداری پر حملہ کیا جائے میں نے فوراً غلام محمد خاں بوپل زئی اور محمد عالم خاں کی سرکردگی میں چار ہزار سوار اور دو توپیں اُن پر حملہ کرانے کیلئے روانہ کیں اُنھوں نے بنہایت کامیابی سے

حملہ کیا اور خفیف جنگ کے بعد قتغان کے سواروں کو شکست دیکے دو ہزار اُن میں سے قید کر لئے باقی ماندہ بھاگ کے باغلان چلے گئے جہاں اُن کا میر مورچہ زن تھا۔

جب یہ خبر قتغان پہنچی میر اتالیق کی جو اٹھارہ میل کے فاصلہ پر تھا ہمت ٹوٹ گئی اور وہ مقام قندز میں پس پا ہو کے چلا گیا جن سواروں کو میں نے چشمہ شبیر بھیجا تھا اُن میں سے ایک ہزار باغلان پر قابض رہے اور باقی فتحمندانہ طمطراق سے میرے لشکر میں واپس چلے آئے۔ میرے چچا جان نے اُن سپاہیوں کو جنہوں نے میدان جنگ میں کارنمایاں کیے تھے انعامات اور خلعتہائے فاخرہ سے ممتاز فرمایا۔

اُسی دن سہ پہر کو میں اپنے مورچوں کا معائنہ کرنے گیا اور میں نے اپنے مورچوں کے پیچھے سے دشمن کی فوج قلعہ کو مخاطب کر کے یہ کہا "تم لوگ مسلمان ہو اور میں بھی مسلمان ہوں تم نے اپنے میر کی شکست دیکھ لی اسلئے یہ نہایت ہی بیوقوفی کی بات ہے کہ تم خود بھی قتل ہو اور میرے بھائی مسلمانوں کو بھی قتل کرو قلعہ مجھے دیدو اور میں تم سے تمہارے اطمینان کے موافق عہد و پیمان کروں گا اس کا اُنہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ شام کو میں نے اپنے چند افسروں کو قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے مفصلہ ذیل طریقہ پر مقرر کیا۔

پہلے وہ سکیلا پر حملہ کریں یہ وہ مقام تھا جو اندرون قلعہ کی کھائی سے باہر تھا۔ اس مقام کے گرد بھی کھائی کھدی ہوئی تھی۔ حملہ کرنے سے پہلے میں نے حکم دیا کہ طلوع آفتاب سے پہلے صبح تک برابر قلعہ پر توپوں کی بھرمار ہوتی رہے تاکہ دشمن پر ایک خوف طاری ہو جائے۔ جب توپیں بند ہوئیں تو چند سپاہیوں نے قلعہ کے مختلف مقامات پر حملہ کیا اسلئے کہ سکیلا سے جو حملہ کی جان تھا دشمن کی فوج کی توجہ اُٹھ جائے۔ میری فوج کا بڑا حصہ چُپ چُپاتے اس مقام پر پہنچ گیا اور قلعہ کی دیواروں کے قریب پہنچ کے میری فوج نے زور سے غل مچایا" یا چہار یار" جو کچھ میں نے حکم دیا تھا میرے لشکر نے اُسپر پورا عملدرآمد کیا۔ دشمن قلعہ کے بیرونی حصہ سے بھاگ کے اندرونی حصہ میں چلا گیا۔ وہ کھائی جو قلعہ کے گرد کھدی ہوئی تھی دس ۱۰ گز گہری اور تیس ۳۰ گز چوڑی تھی۔ خوش قسمتی سے کھائی کا پانی نہایت صاف تھا جس میں سے میرے افسر اُس پوشیدہ پل کا معائنہ کر سکتے تھے جو بانسوں کا تیار ہوا تھا اور جو سطح آب میں چھتیس ۳۶ انچہ پر قایم تھا۔ میرے افسر فتحمندانہ پانی میں چلے گئے اور پایاب ہو کے مقابل سمت پہنچ گئے میرے سپاہیوں نے فوراً اُس کی پیروی کی اور دیواروں میں سوراخ کر کے قلعہ والوں پر فیر کرنے شروع کیے۔

اثنار جنگ میں میں نے ایک خط گورنر قلعہ کو بھیجا جس میں میں نے یہ تحریک کیا کہ اگر تم مطیع ہو جاؤ گے تو میں

تمہارے سواروں کی جان و مال بخشدوں گا اور انہیں مثل اپنی رعایا کے سمجھونگا۔ میں نے فوراً فیروں کے بند ہونے کا حکم دیا اور اپنا خط اپنے قیدی کے ہاتھ بھیجدیا۔ گورنر اور سرداران قلعہ بذاتہ میرے خط کا جواب دینے کے لئے باہر نکلے اور مجھ سے اطاعت کی شرطیں کرنے لگے۔ میری شرطیں انہوں نے قبول کرلیں قلعہ کے دروازے کھولدیئے اور باشندگان قلعہ کی بڑی جماعت اکٹھی ہوگئی میں نے اُن میں سے ایک بڑے گروہ کو اپنے چچا کے پاس بھیجدیا جنہوں نے سرداروں کو خلعتہائے فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور پھر اُنہیں گھر جانے کی اجازت دی۔

اُن کی تعداد پوری دس ہزار تھی۔ چونکہ میر اتالیق فنون جنگ سے بالکل ناآشنا تھا اُس نے اتنے آدمیوں کے لئے صرف دس دن کا سامان رسد مہیا کیا تھا اگر میں قلعہ پر حملہ کرنے میں دیر لگا دیتا تو آخرکار خود بخود اُنہیں میری اطاعت قبول کرنی پڑتی اُن کے میر نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاہ بخارا کا ایک جھنڈا اور خیمہ اتنی بڑی فوج کے سہارا دینے کے لئے کافی ہوگا۔ خدا کی شان ہے کہ ایسے بیوقوف بھی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے اس مہربانی کے برتاؤ سے میر اتالیق کے آدمی خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے کیونکہ اُنکے سرداروں نے افغانوں کی بہت سی بیرحمی کی داستانیں اُنہیں سُنائی تھیں خوف اُنکے دل سے جاتا رہا وہ میر سے علیحدہ ہو کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میر اتالیق اپنے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ تقتغان سے چلا گیا اور امیر بدخشاں کی عملداری میں بمقام رستاق جاکے پناہ گزین ہوا۔ یہ خبر پاتے ہی ہم فوراً غوری سے اُسکے پایۂ تخت باغلان کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں سے ہمنے ملک کے سرداروں کے پاس خطوط روانہ کیئے کہ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کا وعدہ کرتے ہیں اور ساتھ اسکے بعض سرداروں کو ہم نے خلعتیں بھی دیں۔ ہم نے مذہبی عدالتوں میں گورنر اور مجسٹریٹ مقرر کیئے اس کے بعد میں باغلان سے خان آباد روانہ ہوا اور ساحل دریا کے قریب ایک بلند قطعہ زمین پر میں نے اپنا لشکرگاہ قائم کیا۔ دو بٹالین ایک ہزار ازبیگ ملیشیا سوار۔ پانچسو افغانی سوار۔ پانسو ملیشیا پیدل چھ خچر کی توپیں میں نے تالیخان روانہ کیں۔ اس فوج کا کمان افسر محمد یمین خان دوست محمد خاں کا بیٹا تھا جسے میرے چچا نے سردار مقرر کیا تھا۔ یہ لشکر دریائے برگی کو عبور کرکے تالیخان پہنچا اور فوراً قلعہ کے قریب مورچہ بندی کر کے تھوڑے عرصہ میں اُسے برباد کردیا۔ اس عرصہ میں میرے چچا مفتوحہ شہر میں بعض ضروری انتظامات کے لئے ٹھیر گئے جن میں سے ایک اس بات کا انتظام کرنا تھا کہ آئندہ سے میرے دادا کا نام خطبوں میں لیا جائے۔

اس کے کچھ عرصے کے بعد اندراب اور کھرست کے لوگ میر اتالیق اور بدخشاں کے امیروں کے بہکائے میں آ کے باغی ہو گئے اور اُنہوں نے گورنر پر حملہ کیا جس کی امداد کے لئے سردار محمد عمر اور دوسروں افسروں کی سرکردگی میں چار ہزار سوار خاں آباد سے روانہ کئے۔ میرے دادا نے سردار محمد شریف خاں کو دو بٹالین ایک ہزار ملیشیا پیدل ایک ہزار سوار اور چھ توپوں کے ساتھ کابل سے روانہ کیا۔ دونوں لشکر مقام بزورہ پر آ کے ملگئے جہاں اُنہوں نے جنگ کی اور کامل طور سے باغیوں کو سزا دی۔ باغی دو ہزار مجروح و مقتول ہوئے۔ اس فتح کے بعد پانسو سپاہی اندراب میں گورنر کا ساتھ چھوڑ کے خاں آباد اور کابل روانہ ہو گئے۔ جب میر قتغان نے تالیخان کے قلعہ کی بربادی کی خبر سُنی رستک سے روانہ ہوا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے کولاب کے قریب مقام سید میں اپنے ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے۔ کولاب کا میر اُس وقت میر سرابیگ تھا جسے بعد ازاں شہنشاہ بخارا نے شکست دیدی تھی۔ مجبور ہو کر اُس نے اپنی سلطنت کو چھوڑ دیا اور کابل چلا آیا۔ جہاں وہ میرے دربار کا ایک بلند پایہ رکن ہو گیا۔ چونکہ میر اتالیق کی اُس سے رشتہ داری تھی اُس نے دس ہزار سوار اُسے دیئے ادھر بدخشاں کے لوگوں نے بھی دس ہزار سوار اُسکے سُپرد کئے اس فوج نے معہ اس کے دو ہزار رنج کے آدمیوں کے لشکر گاہ کے قریب کے صوبوں پر معہ قلعہ جات حضرت امام اور تالیخان کے حملہ کیا اور تمام باربرداری کے جانوروں کو جنہیں وہ پکڑ سکے لوٹ لیا اُن سواروں سے جنہیں میں نے بطور ہراول مقرر کیا تھا اُن لوگوں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ طرفین کے سو سو دو دو سو آدمی مارے گئے اور وہ لوگ جو گرفتار ہو کر آئے تھے اُنہیں میں نے توپوں سے بندھوا کے اُڑوا دیا۔ تین سال کی بغاوت میں اس صورت سے میں نے پانچ ہزار آدمیوں کو سزا دی اس کے علاوہ دس ہزار آدمی میری فوج نے قتل کئے۔ بغاوت کے فرو کرنے میں ایک سال گذر چکا تھا اس اثنا میں سردار یمین خاں نے لکھا کہ میرے پاس بدخشاں کے پندرہ ہزار باغی خاندانوں کی سرکوبی کے لئے کافی فوج نہیں ہے یا تو مجھے مدد بھیجی جائے ورنہ میں واپس چلا آتا ہوں چونکہ اُسے کوئی جواب نہ ملا وہ بغیر اجازت کے خاں آباد روانہ ہو گیا۔ میرا اور میرے چچا کا باہم مشورہ ہوا۔ میری یہ رائے تھی کہ بجائے اُسکے مجھے جا کے جنگ کرنی چاہیئے اور خدا کی امداد سے میں صرف چھ خچروں کے توپخانوں اور پانچہزار سواروں کے بلا امداد دوسری فوج کے فساد کو رفع کر دوں گا۔ میرے چچا نے جواب دیا کہ یہ ایک امر محال ہے چونکہ تم بے ریش و بروت نوجوان ہو مبادا تمہاری کمر ہمت ٹوٹ جائے۔ میں نے کہا آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ میری کیسی کمر ہمت ٹوٹتی ہے اور میں شیدن

روانہ ہو گیا۔ ایک طولانی سفر کے بعد میں تالیخان پہنچا لشکر مجھے دیکھ کے شاد شاد ہو گیا اور سردار یمین خاں مجھے رستہ میں ملا اگرچہ یہ میر اچھا تھا لیکن اس کی بزدلی کا ثبوت ہو گیا تھا۔ میں نے اپنا منہ اُس کی طرف سے پھیر لیا اور اُس سے اُف نہ کی۔ صرف یہ خیال تھا کہ اگر اس سے کوئی ایسی ویسی بات کہوں گا تو میرے دادا دوست محمد خاں کی توہین ہو گی۔

میرے پہنچنے کے دو دن کے بعد رستاق اور بدخشاں کے لوگوں نے یوسف علی برادر میر شاہ والئے فیض آباد کے اشارہ سے دو ہزار یا تین ہزار سوار اُن گاؤں کے لوٹنے کے لئے مقرر کئے جو میرے لشکرگاہ کے گرد تھے اور ساتھ ہی وادی تالیخان میں بھی اُنہوں نے لوٹ مار شروع کر دی اُنہوں نے بجائے میرے یابو اور بار برداری کے اونٹوں پر حملہ کیا یہ سامان رسد۔ دو سو ملیشیا سپاہیوں اور پچاس سواروں کی حفاظت میں آ رہا تھا اُنہوں نے فوراً میرے پاس طلب امداد کا ایک مراسلہ روانہ کیا اور اسی اثنا میں میرے سپاہیوں نے جہاں تک اُن سے ہو سکا اپنی حفاظت کی جوں ہی مجھے یہ خبر پہنچی میں نے سات سوار اُن کی امداد کے لئے روانہ کئے جنہوں نے جاتے ہی لٹیروں کو شکست دی اور اپنے اونٹ اور یابو بحفاظت اپنے لشکرگاہ میں لے آئے۔ دو روز پیچھے باغیوں نے اُن گاؤں پر حملہ کیا جو میری حفاظت میں آ چکے تھے پھر میں نے ایک زبردست فوج اُن کی سرکوبی کے لئے روانہ کی فوج نے جاتے ہی انہیں شکست دی اور دس آدمی معہ دو سو گھوڑوں کے گرفتار کر لیے۔

تین مہینے تک یہی کارروائی ہوتی رہی یہاں تک کہ ایک دن آشان نے جو قتغان کے میروں کا میر تھا میری دعوت کی میں نے اُس کی دعوت قبول کر لی تین سو رسالہ کے سوار اور دو سو ملیشیا سواروں کو لیکر دعوت کو گیا اُس گھر میرے لشکرگاہ سے صرف دو میل پر تھا میں نے اُس سے پوشیدہ سو سوار بھیج کے اُس کے گھر کا پہلے ہی سے محاصرہ کر لیا تھا۔ میزبان سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد کھانا چنا گیا۔ ابھی ہم کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے کہ ایک سوار میرے پاس بھاگا ہوا آیا اور خبر دی کہ ہم پر ایک کثیر تعداد نے حملہ کیا ہم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ آئے میں فوراً اپنے میزبان اور اُس کے بیٹوں کو قید کر کے اپنے آدمیوں کے ساتھ آملا اُسی وقت میں نے ایک سوار اپنے لشکرگاہ میں بھیجا کہ ایک ہزار سوار اور ایک بٹالین اور دو توپیں فوراً میری مدد کو بھیجو اور میں نے ہدایت کر دی کہ توپچی اور پیادہ فوج موقع کے لئے سواروں سے پیچھے رہیں میں نے یہ دیکھ کے کہ باغیوں کی تعداد دس ہزار ہے اور ہم پر بڑھے چلے آتے ہیں۔

اپنی چھوٹی فوج کو آٹھ ڈویژنوں میں تقسیم کیا اور ہر ڈویژن کو دوسرے ڈویژن سے کسی قدر فاصلہ پر قائم کیا اور فوج کا بڑا ڈویژن اپنے ساتھ رکھا۔ پہلے ڈویژن کو میں نے فیر کرنے کا حکم دیا جونہی میں نے دیکھا کہ انہیں گھیر لیا ہے پھر میں نے دوسرے ڈویژن کو فیر کرنے کا حکم دیا جب وہ بھی گھر گیا تو تیسرے کو۔ غرض میرے کل ڈویژن عام جنگ میں پھنس گئے اور صرف میرے ساتھ کا بڑا ڈویژن رہا جسکے ساتھ میں تلوار سوت کے دشمن پر جا پڑا۔

اسی اثنا میں میرے لشکرگاہ سے مدد آگئی اور میں نے عام حملہ کر دیا باغی پریشان ہو گئے اور یہ خیال کر کے کہ اتنے ڈویژنوں سے جنگ نہیں کر سکتے کامل شکست کھا کے بھاگے۔ سو زخمی اور چار سو قیدی چھوڑ گئے میری طرف کے سو مقتول ہوئے۔ اس عظیم فتح پر جو مجھے کثیر تعداد لشکر پر ہوئی تھی میں نے خداوند تعالےٰ کا شکر ادا کیا اور میرے ہاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے میرے قیدیوں میں بارہ سردار رشتک کے تھے جو آشاں بیر پر لعنت ملامت کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ اسی کمبخت نے ہمیں قید کرایا کیونکہ اسی شخص نے ہمارے امیروں کو لکھا تھا کہ میں افغانی سپاہ سالار کو بلاتا ہوں اگر وہ اتنی فوج بھیجدیں کہ اس کے بادی گارڈ کو شکست دیں تو میں اس سپاہ سالار کو تمہیں گرفتار کر کے دیدوں گا۔

کامیابی کی امید پر امیروں نے ان سرداروں کی ماتحتی میں جو میری قید میں آ چکے تھے دس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا تھا اخیر رات میں اپنے لشکرگاہ میں واپس چلا آیا اور اپنے چچا کو اس معاملہ کی ساری خبر لکھ کے خان آباد بھیجدی اور آشاں بیر کو بھی انکی خدمت میں بطور قیدی کے روانہ کر دیا۔ مجروحین کو جراحوں کے سپرد کیا جب وہ اچھے ہو گئے تو میں نے خلعت اور راہ خرچ دیکے انہیں رخصت کیا اور ہدایت کر دی کہ آیندہ سے وہ اپنا قزاقی پیشہ چھوڑ دیں میں نے میر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو کیوں نہیں کھلم کھلا میدان میں آ کے دو دو ہاتھ کرتے اور یہ کیا لغو حرکت ہے کہ ادھر تو تم میرے والد کے پاس بمقام تختہ پول ایلچی بھیج کے اپنی دوستی کا یقین دے رہے ہو اور ادھر میرے خلاف سازش کر رہے ہو میں نے یہ بھی انہیں لکھا کہ اگر میرے والد نے مجھے بدخشاں فتح کرنے کا حکم دیدیا کہ تم میں اتنی قوت نہیں ہے کہ چھ گھنٹے بھی میرا مقابلہ کر سکو قطغان کے قیدیوں کو میں نے رہا نہیں کیا میں نے ان کے رشتہ داروں کو جو اپنا ملک چھوڑ کے شاہ بخارا کے پاس چلے گئے تھے یہ لکھ کے بھیجا کہ کیا تو وہ اپنے وطن واپس چلے آئیں ورنہ میں ان قیدیوں کی گردن اڑا دوں گا اور میں نے ان لوگوں سے

جو میری قید میں تھے ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کو لکھوا کے بھیجا کہ وہ بغیر کسی خوف کے اپنے ملک میں چلے آئیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قتغان سے چند مولوی بطور وکلا کے شرطیں کرنے کے لئے میرے پاس آئے میں نے اُن سے خدا کی قسم کھا کے کہا کہ اگر وہ دولت افغانستان کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے اور مثل وفادار اور صلح پسند رعایا کے اپنے کو ثابت کرینگے تو میں اُنہیں مثل اپنے آدمیوں کے سمجھوں گا اور اُن کے مقاصد کی حفاظت کروں گا۔ میرا یہ قول و قرار سن کے واپس چلے گئے اُن کے جانے پر دو ہزار خاندان اپنے وطن واپس آ کے تالیخان آباد ہو گئے۔

وہ خط جو میں نے بدخشاں کے قیدیوں کے ہاتھ میر یوسف علی کو بھیجا تھا کچھ اثر پذیر نہوا اُس کمبخت کی لوٹ مار اور قزاقی کی عادت نہیں گئی۔ صلح کے چند ہفتے کے بعد اس نے میر قتغان۔ میر کولاب اور اپنے بھائی میر شاہ کو گانٹھ کے مجھ پر ایک انقطاعی فتح حاصل کرنی چاہی ان مشتملہ فوجوں نے دو مختلف مقامات یعنی تالیخان اور ارل پر حملے کئے۔ آخر الذکر مقام پر چار سو پیادے چار سو ملیشیا پانسو سوار اور دو خچروں کے توپخانے بہادر اور تجربہ کار سردار محمد عالم خاں کی سرکردگی میں مقیم تھے۔ حملے کی ترکیب مفصلہ ذیل تھی۔ ایک چھوٹی سی جماعت اردگرد کے گاؤں کے لوٹنے کے لئے مقرر کیگئی تاکہ ہمیں دھوکا ہو کہ کوئی شائستہ فوج لڑنے کے لئے نہیں آئی بلکہ یہ مٹھی بھر چور ہیں جو ادھر اُدھر لوٹ مار کرتے پھرتے ہیں۔ اسی اثنا میں قریب تیس ہزار سواروں کے میر علی کی سرکردگی میں تالیخان کے باغوں میں چھپی ہوئی تھی میر علی۔ میر اتالیق کا چچازاد بھائی تھا علی الصباح ان میں سے ایک سو باغی اپنے پوشیدہ مقامات سے باہر نکلے اور سو اونٹوں کو جو چرنے کے لئے چھوڑے گئے تھے لوٹ لیا میرے ہراول کے افسروں نے دو سو سواروں کو باغیوں کی سرکوبی اور اونٹوں کے واپس لینے کے لئے روانہ کیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اپنے افسر سے کہا کہ تو نے ایسی قلیل فوج بھیجنے میں سخت غلطی کی۔ جب تک تجھے دشمن کی پوری قوت معلوم ہو جاتی ہرگز فوج نہ بھیجتا جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ صرف دو سو سوار دشمن سے کبھی یہ اونٹ نہیں چھین سکتے۔ کیونکہ اُسکی کثیر تعداد فوج اِدھر اُدھر چھپی ہوئی ہے میں نے فوراً اپنے کل لشکر کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے اخیر یہ بھید کھل گیا اور میرا خیال صحیح نکلا اُس وقت جو میرے آدمی جنگ کیلئے تیار ہو گئے تھے میں نے دیکھا کہ میرے ایک سو ساٹھ سپاہی بہادر افسر کی سرکردگی میں چلے آتے ہیں اور دشمن کی چالیس ہزار فوج اُن کا تعاقب کر رہی ہے۔ میں نے پہلے ہی سے یہ ہوشیاری کر لی تھی کہ دو سو پیادہ فوج معہ توپوں کے اور تابز نامی پہاڑی پر نصب کر دی تھی اور اُسے حکم دیدیا تھا کہ جب تک میں حکم نہ کروں توپوں میں

بتی نہ پڑے دشمن کیجانب راست ایک ہزار پیادہ فوج اور پانسو جانب چپ ڈالدی تھی باقیماندہ سوار و پیادہ فوج کو لیکر ہمیں موروچوں سے باہر دشمن سے ہمنبرد ہونے کے لئے گیا جب میدان جنگ خوب زور پر ہوا اور دشمن کی توجہ پر پورا قابو پالیا میں نے توپچیوں کو عقب میں روانہ کیا اور اپنے سوار و پیادوں کو دشمن پر چپ و راست سے فیر کرنے کا حکم دیا اور سامنے سے میں نے حملہ کیا وہ گولے اور گولیوں کی بوچھاڑ سے جو چار وں طرف سے اُن پر پڑ رہی تھی پریشان ہوگئے اور میری فوج کا اندازہ کر کے اُس کے قدم اُکھڑ گئے اور میرے توپچیوں کی طرف اُنہوں نے منہ پھیرا یہ دیکھ کے میں نے رسالے کو تازہ حملہ کرنے کا حکم دیا جس نے اُن کی صفوں کو پارہ پارہ کر دیا اور فتح کی اس صورت سے تکمیل ہوگئی۔

جنگ نو گھنٹے تک ہوتی رہی۔ باغی فوج میں سے تین ہزار مقتول ہوئے اور اُنکے مقابلہ میں ہمارے صرف سو آدمی مجروح و مقتول ہوئے ہمنے چھ سو باغی قید کر لئے اور پانچہزار گھوڑے پکڑ لئے میں نے حکم دیا کہ مفسدوں کے سروں کا ایک گنبذ بنایا جائے صرف اس غرض سے جو لوگ زندہ بچے ہیں اُن پر خوف طاری ہو میں نے اس کی مفصل کیفیت اپنے چچا کو لکھ کے بھیجی اور اپنی اس نمایاں فتحمندی سے اُنہیں آگاہ کیا۔

چال کے سرکشوں نے بہت خفیف مقابلہ کیا کیونکہ اُنکی تعداد صرف بارہ ہزار تھی ان سرکشوں کی کمان میر بابا بیگ اور میر سلطان مراد کر رہے تھے۔ تھوڑے عرصہ کی جنگ کے بعد پراگندہ ہو کے مع اپنے مجروحین کے بھاگ گئے اور سو آدمی مقتول میدان جنگ میں چھوڑ گئے۔ میر بابا بیگ گھوڑے پر سے گر پڑا گرتے ہی اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اُس کے ساتھی اُسے اُٹھا کے چلدیئے۔ اس انقطاعی فتح پر بدخشاں کے میر یہ سمجھ گئے کہ افغانیوں کی شائستہ فوج سے وہ کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے اُنکی غرض صرف یہ رہی کہ اِدھر اُدھر لوٹ مار کرتے پھریں۔

اس اثنا میں میر مظفر شاہ بخارا صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ افغانیوں نے بدخشاں کے لوگوں سے کیسا برتاؤ کیا دریائے جیحون کو عبور کر کے مقام چار یکار میں مقیم ہوا۔ میرے والد کے پاس اس وقت صرف دس ہزار پانسو سپاہ تھی چونکہ اُنہیں میر مظفر کے دوستانہ تعلقات پر بھروسہ نہ تھا اس لئے اُنہوں نے میرے چچا کو لکھا کہ بیس ہزار فوج کے علاوہ جو تمہارے پاس ہے بارہ ہزار فوج اور تیار رکھو پھر آٹھ ہزار فوج میری کمان میں اُنکی امداد کے لئے روانہ کی ملک کے بچانے کے لئے یہ تعداد کافی تھی اد بوقت

ضرورت وہ کامیابی سے جنگ بھی کر سکتے تھے - یہ بھی بہت بڑا خوف تھا مبادا ہماری رعایا اوزبک عام طور پر بغاوت نہ کر بیٹھے کیونکہ یہ لوگ شاہ بخارا کے ہمقوم تھے ۔

میرے چچا کو ترکستان کے ملک سے بہت کم واقفیت تھی وہ اِس خیال سے ڈر گئے اُنہوں نے مجھے خط لکھا کہ تو فوراً تالیخان کو چھوڑ کے معہ لشکر کے خان آباد چلا جا - میں نے جواب میں تحریر کیا کہ میرے لیئے یہہ بہتر ہے - اگر ضرورت پڑے تو روانہ ہونے کے لیئے یہاں تیار رہوں یہ ایک نامناسب بات ہے کہ جس ملک کو سخت مشکلات سے فتح کیا ہے اُسکو یک لخت اِس طرح چھوڑ دیا جائے - نہ میرے پاس اتنی فوج ہے کہ میں اپنے مقاصد کی پوری حفاظت کرتا ۔ اصرار کے ساتھ لکھا کہ تو فوراً روانہ ہو جا سوا فرمانبرداری کے اور کوئی چارہ نہ تھا - ناچار علی الصباح میں کُل لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا - چونکہ میرے پاس سامان حرب لیجانے کے لیئے باربرداری کے جانور کافی نہ تھے میں نے سو سواروں کو روانہ کیا کہ وہ تابوز والوں کی ۱۵۰۰ بھیڑوں میں سے جتنی لوٹ سکیں لوٹ لائیں ۔

میں نے پھر اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا - فوج ہراول کا کمان افسر سردار شمس الدین خاں پسر سردار امین محمد خاں کو مقرر کیا ملیشیا پیادہ فوج اور سواروں کے ایک حصہ سے میں نے چار توپوں کے ساتھ قلب کے ڈویژن کی ترتیب دی - اور آخری ڈویژن کو تمام توپخانے - باقیماندہ پیادہ فوج کو ایک ثلث سواروں کے ساتھ ترتیب دیا - اور وہ سو سوار جو میں نے بھیڑوں کے لوٹنے کے لیئے بھیجے تھے مجھ سے خواجہ جنگل نامی گاؤں کے پاس آ کے مل گئے - تالیخان کے لوگوں نے جب یکایک ہماری روانگی کی خبر سُنی تو اُنہیں عقب پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی پانچہزار سے چھہ ہزار تک مخالف سوار ہمارے پیچھے پیچھے چلے آئے اگر پھر اُنہیں حملہ کرنے کی ہمت ہوتی تو ہمارے عقب پر حملہ کر سکتے تھے اِس کارروائی کا خاتمہ کرنے کے لیئے پہلے سپاہیوں کی ایک بٹالن کو حکم دیا کہ رستہ کے سرے پر وہ ایک غار میں پوشیدہ ہو جائیں جس غار کا طول ایک ہزار گز تھا اور جسوقت مفسد اُس رستہ سے گزرے فوراً انہوں نے باڑ ماردی میرے احکام کی تعمیل میری مرضی کے مطابق ہوئی - بندوقوں کی آواز سُنتے ہی میرے سپاہی واپس پھرے اور مقابل سے دشمن پر حملہ کیا - مفسدوں نے عقب سے اور سامنے سے جب یہ اچانک آفت آتی ہوئی دیکھی تو پریشان ہو کے تتر بتر ہو گئے بعض دریا میں ڈوب کے مر گئے بعض ہماری گولیوں سے بچنے کے لیئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے مفسدوں کے چار سو آدمی اِس لڑائی میں کام آئے اور پھر ملا مزا احمت خاں آباد تک چلے گئے دیا

کو عبور کرتے وقت ہماری ایک توپ پانی میں گر کے ڈوب گئی۔ سپاہیوں نے بہتیرا توپ کو نکالنا چاہا لیکن نہ نکال سکے اخیر میں گھوڑے پر سے اُترا اور چند آدمیوں کی مدد سے میں نے اُس توپ کو اُبھار کے دوسرے کنارہ پر پہنچایا میرے کپڑے پانی میں شور بشور ہو گئے اور میں اپنی فوج کو اکیلا چھوڑ کے بدل بھی نہ جا سکتا تھا۔ اخیر سپاہیوں نے جنگل کی سوکھی لکڑیاں جلائیں اور اُس سے میں نے اپنے کپڑوں کو خشک کر دیا۔ جب میں خان آباد کے قریب پہنچا تو چچا کے لشکرگاہ کی طرف سے بندوقوں کے فیروں کی آواز سنائی دی سردار شمس الدین خاں نے کہا کہ یہ توپیں تو اوزبک کے سواروں کی معلوم ہوتی ہیں اور وہ ضرور آپ کے چچا کے لشکرگاہ کو لوٹنے آئے ہیں اب ہمارے لئے مناسب یہی ہے کہ ہم کابل واپس لوٹ جائیں میں نے جواب دیا کہ ۱۲۵۷ھ میں میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ یہ لوگ اپنی بہادری کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ انگریزوں کے مقابلہ میں اُنہوں نے خوب دادِ مردانگی دی اب بھی وہی بہادری کا وقت ہے۔ یہ اُن کے چھکے ہو رہے ہیں۔ میں نے چھ سوار اپنے چچا کے ساتھ بھیجے اور کہلا بھیجا کہ آپ کے لشکر کے پاس سے مجھے توپوں کے چھٹنے کی آواز آ رہی ہے میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں اس مقام سے کبھی قدم نہیں ہٹانے کا اور اگر ضرورت ہوئی تو جنگ کے لئے بالکل تیار رہوں گا چچا کا حکم آتے ہی جس طرف جنگ دیکھونگا فوراً چلا جاؤں گا۔ ایک گھنٹہ کے بعد ایک آدمی میرے پاس دوڑا ہوا خبر لایا کہ یہ توپیں آپ کے چچا صاحب کی چھٹ رہی تھیں کیونکہ شاہ بخارا دریائے جیحون کو عبور کر کے بھاگ گیا۔

اسی اثنا میں میرے والد کا ایک افسر نہایت تجربہ کار مرد میدان اور معرکۂ جنگ کا شیر غلام علی خاں نامی دریائے جیحوں کے خاص گارد کا نگراں تھا اور وہ شہر دہ نہر کے تین نہروں کا گورنر بھی تھا۔ یہ بہادر شخص سرحد کا معاینہ کرنے کے لئے مقام کرکی سے بوساگا چلا گیا تھا جوں ہی وہ پار اُترا اُس کا شاہ بخارا کے دو ہزار سواروں سے مقابلہ ہو گیا۔ باہم گولیاں چلنے لگیں خفیف جنگ کے بعد کل سوار بھاگ کے میر مظفر شاہ بخارا کے لشکرگاہ میں چلے گئے۔ اخیر میر اپنے ڈیرے خیموں اور سامان کا بہت سا حصہ چھوڑ کے بخارا روانہ ہو گیا۔ یہ کل سامان غلام علی نے گرفتار کر لیا اور بطور مال غنیمت کے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا اور صرف شاہ بخارا کے ڈیرے میرے والد کو بھیج دیئے۔ فتح کی یہ خوشخبری سن کے میں اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوا اور طرفین کی خوش قسمتی پر مبارکباد دی۔ چچا کی اجازت لیکے دوسرے روز

دو بٹالین سواروں کی ایک رجمنٹ دو توپیں اور پالٹنو ملیشا کے آدمی تالیخان روانہ کئے تاکہ لوگوں کو یقین دلادیں کہ ہمنے ابھی تک شہر سے قبضہ نہیں اُٹھایا ہے۔ میں نے اس مضمون کا ایک مراسلہ بھیجا کہ اگر بدخشاں والوں کی پھر نظریں بدلیں تو میں خود فوجوں کے ساتھ آناً فاناً میں اُن کی سرکوبی کے لئے پہنچ جاؤں گا +

میں نے خان آباد میں ڈنڈے ڈالدیئے اور اپنے لشکر کی جس کو میں نے پانچ مہینے سے نہیں دیکھا تھا دیکھ بھال شروع کی۔ جب میری فوج تالیخان پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے افغانی حکومت کے پھر بغاوت نہ کی اور اپنی قسمتوں پر صابر و شاکر ہو کے میر شاہ کی چچا زاد بہن کو میرے چچا کے حبالہ عقد میں دینا چاہا اِس خواست کو چچا نے بہت خوشی سے قبول کر لیا۔ میں اس شادی کا سخت مخالف تھا میں نے بہتیرا چاہا کہ کسی صورت سے یہ شادی نہ ہو کیونکہ یہ محض دغابازی تھی یہ لوگ ہمارے جانی دشمن تھے۔ اور کوئی چال چلنا چاہتے تھے میں نے چاہا کہ بدخشاں پر حملہ کر کے زبردستی اسکو فتح کرلوں تاکہ شادی کا سلسلہ قطع ہو جائے مگر چچا راضی نہ ہوئے اور اُنہوں نے اپنی ضد پوری ہی کی یعنی شادی کی مٹھائی اخیر کھائی +

بدخشاں کے میروں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اب اُنہیں اطمینان ہوا کہ معاملات یکسو ہو جائیں گے فوراً میر یوسف علی کو جو ایک نہایت دغاباز شخص تھا اپنی وفاداری اور خیر خواہی کا یقین دینے کے لئے معہ بیش قیمت تحائف کے چچا کی خدمت میں روانہ کیا یہ تحفے دیکھتے ہی اور چکنی چُپڑی باتیں سنتے ہی چچا نے فتح ملک کی بابت اپنے خیالات بالکل بدل دیئے۔ میری والدہ ماجدہ نے جب معاملات کا سکون دیکھا تو اِس پُر امن موقع سے فائدہ اُٹھا کے والد کو لکھا کہ عبدالرحمن کو اجازت دیجئے جائے کہ وہ مجھ سے آکے مِل جائے۔ والد نے منظور کر لیا اور مجھے لکھا کہ تو اپنی ماں کی قدم بوسی تختہ پول آ کے کر۔ میں کرنیل اور کمان افسروں کی سرکردگی میں فوج کو چھوڑ کے اپنے چارسو باڈی گارڈ کے سوار کے ساتھ روانہ ہوا۔ رستہ میں میں نے تنگی خان بھی قیام کیا اور یہاں سے شاہ اولیا کی زیارت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ میں نے اپنی پیشانی کو اُن کے آستانہ پر ملا تاکہ وہ اپنے مزار کی روشنی سے میری آنکھوں کو منور کریں۔ روحانی امداد سے جو بزرگ کے مزار سے ملی مطمئن ہو کے تختہ پول روانہ ہوا اور منزل مقصود پر پہنچ کے والدین کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اُنہوں نے میرے آنے کی خوشی میں خیرات

بانٹی اور میرے رشتہ داروں نے بھی صدقات دیئے۔ دوسرے روز میگزینوں۔ کارخانوں اور گوداموں کا معاینہ کیا سب کو اچھی حالت میں پایا میں نے ان کارخانوں کے سپرانٹنڈنٹوں کی تنخواہیں بھی بڑھا دیں اور خلعت و انعامات وغیرہ بھی دیئے جتنے خیموں اور سامان وغیرہ کی میری فوج کو کتغان ضرورت پڑی تھی۔ میں نے حکم دیا کہ وہ کل سامان یہیں تیار ہو یہ کل اشیاء یہاں تیار ہوگئیں اور ایک مہینہ سے کم میں بھجوا دی گئیں +

ایک سال تک تختہ پل کی فوج کا انتظام بذات خود اپنے ہاتھ میں رکھا اخیر سال موسم بہار میں کتغان چلا آیا۔ ایک عجیب واقعہ جس کا ذکر ضرور کروں گا رستہ میں واقع ہوا۔ قیام کرنے کے بعد ایک مقام پر جس کا نام کز و ینیار (یعنی وہ مقام جہاں لڑکیاں کھیلتی ہیں) ہے اِرد گرد کی پہاڑیوں پر جہاں باربرداری کے جانور چر رہے تھے ہوا خوری کرنے نکلگیا۔ اِس وقت ایک سپاہی بھی میرے ساتھ تھا وہ سب بچھڑ کے پیچھے رہگئے تھے کہ ایک جنگلی اُونٹ نے مجھ پر حملہ کیا میرے پاس اِس وقت کوئی ہتیار نہ تھا ہاں کمر میں پیش قبض موجود تھا میں نے ایک بڑے پتھر کے گرد پھرنا شروع کیا اُونٹ بھی برابر میرے ساتھ چکر لگا رہا تھا اور مجھے دوڑ کے پکڑنا چاہتا تھا۔ جب میں بہت بھاگا اور اُونٹ باز نہ آیا نہ میرا کوئی سپاہی آکے پہنچا تو اونٹ سے مقابلے کی ٹھان لی کیونکہ میں تھک گیا تھا اور ایک جگہ کھڑے ہو کے بڑا پتھر اُٹھا لیا۔ پھر وہ پتھر اس زور سے اُس کے کان پر مارا کہ وہ گھٹنوں کے بل آ رہا۔ اِس سے پہلے کہ وہ پھر اُٹھے میں نے پیش قبض نکال کے اِس کا گلا کاٹ ڈالا خون فوارے کیطرح اُچھلا میں خون میں سارا نہا گیا جب میں نے اُونٹ کو اپنی آنکھوں سے گلا کٹے ہوئے اور مرتے ہوئے دیکھا تو میرے دماغ میں چکر سا آگیا۔ اور غالباً میں گھنٹہ بھر بیہوش پڑا رہا +

جب مجھے ہوش آیا تو میں اُونٹ کو مرا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اِس جُرم میں کہ ملازموں نے اتنی دیر تک میری خبر نہ لی تیس تیس کوڑے ہر شخص کو لگوائے اور حکم دیدیا کہ آیندہ سے میرا باڈی گارڈ ایک لمحہ کے لیئے بھی مجھ سے جدا نہ ہو دو تین قابل بھروسہ اشخاص ہمیشہ میرے پاس رہتے ہیں کون نہیں جانتا کہ یہ دنیا خطروں سے بھری ہوئی ہے +

کتغان کا لشکر مجھے دیکھ کے بہت خوش ہوا میں نے اپنے والد کا ایک پیغام سپاہ کو پہنچایا کہ والد ماجد تمہیں مثل اپنے بچوں کے سمجھتے ہیں جس طرح وہ ... سے محبت کرتے ہیں اسی طرح تمہیں بھی عزیز

جاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سب سپاہیوں نے غل مچا کے کہا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے باپ سردار محمد افضل خاں پر جان قربان کرنے کو حاضر ہے۔ اپنے چچا کو بھی والد کا سلام کہا پھر میں گھر واپس چلا آیا یہاں جنگی افسروں نے میری دعوت کی تھی اور میرے اعزاز میں آتش بازی چھوڑی تھی۔ دوسرے روز حسب عادت میگزین اور کارخانے دیکھنے گیا الحمد للہ کہ ان کا انتظام قابل اطمینان پایا۔ تیسرے دن حکم دیا کہ میں تمام لشکر کا معاینہ کروں گا +

ایک ہفتہ کے قیام کے بعد تالیخان کی فوج کے دیکھنے کے لئے روانہ ہوا اسے بھی میں نے قابلِ اطمینان پایا۔ بدخشاں کے میروں نے میری آمد کی خبر سنکے مجھے تحفۃً چھ خوبصورت غلام نو گھوڑے چاندی کے سازو یراق سے آراستہ۔ نو تھیلے شہد خالص۔ پانچ شکرے اور دو شکاری کتے بھیجے اس کے بدلہ میں میں نے کچھ تحفے اور خلعتیں میر بدخشاں کو بھیجیں اور ایک خط بھی لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ آپ لوگوں کو یاد ہوگا آپ نے چند معدنیات کے دینے کا وعدہ کیا تھا ایک کان زبرجد کی پانچ سونے کی اور اسی طرح دوسری چند معدنیات ہیں ان کانوں کی بابت جب اپنے چچا سے دریافت کیا تو معلوم ہوا ابھی تک ہمارے قبضہ میں نہیں آئیں۔ خط پہنچتے ہی بدخشاں کے میروں نے مطلوبہ معدنیات پر مجھے قبضہ دیدیا چند قیمتی جواہرات اُن کانوں میں سے نکلوا کے اپنے والد کی خدمت میں روانہ کر دیئے +

اِس کے بعد دو سال کے واقعات درج کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اِس زمانہ کے اخیر میں والد نے میرے چچا کو بلایا اور پھر اُنھوں نے چچازاد بھائی سردار عبد الغیاث خاں کو گورنر کر دیا۔ میرا چچا کچھ عرصہ کابل میں قیام کرنے کے بعد اپنی جاگیر کرم کھوسٹ میں چلا گیا۔ جب میں مقام شری میں چچا سے ملا تو اُنھوں نے میرے والد کا یہ پیغام دیا کہ میں مقام ایبک آ کے اُن سے ملوں اور پھر وہاں سے بلخ روانہ ہو جاؤں۔ خان آباد کے فوجی افسروں کو واجبی ہدایات کر کے میں ایبک چلا آیا اپنے والد کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور آپ کی ہمرکابی میں تختہ پول آیا اور یہاں ہم دونوں تمام موسم سرما مقیم رہے +

نوروز کے موسم بہار میں سردار عبد الغیاث خاں طاعون سے جاں بحق تسلیم ہو گئے ادھر ہرات میں فساد پیدا

ط اس کے بیٹے عبد الرشید کو ۱۸۹۶ء میں جلال آباد کا گورنر [illegible] نے مقرر کیا لیکن [illegible] مظالم کی وجہ سے اُسے موقوف کر دیا

ہوگیا جہاں سردار سلطان احمد خاں میرے دادا کا بھتیجہ اور شاہ ایران کا ایک افسر گورنر تہا۔ اِس شخص نے
قندھار میں فساد پھیلا دیا تہا اُس کی سرکوبی کے لیئے میرے دادا دوست محمد خاں میرے چچا کو ساتھ
لیکے روانہ ہرات ہوئے۔ اور جاتے ہی قلعہ ہرات کا محاصرہ کرلیا کئی مہینے تک محاصرہ رہا بماہ مارچ اس
بشارت انگیز خبر کو سنکے شہر فراح (صوبہ ہرات کا ایک شہر) فتح ہوگیا میں اور میرے والد پھولے نہیں
سمائے۔ اِس خوشی کی خبر پر خیرات وغیرہ تقسیم کرنے کے بعد والد نے مجھے خان آباد کی فوج کا گورنر
جنرل بنا کے بھیجا میں نے جا کے دیکھا تو ملک کا انتظام بہت ہی خراب پایا۔ ہر شہر کے گورنر زمینداروں
سے محاصل وصول کرلیتے ہیں اور خود گاؤ خورد کر جاتے ہیں۔ مرحوم سردار کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے
یہ شخص طب کا زیادہ مذاق رکھتا تھا اور شب و روز نسخہ نویسی میں اِس کی زندگی کٹتی تھی گورنری کا
کام کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ بزدل اِس قدر تھا کہ میر بدخشاں کی ایک بھبکی میں ڈر گیا تھا جو اُس نے
ایک چور کے چھٹانے میں دی تھی۔ یہ شخص (میر شاہ) جس نے اپنے عہدہ کو اِس قدر بدنام کیا مر چکا ہے
اور اب اُس کی جگہ اسکا بیٹا میر جہاندار شاہ کام کرتا ہے۔ اِس کے بھتیجے میر شاہ سید نے اِس کے بھائی
میر یوسف علی کو میرے ایک سال پہنچنے کے قبل قتل کر ڈالا تہا اور اُس کی جگہ اِس کا بیٹا جانشین ہوا تہا
اگرچہ یہ دیوانہ۔ افیمی اور شرابی شخص تھا۔ میر بابا بیگ حکمران کشتم (جس کا باپ اِن دو بھائیوں
کے آگے مر چکا تہا) میر شاہ کی بیوہ اور یوسف علی کی بہن پر عاشق ہوگیا۔ اخیر شادی ہوگئی
جہاندار شاہ کو اِس نکاح سے بہت غصہ آیا اِس نے فوراً کشتم پر حملہ کر دیا اور بابا بیگ کو قید کر کے
اُس کی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا اور فخراً بیان کرنے لگا کہ میں نے میر بابا بیگ کی سگی ماں سے
نکاح کیا ہے۔ میرے پہنچنے سے کچھ ہی عرصہ پہلے میر بابا بیگ قید سے چھٹ کے خان آباد بھاگ آیا تہا
مجھے یہاں پہنچ کے یہ بھی معلوم ہوا کہ سال گذشتہ کے آٹھ مہینے کی تنخواہ سپاہ کو نہیں ملی ہے اور اِس
سال کے بھی چار مہینے چڑھ گئے ہیں۔ جاتے ہی سب سے پہلے کل سرکاری محاصل جمع کیئے اور فوجوں
کو تنخواہ دینی شروع کی۔ دو بٹالینوں کے افسر اور میرے چچا کی فوج کے چار سو سوار بھی خان آباد
میں متعین تہے۔ مرحوم سردار کی بے پروائی سے فائدہ اُٹھا کے انہوں نے بھی بڑی مقدار سرکاری روپیہ
کی گاؤ خورد کر لی تھی۔ میں نے پہنچتے ہی ان تمام بدعتوں کا خاتمہ کر دیا اور اب لوگ مجھے تیز تیز نظروں
سے دیکھنے لگے۔ اور اُنہوں نے مجھسے اِس طریقہ سے انتقام لیا کہ لشکر کو باغی کر دیا اور بہکایا کہ تم

سب کابل چلے جاؤ۔ میرا چچازاد بھائی میر عزیز کابل میں تھا اور اس کے باپ کی فوج کا برائے نام سپاہ سالار گیارہ برس کا بچہ تھا جس پر اس کے معلموں کا بُرا اثر پڑا ہوا تھا اور یہ کل معلم مذکورہ بالا بٹالینوں کے افسروں سے مل گئے تھے۔ ان لوگوں نے فوج کو اس صورت سے بہکایا کہ یہ ملک تمہارے آقائے نامدار کا ہے عبدالرحمٰن کون ہوتا ہے جو گورنری کے معاملہ میں دست اندازی کرے۔ یہہ بھی انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اصلی آقا کے بیٹے کو ساتھ لیکے کابل جائیں گے +

جاہل سپاہیوں پر اس ورغلانے کا بہت اثر ہوا کہ اسی اثناء میں میرے دادا دوست محمد خاں کے مرنے کی خبر پہنچی۔ اس وفات سے جرأت حاصل کرکے سپاہ نے میرا گھر گھیر لیا اور ایک بڑے پتھر سے دروازہ توڑنے کی تجویز کی اور چاہا کہ زبردستی اندر گھس آئیں۔ میری فوج فوراً موقع واردات پر پہنچی اور مفسدوں کو پراگندہ کر دیا۔ مفسد فوج بھاگ کے کابل چلی گئی لیکن سرغناؤں نے فوج کے ساتھ کابل جانا مناسب نہ جانا۔ تین روز کے انتظار کے بعد سپاہی شکستہ خاطر ہوگئے اور میرے پاس ایک عرضی بھیجی کہ آپ ہمارا قصور معاف کر دیں ہم بالکل بیگناہ ہیں ہمیں تو ہمارے افسروں نے برگشتہ کیا تھا۔ میں نے اس عرضی کا جواب دیا کہ تم اُن افسروں کے نام بتادو جنہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا۔ اس شرط پر میں تمہارا قصور معاف کر دوں گا۔ اگر تم نے ان افسروں کے نام بتانے میں پس و پیش کی تو تم فوراً کابل چلے جاؤ مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں فوجوں نے اُن افسروں کے ناموں کی ایک فہرست بھیجی جس میں آٹھ کپتانوں اور نائب لفٹینٹوں اور فوج کے کمان افسروں کے معہ محمد عزیز کے اتالیقوں کے نام درج تھے اور لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں نے میری مخالفت پر قرآن مجید کی قسمیں کھائی تھیں۔ اس پر فوراً فوج کا قصور معاف کرکے آٹھ کپتانوں کو توپ سے اُڑا دینے کا حکم دیا اور فوج کے باقی کمان افسروں کو صرف موقوف ہی کر دیا۔ کیونکہ وہ میرے چچا کے خدمتگاروں میں سے تھے اس طرح سے ملک میں امن و امان قایم ہوگیا +

جوں ہی میرا اتالیق نے میرے دادا کی وفات کی خبر سنی اپنے بیٹے سلطان مراد خاں کو کتغان بھیجا کہ رعایا کو بغاوت پر آمادہ کرے۔ میں نے یہ سنتے ہی ایک زبردست فوج جس میں تین بٹالین بارہ توپیں ایک ہزار سوار دو ہزار ملیشیا پیادہ فوج سردار محمد عالم اور سردار غلام خاں کی سرکردگی میں مفسدوں کو سزا دینے کے لیئے مقرر کی۔ میرا خیال تھا کہ مقام زرین پر شور آب کے راستہ میں دشمن سے مقابلہ

ہوگا۔ سردار عالم حسب عادت سو سواروں کے ساتھ بڑھا چلا گیا۔ میں نے بارہا اُسے سمجھایا تھا۔ کہ ایک سپاہ سالار کے لیے یہ بڑی خطرہ کی بات ہے کہ بغیر فوج ہراول کے خود آگے بڑھا چلا جائے۔ ایک دن اِس پر دو ہزار کتغان کے سواروں نے جو پہاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے حملہ کیا۔ سردار اِس فطرت کا نہ تھا کہ ہتیار ڈال دیتا مُٹھی بھر سواروں کے ساتھ قدم جما کے کھڑا ہو گیا اور ایک ایک بہادر نے میدان جنگ میں معہ سردار کے جان دیدی۔ یہ خبر سنتے ہی ایک دستہ رسالہ کا مفسدوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور اِس سے پہلے کہ مفسد سردار کی لاش اُٹھا کے لیجائیں میدانِ کارزار میں پہنچ گیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد کتغان کے سواروں کو شکست دی۔ یہ شکست یاب فوج تین سو مقتولین اور مجروحین چھوڑ کے میدان جنگ سے زین بھاگ گئی +

دوسرے روز میدان کارزار نے جنگ کا انقطاعی رنگ اختیار کر لیا یعنی چالیس ہزار باغی زین پر جمع ہو گئے اور اُنھوں نے ایک ہی دن میں اپنی قسمتوں کا فیصلہ کرنا چاہا۔ علی الصباح گجر دم نور کے تڑکے حملہ شروع ہوا اور سہ پہر تک جنگ ہوتی رہی۔ دشمن نے نہایت شجاعت سے جنگ کی لیکن نتیجہ جنگ اُنکے حق میں اچھا نہیں ہوا وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور میرے تازہ حملوں کی تاب نہ لاسکے نسبتہً میرا نقصان بہت ہی کم ہوا معہ سردار غلام خاں کے میری فوج کے تیس سپاہی مقتول اور مجروح ہوئے ایسے خفیف ترین نقصان کے ہونے کا سبب یہ ہے کہ میری فوج قواعد میں بہت شائستہ تھی اور چونکہ دشمن فنون جنگ سے بالکل ناآشنا تھا جمع ہو کے حملے کرتا تھا میری توپیں اُن کا سترا ؤ کر دیتی تھیں۔ اِس دن میں نے اپنی فوج پر فخر کیا جس طریقہ سے اِس نے جنگ کی وہ تعریف ہی کے قابل ہے۔ وہ لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو فنون جنگ سے واقف ہیں کہ ایسے ناشائستہ عظیم گروہ سے میدان جنگ میں کچھ بھی خوف نہیں ہو سکتا۔ چالیس ہزار آدمیوں کا میدان میں جمع ہونا ایک عجیب پر خوف نقشہ آنکھوں کے آگے کھینچتا تھا یہ معلوم ہو رہا تھا گویا پہاڑ حرکت میں ہے +

میں نے کتغان میں ایک مخبر مقرر کر دیا تھا کہ کل خبریں پہنچاتا رہے مگر اسے سلطان مراد خاں نے قید کر لیا۔ جب میری فتح کی خبر کتغان پہنچی تو وہ کسی ترکیب سے بچ کے بھاگ آیا اور کہیں سے ایک گھوڑا لیکے اور اُس پر سوار ہو کے سیدھا میرے پاس دوڑا ہوا آیا مگر آتے ہی ضعف کی وجہ سے بیہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا اور اُس کے اوسان درست ہوئے تو بیان کیا کہ روزمرہ چالیس

کوڑے مجھے مارے جاتے تھے۔ میرے ڈاکٹروں نے بیان کیا کہ اس کا جسم کوڑے کھاتے کھاتے سیاہ ہوگیا ہے اسوقت معلوم ہوا کہ اِس پر کتنا ظلم کیا گیا اور کس بے دردی سے اُس کی کھال اُدھیڑی گئی ہے۔ مخبر نے بیان کیا کہ کتغان میں کل خاندان اور سارے لوگ کہیں حفاظت کے مقام پر جانیکے لیئے شہر چھوڑنے پر آمادہ ہیں میں نے فوراً نائب غلام خاں دُرّانی کو جو ایک ہوشیار مگر سُست شخص تھا رسالہ اور توپخانہ کے ساتھ روانہ کیا تاکہ اِس سڑک پر قبضہ کرلے جو بدخشاں کو جاتی ہے تالیقان کی پیادہ فوج کو بھی حکم دیا کہ اِس مہم میں شرکت کرے۔ دشمن کے پس پا ہونے کا راستہ کاٹنے کے لیئے شور آب سے کندز کے قاضی کو بدخشاں کے تین میروں کے ساتھ روانہ کیا جو لوگوں میں بہت ہی ہر دلعزیز تھے ان آدمیوں کے پاس میں نے خط بھیجے جن میں معافی کا وعدہ کیا گیا تھا جب اُن لوگوں نے یہ دیکھا میری فوجوں نے بھاگنے کے راستے بند کردیئے ہیں اور یہ بھی اُنھوں نے سمجھ لیا کہ کتغان لشکر امیر سے مقابلہ نہیں کرسکتا اور ہر معافی کے میرے وعدے دیکھے تو سید ہے میری خدمت میں معافی کے خواستگار ہوکے آئے اسکے جواب میں مینے ایک اعلان شائع کیا کہ میں دو شرطوں پر قصور معاف کرسکتا ہوں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی قسم کھائیں کہ ہم اور ہمارے بچے ہمیشہ حکومت کابل کے وفادار بنے رہیں گے اور میروں کے ورغلانے سے کبھی کوئی ایسی بات نکریں گے جو حکومت کابل کے برخلاف ہو اور اسکو نقصان پہنچائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی اِس بداعمالی کا تاوان بارہ لاکھ روپے پیش کریں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُن کا یہ جواب آیا کہ ہم دونوں شرطیں آپ کی منظور کرتے ہیں ہم ہمیشہ آپکے تابعدار رہیں گے اور حلقہ بگوشی سے کبھی باہر نہ ہوں گے اور آپکے پہلو بہ پہلو ہوکے آپکے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ یہ لوگ میرے بہت ہی ممنون ہوئے اور اُنھوں نے میرا بڑا شکریہ ادا کیا کہ مینے اُن کے اونٹ اور گھوڑے اور بہت سا سامان قیمتی دو کروڑ روپیہ کا اُنہیں واپس دیدیا +

یہ عہدنامہ مینے اپنے والد کیخدمت میں بھیج دیا اور اب یہاں ہر طرح سے امن آمان ہوگیا پہلا کام یہ کیا کہ محاصل کے پندرہ لاکھ روپے جمع کرنے شروع کئے جو حکومت افغانستان کے اُن لوگوں پر باقی تھے وہ روپیہ وصول کرکے میں نے اپنی فوج کو تقسیم کردیا۔

اِسی اثناء میں بدخشاں کے سوداگران پارچہ جات نے مجھے سخت تکلیف دی یہ قاعدہ تھا کہ سوداگر بدخشاں اور کتغان کے راستہ میں ہفتہ کے خاص دنوں میں گھوڑے پر سوار سفر کیا کرتے تھے بہت عرصہ

گزرا کہ ان ہی خاص دنوں میں بہت سی لاشیں یہاں سے برآمد ہوئیں۔ اِس قتل و غارت کو روکنے کے لئے میں نے کچھ سپاہی مقرر کئے کہ ادہر اُدہر پوشیدہ ہوجائیں اور چند سواروں کو معمولی آدمیوں کے کپڑے پہنا کے اس راستہ سے روانہ کیا اور انہیں ہدایت کردی کہ جس وقت تم پر حملہ فوراً سپاہیوں کو اطلاع دیدو یہ لوگ مقام مقصود پر پہنچے اور پچاس سوداگروں کو میرے پاس گرفتار کرکے لائے۔ میں نے اون کے ہتیار گھوڑوں کا ساز و یراق تو سواروں میں تقسیم کردیا اور اُن کے گھوڑے توپخانہ میں دیدیئے اور دس ہزار روپئے جو اُن کے پاس تہے چھین کے گورنمنٹ کے خزانہ میں روانہ کردیئے۔ سوالات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دو برس سے قزاقی کیا کرتے تہے۔ چونکہ یہ لوگ افغانیوں کے جانی دشمن تھے اور انہوں نے ہر افغانی کے سر کے دو ہزار روپیہ انعام مقرر کر رکھے تھے میں نے توپوں سے بندھوا کے اُنھیں اُڑوا دیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے میرے غیر مسلح آدمیوں پر بہت ہی ظلم توڑے ہتے یہ سزا اُنھیں عام مجمع میں دی گئی ان کا گوشت کیمپ کے کتوں نے کھایا اور اُن کی ہڈیاں جبتک یہ جلوس نہ ختم ہوگیا وہیں پڑی رہیں۔ جب ان لوگوں کی ہڈیاں دفن ہوچکیں میر جہاندار شاہ نے جسے اِس کیفیت کی خبر نہ تھی اپنا وہ قاصد میرے پاس بھیجا جسے اس نے عبدالغیاث خاں کے پاس ایک قیدی کو رہائی دلوانے کے لئے بھیجا تہا۔ یہ قاصد جہاندار شاہ کا خط میرے نام لایا جس کا یہ مضمون تہا کہ آپ نے میری رعایا کو کیوں گرفتار کیا اور کیا حق تہا کہ آپ انہیں گرفتار کرتے بس بہتر یہی ہے کہ خط دیکھتے ہی کل قیدیوں کو اس قاصد کے سپرد کردیا جائے۔ اگر میرے اس خط کی تعمیل نہ ہوگی تو میں تمہارے باپ اور چچا کو کابل لکھہ کے بھیجوں گا کہ تمہارا بیٹا اور بھتیجہ بدخشاں کے لوگوں کو تمہارے اور میرے خلاف آمادہ کر رہا ہے۔ یہ خط میں نے عام دربار میں باآواز بلند پڑھا۔ اور اس ایلچی سے پوچھا آیا تو بتا سکتا ہے جس وقت جہاندار شاہ نے مجھے یہ خط لکھا ہے وہ اپنے ہوش و حواس میں بھی تھا یا نہیں۔ ایلچی نے ان الفاظ میں جواب دیا "میرے پادشاہ میر صاحب نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ فوراً اُن قیدیوں کو میرے حوالہ کردیں اور ایک لمحہ کی بھی دیر نہ کیجے ورنہ میرا پادشاہ آپکے خلاف دوسری کارروائی کرنے کو بالکل آمادہ ہے۔" میں نے فوراً حکم دیا کہ اس کی ڈاڑہی اور موچھیں اُکھیڑ لو اور اس کی بھوؤں کو مثل عورتوں کے رنگ دو پھر میں اُسے اس مقام پر لیگیا جہاں سوداگروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں پہر اس کی ڈاڑہی اور موچھیں ایک نفیس کپڑے میں رکھہ کے

کہاکہ یہ تم اپنے میر کے پاس لیجاؤ یہ اُس کے خط کا جواب ہے جو تم لیکے آئے تہے۔ اس شخص کے ساتہ میں نے ایک زبردست فوج جس میں دو بٹالین دو ہزار رسالے کے سوار ایک ہزار اوزبک سوار دو ہزار پیادہ فوج اور بارہ توپیں تہیں محمد زماں خاں سکندر خاں۔ اور نائب غلام احمد خاں کی سرکردگی میں تالیخان روانہ کی۔ جب یہ فوج وہاں پہنچ گئی تو میرے افسران فوج نے ڈاڑہی اور موچہوں کے جواب کے ساتہ ایلچی کو جہاندار شاہ کے پاس روانہ کیا۔ جوں ہی سفیر جہاندار شاہ کے دربار میں پہنچا تو اُس پر لعنت ملامت پڑنے لگی کہ تو اُن قیدیوں کو کیوں نہیں لایا جن کے لینے کے لئے میں نے تجہے بہیجا تہا۔ یہ شخص اپنا مُنہ ڈہانکے ہوئے تہا میر کے اِس کہنے پر چہرہ کہولدیا اور وہ طلائی کپڑا جس میں ڈاڑہی اور موچہیں لپٹی ہوئی تہیں میر کے قدموں پر رکہدیا اور یہ کہا "میں نے حضور کا خیالی مُراسلہ لیجا کے یہ گت بنوائی اب حضور ہوشیار رہیں ورنہ سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے"۔ یہ سُنتے ہی میر آگ بگولا ہوگیا۔ حکم دیا کہ فوراً فوج تیار ہوکے خان آباد پر بڑہے اس کے بعد اُسے خبر پہنچی کہ افغانی سپاہ نے عملی طور پر تمام ملک کو زیر و زبر کرکے فتح کرلیا ہے اور تمام لوگ مطیع ہوگئے ہیں +

جب اِس خبر کی تصدیق ہوگئی میر جہاندار بدحواس ہوگیا اور اِس کا دل ہاتہ سے نکل گیا۔ سرداروں نے بجائے تسلّی دینے کے یہ کہا "تمہارے والد نے تو اس خوفناک شخص سے اپنی لڑکی پیش کرکے بمشکل اپنی جان بچائی تہی تم ایسے نادان نکلے کہ اُسے ایسا سخت خط لکہہ کے بہیجدیا" اُس نے جواب دیا "آخیر تم میرے باپ کے مشیر تہے مجہے بہی کوئی مشورہ دو کہ میری جان بچے" یہ سُنکے جہاندار شاہ کے امیروں نے باہم مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ جہاندار شاہ کا بہائی عبدالرحمٰن کے سلام کو جائے بارہ سردار ہمراہی میں ہوں چالیس غلام بہت سے چینی ریشمی کپڑے۔ غاچیے اور چینا وغیرہ نذر گزراننے کے لئے اپنے ساتہ لیجائے اور میر شاہ خود اپنے ہاتہ سے معافی کا ایک خط عبدالرحمٰن کو تحریر کرے اور درخواست کرے کہ میں اپنی سگی یا چچا زاد بہن نکاح میں دینے کو تیار ہوں اِس صورت سے تو امید پڑتی ہے کہ میرا تالیق کی خونی قسمت سے اے جہاندار شاہ تو اپنے کو بچا لیگا۔ میر جہاندار شاہ نے سوائے اِس مشورہ پر عمل کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا فی الفور اپنے بہائی کو مذکورہ بالا نذرانہ کے ساتہ میرے پاس بہیجا اور میرے افسروں سے کہلا بہیجا خدا کے لئے ابہی تم مجہپر کوئی حملہ نکرنا میں نے اپنے بہائی کو خان آباد بہیجا ہے جب تک وہ وہاں سے واپس نہ آجائے اور تمہیں تمہارے آقائے نامدار کی طرف سے دوسرا حکم نہ پہنچے تم ابہی جنگ کو

ملتوی کردو۔ میرے افسران فوج کے پاس یہ خط مقام گولوگان (بدخشاں میں) جہاں دو تین دن کے بعد پہنچے تھے آیا انہوں نے فی الحال حملہ کرنا ملتوی کر دیا اور میرے پاس ساری کیفیت لکھ کے بھیجدی اور حکم کے منتظر ہوئے۔ ٹھیک وقت میں میر جہاندار شاہ کا بھائی تین ہزار ملازموں کے ساتھ میرے پاس پہنچا۔ اس نے اپنے بھائی کا مجھے خط دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں ہر وقت شراب کے نشہ میں رہتا ہوں مجھے خبر نہیں رہتی کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں یہ دیکھ کے میں مسکرایا اور میں نے سرداروں سے کہا کہ جہاندار شاہ کا یہ معافی نامہ واقعی بہت مدلل ہے چونکہ مجھے خان آباد کے لوگوں سے کوئی جھگڑا کرنا تو تھا ہی نہیں نہ کوئی وجہ تھی جس سے میں جنگ کرتا میں نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آیا اور انہیں اطمینان دیدیا کہ تمہارے میر کا قصور معاف کر دیا گیا اور میں نے انہیں خلعت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا لیکن جہاندار شاہ کی بہن سے شادی کرنے سے اس بنا پر انکار کیا کہ جب میر اتالیق کی ایک بیٹی میرے چچا کو منسوب ہے بس رشتہ داری کے لئے میں اسی شادی کو کافی سمجھتا ہوں مجھے خود شادی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح سے ایک عرصہ کے لئے بدخشان کی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔

ایک عجیب تجربہ یا الہام مجھے ہوا جس سے مجھے بہت ہی خوشی ہوئی اس کا بیان یہاں ضرور کرونگا ایک دن جب میں اپنا دربار کر رہا تھا میر اعظم کی لڑکی کا خط جو کابل میں تھی اور جس سے میری منگنی ہو گئی تھی میرے پاس آیا۔ اس خاتون نے اپنے نامہ بر کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ خط میرے ہی ہاتھ میں دے اور کسیکو نہ دکھائے اور جواب بھی امیر عبدالرحمن ہی سے لکھوائے اور اسی کے ہاتھ سے مہر کرائے چونکہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ مجھے پڑھنے لکھنے سے سخت نفرت تھی پھر مجھے یہ خیال نہ رہا کہ کم سے کم اپنی نوشت وخواند تو درست کر لوں اس خط کو دیکھ کے میں بالکل مایوس ہو گیا میرا دل بیٹھ گیا۔ اور میں خود ہی ملامت کرنے لگا کہ جب میں اپنے کو ایسا اعلے درجہ کا شخص سمجھتا ہوں اور پڑھنا ایک حرف نہیں جانتا تو میں انسان ہی کیونکر ہوا ایک کندۂ ناتراش شخص کو ہرگز انسان نہیں کہہ سکتے۔ وہ خط لیکے خاموش ہو رہا۔ شب کو بہت رویا اور گڑگڑا کے نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ قاضی الحاجات کی درگاہ میں دعا کی کہ میرا دل کھول دے اور اولیاء اللہ کی روح سے مجھے برکت دے میں نے یہ دعا کی "اے ذوالجلال رب میرے دل کو روشن کر میرے ضمیر کو منور کر تاکہ میں لکھ پڑھ سکوں"

اپنی مخلوق کے آگے مجھے ذلیل و شرمندہ نہ کیجیو" میں روتے روتے پو پھٹنے پر سو رہا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ شخص میرے پاس آیا ہے۔ ان بزرگ کا متوسط درجہ کا قد مگر سیدھا المند آنکھیں نازک ابروئیں۔ لمبی ڈاڑھی۔ بیضاوی چہرہ اور لمبی لمبی انگلیاں تھیں آپ کے سر پر سفید عمامہ بندھا ہوا تھا کمر سے انگوچھا لپٹا ہوا تھا اور ہاتھ میں ایک عصا تھا جسکے نیچے شام لوہے کی تھی وہ میرے سر کے پاس آ کھڑے ہوئے اور بہت آہستہ سے کہا عبدالرحمن اٹھ اور لکھ میرے اس کہنے سے آنکھ کھل گئی تو کسی کو اپنے پاس نہ دیکھا۔

میں پھر سو رہا اور پھر وہی بزرگ صورت ظاہر ہوئی اور یہ ارشاد کیا "میں کہتا ہوں کہ لکھ سو نہیں یکایک میری پھر آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے پاس کیسکو نہیں دیکھا۔ پھر میری آنکھ لگ گئی تیسری بار پھر مقدس بزرگ نمودار ہوئے اور اب کے بڑے غصہ میں ارشاد کیا کہ اگر تو اب کے بھی سو گیا تو میں اپنے عصا سے تیرا سینہ چھید ڈالوں گا"

یہ سنتے ہی میرا کلیجہ کانپ گیا اور میں چونک پڑا پھر میری آنکھ نہیں لگی۔ فوراً آواز دے کے میں نے اپنے خدام سے قلم کاغذ طلب کیا اور جو حروف میں نے پہلے لکھے تھے انہیں سوچنے لگا یکایک خدائے قادر مطلق کی پوشیدہ قوت نے میری رہنمائی کی اور میں وہ حروف یکے بادیگرے لکھنے لگا میری یاد نے جو کچھ میں نے پڑھا تھا دوبارہ مدد کی اور میری سمجھ میں آگیا اور میں نے کاغذ پر ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ لکھا اس صورت سے میں نے ساٹھ ستر سطروں کا ایک خط طلوع آفتاب سے پہلے پہلے لکھ لیا۔ بعض حروف نہ مل سکے اور بعض بہ مشکل ملائے گئے لکھنے کے بعد اسکو پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سب پڑھ سکتا ہوں مجھے اپنے خط میں اغلاط بھی معلوم ہوئیں جو بہ کثرت تھیں میں نے اس خط کو پھاڑ ڈالا اور پھر لکھا اور اب مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اب کے صحیح لکھا گیا تھا اپنے گورنروں کے دو تین خط میرے نام آئے ہوئے تھے کھول کے پڑھے اور جب ان خطوں کو پڑھ لیا تو میں پھولا نہیں سمایا دربار کا وقت آگیا تو عین دربار میں میرا معتمد جو مجھے کاغذات پڑھ کے سنایا کرتا تھا میری خدمت میں حاضر ہوا اور مختلف عرضیاں اور نامے مجھے سنانے لگا میں نے اس سے کہا کہ آج کل خطوط اور عرضیاں میں خود ہی پڑھونگا تم میری اغلاط کی صرف صحت کرتے جاؤ معتمد نے مسکرا کے کہا "حضور تو نہیں پڑھ سکتے" یہ سنتے ہی میں نے ایک خط کھولا اور پڑھنے لگا دو سو خطوں کو اسیطرح پڑھ لیا اور ان میں سے نٹو کا جواب لکھوا دیا۔ چند روز کے

بعد پھر مجھے اپنے معتمد کی امداد کی ضرورت نہیں رہی بلکہ چٹھیوں کو خود پڑھ لیتا تھا اور خود ہی جواب دے لیتا تھا اسکے بعد میں نے دوبارہ قرآن مجید پڑھا اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام کے نام پر خیرات بانٹی اپنے والد ماجد کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ غیبی مدد سے مجھے لکھنا پڑھنا آپسے آپ آگیا ہے یہ عریضہ اپنے ایک محافظ کے ہمدست روانہ کیا۔ جب والد نے خط پڑھا تو اُنہیں شک ہوا کہ عبدالرحمٰن سچ لکھتا ہے یا غلط۔ والد کے اس شک پر میرے قاصد نے عرض کیا ،، کیا آپ یہ خیال فرماسکتے ہیں کہ آپکے صاجزادہ نے آپسے جھوٹ بولا تو یہ تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے وہ جھوٹ بول کے آپ کو پھر کیونکر مُنہ دکھائیں گے،، یہ سُنکے میرے والد کو یقین آگیا اُنہوں نے اُسی وقت پانچ ہزار تنگاس (سوا پانچ آنہ کا بخارا کا ایک سکہ) اور بیش قیمت خلعت مرحمت فرمائی اور والد نے مجھے طلائی قبضہ کی ایک تلوار سنہری غالیچے اور چند پارچے اونی بھیجے۔ خدائے قادر مطلق کا شکر ادا کیا اور اپنے والد کی خدمت میں پدرانہ شفقت کے شکریہ کا ایک خط روانہ کیا بدخشاں اور کتغان کی آفت ٹلتے ہی قولاب میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ اِس ملک کے میر کا نام شاہ خاں تھا جس نے کتغان والوں کی تیرہ ہزار بھیڑوں کے لوٹنے کے لئے دو ہزار سوار مقرر کردیئے جو بھیڑیں حسب معمول موسم سرما میں دریائے جیحوں کے کنارہ پر چر رہی تھیں یہ خبر سنکے کہ شاہ خاں کے سواروں نے بھیڑوں کا گھیرا ڈال دیا ہے میں نے دو ہزار سوار بھیجے کہ ان بھیڑوں کو خلاصی دلوا کے حقدار مالکوں کو سُپرد کردو۔ غارت گر دریا پار اُتر آئے تھے۔ میرے سواروں نے گھات میں بیٹھ کے اُنکا انتظار کیا دونو فوجیں مقابل ہوئیں سخت جنگ کے بعد شاہ خانیوں کے پانسو سوار مقتول اور بہت سے اسیر کرلیے گئے اور کل بھیڑوں کو اُن کے پنجہ سے خلاصی دلوائی۔ اِس نمایاں فتح کے بعد میری فوج واپس نہیں آئی بلکہ اس بات کی منتظر رہی کہ میں قولاب کی فتح کرنے کا حکم دیدوں لیکن جب میرے والد کے پاس سے قولاب کی بابت مزید احکام نہیں آئے تو میں نے فوج کو واپس آنے کا حکم دیدیا۔ کل بھیڑیں اُن کے مالکوں کو سُپرد کردیں اُنہوں نے چھ ہزار بھیڑیں میری نذر کیں کیونکہ یہاں کا یہ دستور ہے کہ مال غنیمت میں سے ¼ حصہ شاہ وقت کا ہوتا ہے۔ میں نے بھیڑوں کے لینے سے انکار کیا اسکے عوض اُنہوں نے آٹھ ہزار طلائی سکہ مجھے دیا یہ میں نے قبول کرلیا ان میں سے تین ہزار اپنی فوج کو دے دیا اور پانچ ہزار اپنے پاس رہنے دیا۔

اِس کے بعد میں نے میر شالا کو دبا کے ایک خط لکھا کہ اگر آئندہ پھر کبھی ایسی حرکت ہوئی تو یاد رکھنا تو لاب نسخ کرکے تمہیں خارج البلد کر دوں گا میرے خط کا جواب میر نے بڑا الجاجانہ دیا بہت کچھ معافی مانگی اور لکھا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا اور جواب کے ساتھ بہت سے بیش قیمت تحائف بھیجے۔ جو لوگ قید ہو کے آئے تھے اُنہیں میں نے ایک لاکھ تنکاس پر فروخت کر ڈالا اس صورت سے دس ہزار سا ورن مجھے نلو بچ رہے۔ مختلف صوبے اِس لڑائی کے کچھ عرصہ تک بالکل خاموش ہو گئے اِس پُرامن وقت میں میں نے تین ہزار ریابو اور دو ہزار اونٹ اپنے سامان باربرداری میں اور زیادہ کر لئے اسی اثنا میں والد کا ایک عنایت نامہ میرے نام آیا جس میں لکھا تھا کہ میں کتغان آنا چاہتا ہوں اور اپنے آنے سے ایک مہینہ پہلے تجھے اطلاع دونگا میں نے صرف یہ دو لفظی جواب دیا "بخیر بیائید"

دوسرا باب

بلخ سے بخارا کی ہجرت

(سنہ ۱۸۶۳ء سے سنہ ۱۸۶۵ء تک)

اب میں اپنے ناظرین کی توجہ ہرات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں جب اِس ملک پر حملہ ہوا ہے میرے دادا مریض تھے سردار شیر علیخاں اپنے باپ کیطرف سب سے زیادہ توجہ رکھتا تھا لیکن شیر علی کے دو سگے بھائی عظیم آمین۔ اور اسلم چونکہ اپنے سوتیلے بھائی سے نفرت کرتے تھے اِس لئے سلطان محمد گورنر ہرات سے جو دوست محمد خاں کا دشمن تھا سازش کرنے لگے اور طرز و انداز سے اُنہوں نے اپنے والد کو اپنے اوپر بہت ہی بدگمان کر لیا تھا۔ توبہ یا اللہ توبہ خدا مجھے تو کبھی ایسی توفیق نہ دے کہ میں اپنے باپ کے دشمنوں کا دوست بنجاؤں اور باپ کے دشمنوں کے ساتھ سازش کر لوں +

دوست محمد ہرات میں خواجہ انصار کے مزار کے پاس دفن ہوئے تھے دادا کی وفات کے بعد جب اُنکے بیٹوں کو یہ معلوم ہوا کہ تخت پر اُنہیں کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی اُنہوں نے ملکے شیر علی کو شاہ کابل تسلیم کر لیا اور آپ بغیر سردار شیر علی کی اطلاع یا اجازت کے اپنی اپنی جاگیروں پر واپس چلے گئے امیر شیر علی نے جب اپنے بھائیوں کی یہ صورت دیکھی تو اپنے بیٹے یعقوب کو گورنر ہرات بنا کے آپ قندھار چلا آیا۔ مگر یہاں بھی اِس کے بھائی اِس سے ملنے نہ آئے +

اِسی اثنار میں میرے چچا ہرات سے بچ کر اپنی جاگیروں پر چلے گئے تہے اسلم گورنر شہر وہ ہزاور عظیم گورنر قرم خوست تہا۔ اُنہوں نے کابل میں فساد کرنا چاہا یہاں محمد علی امیر کابل کا بڑا بیٹا گورنر تہا۔ محمد علی نے اپنے باپ کو قندھار خط لکہا کہ آپ جلدی کابل واپس آئیں ورنہ یہاں غدر ہو جائے گا۔ خط دیکہتے ہی شیر علی کابل روانہ ہوگیا اور یہ خیال کیا کہ اپنے باغی سگے بہائیوں کو سزا دینے سے پہلے مناسب ہے کہ سوتیلے بہائی کی گوشمالی کروں۔ غزنیں میں پہنچ کر میرے چچا کو شیر علی نے ایک خط لکہا کہ میں تمہاری ہمیشہ سے عزت کرتا ہوں اور تمہیں اپنا بڑا بہائی سمجہتا ہوں آپکو مناسب ہے کہ مجہ سے آکے غزنی میں مل جائیں عظیم گیا۔ شیر علی نے قرآن درمیان میں رکہا دونو کی قسما قسمی ہوگئی اور باہم فیصلہ ہوگیا میرا چچا عظیم اپنے بیٹے سردار خاں کو شیر علی کے پاس چہوڑ کے اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ اور شیر علی سرور خاں کو لیکے کابل چلا آیا۔ سردار اسلم نے جوں ہی یہ سُنا کہ شیر علی غزنی آگیا ہے اپنی جاگیر اور کل بیوی بچوں کو چہوڑ کے بلخ بہاگ گیا۔ میرے والد اُس وقت بلخ میں تہے میں نے اُن کی خدمت میں خط لکہا کہ اسلم باغیوں میں سے ہے اسے مُنہ نہ لگائیگا نہ اپنے پاس پھٹکنے دیجے گا۔ والد نے مجہے لکہا کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جب وہ میری حفاظت میں آیا ہے تو میں اُسے کِس طرح نکال دوں۔ شیر علی نے اپنی قسم کو توڑ ڈالا اور ایک لائق اور ہوشیار سردار رفیع الدین کی ماتحتی میں ایک فوج کثیر میرے چچا عظیم پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کی۔ جب میرے چچا نے یہ دیکہا کہ ایسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں نہیں قدم جما سکتا تو ملکہ معظمہ ہند کی عملداری میں بچ کے نکل گیا شیر علی نے کتواز۔ زرمت اور لوغار کی جاگیروں پر جو میرے دادا نے میرے والد کو دی تہیں قبضہ کر لیا۔ اِن جاگیروں پر احمد کشمیری قابض تہا جسے میرے والد اپنے ساتہ لائے تہے شیر علی کی اِن ناانصافیوں سے اِس کے بہائیوں کے دل میں اسکی جگہ نہ رہی بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوگئے کہ شیر علی کے خلاف میرے والد کو سکہانے پڑہانے لگے۔ اِن لوگوں میں سردار اسلم۔ عبد الرؤف اور سردار امین خاں میرے چچا تہے جو توپچیوں کے پُرانی نسل میں سے تہے یہ وہ توپچی تہے جو شہنشاہان مغلیہ کے ہاں توپخانہ پر متعین تہے۔ اپنے وعدہ کے موافق والد خان آباد مجہ سے ملنے آئے اور میرے ہاں بطور مہمان کے فروکش ہوئے والد کے ساتہ مذکور الصدر سازش کنندے بہی موجود تہے۔ اسی اثنار میں احمد امیر کابل کا ایک خط لایا جس میں لکہا تہا کہ تمہاری طرف سے میرے خیالات وہی دوستانہ ہیں اور میں تم سے ترکستان نہیں لینے کا۔ احمد بہت بڑا

دغاباز شخص تہا یہ شیر علی کے مخبروں میں تہا اور دیکھنے آیا تھا آیا میرے والد امیر کابل کے خلاف کوئی سازش تو نہیں کر رہے ہیں۔ میرا باپ اور اُس کے تمام مشیر حسب عادت پوشیدہ طور پر جمع ہو کے صلاح و مشورہ کیا کرتے تہے مگر میں ایسے جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کیوں کہ مجھے اِس قسم کی سازشوں سے سخت نفرت تھی۔ میں نے نہایت افسوس سے سُنا کہ میرے والد کو یہ پٹی پڑھائی گئی ہے کہ سرداران کابل تمہاری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ والد نے اِس خبر کو یقین کر کے میر اتالیق کو لکھا کہ اگر ایسے موقع پر تم مجھے امداد دو تو میں کابل فتح ہونے کے بعد کتغان تہیں واپس دیدوں گا۔ میر اتالیق اِس پر راضی ہو گیا یہاں تیاری ہو رہی تہی اور وہاں براہ راست یہ خبریں پہنچیں کہ امیر شیر علی افواج کثیر کے ساتہ ترکستان پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا ہے والد نے مجھے اپنی جگہ پر تختہ پول بھیج دیا اور یہ اطلاع دی کہ میں بذاتِ خود شیر علی سے دو دو ہاتہ کرونگا۔ میں نے بہتیری کوشش کی کہ والد کو اس ارادہ سے باز رکھوں میں نے التجا کی بللہ آپ مجھے شیر علی کے مقابلہ پر بھیجئے اِس لیئے اگر مجھے شکست ہو گئی تو آپ میری پشت پناہی بخوبی کر سکتے ہیں اور اگر خدانخواستہ تقدیر پلٹ گئی اور نصیبِ دشمنان آپ کو چشمِ زخم پہنچ تو پہر میرے بنائے بن نہ پڑے گا اور معاملہ سارا درہم برہم ہو جائے گا۔ والد تو میری اِس توضیح پر راضی ہو گئے اور میری معقول رائے کو بہت پسند کیا لیکن اُن کے بدبخت اور اُلٹی کھوپڑی والے مشیروں نے یہ کہا آپ کیا خیال کرتے ہیں تمام سردارانِ کابل آپ کے لئے چشم براہ ہیں آپ خود ہی اِس مہم کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں اور براہِ راست اہلِ کابل سے خط و کتابت شروع کر دیں۔ والد نے یہ سمجھہ لیا کہ واقعی کابل کے لوگ میرے خیر خواہ ہیں اور مجھے تخت کابل پر بٹھانا چاہتے ہیں فوراً مجھے تختہ پول بہیج دیا +

اپنے زمانہ گورنری خان آباد میں میں نے چودہ لاکہہ روپے جمع کرئے تھے۔ سپاہیوں کا ماہانہ تقسیم کرنے کے بعد والد نے صندوق کے بننے کا حکم دیا تا کہ اُن میں یہ روپیہ بہر کے لیجائیں غرض کل روپیہ صندوقوں میں بہر کے اور بار برداری کے جانوروں پر لاد کے باجگاہ روانہ ہوا۔ یہ مقام کابل اور بلخ کے بیچ میں واقع ہے۔ والد کی فوجوں کے کمان افسر غلام احمد۔ نائب محمد کرنیل سہراب۔ اور کرنیل ولی محمد تہے۔ اِن افسروں کو والد نے ایک دن پہلے روانہ کر دیا تہا طرف

اِس لئے کہ قلہائے کوہ پر قبضہ کرلیں جس سے درہ پر پورا قابو ہوسکے اور ہدایت کردی کہ جبتک میں نہ آجاؤں ہرگز جنگ نہ کی جائے۔ مجھے خیال ہے میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ غلام احمد اگرچہ ایک لائق جنگی افسر تہا لیکن سُست اول درجہ کا تہا۔ اپنی سُستی کیوجہ سے اُس نے والد کی ہدایات کی مطلق پروانہ کی اور قلہائے کوہ پر قبضہ کرنے کا عزم دوسرے روز پر ملتوی کردیا۔ اِسی اثنا میں شیر علی کے لائق سپاہ سالار سردار رفیق خاں اور جنرل شیخ میر نے والد کے افسرانِ فوج کے تساہل سے فائدہ اُٹہا کے قُلہائے کوہ پر قبضہ کرلیا اور جگہ جگہ پر بکٹ قائم کردیئے اور بیشتر اِس سے کہ یہ کمبخت سُست غلام احمد جاگے اِن بلندیوں سے اِس پر فیر شروع ہوگئے۔ اِس غلطی کا نتیجہ بڑا ہی برباد کن ہوا۔ باوجود شجاعت اور بے جگری کے بہی میری شائستہ فوجوں کو شکست ہوئی۔ اور وہ پریشان ہوگے بہاگیں اور ایک اعلیٰ درجہ کے درہ کو دشمن کے سُپرد کردیا۔

والد کو اِس جنگ کی خبر پہنچی۔ آندھی اور مینہ کی طرح اپنی فوجوں کی امداد کے لئے روانہ ہوئے مگر رستہ میں کارا کوتل مقام پر اپنے ہزیمت خوردہ لشکر سے ملاقات ہوئی اور پہر شکست کی غمناک خبریں معلوم ہوئیں۔ والد نے اِس شکست خوردہ لشکر کے ساتہ واپس پہرنا پسند نہ کیا بلکہ دوآبہ پر جو ایک روز کی راہ تہا قیام کیا۔ اور باقاعدہ مورچہ بندی کرکے فوج اور توپوں کی معقول ترتیب دی اور چاہا کہ دشمن سے ایک بار اور بہی دل کہول کے جنگ کی جائے لیکن اُن سرداروں نے جواب تک اُن کے ساتہ تہے اور جنہوں نے یہاں تک نوبت پہنچائی تہی سخت دغاوی اور صاف آنکہیں بدل لیں۔ اِن ہی غدار سرداروں نے شیر علی کو لکہا کہ جس فوج سے تیرا اب مقابلہ ہوگا یہ نہایت شائستہ فوج ہے عبدالرحمٰن نے اسے اعلیٰ درجہ کا قواعدداں اور شائستہ بنادیا ہے یقیناً تجہے شکست ہوگی مناسب یہی ہے کہ بجائے جنگ کے سازش اور کتر بیونت سے کام نکالے اور جنگ کا کبہی قصد نہ کرے۔ شیر علی نے اِس مشورہ کو پسند کیا۔ معاً سلطان علی پسر سردار لوہندل قندہاری کو والد کے پاس بہیجا کہ میں قرآن کی قسم کہا کے کہتا ہوں کہ اے بہائی افضل میرا بزرگ ہے اور یہ مجہے کبہی روانہ ہوگا کہ اپنے والد دوست محمد خاں کو اُن کے بیٹے سے جنگ کرکے بدنام کروں۔ والد یہ سنکے فریب میں آ گئے۔ شیر علی کے مرسلہ قرآن مجید کو آنکہوں سے لگایا بے تامل شیر علی کے لشکرگاہ میں چلے گئے اور اپنے لشکر کو واپس پہر جانے کی ہدایت کردی فوج نے بتیری

منتیں کیں کہ آپ شیر علی کے دھوکے میں نہ آئیں اور قطعی جنگ نہ کریں۔ لیکن ایک نہ سُنی۔ جب والد شیر علی کے لشکر گاہ میں پہنچے تو شیر علی ڈیرہ کے باہر مبارکباد دینے کے لئے نکلا والد کی رکاب کو بوسہ دیا۔ اور چکنی چپڑی باتیں بنا کے اور بھی گرویدہ بنا لیا اور کہا میں سخت پشیمان ہوں کہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ میں نے کیوں معرکہ آرائی کی ساتھ ہی والد کو تو کرسی پر بٹھایا اور آپ دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا۔ والد جو بالکل معصوم صفت تھے خدا کی حمد کرنے لگے کہ اس نے دو مخالف بھائیوں کو کس طرح آپس میں ملا دیا۔ چند گھنٹے کے بعد اپنے لشکر گاہ میں چلے آئے اور یہاں سے سات ہزار بھیڑیں دو ہزار آٹے اور جو کے خروار شیر علی کو بھیجے کیوں کہ سامان رسد اس کے پاس مطلق نہ رہا تھا+

دوسرے روز شیر علی والد سے ملنے خود ان کے لشکر گاہ میں آیا اور اجازت چاہی کہ میں سلطان الاولیاء کے مزار کی زیارت کے لئے جانا چاہتا ہوں اور پھر کابل چلا جاؤں گا کیونکہ مجھے وہاں بہت کام ہیں۔ والد نے شیر علی کو زیارت کے لئے اجازت دیدی اور اپنی فوجوں کو براہ درہ یوسف بلخ روانہ کر دیا۔ اور خود اپنے باڈی گارڈ کے تین ہزار سواروں کو ساتھ لیکے شیر علی کی ہمراہی میں آفاق سڑک پر روانہ ہوئے+

جب لشکر تختہ پول پہنچا جہاں میں مقیم تھا تو میں نے والد کو لکھا آپ نے لشکر کو اپنے سے علیحدہ کر کے سخت غلطی کی۔ والد نے میرے اس لکھنے سے منہ پھیر لیا۔ امیر شیر علی نے اپنے بیٹے محمد علی کو مزار اولیا پر بھیجا غرض یہ تھی کہ میں اس سے جا کے وہاں ملوں۔ مگر میں نے ایک خط لکھ کے اسے بھیجا کہ اگر آپ مہربانی کر کے تختہ پول میں تشریف لے آئیں تو میں بہت خوش ہوں گا۔ محمد علی نے جواب دیا افسوس ہے کہ اب تو میں اپنے والد کی خدمت میں جاتا ہوں اگر خدا نے کیا تو پھر کبھی ہم دونوں آکے ملیں گے۔ جب والد مزار پر پہنچے تو ان سے ملنے مزار پر گیا میں نے بہتیرا کہا دیکھئے شیر علی آپ کے ساتھ چال کر رہا ہے اور آپ کو سخت فریب میں ڈال رکھا ہے۔ وقت پر قطعی دھوکا دے کے چشم زخم پہنچائے گا اگر اجازت ہو تو ابھی میں اسے گرفتار کر لوں۔ یہ سُنکے والد نے قرآن مجید اٹھا کر کہا "اس پاک کتاب کا واسطہ دے کے کہتا ہوں کہ ایسا ذلیل فعل کبھی نہ کیا جائے۔ میں نے جواب دیا" آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ میرے چچا جان ایسے ذلیل فعل کے کرنے میں ذرا بھی پس و پیش

نہ کریں گے"۔ غرض دوسرے روز شیر علی بھی آپہنچے اور شب بھر مزار میں آرام کیا۔ والد مجھ سے نخستہ پول ملنے آئے اور یہاں سے اپنے بھائی کو ہدیئے بھیج کے کہلا بھیجا کہ میں آپ کو خدا حافظ کہنے کے لیئے وہاں آتا ہوں۔ حسب معمول میں نے بہتیرا سر پٹکا کہ لِلّٰہ یہ غلطی نہ کیجئے اور ہرگز نہ جائیے لیکن والد نے ایک نہ سُنی اور سیدھے شیر علی کے پاس تشکر غان روانہ ہو گئے۔ جوں ہی والد پہنچے امیر شیر علی نے اپنی قسم کو توڑ ڈالا اور والد کو قید کر کے زنداں میں بھیج دیا۔

لشکر نے جوں ہی یہ خبر سُنی مارے غصہ کے آگ بگولا ہو گیا اور سب نے یکزبان ہو کے کہا کہ امیر کے مقابلہ میں بڑھنا چاہیئے۔ میں کل فوج کی ہمراہی میں دو دو ہاتھ کرنے کے ارادہ سے مزار پر آیا یہاں میں نے اپنے خیمے نصب کئے کہ اسی اثنا میں والد کا ایک خط میرے نام آیا جسمیں اُنہوں نے لکھا عبد الرحمن ہرگز جنگ نہ کیجو اگر تو نے خلاف ہدایت جنگ کی تو پھر میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں رہنے کا۔ والد کا یہ خط میں نے فوج کو پڑھ کے سنا دیا سنتے ہی فوج مارے غصہ کے کانپ گئی اور میرے معطل رہنے سے اُس کو اور بھی طیش آیا۔ کل فوج مجھ سے برگشتہ ہو کے کابل چلی گئی اور اب میرے پاس صرف پانسو یا چھ سو ساتھی رہ گئے۔ شب کو دوسرا خط والد کے پاس سے آیا جس میں لکھا تھا کہ تو فوراً بخارا چلا جا ناچار میں ان وفادار ہمراہیوں کو لیکے جو اب تک میرے ساتھ تھے بخارا روانہ ہو گیا اور ڈبل کوچ کرتا ہوا اتنی جلدی سفر طے کیا کہ سرحدات سے نصف دوری کے فاصلہ پر نکل گیا۔ جب میں مقام دولت آباد میں پہنچا تو دو ہزار سواروں کو ایک پہاڑی کے گرد کھڑا ہوا دیکھا غالباً اِس سے بھی زیادہ لوگ تھے۔ ایک شخص کو ان کی اصلی حقیقت دریافت کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اوزبک سوار ہیں اور بلخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سنکے میں اُن کے پاس گیا اُنہوں نے مجھے سلام کیا اور کہا ہم ایک شادی کی تقریب پر یہاں آئے ہیں پھر میں نے دریافت کیا اچھا پہاڑیوں پر یہ کون لوگ ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ افغان ہیں جن سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ سنکے مجھے یقین ہو گیا کہ قطعی یہ نائب غلام اور عبد الرحیم خاں ہیں جو ایک شب پہلے مجھ سے جدا ہو گئے تھے اور میں نے ایک شخص کو ان کے پاس بھیج کے اُنہیں بلایا تھا کہ مجھ سے آ کے مل جائیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ زبانی بات چیت ہم نہیں سنتے جب تک تحریر ہمارے پاس نہ آجائے گی ہمیں یقین نہ آئے گا۔ اخیر میں نے

اُن کا اطمینان کر دیا اور وہ مجھ سے آکے مل گئے۔ صرف غلام احمد شب کو ان لوگوں سے جدا ہو کے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ہم سب مل کے جیجوں کیطرف روانہ ہوئے اور اوزبکی سوار بھی ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے میں نے اُن سے مُصر ہو کے کہا تم میرے ساتھ نہ چلو اُنہوں نے جواب دیا ہم تو آپ کی فوج کی خدمت کرتے جائیں گے۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ اوزبک افغانوں کے سخت دشمن ہیں جب انہیں موقع ملتا ہے بغیر چوٹ کئے نہیں رہتے۔ جب میں نے اُن پر بہت زور دیا تو وہ واپس پھرنے پر راضی ہو گئے۔ ہم برابر شہر دہ نہر کی طرف چلے جا رہے تھے جس کے بعد نہ آبادی تھی نہ کوئی گاؤں آتا تھا یہ صرف صحرائے لق و دق تھا جہاں کسی قسم کی آبادی کا پتہ نہ تھا۔ ہم سفر کرتے کرتے جیجوں پر پہنچ گئے راستہ میں تربوزوں کی فالیز ملی اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ دو دو تربوز ہر شخص لیلے کیونکہ اس ریتیلے جنگل میں اُنہیں کہیں پانی نہیں ملنے کا جب ہم جیجوں کے نصف دوری پر پہنچ گئے تو میرے سواروں میں نصف آدمی گھوڑوں سے اُتر کے تربوز کھانے لگے۔ میں نے اُنہیں باز رکھنا چاہا اور کہا یہ جگہ محفوظ نہیں ہے تم گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور پشت زین پر تربوز کھاتے چلو لیکن نائب غلام احمد نے کہا کہ اس سے بہتر سایہ کی جگہ ملنے کی نہیں ذرا دم لینے دیجیے پھر آپ کے ساتھ چلیں گے۔ میں خاموش ہو رہا اور اُنہوں نے دریاں اور چادریں بچھا کے لیٹی تانی تیس سوار اور کل روپیہ میں اپنے ساتھ لیکے آگے بڑھ گیا۔ اور شست غلام احمد کو دو سو چالیس سواروں کے ساتھ اسی مقام پر چھوڑ دیا۔

غلام احمد کی فوج میں نظیر حیدر۔ عبدالرحیم۔ کرنیل سُہراب۔ کرنیل نظیر۔ کمان افسر سکندر چرخی کمان افسر حیدر پسر سکندر چرخی۔ چالیس کپتان اور رسالدار یہ خاص خاص افسر تھے۔

تختہ پول سے جب میں آیا ہوں تو میرا بیٹا تین برس کی عمر کا وہیں رہ گیا تھا۔ اُس کا چچازاد بھائی سردار عظیم خاں عمر پندرہ سال اُس کے ساتھ تھا۔ یہ دونوں بچے سکندر خاں اور گزنی اور غلام علی کی نگرانی میں تھے۔ میں نو یا دس میل گیا ہوں گا کہ ایک سوار دوڑا ہوا آیا اور مجھے ٹھیر کے یہ کہنے لگا کہ للہ آپ جلد مدد کو چلئے اوزبک سوار جنہیں آپنے ٹالا تھا نائب غلام اور اُس کے آدمیوں پر آپڑے یہ لوگ درخت کے نیچے سوتے تھے میں نے یہ سُنکے جواب دیا "میرے آدمی بھی کتنی عقلمند ہیں بجائے حفاظت اور بچنے کی فکر کے وہ آمادہ ہیں کہ میں اُنکے ساتھ میدان میں قتل ہوں سپاہی

کی بہادری یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ میدان میں جان دیدے بلکہ اس کی اصلی شجاعت یہ ہے کہ جہاں تک ہو بے فائدہ قتل سے اپنی جان بچائے خطرہ سے بچنے کے معنی بہت بڑی فتح ہے۔"

اس قاصدسے میں نے یہ بھی کہا کہ جب میرے ساتھ تین سو سوار تھے اس وقت تو میں نے اُن سے لڑنا مناسب نہ جانا نہ کہ اب صرف تیس آدمیوں کے ساتھ میں اُن سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوں گا۔ میرے ساتھ ایک افسر نظیر خاں نامی تھا وہ اپنے بھائی سُہراب کی امداد کے لئے واپس چلا گیا۔

میں سیدھا جیحوں کیطرف ہولیا۔ کچھ دور پہنچ کے میں نے اپنے آدمیوں کو قیام کرنے کا حکم دیا اور آپ ایک شخص کو ساتھ لیکے کشتی کرایہ کرنے کے لئے ساحل پہ آیا۔ میں اس لئے ایک شخص کو ساتھ لیکے آیا مبادا کشتی والے زیادہ آدمی دیکھ کے چونک نہ پڑیں۔ صرف ایک کشتی ملی اور اس پر کئی ترکمانی سوداگر آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ ایک سوداگر نے تو اپنا سامان اور دس اونٹ جہاز پر سوار بھی کرا دیئے تھے میں گھوڑے پر اُتر کے کشتی میں گیا۔ ملاحوں نے ترکی زبان میں مجھ سے دریافت کیا "کہ تو کون ہے"؟ میں نے ترکی میں جواب دیا "میں ایک سوداگر ہوں" میں نے اپنے سوار کو اشارہ کر دیا کہ تو اپنے کل ساتھیوں کو بلا لا جوں ہی تیس سوار آکے پہنچے ملاح اور سوداگر سناٹے میں رہگئے۔ جب میرے کل آدمی آگئے تو میں نے تپنچہ کو سوداگروں کی طرف کر کے کہا کہ اگر ایک قدم بھی تم نے آگے بڑھایا تو گولی مار دوں گا کیونکہ یہ سوداگر ابھی کرایہ کا باہم جھگڑا کر رہے تھے تپنچہ دیکھتے ہی اُن کا جھگڑا لڑائی سب فرو ہوگیا اور وہ حیران ہو کے میرے ایک آدمی سے پوچھنے لگے کہ یہ کون شخص ہے اُس سوار نے جواب دیا "سردار عبدالرحمٰن پسر افضل خاں" یہ سنتے ہی سوداگروں نے جُھک کے سلام کیا اور مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے معاف کر دیا نصف سواروں کو تو اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر دیا اور نصف کو خشکی پر رہنے دیا کہ اگر ضرورت پڑے تو یہ مدد دیں۔ انہیں ہدایت کر دی کہ تم ملاحوں سے عاریتاً کدالیں مانگ لو اور کچی دیواریں بنا کے اپنی حفاظت کر لو۔

ہم جیحوں کو عبور کرنے کو تھے کہ ایک دوسری کشتی سامنے دکھائی دی میں نے اپنے آدمی کو جو بہت بڑا پیراک تھا اس کشتی کے پاس دوڑ کر دریافت کرایا کہ اس کشتی میں کون لوگ سوار ہیں اس نے

واپس آکے خبر دی کہ عبدالرحیم اس کشتی میں سوار ہیں اور اُن کے ساتھ شاہ بخارا کا ایک ایلچی بھی ہے ہم سب ملکے بہت خوش ہوئے۔ دس۱۰ بجے میں سرحدات بخارا میں اُترا پورے چھ گھنٹے کا راستہ تھا جو میں نے کشتی میں طے کیا تھا۔ جہاز والوں نے اپنے گھوڑے میرے سپرد کر دیئے لیکن میں نے یہ پسند کیا کہ باقیماندہ آدمیوں کے آنے تک میں کنارہ پر انتظار کروں۔ دس اشرفیاں اُن کے حوالہ کیں کہ تم کھانا اپنے اور میرے لئے لے آؤ۔ عبدالرحیم اور سفیر بخارا ملاحوں کے ساتھ گئے میں نے اُسے دو سو تنگا س دیئے کہ دس۱۰ بھیڑیں خرید لائیں اور سواروں کے لئے روٹی وغیرہ کھانا تیار ہو جائے تاکہ میرے باقی کے سوار جب دوسرے روز یہاں آکے پہنچیں تو کھانے کی تکلیف نہ ہو۔

میر شیر آباد کو جو شاہ بخارا کی سرپرستی میں تھا یہ خط لکھا کہ میں بخارا کی حدود میں آگیا ہوں۔ تم فوراً دو سو سوار بھیج دو تاکہ وہ میرے سواروں کی نگرانی کریں۔ خط پہنچتے ہی میر شیر آباد چار سو سواروں اور متعدد کشتیوں کو بھیجنے پر راضی ہو گیا۔ صبح ہوتے ہندوقوں کے فیروں کی آوازیں آئیں۔ میں نے اپنے سواروں کو جگا دیا کہ تمہارے بھائی آگئے ہیں اور بطور شگون خوشی کی بندوقیں چھوڑ رہے ہیں۔ ہر کشتی والے سے کہا میں تمہیں پچاس اشرفیاں دوں گا اگر تم بیس۲۰ آدمی پار اُتار لاؤ گے۔ ملاحوں نے جواب دیا دریا کے دوسرے ساحل پر لڑائی ہو رہی ہے اِس لیئے ہمیں اتنی جُرأت نہیں ہے کہ اِس آگ میں چلے جائیں۔ چند لمحہ میں سوچتا رہا اخیر میں نے اپنے خادم حسن کو بلا کے کہا کہ ہزار اشرفیوں کی تھیلی لے آ۔ یہ ساری اشرفیاں کشتی والوں کے آگے شمار کر دیں اور کہا اگر تم کشتیوں کو لے آؤ گے تو میں یہ سب تمہیں دیدوں گا کشتی والوں کو یقین نہ آیا کہ ہمیں یہ رقم مل جائے گی میں نے اِن سے کہا تم کیوں شبہ کرتے ہو ابھی ان اشرفیوں کو اُٹھا لو اور میرے سامنے اپنے آدمیوں کو کشتیاں لینے بھیجدو چنانچہ اُن کے آدمی گئے اور بہت جلد تیس کشتیاں لے آئے ہم کشتیوں میں بیٹھ کے بہت تیز چلے کہ تھوڑی سی دیر میں ۲/۳ حصہ دریا کا طے کر لیا۔

وہ سوار جنہیں درختوں کے سایہ کے نیچے چھوڑ آیا تھا اور جن پر اوزبکوں نے حملہ کیا تھا لڑتے لڑاتے بہ مشکل دریائے جیحوں کے ساحل تک پہنچے۔ جب اُن سواروں نے دیکھا کہ

کشتیاں نہیں ہیں تو انہوں نے شب تک جنگ ملتوی کردی اور یہ خیال کرلیا کہ علی الصباح دشمن کو گرفتار کرلیں گے۔ وہ سوار جو کچی دیواروں کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اپنے دشمنوں پر فیر کرنے لگے۔ دشمن پریشان ہو کے بھاگا۔

ہم سب نے دریا کو بحفاظت عبور کرلیا۔ اور سواروں نے ۳۶ گھنٹے کے بعد خوب سیر ہو کے کھانا کھایا کیونکہ اس کی تیاری کا میں نے پہلے ہی سے انتظام کردیا تھا۔ دوسرے دن سہ پہر تک ہم کشتی والوں کے گھر میں آرام سے پیر پھیلا کے سوئے۔ بخارا جاتے وقت ایک دن علی آباد ٹھیرا جہاں میر شیر آباد اور ملکی سردار میرے استقبال کے لئے آئے۔ ہم سب میر کے مکان میں گئے جو میرے لئے آراستہ کیا گیا تھا اور دس روز تک اس کے مہمان رہے۔ پھر میرے پاس شاہ کا ایک خط آیا جس میں اس نے مجھے بلانے کے لئے لکھا خط دیکھتے ہی میں فوراً روانہ ہوگیا پہلی منزل میری شور آب پر ہوئی۔ دوسرے روز سیر آب ٹھیرا اور اسی طرح ایک شب بلاک۔ ایک شب چلناز گلا چپناہ۔ حفیندر۔ پی ہی کراسکھہ۔ خاراز۔ اور کدکلی میں ٹھیرتا گیا۔ پانچ روز کراچی میں قیام کیا اور وہاں سے خواجہ اور کاکر سے گزرتا ہوا بخارا پہنچا۔ شاہ کا وزیر قاضی اور کوتوال میرا استقبال کرنے آئے ان کے ساتھ مقام کا کربرا اور بہی ملکی عہدے دار آئے تھے یہ کل سردار مجھے ایک مکان میں لیگئے جو میرے لئے تیار کیا گیا تھا۔ میزبان میرے پاس آیا اور سلام کیا دس روز تک میری خوب آؤ بھگت ہوتی رہی گیارہویں روز شاہ بخارا نے میرے سرداروں کے واسطے اور میرے لئے خلعت ہائے فاخرہ بھیجیں۔ دس ہزار تنگا میرے لئے۔ ایک ایک ہزار میرے سرداروں کے لئے پان پانسو میرے کم درجہ کے ملازموں کے لئے اور دو سو تنگا میرے ہر سوار کیلئے شاہ نے ان چیزوں اور نقد کے علاوہ چاندی کے دو ساز و یراق بھی میرے لئے بھیجے۔ اس کے معاوضہ میں میں نے ایک سونے کے قبضہ کی تلوار۔ دو جوڑے گھوڑے کے طلائی ساز و یراق کے وزنی بارہ ہزار اشرفی ایک طلائی پیش قبض دو سو اشرفیاں ایک جواہر نگار پیٹی قیمتی چار ہزار روپے دو عربی گھوڑے۔ طلائی انگریزی وضع کی کاٹھیاں۔ نو طلائی غالیچے۔ نو کشمیری الوانیں۔ نو کشمیری شال نو کشمیری شال کے عمامے۔ نو تھان ریشمی اور نو طلائی کلاہ شاہ کی خدمت میں روانہ کیں۔ شاہ نے مجھے چند جوڑے قیمتی کپڑوں کے بھی بھیجے تھے اور یہ کہلا بھیجا تھا کہ یہ وہ کپڑے ہیں جنہیں

شاہ بخارا زیب تن کر چکے ہیں یہ سنکے مجھے سخت تعجب ہوا کہ شاہ ایسے رنگین کپڑے پہنتا ہے کیونکہ ایک ہی جوڑے میں چار رنگ تھے۔ سُرخ۔ سفید۔ قرمزی۔ اور سبز۔

جب میں نے اور میرے افسروں نے کپڑے پہنے تو ایک ملازم آیا اور اُس نے کہا کہ شاہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔ محل میں پہنچنے کے بعد وزیر ہمارے استقبال کو آیا اور ہمیں شاہ کے کمرے میں لے گیا شاہ بخارا کا داب نشست و برخاست یہ ہے۔ شاہ ایک بڑے مکان میں دو یا تین منظور نظر خدام کے ساتھہ نشست کرتا ہے اور اُس کے تمام افسر اُس کے گھر کے گرد دیوار کے نیچے بلند حصہ زمین پر بیٹھتے ہیں۔ دروازہ پر دو دربان شاہ کی آنکھوں کو دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ اُن سے کوئی اشارہ کرے اور اوسکی فوراً تعمیل کیجائے آنکھہ کا اشارہ دیکھتے ہی وہ دوڑتے ہیں اور پھر پیغام سنکے خداشی یعنے اعلیٰ افسر دربار کے پاس چلے جاتے ہیں۔ جب میں دربانوں کے پاس پہنچا تو وہ دوڑکے بادشاہ کے پاس گئے پھر وہاں سے دوڑے ہوئے خداشی کے پاس آئے اور پھر مجھے آکے کہا کہ شاہ نے آپکے ہدیوں کو بہت خوشی سے قبول کر لیا ہے۔ پھر مجھسے کہا گیا کہ میں اپنے گھوڑوں کی راسیں پکڑلوں اور تنگاز کو اپنی پیٹھہ پر لادلوں۔ بادشاہ کو سجدہ نما سلام کروں۔ میں نے جواب دیا۔ تنگاز ایک آدمی کا بوجھہ ہے دو گھوڑوں کے لئے دو سائیس درکار ہیں میں ہرگز اپنی زندگی میں کسیکے آگے سجدہ نہیں کرنے کا۔ مجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اُسی کے آگے سجدہ کروں گا ایسی باتیں دربانوں کے کانوں میں کبھی نہیں پڑی تھیں وہ یہ سُن کے خفا ہو گئے۔ اِس پر میں نے کہا کہ میں اپنا پیغام شاہ کے پاس خود بھیجتا ہوں اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو میں کسی دوسرے ملک کو چلا جاؤں گا۔ آخر وزیر نے خداشی سے تھوڑی دیر باتیں کیں پھر وہ شاہ کے پاس چلا گیا اور مجھسے آکے کہا کہ حضور عالی آپ کا سلام قبول کرتے ہیں۔ میں گھر میں داخل ہوا اور میں نے معمولی طور سے السلام علیکم۔ کہا۔ پھر میں نے شاہ سے مصافحہ کیا اور اس نے مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ میں واجبی عزت اور شان سے شاہ کے پاس بیٹھا رہا اور نہایت اخلاق سے باتیں کرتا رہا۔ ایک گھنٹہ تک ہم دونوں کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر میں اپنے گھر چلا آیا +

اِس کے دو مہینے بعد شاہ کا ایک ملازم میرے پاس آیا اور مجھہ سے کہا کہ شاہ آپ پر بڑی

نظر عنایت رکھتے ہیں۔ مناسب ہے کہ آپ ایک ہزار اشرفیاں اور تین سو خوبصورت لڑکے اُنہیں نذر کریں۔ میں نے کہا کہ یہ لڑکے میرے بیٹوں کے برابر ہیں اور یہ اشرفیاں اس سونے کا حصہ ہے جو نذر میں کر چکا ہوں۔ میں نے رسم کے مطابق شاہ کو ہدیے بھیجے اور مناسب ہے کہ اس کی عوض مجھے بھی ہدیے دیئے جائیں۔ دس دن کے بعد پھر وہی ملازم آیا اور کہا کہ شاہ آپکو سلام کہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ آپ کو اپنا درباری افسر بنائیں اور آپ روزمرہ دربار میں حاضر ہوا کریں حضور عالی جاہ آپ پر بہت مہربان ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں ملازم نہیں بننا چاہتا اور مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے کیا برتاو کیا جائیگا۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ آپ یقین ہی کریجے کہ جب آپ ملازم ہو جائیں گے تو آپ کو ایک جاگیر دی جائے گی۔ میں نے کہا کہ میں شاہ کے جان و مال کو دعا دیتا ہوں اور نہ مجھے روپیہ کی خواہش ہے اور نہ جاگیروں کی وہ آدمی کہنے لگا کہ اگر آپ شاہ کی یہ درخواست نہ منظور کریں گے تو آپ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ میں نے یہ جواب دیا۔

آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک میں نے کونسا جرم کیا ہے کہ مصیبت میں پھنس جاؤنگا میں تو خود شاہ کی حفاظت میں آیا ہوں۔ اگر ایسا ہی ہے تو جو کچھ وہ حکم کریگا مجھے منظور کرنا پڑیگا مشکل ساری یہ ہے کہ میں ایسے فرائض کی کبھی تعمیل نہیں کر سکتا جو میں نے اپنے دادا امیر کابل کے سامنے بھی کبھی نہیں کئے۔ میں نے اس آدمی سے یہ بھی کہا کہ میں نے اگر شاہ بخارا کی درخواست کو منظور کر لیا یعنے میں اُس کے دربار کا ایک افسر بھی بن گیا تو میں تمام دن مثل اور افسروں کے سست نہیں پڑا رہوں گا بلکہ کام کروں گا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شاہ اپنے اور افسروں سے بدگمان ہوگا۔ میں نے ایک مثل اوس کے سامنے بیان کی اور وہ یہ ہے "نہ تو ایک اونٹ کا بوجھ میری پیٹھ پر رہ سکتا ہے اور نہ میں اونٹ کی پیٹھ پر رہ سکتا ہوں" یعنے نہ تو بادشاہ رعیت ہو سکتا ہے اور نہ رعیت بادشاہ ہو سکتی ہے۔ وہ شخص مایوس ہو گیا اور اُس نے کہا کہ اتنے سمجھانے کے بعد بھی آپ کچھ نہ سمجھے پھر جتنی باتیں ہوئی تھیں اُن کو قلمبند کر کے چلا گیا۔

جب میں بخارا میں پہلے دن پہنچا ہوں تو میں نے بیس روپیہ مہینے کا ایک شخص دربار میں ملازم رکھ لیا تھا کہ وہ مجھے محل کی کل باتوں سے آگاہ کرتا رہے۔ دربار کا یہ طریقہ تھا کہ ہر بات زبانی طے ہوتی تھی۔ لکھنے کی وہاں رسم ہی جاری نہ تھی۔ اِس لئے ہر درباری شخص کل باتوں سے آگاہ رہتا تھا

رمضان المبارک کے مہینہ میں کل افسر بہت کم کام کرتے ہیں۔ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ مجھے کوتوال کے نائبوں کا بہت ڈر تھا کیونکہ جس دن سے میں نے بادشاہی ملازمت کا انکار کیا تھا۔ میری نگرانی مثل ریاست کے قیدیوں کے کی جاتی تھی۔ میں بظاہر اس سے خبر بھی نہیں ہوا اور نہ میں نے اپنے ملازموں سے اسکی بابت کہا۔

عید کے دن شاہ نے اپنے ملازموں کے ہاتھ دو چغے۔ ایک پگڑی اور ایک رومال بطور خلعت کے بھیجا اور کہا کہ علی الصباح عید کو شاہ آپ سے مل کے بہت خوش ہونگے۔ غرض علی الصباح میں وہاں پہنچا۔ ایک بڑے کمرہ میں میں نے چالیس آدمی بیٹھے ہوئے دیکھے جن میں ایک محمد خاں تھا۔ محمد خاں وہ شخص تھا جس نے افغانستان سے بغاوت کی تھی اور میری فوج نے کرنل محمد خاں اور غلام علی خاں کی ماتحتی میں اسے شکست دی تھی اور وہ بھاگ کے بخارا میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ میری جگہہ بیس آدمیوں کے ساتھ سب سے نیچے مقرر کی اور محمد خاں کو دس آدمیوں کے ساتھ بلند جگہ پر بٹھایا۔ اسی اثنار میں بادشاہ آگیا۔ لوگوں نے اُٹھ کے اُسکے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ میں نے بھی ان لوگوں کی پیروی کی پھر بادشاہ چلا گیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا اور اسپر دستم قسم کی مٹھائی چنی گئی۔ لوگوں نے کھانا شروع کیا اور خوب پیٹ بھر کے کھایا۔ بعضوں نے مٹھائی رومالوں میں باندہ لی۔ اور کمبخت اس طرح سے کھانے پر گرے جیسے گائے بھینسیں گرتی ہیں نہ اُن کو دسترخوان کی ضرورت تھی اور نہ رکابیوں کی۔ میں بڑے تعجب سے اس وحشی پن کو دیکھ رہا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ کیوں نہیں کھاتے یہ توشاہ کی طرف سے پاک دعوت ہے۔ میں نے مٹھائی کا ایک ذرا سا ٹکڑا لیکے چکھا اور کہا کہ بس یہی کافی ہے۔ اور جہانتک مجھ سے ہو سکا میں جلدی عید گاہ پہنچا جہاں بادشاہ نے میرے لئے ایک جگہ رکھ چھوڑی تھی +

میں نے وہاں نائب غلام اور کپتان افسر سکندر خاں کو دیکھا جن کے ساتھ میرے چالیس سپاہی تھے اور جنھوں نے اب شاہ بخارا کی ملازمت کرلی تھی۔ اُنھوں نے نہ مجھے پہچانا اور نہ مجھے سلام کیا۔ شاہ ایک سفید گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک بڑا لمبا طرہ ان کی پگڑی پر نصب تھا ایک طرہ گھوڑے کے سر پر۔ تیسرا گھوڑے کی دم پر۔ ایک کشمیری شال کا پٹکا باندہے ہوئے

تھے۔ اور تیس گز طلائی کپڑا سر پر بندھا ہوا تھا۔ اور وہ ایک جواہر نگار بیش قیمت پیٹی میں لگائے ہوئے تھا۔ ہر شخص جو اس کے پاس آتا تھا وہ تین دفعہ سجدہ کرتا تھا مگر میں بے حس و حرکت کھڑا تھا شاہ آیا اور میرے پاس بیٹھ گیا تکبیر کہی گئی نماز شروع ہوئی۔ نماز میں شاہ کے عمامہ کے تین پیچ کھل گئے اب شاہ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ڈر کے مارے اٹھتے نہیں کہ اب پگڑی گر پڑے گی جب مینے یہ دیکھا کہ اتنے بڑے شاہ کی بے عزتی ہوتی ہے میں نے سلام پھیر کے رکعت کو توڑ ڈالا۔ آگے جھک کے شاہ کے وہ تینوں پیچ باندہ دیئے خدا تعالیٰ معاف کرے میں نے اپنی نماز کھوئی اور سمجھا کہ میں نے یہ بڑا اچھا کام کیا۔ نماز کے بعد شاہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ لوگوں نے سجدہ کیا۔ چونکہ مجھے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے میں گھر چلا آیا شاہ نے کوتوال سے کہا کہ کوئی الزام رکھ کے عبدالرحمن کو ناخوش کرو اور اس پر کسی عورت سے باتیں کرنے کا الزام لگاؤ مگر یہ چال چل نہ سکی اس لئے کہ میرے ساتھ ہر وقت ساٹھ ستر آدمی رہتے تھے۔ پھر شاہ نے کوتوال سے کہا کہ اس کے نوکروں کو ایسا صدمہ پہنچاؤ کہ یہ سب چھوڑ کے اسے چلے جائیں۔ اسی اثناء میں یہ خبریں پہنچیں کہ روسیوں نے تاشقند لے لیا۔ اور بخارا پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں شاہ یہ وحشتناک خبر سنتے ہی سمرقند روانہ ہو گیا۔ اور میں بخارا میں رہ گیا میں نے فوراً ایک ملازم اپنے چچا محمد اعظم کے پاس راولپنڈی میں بھیجا اور خط میں لکھا کہ میں انشاء اللہ عنقریب یہاں سے رہا ہو کے بلخ روانہ ہوتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد براہ سوات چترال اور بدخشاں میں آئیں اور پھر ہم دونوں بلخ میں آ کے مل جائیں میں نے ایک بلخ کی فوج اور شاہ بخارا کو سمرقند میں لکھ کے بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ملک واپس چلا جاؤں میں نے نظیر حیدر خان اور گمان افسر نظیر کے ہاتھ یہ خط روانہ کیا جب وزیر شاہ قاضی اور کوتوال کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ بغیر ہماری اجازت کے آپ نے کیوں شاہ کے پاس خط بھیجا میں نے جواب دیا کہ بادشاہ کے بہت سے ملازم ہیں لیکن ان میں سے ایک کو بھی میں اپنے سے بڑا نہیں سمجھتا اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم بھی تو آپ کا خط شاہ کے پاس بھیج سکتے تھے میں بولا اس میں بھی ایک دقت تھی پھر مجھے خود جا کے شاہ کو سمجھانا پڑتا اور یہ شاہ کی اور تمہاری مرضی کے خلاف ہوتا۔ بہر حال جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ شاہ نے میرے خط کا جواب

نہیں دیا انتظار کرتے کرتے جب میں تنگ آگیا تو میں نے دوسرا خط جنرل علی عسکر خاں کے ہاتھ شاہ کی خدمت میں روانہ کیا اس دوسرے خط پر شاہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اُنہوں نے کہا جب آپ عبدالرحمٰن کو نہ روپے سے امداد دیتے ہیں اور نہ کسی طرح سے اُس کی دستگیری کرتے ہیں پھر اس کے رکھنے کی کیا ضرورت ہے شاہ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور مجھے اجازت دی کہ جہاں میرا جی چاہے چلا جاؤں ✣

اسی اثنار میں شاہ نے وزیر کو لکھا آیا عبدالرحمٰن کے ملازم اسی کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں یا ہماری ملازمت میں رہیں گے۔ اس خط کا مضمون زیادہ واضح نہ تھا وزیر یہ سمجھا کہ شاہ کا ان ملازمین سے مطلب ہے جو اسوقت میرے ملازم ہیں حالانکہ شاہ کی ان ملازمین سے غرض تھی جو میرے بخارا آنے سے پہلے یہاں چلے آئے تھے اور مجبوراً شاہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ وزیر اپنی اسی غلط فہمی پر قایم رہا اور اس نے ایک خط مجھے لکھا کہ تم اپنے کل ملازمین کو میرے پاس بھیجدو تاکہ میں اُن کے آگے شاہ کا پیغام کہدوں۔ اس خط کو دیکھتے ہی میں چونکا اور مجھے یقین ہو گیا کہ وزیر کی نیت یہ ہے کہ پہلے اس بہانہ سے میرے ملازمین کو قید کرے اور پھر مجھے گرفتار کر لے اس لئے میں نے وزیر کو لکھ کے بھیجا کہ اگر آپکو کوئی پیغام شاہ کا سنانا ہے تو آپ یہاں خود تشریف لا کے میری موجودگی میں میرے ملازمین کے آگے کہدیں میں آپکے پاس اُنہیں نہیں بھیج سکتا میرے ملازمین نے بھی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ ہم وزیر کے پاس زندہ نہیں جانے کے ہاں ہماری لاشیں وزیر کے پاس پہنچیں گی ہم آخر دم تک جنگ کریں گے۔ اُنہوں نے ہتیار باندھ لئے اور آمادۂ جنگ ہوئے پھر میں نے خط کا جواب لکھ کے قاصد کو دیا۔ وزیر نے جواب دیکھ کے اپنے ایک معتمد کو میرے پاس بھیجدیا اس نے کل ملازمین کو جمع کر کے شاہ کا پیغام سنادیا۔ اُنہوں نے متفق اللفظ جواب دیا ہم یہاں اپنے شہزادہ کے ساتھ آئے ہیں اور اسی کی خدمت کریں گے شاہ کی غلامی ہمیں کسیطرح بھی منظور نہیں ہے۔

دو دن کے بعد جب میں سفر کی تیاری کر رہا تھا سکندر خاں نائب غلام کے ساتھ معہ اپنے ساتھیوں کے اپنا سامان اور بستر کندھوں پر لادے ہوئے میرے پاس آیا اور کہا شاہ نے ہم سے کہا کیا تو ایک دستاویز اس مضمون کی لکھدو کہ ہم میں سے ہر شخص شاہ کا غلام ہے اور نہیں میں تمہیں

اپنی ملازمت سے برخاست کرتا ہوں ہم میں سے کسی نے بھی غلام بنا پسند نہیں کیا اور ہم موقوف ہوکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بہت سے قرضخواہ آ پہنچے اور اُنہوں نے اپنے دو ہزار روپے سکندر خاں وغیرہ سے مانگنے شروع کئے۔ اس پر میں نے نائب غلام سے کہا اگر تم میرے ساتھ وفادار بنے رہنے کا وعدہ کرو تو میں اِس سے زیادہ روپیہ تم پر خرچ کرنے کو موجود ہوں نائب غلام کی شرمندگی کے مارے آنکھیں اونچی نہیں ہوئیں اور وہ نیچی نگاہیں کیئے ہوئے خاموش بیٹھا رہا۔

پھر میں نے کمانڈنٹ سکندر سے کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے اِس نے جواب دیا کہ میں بخارا کی دو ایک عورتوں پر دل سے فریفتہ ہوگیا ہوں اگر وہ میرے ساتھ چلنے پر راضی ہوگئیں تو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور جو وہ راضی نہ ہوئیں تو میرا ارادہ تو یہیں ٹھیرنے کا ہے میں نے نائب غلام اور اس کے ساتھیوں کے لیئے گھوڑے خریدے کیونکہ یہ لوگ اپنا کل سامان اور گھوڑے فروخت کرکے کھا گئے تھے۔ پانچ روز میں ہماری تیاری مکمل ہوگئی اور ہم سب بلخ روانہ ہوئے +

تیسرا باب ۳

شیر علی کے ساتھ جھگڑا

سنہ ۱۸۶۵ء سے سنہ ۱۸۶۷ء تک

اب میں اپنی ناظرین کی توجہ اُن واقعات کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں جو میرے بلخ چلے آنے کے بعد حادث ہوئے اور میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ شیر علی نے کیا کیا کارروائی کی +

جوں ہی بلخ سے میں نے پیٹھہ موڑی امیر شیر علی وہاں آدھکے چھ روز انہوں نے تشکرخاں میں قیام کیا۔ سب سے پہلے اس نے یہ کیا کہ ہمارے بیوی بچوں کو قید کرکے کابل بھیجدیا اور میرے باپ کو سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔ پھر اپنے بھتیجے سردار فتح پسر اکبر خاں کو بلخ کا گورنر مقرر کرکے کابل واپس چلا گیا اور وہاں جاکے فی الفور اپنے دو بھائیوں امین اور شریف خاں سے جنگ کی تیاری

کرنے لگا۔ جب پوری تیاری کر چکا تو اپنے بیٹے ابراہیم اور سردار ناظر خاں کو کابل میں چھوڑ کے آپ قندھار روانہ ہوا کہ میرا باپ قیدیوں کی طرح اب بھی اُس کے ساتھ تھا۔ لیکن ہماری کل مستورات کو اور بچّوں کو بلا کسی انتظام خورد نوش کے کابل میں چھوڑ گیا ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہا۔ تھانہ ایسے شخص مقرر کئے تھے جو اُنکی نگرانی کرتے رہتے۔ میرے والد نے قیدخانہ ہی سے شیر علی کو ایک خط لکھا کہ تجھے ایسے ظلم اور زیادتیاں نہیں کرنی چاہیں تجھے شرم چاہیئے کہ پہلے تو نے اپنی سوتیلی ماؤں اور سوتیلے بھائیوں سے ایسی بدسلوکی کی اور پھر تو اپنے سگے بھائیوں سے بھی ایسی بے رحمانہ طور پر برتاؤ کرنا چاہتا ہے آگے چلکے یہ فقرہ لکھا "اے شیر علی خون ناحق کر کے اپنے نام کو بٹا نہ لگا تو خوب سمجھ لے کہ اِس کے نتائج تجھے بہت بُرے بھگتنے پڑیں گے" شیر علی نے اسکی کچھ پروا نہ کی دو روز تک اپنے بھائیوں سے جنگ کرتا رہا اخیر اس کا بھائی امین اور اِس کا ولیعہد بیٹا سردار محمد علی خاں میدان جنگ میں کام آئے۔

یہ دردناک نقصانات سُنکے میرے والد نے قید ہی میں سے پھر شیر علی کو لکھا "تمہاری زشتی اعمال تمہاری آئندہ بربادی کی شہادت دے رہی ہے۔ حیف ہے تجھپر اے شیر علی"۔ امیر کے سپاہی امین خاں کی لاش اُٹھا کے اِس کے سامنے لائے اور اِس فتح پر شیر علی کو مبارکباد دی لیکن اِس کے سرداروں کی یہ جُرأت نہ ہوئی کہ اسکے بڑے بیٹے کے قتل کی خبر بھی کہدیں صرف اُنھوں نے یہ کیا کہ امیر کے بیٹے کی لاش بھی اٹھا لائے جب وہ لاش تھوڑی دور پر رہ گئی تو شیر علی نے غل مچا کے کہا کہ "دوسرا کتا کون ہے" کسی نے جواب نہ دیا بلکہ لاش کو امیر کے قدموں کے پاس لٹا دیا جب شیر علی کی نظریں اپنے بیٹے کی طرف پڑیں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مُنہ نوچ لیا خاک اُڑانے لگا۔ اور لاش کے پاس گر کے لوٹنے لگا۔ بالکل مجنون ہوگیا اور حواس خمسہ میں ایسا فرق آگیا کہ کیسکو نہ پہچان سکتا تھا گھنٹہ بھر کامل اُس کی یہی حالت رہی دو روز کے بعد اپنے بیٹے کی لاش کابل بھیجی۔ امین کی لاش اُس کے ملازمین نے قندھار میں ایک مزار کے پاس دفن کر دی شیر علی کبھی تو مسلوب الحواس ہو جاتا تھا اور کبھی دیوانہ وار ہذیان بکنے لگتا تھا قندھار پہنچنے تک اسکی یہی کیفیت رہی۔ یہ موقع میں مناسب سمجھ کے بخارا روانہ ہوا اور شیر آباد پہنچ کے میں نے بلخ اور اوسکے اضلاع کی فوجوں کو لکھا کہ سب کے بلانے سے میں یہاں آیا ہوں اور اب میں آپ

کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہوں +

میں یہاں ولی محمد اور فیض محمد خان دو بھائیوں کی واقعات زندگی کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں یہ دونوں بھائی گورا کچا تھے میرے والد نے یہ صوبہ اد نہیں عطا کر دیا تھا۔ یہ دونوں لونڈی کے بطن سے تھے اور امیر دوست محمد خان کی زندگی میں انہیں دو ہزار روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ جب دوست محمد خان کا انتقال ہو گیا تو میری سوتیلی ماں بی بی مروارید نامی ان بچوں سے محبت کرنے لگی اسنے میرے والد کو لکھ کے بھیجا کہ اِن بچوں کی ماں اپنے فرزندوں کو آپ کی غلامی میں دینا چاہتی ہے اور آج کل خرچ کی طرف سے بہت تنگ ہے آپ اِن کی ضرور امداد کریں میرے والد نے فوراً پانچ ہزار روپیہ اِن بچوں کی ماں کو بھیجدیئے اور ہدایت کر دی کہ تم سب بلخ چلے جاؤ۔ جب یہ وہاں پہنچے تو ولی محمد کو ایک بٹالین چھ توپیں ایک ہزار ملیشا اور ایک ہزار سواروں کے ساتھ صوبہ اکچا حوالہ کر دیا پھر میرے والد نے فیض کو بھی اُس کے کنبہ کے ساتھ بُلا لیا۔ بڑے افسوس کی بات یہ ہوئی کہ کمبخت ولی محمد نے دغا کی اور شیر علی سے ملکے میرے والد کو قید کرا دیا۔ شیر علی ولی محمد کو اپنے ساتھ کابل لیگیا اور اوسکی جگہ اُس کے بھائی فیض کو چھوڑ گیا۔ اسوقت صوبہ کا انتظام بگڑا ہوا تھا اور فیض دق ہو کے اِسکی حکومت سے دست بردار ہونا چاہتا تھا۔ ولی محمد بھی رضا مند نہ تھا کہ اِس صوبہ کی حکومت کرے۔ میں نے ایک خط نظیر حیدر اور جنرل علی عسکر کے ہاتھ روانہ کیا جسمیں یہ تحریر تھا کہ شردہ نہر پر دو سو سوار جو ولی محمد کی ماتحتی میں تھے مجھ سے آکے مل گئے ہیں اگر وہ بھی یوں ہی آجائیں گے تو میں اسکا بہت بڑا صلہ انہیں دوں گا میں نے تین ہزار سوار عاریتاً اُن سے لیلئے۔ جب میں بخارا سے روانہ ہوا ہوں تو شاہ بخارا نے میر شیر آباد کو لکھدیا تھا کہ عبد الرحمن اُس طرف آتا ہے دیکھنا تین دن سے زیادہ شیر آباد میں نہ ٹھیرنے پائے۔ میرے پاس اُسوقت ڈھائی ہزار سوار ہو گئے تھے اور امیر شیر آباد کے پاس صرف سو سوار تھے تو اب اس بات کا فیصلہ کرنا کہ شیر آباد میں میں کتنے عرصہ تک ٹھیروں میری مرضی پر موقوف تھا نہ کہ میر کی مرضی پر میر شیر آباد سخت مخمصہ میں تھا ایک طرف کھائی اور ایک طرف کنواں بیچارا میرے پاس دوڑا ہوا آیا اور کہا آپ کیا مشورہ دیتے ہیں اگر میں شاہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور آپ پر شہر سے نکل جانے کے لیئے جبر کرتا ہوں تو

یقیناً آپ مجھے قتل کر ڈالینگے اور اگر شاہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو وہ مجھے کاہیکو زندہ چھوڑنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا تم گھبراتے کیوں ہو شاہ بخارا کو یہ لکھ کے بھیجدو کہ عبدالرحمٰن کے پاس اسی وقت زبردست فوج موجود ہے جبتک آپ کثیر تعداد فوجوں کی نہ بھیجیں گے میں شیر آباد سے اُسے بیدخل نہیں کر سکتا۔ یہ خط ایسے قاصد کے ہاتھ بھیجا جائے جو بہت عرصہ کے بعد لیکے پہنچے اور جب وہ اس پر اعتراض کرے کہ اتنا عرصہ کیوں لگا تو قاصد گڑگڑا کے یہ کہدے حضور راستہ میں میں بیمار ہو گیا تھا اور ایسا بیمار رہا کہ ایک قدم بھی جنبش نہ ہو سکی الحمدللہ کہ چند روز کے بعد افاقہ ہوا اور بہ مشکل حضور عالی جاہ کی بارگاہ عالی میں پہنچا ہوں۔ میر شیر آباد یہ سُن کے بہت خوش ہوا اُس نے ایک خط کسی معتبر قاصد کے ہاتھ روانہ کیا اور یہ ساری باتیں اُسے بجھا دیں میں آگے بڑہنے کی تیاریاں بہت پھرتی سے کرنے لگا کہ اسی اثنا میں مجھے یہ خبر آئی کہ سری پول کی لشکر نے بغاوت کی اپنے نئے افسروں کو قتل کر ڈالا اور اب وہ کل فوج اکچا کی طرف آرہی ہے۔ یہ سنتے ہی میں روانہ ہو گیا چند گھنٹے وزیر آباد میں قیام کیا اور وہاں سے دریائے جیحوں پر پہنچ گیا۔ یہاں صرف دو ہی کشتیاں ملیں خدائے قادر مطلق کی ذات پر بھروسہ کر کے اپنے تیس افسروں اور بہادر سواروں کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھا۔ ان افسروں میں کرنیل نظیر خان اور کرنیل ولی خان میرا پُر بھروسہ غلام تھا جو میدان جنگ کا شیر تھا (اور اب وہ میرا کمنڈر انچیف ہے) اس وقت جس کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ بے ریش و بروت تھا میں نے مختلف لڑائیوں میں اچھی طرح اُس کی آزمایش کر لی تھی اور مجھے بھروسہ تھا کہ دست بدست کی جنگ میں وہ چالیس سواروں کے لئے تنہا کافی ہے۔ دوسرا ایک اور نوجوان بہادر میرا غلام فرہاد نامی تھا یہ بھی شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ میں نے جیحوں کو عبور کر لیا اور بعد میں میرے ساتھی بھی مجھسے آملے۔

رات بھر ہم سفر کرتے رہے علی الصباح اکچا کے ایک گاؤں چلاک سرائے آباد میں پہنچے یہاں قیام کر کے میں نے اُن دو بٹالن کے پاس جو سرلئے پول کے توپخانہ سے یہاں آگئے پہنچی تھیں اور ان چھ بٹالن کے پاس جو ملیشا تھیں اور جن کے پاس میرے والد کی دی ہوئی چھ توپیں تھیں پیغام بھیجے میں تین دن کا جاگا ہوا اور تھکا ہوا تھا خط روانہ کر کے سو رہا۔ میرے خطوط دیکھ کے سپاہی شاد شاد ہو گئے اور ان میں سے ایک ہزار آدمی میرا استقبال کرنے کو دوڑے ہوئے آئے میں نے انکا

ہر طرح اطمینان کیا اور نہایت مہربانی سے پیش آیا اس کے جواب میں اُنہوں نے قسم کھا کے کہا کہ ہم آپ کے قدموں پر اپنا خون بہانے کو آمادہ ہیں۔ حضور جب سے آپ ہم سے جُدا ہوئے ہم سخت ناخوش ہیں اور ہم خدا سے دُعا مانگ رہے تھے کہ حضور واپس چلے آئیں تو غدّار شیر علی کو مزا چکھائیں کہ فریب اور دغابازی کے یہ معنی ہوتے ہیں۔

ہم سب اکچا پہنچے جہاں ہمارا فیض محمد نے استقبال کیا۔ مجھ سے ملکے کہنے لگا کہ میں تو تمہیں بلانا نہ چاہتا تھا مگر میرے لشکر نے تمہیں مدعو کیا ہے یہ باتیں اس کی مجنونوں کی سی تھیں میں نے اس کے جواب میں کہا ”کچھ مضایقہ نہیں ہے آپ تو ایک دانا آدمی ہیں میں نے اپنے لشکر کی ہمت بند ہوانی شروع کی کہ سردار فتح محمد پر یقیناً فتح پائیں گے۔ سردار مذکور نے دو ہزار ملیشا سوار اور پانچ ہزار اوزبک سوار ہم سے جنگ کرنے کے لئے متعین کر رکھے تھے۔ سوار میرے ڈر سے کہ مبادا اُن کی نمک حرامی کی میں سزا دوں اپنے افسروں پر لعنت ملامت کر رہے تھے کہ عبدالرحمن اور اُس کے باپ کی ملازمت سے کیوں علیحدگی اختیار کی وہ ہمیں مثل بھائیوں اور بیٹوں کے سمجھتے تھے اور اُنہوں نے ہمیں اونٹ گھوڑے اور بھیڑیں دی تھیں۔ فتح محمد نے اپنی پیادہ فوج کو تو قلعہ میں مقیم کیا اور رسالہ کو باہر جمایا اس کی فوج کا سپاہ سالار شہاب الدین پسر وزیر احمد تھا جو میرے باپ کے سابق ملازمین میں سے تھا اور جس پر والد ماجد نے بہت سی مہربانیاں کی تھیں یہاں تک کہ وزیر احمد کو ایک موقع پر بلخ کے ایک شہر کا گورنر بنا دیا تھا۔ گورنری میں اُس نے محاصل سرکاری میں سے دو لاکھ روپے خُرد بُرد کر لئے تھے اس پر بھی میرے والد نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں کیا اور اُسے معاف کر دیا اور اس پر طرّہ یہ کہ اُسے اور اُس کے بیٹوں کو سو سواروں پر خان مقرر کر دیا اور لشکر کا جھنڈے بردار بنا دیا۔ شہاب الدین اور فتح محمد اول درجہ کے شراب خوار تھے۔ تختہ پول کے پاس سب سے پہلے ناگہ پر یہی حضرت میرے مقابلہ کیلئے آمادہ کھڑے تھے میں نے شہاب الدین کو ایک خط لکھا جس میں یہ عبارت تھی۔ ”او غدار جو جو مہربانیاں اور عنایتیں میں نے تجھ پر کی ہیں ان سب پر تو نے پانی پھیر دیا اور اب تو چند تر لقموں کے لئے میرے دشمنوں کی طرف سے مجھ جیسے محسن سے لڑنے آیا ہے“ فوج کو میں نے یہ خط لکھا تھا ”تم میری ہی فوج ہو اس لئے میں تمہارے مقابلہ میں تلوار نہیں اٹھانے کا اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو میں بہت خوشی سے علی الصباح قلعہ میں چلا آؤں گا تم مجھے گولی مار دینا اور اپنے

آقا کے قتل کا صلہ حاصل کرنا" اس خط نے فوج کے دلوں کو پگلا دیا سو آدمی قلعہ کو چھوڑ کے میرے کیمپ میں چلے آئے - جب شہاب الدین نے یہ سنا تو چند اوزبک سوار بھیجے کہ اُن کو رستہ میں روکیں اوزبک سدِ راہ ہوئے باہم لڑائی ہونے لگی - میں نے فوراً اپنے سواروں کو روانہ کیا وہ دشمن کی کثیر تعداد فوج میں گھُسے چلے گئے دشمن بے اوسان ہو کے بھاگا اور چار سو گھوڑے ہمارے قبضہ میں آ گئے - یہ نقشہ دیکھ کے شہاب الدین بھی تختہ پول فرار ہو گیا - جب تختہ پول کے سواروں نے یہ صورت دیکھی سب مجھ سے آ کے مل گئے اور تمام بٹالینیں ٹوٹ گئیں - سردار فتح محمد اپنا کل مال و متاع چھوڑ کے تین سو یا چار سو سواروں کے ساتھ بخارا بھاگ گیا - جب میں بلخ پہنچا تو فوج نے میری سلامی اُتاری اور مبارکباد دی - میں نے نائب غلام احمد کو تختہ پول بھیجا تاکہ رعایا کی پریشانی دور کرے دو دن کے بعد میں بھی اس سے جا ملا اور فوج کو آئندہ مہربانیوں کی امیدیں دلائیں - جب میری فوج کی یہ ترتیب ہو گئی اور تعداد بھی زیادہ ہوئی تو علی عسکر خاں کو فوج توپخانہ کا جنرل بنا دیا - اور نظیر خاں کو پیادہ فوج کا جنرل نامزد کیا - دوسرے افسروں کو کرنیل اور جنرل کے عہدوں پر ترقی دی اور جو سپاہی آغاز سفر سے ساتھ تھے اُن سب کی ترقی کر دی -

اس کے بعد تاشقرغان روانہ ہوا یہاں چھ بٹالن کے ساتھ سردار فتح محمد مقیم تھا میری خواہش تھی کہ کسی صورت سے یہ ملک بالکل ان سے صاف ہو جائے - میں بلا مقابلہ امن سے تاشقرغان میں داخل ہوا اور دو روز ٹھیرنے کے بعد مقام ایبک چلا گیا - فتح محمد اور شہاب الدین جو غوری میں تھے ہندوکش کے راستہ سے کابل بھاگ گئے - علی قوم ہزارہ نے اُن کا کل ساز و سامان لوٹ لیا - اسی اثنا میں میر اتالیق کا انتقال ہو گیا اس کا بیٹا سلطان مُراد گورنر اور میر کتغان تھا اس نے مجھے سلام کیا اور پانسو گھوڑے دو سو اونٹ - دو ہزار بھیڑیں - چار ہزار غلہ کی بوریاں چالیس ہزار روپے اور دوسرے متفرق تحفے میری نذر کیے میں نے اس کے باپ کی وفات پر تعزیت کی اور کہا "جب میرے والد نے کتغان کا ملک تمہارے باپ کو دیا ہے تو یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ تاجیک عرب قدیم افغان اور ہزارہ کے جرگے تو ہمارے حوالہ رہیں اور کتغان کے لوگ تمہارے سپرد رہیں - میں بھی اسی معاہدہ کی پابندی کرنا چاہتا ہوں" لڑکا بولا "شیر علی نے بھی یہی قاعدہ جاری رکھا لیکن اُس نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ محاصل میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ بڑھا دیا ہے لیکن افسوس

یہ ہے کہ وہ ایک ہی لاکھہ پر قانع نہیں رہتا دو لاکھہ تک وصول کر چکا ہے اور اس سے بھی زیادہ لینے کی خواہش ہے۔

ایک خط بدخشاں سے میرے چچا کا آیا اس میں یہ لکھا تھا کہ میر اتالیق کی بیٹی سے شادی کرتا ہوں تقریب شادی ادا ہونے کے بعد میں تیرے پاس چلا آؤں گا میں نے اپنی تیاری کر لی تھی جاڑے کا موسم قریب آتا جاتا تھا اور یہ موقع بھی اچھا تھا کیونکہ شیر علی کابل سے غیر حاضر تھا۔ اس لیئے میں نے کوچ بولدیا۔ کارا کوتل کو عبور کر کے اور بدکاک دروں کو طے کر کے مقام باج گاہ میں کچھہ عرصہ قیام کرنے کے بعد بہمن میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کے ہزارہ کے میروں کو خلعت دی اور حکم دیا کہ میرے لئے دو ہزار بوریاں گیہوں اور جو کی ایک ہزار شکیجے مکھن کے اور تین ہزار بھیڑیں ابھی مہیا کر دیں۔ اس سامان کے مہیا ہونے کے انتظار میں باجگاہ قیام کیا اور یہاں اپنے چچا کا بھی رستہ دیکھتا رہا۔ اخیر ایک مہینہ کے رستہ سے چچا جان پہنچے۔ معہ فوج کے اُنکا استقبال کیا اُنہوں نے چترال کے رستہ کی مشکلات بیان کیں اور جو سرد مہری کا برتاؤ انگریزی حکومت ہند نے اُن سے کیا اُس کا تذکرہ کیا حالانکہ یہ میرا چچا ہی تھا جس نے بیچ میں پڑ کے بمقام جمرود میرے دادا دوست محمد اور انگریزوں میں صفائی کرائی تھی۔ چچا جان نے مجھسے بیان کیا کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے ختم ہونے پر تمام لوگ دوست محمد خاں کو ترغیب دیر ہے تھے کہ ہرگز انگریزوں سے نہ ملو کیونکہ شل سابق کے پنجاب افغانستان کی عملداری میں باآسانی شامل ہو جائے گا۔ دوست محمد اس پر راضی ہو گئے اور اس میں کوئی شبہہ بھی نہ تھا کہ اس وقت پنجاب پر ہمارا قبضہ ہو سکتا تھا۔ لیکن میں نے والد (یعنے دوست محمد) سے یہ کہا آپ ایسا ہرگز خیال نہ کریں بلکہ اپنے وعدے پر جمے رہیں اگر آپ عہد شکنی کریں گے تو آپ کا نام ذلت سے زبان زد ہو جائیگا۔ (عبدالرحمن کے چچا کہتے ہیں) اس امید پر کہ مجھے اس کا کچھہ صلہ ملے گا میں ہندوستان گیا تھا۔

جب میرے چچا کو پس پا ہونے کی خبریں آئیں تو وہ بنوں بھاگ گئے اور سوات میں داخل ہو کے مزار اولیا یعنے احمد کے مزار پر پہنچے۔ یہاں کچھہ عرصہ قیام کیا اور پھر دیر اور کوتل لاہور کے رستہ سے چترال میں داخل ہوا اور وہاں سے درۂ دورا کوتل میں ہو کے بدخشاں چلا آیا اور پھر کتغان اور غوری ہوتا ہوا باجگاہ میں پہنچ گیا۔ چچا کے بحفاظت پہنچنے سے میں بہت خوش ہوا اور میں نے

خدا کا شکر ادا کیا کہ اپنے والد کی جگہ میں اُن سے دوبارہ ملا۔ ہم نے فوراً سرداران کابل سے نامہ و پیام شروع کیا اور غوربند کے رستہ سے کوہستان داخل ہوئے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ سردار شریف خاں قید کر لیا گیا تھا اور اس کا بھائی امین ہم سے لڑنے کے لئے تو تم درہ پر بھیجا گیا تھا۔ لیکن جب میرے چچا کا خط اُس کے پاس پہنچا وہ بھاگا ہوا آیا۔ چچا کو سلام کیا اور اپنے بھائی کو جو ہمارے ساتھ تھا گلے سے لگایا۔

شیر علی بھی کس قدر کوتاہ اندیش ہے کہ ایسے آدمیوں کو ہم سے جنگ کرنے کے لئے بھیجتا ہے جو اُن کے بھائیوں کے دوست ہوں

امین خاں نے اپنے لشکر کو جدا کر دیا اور کل لشکر کابل چلا گیا۔ میں چاریکار سے سعد آباد ہوتا ہوا تو تم درہ میں داخل ہوا۔ اس اثنا میں برف پڑنے لگی تھی اور روز بروز اُس کی شدت بڑھتی تھی۔ رسالہ کی مدد سے میں نے اونٹوں کا رستہ نکالنے کے لئے رستہ کو صاف کیا پھر پیادہ فوج بھی باسانی گزر گئی اس کے بعد توپخانہ بہزار دقت پار اُتارا گیا۔

ہمارا سفر اس قدر سخت تھا کہ ہم سارے دن میں صرف دو گھنٹے چل سکتے تھے اس صورت سے ہمنے بہت ہی آہستہ قدم بڑھایا اخیر بہزار مصیبت بمقام ترخامال پہنچے۔ شیر علی کی فوج مقام خواجہ پر مقیم تھی میں نے فوراً پہاڑیوں کی چوٹیوں پر مورچہ بندی کر لی اور یہاں سے دشمن کی نقل و حرکت دیکھتا رہا لیکن دشمن کی فوج کا مطلق پتہ نہ لگا۔ میں نے دُوربین سے دیکھا کہ کابل کی حفاظت کے لئے کچھ بھی تیاری نہیں کی گئی

شب کو اُسی پہاڑی پر آرام کیا علی الصباح شیر علی کے بیٹے کا ایک خط کابل سے آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ تم چالیس روز تک کابل پر حملہ نہ کرو تو میں تمہارے والد کو بھی قید سے رہا کر دیتا ہوں اور تمہیں ترکستان دیدیتا ہوں۔ میں نے شیر علی کے بیٹے کی یہ بات مان لی اس کی وجہ یہ تھی کہ سخت برف کی وجہ سے میں کابل پر حملہ نہیں کر سکتا تھا دوسرے میرا یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ اگر شیر علی کے بیٹے نے اپنے وعدہ کو ایفا کیا تو میں بدخشاں واپس چلا جاؤنگا۔ اسی اثناء میں سردار محمد رفیق خاں اور جنرل شیخ میر جو سردار ابراہیم کے مصاحبوں میں تھے آپس میں جھگڑ بیٹھے شیخ میر کے ساتھیوں کی تعداد بہت بڑی تھی اس نے محمد رفیق کو جو شیر علی کے عاقل وزیروں

میں تھا شکست دی اور پھر شیخ میر نے یہ چاہا کہ کسی طرح رفیق کو قتل کر ڈالا جائے رفیق اپنی جان کے خوف سے بھاگ کے سید ہا تگاؤں میں آ کے پناہ گیر ہوا۔ اور جب میں چارآکار میں پہنچ گیا وہ ہم سے آ کے مل گیا اور اس نے شیر علی کی بدانتظامی کے سارے کچے چٹھے کو ہمارے آگے کھول دیا۔ یہ شخص اب سے ہمارے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ چالیس دن کا مُعاہدہ ہو گیا تھا کہ جنگ نہ ہو ہم اپنی فوج کے ساتھ کوہستان واپس چلے آئے۔ میرا چچا چارآکار میں مقیم رہا جو کابل سے ۲۷ میل ہے۔

بہت ٹھیک موقع پر مارچ کا مہینہ شروع ہوا اور شیر علی کے بیٹے کے وعدہ کا وقت بھی منقضی ہو گیا۔ جب مجھے ایفائے وعدہ کی کوئی امید نہ رہی میں کابل پر بڑہا اور قلعہ دورہ مست پر پہنچا عظیم دین خاں جو ایک ہزار ملیشا کے ساتھ میری یلغار کو روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا چند ہی گولوں میں اس کے ہوش اُڑ گئے اور وہ سیدہا بیرنگ کابل چلا گیا۔ اخیر ماہ فروری ۱۸۶۶ء میں میرا چچا بڑے جاہ وحشم سے کابل میں داخل ہوا اور جب سردار شیر خاں کے مکان میں پہنچا تو سرداران کابل اور وزرا نے اُسے سلام کیا۔ ادہر سردار ابراہیم خاں پسر شیر علی نے کابل کے قلعہ کی خوب مورچہ بندی کر کے اس میں قیام کیا میں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا نوروز کے بعد جنرل شیخ میر اور دوسرے سرداروں نے قلعہ کے دروازے کھولدیئے شیر علی کا بیٹا جب ہم قلعہ میں داخل ہوئے ہیں اپنی حرم سرائے میں بیٹھا تھا جب اس نے ہمارے داخلہ کی خبر سُنی حرم سرائے سے باہر نکلا اور ہمیں سلام کیا اس صورت سے ہم نے کابل فتح کر لیا اور شیر علی کا بیٹا قندہار بھاگ کے چلا گیا۔

چھ ہفتے تو خاموشی سے گزر گئے کہ اچانک ہمیں خبر آئی کہ شیر علی فوج کثیر کے ساتھ کابل پر بڑھ رہا ہے میں نے بھی دو دو ہاتھ کرنے کی تیاری کی اور اپنے سواروں کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ڈویژن کابل میں چھوڑ کے دو باقی ماندہ ڈویژنوں کے ساتھ مقام کوہ سرخ سنگ پر بڑہا۔ اپنے چچا کی سرکردگی میں کابل میں ڈویژنو نکے چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ جلال آباد سے فتح سنگھ کی ایک لڑکی کابل پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھ رہی تھی اس کے علاوہ تین ہزار سوار جنہیں میں نے بعدازاں ملازم رکھا تھا چچا کے پاس چھوڑ دیئے میرے ساتھ اس وقت تیس توپیں

اور نو ہزار سپاہ تھی میں نے میر رفیق خاں کو اپنے ساتھ غزنی چلنے کا حکم دیا جب غزنی پہنچا تو میں نے نظر درک کو دیکھا کہ قلعہ بندی کئے ہوئے پڑا ہے۔ میں نے جاتے ہی اُس قلعہ کا محاصرہ کر لیا لیکن یہ قلعہ بہت ہی مضبوط تھا اور میرا چھوٹا خچر والا توپخانہ اس کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جب یہ بات تھی تو میں نے کچھ عقل کی بات نہ سمجھی کہ مفت میں اپنا گولہ باروت برباد کروں کیونکہ سامان میگزین میرے پاس تھا بھی بہت کم۔ قلعہ میں اسیر شیر علی کے خطوط برابر پہنچ رہے تھے اس سے اہل قلعہ اور بھی دلیر بن گئے تھے۔

شیر علی نے خط میں یہ لکھا تھا کہ چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ میں تمہیں خلاصی دلوانے آرہا ہوں گیارہ روز بغیر جنگ کے گزر گئے یہاں تک کہ غزنی سے ایک دن کی راہ پر شیر علی کا لشکر رہ گیا۔ میرے مخبر چھٹے ہوئے تھے اُنہوں نے خبر دی کہ شیر علی چالیس ہزار شایستہ فوج کے ساتھ بڑھا چلا آتا ہے۔ یہ سُن کے میں نے میر رفیق خان سے مشورہ کیا ہم دونوں نے اسپر اتفاق کیا کہ اس کثیر تعداد شایستہ فوج سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا سخت غلطی ہے۔ مشورہ کر کے ہم ایک تنگ درہ میں چلے گئے جو ہمارے قلیل تعداد فوج کے لئے بہت ہی مناسب تھا۔ میر رفیق نے صلاح دی کہ قدم پیچھے نہ ہٹانا چاہئے مبادا ہماری فوج یہ سمجھے کہ یہ تو اب بھاگتے ہی ہیں ہم کیوں ان کا ساتھ دیں اور وہ تتر بتر ہو کے بھاگ جائے میں نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور میر رفیق کو جواب دیا میری کل فوج شایستہ ہے جہاں جہاں میں جاؤں میرے ساتھ ساتھ جائے گی اور کبھی مجھ سے روگردانی نہیں کرنے کی سعد آباد بڑا ہی تنگ درہ تھا اور ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک بلند بلند پہاڑیاں کھڑی تھیں ہم شب کو وہاں پہنچ گئے۔

شیر علی نے جب ہمارے پس پا ہونے کی خبر سنی تو دس ہزار ہراتی اور قندھاری سپاہ کو ہمارے عقب پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور کابل کے راستہ پر بھی قبضہ کر لیا ترکیب یہ تھی کہ اگر ہمیں کل شکست مل جائے تو ہم بچکے کابل نہ جاسکیں۔ اس دس ہزار فوج سے میری فوج ہراول سے مقابلہ ہوا جس کی تعداد کل چھ سو تھی۔ میرے سوار ہراول بڑی بہادری سے لڑے اور قدم بقدم پیچھے ہٹتے گئے یہاں تک اُنہوں نے مجھے کہلا کے بھیجا کہ ٹڈی دل فوج نے گھیر لیا ہے

جلدی مدد بھیجو۔ قاصد کے پہنچتے ہی دو بٹالن پیادہ فوج کی ان کی امداد کے لئے روانہ کیں اور اچانک شیر علی کے سواروں پر جو ایک جگہ جمع ہو کے جا رہے تھے فیر کردیئے۔ چونکہ وہ ایک ہی جگہ اکٹھے تھے بہت سوں کا ستراؤ ہو گیا اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ میری فوج مال غنیمت لے کے اور فتح کا باجہ بجاتی ہوئی میرے پاس آئی پھر میں اپنی فوج کے ساتھ سعد آباد پر بڑھا۔

جب شیر علی نے اپنی فوج کی فاش شکست کی خبر سُنی فوراً دس ہزار دوسری فوج اُن کی امداد کے لئے روانہ کی یہاں تیا پانچا ہو چکا تھا اور میں بہت تیزی سے سعد آباد چلا آرہا تھا جب اس تازہ دم فوج نے دیکھا کہ میدان جنگ خالی ہے اور عبدالرحمن اپنی فوج کے ساتھ پیچھے ہٹ رہا ہے تو وہ فوج فتح کی خبریں لیکے شیر علی کے پاس پہنچی اور بیان کیا کہ ہماری کثیر تعداد دیکھکر عبدالرحمن کی کمر ٹوٹ گئی اب وہ نوک دُم بھاگا چلا جاتا ہے۔ شیر علی یہ سنکے کھِل گئے اور فتح کی خوشی میں پھولے نہیں سمائے فوراً فتح کی توپوں کے سر ہونے کا حکم دیا اور اپنے رسالہ کو روانہ کیا کہ عبدالرحمن کا تعاقب کر کے اُسے زندہ پکڑ لا۔

جوں ہی ہم شاہ گاہ صبح کے نو بجے پہنچے کہ یہ رسالہ اچانک ہماری آنکھوں کے آگے نمودار ہوا میں بارہ خچر کی توپوں چار بٹالینوں کے ساتھ سامان باربرداری اور رسد کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ سامان کے جانب اُلست میر رفیق کو ایک ڈویژن کے ساتھ تعینات کر دیا تھا اور جنرل نظیر عبدالرحیم کے ساتھ سامنے کی طرف مقرر تھا۔ جب دشمن کا رسالہ بہت قریب پہنچ گیا تو میں تیزی سے آگے بڑھا اور جلدی سے ایک غار میں جو راستہ کے کنارہ پر تھا ایک بٹالن چھپادی اور انہیں حکم دیدیا کہ جس وقت وہ میری توپوں کی آواز سنیں فوراً فیر کردیں پھر اپنے سواروں کو آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کا حکم دیا میں نے دیکھا کہ دشمن کا رسالہ اس گڑھے کے پاس سے گزر رہا ہے جہاں میں نے بٹالن چھپادی تھی میں اپنی بارہ توپیں اُنکے سامنے لے آیا اور حکم دیا کہ توپوں پر فوراً بتی پڑے۔ توپوں کی آواز سُنتے ہی میری پوشیدہ بٹالن نے جو انتظار میں بیٹھی تھی قریب سے رسالہ پر فیر کر دیے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے ایکہزار سوار آناً فاناً میں کھیت رہے اور بقیۃ السیف بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن بہت جلد وہ پھر پلٹے اور اب میرے

پیچھے پیچھے ہو لئے لیکن اُنہیں عقب سے حملہ کرنے کی جُراٴت نہیں ہوئی۔ کچھ عرصہ تک تو وہ پیچھا کرتے رہے جب میری زد پر آ گئے تو پھر اپنے سواروں کو اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حملہ کا نتیجہ میری فوج کے حق میں بہتر نکلا ایک سو پچاس سوار قید کر لئے۔ میں نے ان قیدیوں کو یہ کہہ کے "بھائی میرے شائستہ لشکر سے جنگ کرنا بڑا کٹھن کام ہے" فوراً چھوڑ دیا۔ فوج کی شجاعت اور میرا مہربانی آمیز برتاؤ دیکھ کے یہ لوگ شیر علی کے پاس چلے گئے لیکن رستہ میں اُنہوں نے غضب یہ کیا کہ رعایائے وردک میں سے سو آدمیوں کے سر کاٹ کے اپنے ساتھ لیتے گئے اور جا کے وہ سر شیر علی کے قدموں پر ڈال دیئے کہ یہ سر اُن لوگوں کے ہیں جن کا تعلق افغانی سواروں سے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مقتولین کے ورثا روتے پیٹتے شیر علی کے پاس آئے اور اُنکے سپاہیوں کی بے رحمانہ کارروائی کی شکایت کی کہ ہم بالکل بے گناہ رعایا ہیں۔ یہ ظالم بلاوجہ ہمارے آدمیوں کے سر کاٹ لائے ہیں۔ شیر علی نے فوراً سرگروہ فوج کو بلایا کہ یہ کیا بات ہے اور اس کی اصل حقیقت کس طرح ہے۔ اس شخص نے کہا اصل یہ ہے کہ عبدالرحمن کے سواروں سے لڑنا بڑا ہی کٹھن کام ہے اگر جنگل ہوتا تو وہ ہمیں گھیر کے پیس ڈالتا وہ تو یہ خیر ہوئی کہ پہاڑ اور گھاٹیاں تھیں جہاں سے ہم بچ بچا کے چلے آئے۔

امیر شیر علی غزنی کی طرف روانہ ہوا اور یہاں اس نے چار روز آرام لیا۔ پانچویں روز میرے باپ کو قلعہ میں قید کر کے آپ سعد آباد پر بڑھا۔ آخر الذکر مقام پر میں نے بہت مضبوطی سے مورچہ بندی کر لی تھی اور قلعہائے کوہ پر اپنی توپوں کو نصب کیا تھا اور اب میں دو دو ہاتھ شیر علی سے کرنے کے لئے بالکل آمادہ تھا۔ چار دن سفر کرنے کے بعد شیر علی ہمارے مورچوں کے سامنے آ کے مقیم ہوا میں نے پیشتر ہی سے ایک گاؤں اُنچی نامی سامان خورونوش جمع کرنے کے لئے لوٹ لیا تھا اس وقت بیس روز کا سامان میرے پاس موجود تھا لوٹنے کی وجہ یہ ہوئی کہ گاؤں والوں نے میری فوج کے ہاتھ کسی قسم کا سامان فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میری فوج کی تعداد صرف سات ہزار تھی اور امیر شیر علی کے پاس پچیس ہزار فوج اور پچاس توپیں تھیں۔ غرض توپوں پر بتی پڑی اور اب ایک خطرناک جنگ کا آغاز ہوا توپوں کے دھوئیں سے آفتاب بالکل چھپ گیا تھا چار بجے سہ پہر تک برابر جنگ جاری رہی۔ اس جنگ میں میرا سنگین نقصان ہوا یعنے ہزار سپاہی

سپاہی مقتول اور مجروح ہوئے مگر شیر علی کا نقصان اس سے بھی سہ چند ہوا۔ مجھے فوراً معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے آج کے دن مجھے کامیاب کیا۔ میں نے ایک رسالہ کو بھیجا کہ آندھی اور مینہ کیطرح غزنی پر بڑھ کے میرے باپ کو قید سے رہائی دے۔ رسالہ کے پہنچنے سے پہلے پہرہ والوں نے میری فتح کی خبر سنکے میرے باپ کو چھوڑ دیا تھا اور دست بستہ اُس کے آگے ہاتھ باندہ کے کھڑے ہوگئے تھے وہ سردار جو میرے باپ کے ساتھ رہا ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ سردار سرور خاں۔ پسر سردار عظیم۔ سردار شاہ نواز خاں۔ سردار سکندر اور اس کا چچا۔ محمد عمر برادر سردار سلطان خان گورنر ہرات۔ یہ فاش شکست کھا کے امیر شیر علی قندہار بھاگ گیا اور وہ رسالہ جو میرے باپ کا تھا اور اب امیر شیر علی کی طرف سے جنگ کر رہا تھا اس سے علیحدہ ہو کے ہماری سرپرستی میں چلا آیا۔

اس جنگ سے پہلے میں نے اپنے چچا کو لکھا تھا کہ آپ آکے میری مدد کریں اگرچہ میرے بلانے سے وہ ضرور آگئے لیکن پھر بھی جنگ میں شریک نہ ہوسکے دور سے کھڑے ہوئے جنگ کا تماشا دیکھتے رہے۔ اُن کا بیٹا محمد عزیز جس کی عمر صرف سترہ برس کی تھی بڑی بہادری سے میرے پہلو بہ پہلو دشمن سے جنگ کرتا رہا۔ والد نے بھی مجھے خط لکھا جس میں اُنہوں نے میری اس شاندار فتح پر اظہار خوشنودی کیا۔ اس خط کو پڑھ کے میں بہت خوش ہوا اور میں نے خدائے قادر مطلق کی حمد و ثنا کی اس خط کا جواب میں نے یہ دیا کہ اگر جناب اجازت دیں تو میں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوں اُنہوں نے یہ لکھا کہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم اپنی فوج چھوڑ کے یہاں آؤ میں خود تمہارے پاس آتا ہوں۔

چار روز تک میری سپاہ شیر علی کا سامان اور خزانہ لوٹتی رہی پانچویں روز میرے والد آکے پہنچ گئے۔ اپنی سپاہ کو ساتھ لیکے میں والد کی پیشوائی کو گیا۔ جوں ہی والد کے قریب پہنچا گھوڑے پر سے اُتر کے اُن کے قدموں پر بوسہ دیا اور خدائے توانا و بزرگ کا اُن کی خلاصی پر بہت شکر کیا دوسرے روز میں نے ارادہ کیا کہ ہرات تک شیر علی کا تعاقب کروں میرے والد اس بات پر راضی ہوگئے کہ تیرے چلے جانے کے بعد کل کام تیری جگہ انجام دوں گا۔ میرے چچا اس پر راضی نہ ہوئے۔ مجھے اُس بات سے سخت غصہ آیا میں نے کہا سنئے چچا جان اگر آپ کو یہہ

خوف ہے کہ جنگ ہو جائے گی تو آپ اُس وقت تک مجھے آگے نہ بڑھنے دیں جب تک میں شیر علی کو گرفتار نہ کر لوں۔ پہلے تو والد راضی ہو گئے تھے لیکن بعد میں وہ بھی اپنے بھائی کے ہمزبان بن گئے اور انہوں نے کہا بہتر یہی ہے کہ ہم سب مل کے کابل چلیں۔ اخیر ہم سب کابل پہنچے لوگوں نے بڑے جوش سے ہمارا استقبال کیا اور بہت کچھ خیرات کی۔ میں محل میں داخل ہوا اور اپنے باپ کے نام کا خطبہ پڑھا۔ تمام سرداران کابل نے جمع ہو کے میرے والد کو مبارکباد دی کہ خدا نے آپ کو امیر کابل بنایا اور چونکہ آپ امیر دوست محمد خاں کے بڑے بیٹے ہیں اور حق وراثت آپ ہی کو سب سے زیادہ پہنچتا ہے اس لئے ہم نے بخوشی آپ کو امیر قبول کیا۔ ان سرداروں نے یہ بھی کہا کہ شیر علی کو تو چند فوجی افسروں نے بنا لیا تھا ہم نے تو کبھی اُس کی سلطنت کو پسند نہیں کیا اور ہم نے اُس کے اس بے رحمانہ فعل پر کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا ہمیشہ اس سے نفرت کی آپ سے زیادہ موزوں تخت کابل پر ہم کوئی نہیں پاتے ہیں شیر علی کے بیٹے کے مارے جانے کا بڑا افسوس ہے کہ شیر علی ہی کی وجہ سے اس کی جان گئی اور ہم بھی جبراً قہراً اس کے ساتھ شریک تھے۔

موسم خزاں میں والد نے مجھے اطلاع دی کہ امیر شیر علی نے فوجیں آراستہ کر لی ہیں اور اب وہ کابل کی طرف بڑھے گا میں نے جواب میں یہ لکھا کاش آپ مجھے فتح کے بعد ہرات تک اس کا تعاقب کرنے سے نہ روکتے تو آج دوبارہ جنگ کے لئے اُسے تیاری کرنی نصیب نہ ہوتی۔ پھر میرے والد نے دریافت کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو تم کتنے روز میں کابل پر آ سکتے ہو۔ میں نے اس بات کو پہلے ہی سے سوچ لیا تھا کہ شیر علی ضرور جمعیت کر کے کابل پر ایک دفعہ اور بھی حملہ آور ہوگا اس لئے میں نے ہر قسم کی تیاری کر لی تھی۔ والد کو لکھدیا کہ میں ہر طرح تیار ہوں اور ابھی اطلاع سے کابل کیطرف کوچ کر سکتا ہوں۔ یہ سنکے والد بہت متعجب ہوئے اور کہا کہ یہ پہلی دفعہ ہے کہ ایک افغانی فوج عین دن کے دن ساز و سامان سے درست میدان جنگ میں اعلان ہوتے ہی بڑھ آئے۔ میں والد ہی کی خدمت میں حاضر تھا کہ میں نے سرداران فوج کو تیاری جنگ کا حکم دیا فوراً بارہ ہزار فوج کابل کے پاس جمع ہو گئی۔ اُنہیں دیکھ کے مقام وہ تبری روانہ ہونے کا حکم دیا۔ والد نے میری تیاری افواج کی اچھی طرح جانچ کر لی تھی کسی بات کی بھی کسر نہ تھی۔ پھر والد نے اپنے بھائی

کی طرف خطاب کر کے کہا کہ کیا تمہاری فوج عبدالرحمن کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہے۔ چچا نے جواب دیا کہ سوائے خیموں کے اور کوئی چیز تیار نہیں ہے۔ ہاں ایک مہینہ تیاری فوج کے لئے درکار ہے میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ غزنی میں تمہارا انتظار کروں گا پھر اپنے والد کے ہاتھوں پر بوسہ دیکے روانہ ہو گیا۔ وہاں جاکے بیس روز انتظار کرنے کے بعد مجھے خبر لگی کہ شیر علی مقام قلات توخی میں پہنچا ہے یہ سُنتے ہی میں نے والد کو خط لکھا کہ میرے چچا مجھ سے کب آکے مل جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اس کے پاس تین ہزار سواروں سے زیادہ نہیں ہیں مجھے خیال گزرا کہ اتنی تھوڑی سی امداد کی امید پر میں کیوں اپنی اتنی بڑی فوج کو بیکار رہنے دوں میں نے یہ لکھ کے بھیجدیا کہ رسالہ کی تعداد چار ہزار سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اگر کسی صورت سے چچا کو آنے میں دیر ہو جائے تو میری امداد کے لئے فوراً رسالہ روانہ کر دیا جائے۔ اس خط کو بھیجنے کے بعد مقام موکر روانہ ہوا۔ یہ سنکے شیر علی نے قلات میں مورچہ بندی کر کے وہاں قیام کیا۔ موکر میں بارہ روز چچا کا انتظار کر کے میں اخیر قلات روانہ ہوا۔

دوسرے روز دس ہزار سوار شاہ پسند خاں اور فتح محمد خاں کی ماتحتی میں شیر علی نے لشکرگاہ کی آس پاس کی آبادی لوٹنے کے لئے مقرر کئے ایک مخبر کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ چھپ گئے ہیں جب میں آگے بڑھا تو یہ خبر آئی کہ شیر علی کے یہ کل سوار مقام چشمہ پنجک کے ایک پُرانے قلعہ میں شب کو مقیم رہے تھے۔ میں نے فوراً حکم دیا کہ جنرل نظیر خاں اور عبدالرحیم ایک ہزار فوج رسالہ اور ایک ہزار تورانی سواروں۔ دو بٹالن اور چھ توپوں کے ساتھ قلعہ میں شب خون ماریں۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ دشمن ششدر رہگیا تین سو مقتولین اور ایک ہزار قیدی چھوڑ کے بھاگ گیا۔ میری فوج میں صرف ایک شخص مقتول ہوا کیونکہ دشمن نے ہرگز جنگ کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اُس پر بدحواسی ایسی چھائی کہ وہ افتاں وخیزاں قلعہ کے باہر نکلا اور بمشکل اپنی جان بچائی۔ ان قیدیوں کو میں نے غزنی بھیجدیا۔ یہ سنکے شیر علی کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ سمجھ گیا کہ اس کی تقدیر پھر گئی اسی غم واندیشہ میں گیارہ روز تک بغیر جنگ کے پڑا رہا اس اثنا میں میرا چچا فوج سوار اور پیادہ لیکے آگیا جو کچھ گزرا تھا میں نے اُس سے بیان کر دیا۔ اب اس وقت دو راستے ہمارے آگے تھے ایک قلات غلزی کی راہ سے قندہار کو جاتا تھا اور دوسرا ہوتا کی

جرگے کی عملداری میں ہو کے نوا ارغستان میں جاتا تھا اور پھر یہاں سے منڈہ حصار سے ایک راستہ قندہار میں جانے کا نکل آتا تھا۔ ان دو رستوں کو ایک بلند پہاڑ نے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا میری سمجھ میں آیا کہ اگر ہم افغانستان کے راستہ سے بڑھیں تو جو محنت شیر علی نے قلات کو قلعہ بندی کرنے میں کی ہے وہ سب رائیگاں جائے گی میں نے یہ تجویز اپنے چچا سے بیان کی انہوں نے میری رائے سے اتفاق کیا ہم دونوں اسی مجوزہ راہ سے روانہ ہوئے۔

میری روانگی کی یہ صورت تھی سامان میں نے سب سے پہلے روانہ کر دیا تھا اور سختی کے ساتھ حکم دیا تھا کہ جب تک میں نہ پہنچ لوں جانوران بار برداری سے ایک بھی نہ اُتارا جائے اس کے بعد جنرل نظیر خاں۔ عبدالرحیم اور چند دوسرے عہدے دار تھے میں اپنی فوج کے بازو بہ بازو چل رہا تھا تاکہ پہلو کے حملہ کی روک تھام کر سکوں۔ جب مقام دیوالک یہ کل لاؤ لشکر پہنچا تو میں نے ٹھیرنے کا حکم دیا میں اور میرا چچا پاؤ میل کے قریب پیچھے رہ گئے ہمارے پاس دو توپیں اور دو سو سوار تھے ایک سوار نے مجھے اطلاع دی کہ بھیڑوں کا ایک گلہ آ رہا ہے میں نے دوربین سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بھیڑوں کے بھیس میں دشمن کی فوج آ رہی ہے فوراً میں نے اپنے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ دس پانچ بار سامنے والی پہاڑی پر چڑھو اور اُترو تاکہ دشمن یہ سمجھ لے کہ فوجوں کے دل بادل اُترے چلے آتے ہیں اِدھر عبدالرحیم کو کہلا بھیجا کہ جلدی پہنچ اور جنگ کے لئے تیار ہو جا۔ اسی اثناء میں شیر علی کی کل فوج مفصلہ ذیل تعداد میں نمایاں ہو گئی۔ دس ہزار ارشیت رود سے تین ہزار ہرات سے دس ہزار قندہاری چار ہزار شیر علی کا کابلی باڈی گارڈ۔ یہ کل فوج ہم پر یلغار کرتی ہوئی آ رہی تھی میرے افسر میرے پاس آئے اور کہا آپ سوار ہوں اور اپنی فوج سے مل جائیں میں نے اس رائے سے اس بنا پر مخالفت کی کہ دشمن نے ہماری کمی تعداد کو دیکھ لیا ہے اب اُسے یہ فکر ہو گا کہ ہماری پوری تعداد کو معلوم کرے ہم اس کے رسالہ کو جو اسی تلاش میں نکلیگا بہت آسانی سے کاٹ ڈالیں گے۔ وہ آگ روشن رکھے گا تاکہ ہماری نقل و حرکت کا اسے علم ہو جائے پس ہم فوراً اسی عرصہ میں اس کا فیصلہ کر دیں گے۔ افسروں نے اس بات سے اتفاق کیا لیکن اُن بیچاروں کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اس تدبیر پر کس قدر پریشان ہوں اور مجھے اس معاملہ کا کتنا فکر ہے۔ دوسری طرف دشمن فوجی ترتیب کے ساتھ تلا کھڑا تھا لیکن آگے بڑھتے ہوئے اس لئے ڈرتا تھا کہ ہماری ٹھیک

تعداد اُسے نہیں معلوم ہوئی تھی اس کے علاوہ میری فوج اتنی دور تھی کہ قاصد کا پہنچنا اور پھر امداد کا آنا بڑا وقت چاہتا تھا۔ اخیر دور سے میں نے عبدالرحیم کو دیکھا کہ بھاگوں بھاگ میری مدد کو آرہا تھا۔ کہ اس کے پہنچتے پہنچتے دشمن کی فوج کا ایک حصہ میری دو توپوں پر آپڑا۔ توپیں چلیں ضرور لیکن کچھ کارگر نہ ہوئیں۔ دشمن دو توپچیوں کو مار کے اور ایک کو مجروح کر کے توپوں کو گھسیٹ کے لیچلا جب میں نے دیکھا کہ توپیں چلیں فوراً پیادہ فوج کی دو بٹالن ایک سمت اور دو بٹالن عبدالرحیم کی سرکردگی میں بھیجیں کہ اس توپ لیجانے والوں کو گھیر لے۔ اخیر جنگ ہوئی دشمن کے پانسو سپاہی اور بہت سے گھوڑے میدان جنگ میں کام آئے اور ہم نے اپنی توپیں چھین لیں میں نے قلات کے جنوبی سمت سواروں کا تعاقب کیا۔ دشمن سہ پہر کے وقت تو تھالہ گاؤں میں پہنچا اور پھر اُس نے بناک سر پہاڑیوں پر قیام کیا ہم بھی اُسکے قریب ہی خیمہ زن ہوئے اور یہ مقام ایسا موزوں تھا کہ ہم قلعہ قلات میں شیر علی کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے اور کچھ خوردبین کی بھی یہاں ضرورت نہ رہی تھی۔ یہ بھی میں نظر کر رہا تھا کہ جس وقت شکست یافتہ سپاہ پہنچی ہے باقی ماندہ فوجوں کی ہمت ہار گئی اپنے مورچوں میں شیر علی کی فوج شکستہ دل انسان کی طرح زبردستی قدم اُٹھا رہی تھی اور اس کے ہر قدم سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ پوری مایوس ہو چکی ہے میں نے فوجوں کے آراستہ کرنے میں بہت سخت تکلیف اُٹھائی اس موزوں مقام کو تلاش کیا جہاں توپوں کو نصب کرنا چاہیئے تھا۔ میری فوج میں بارہ ۱۲ بٹالن چھ چھ سو سواروں کی تھی دو ہزار رسالہ کے سوار اور ایک ہزار دُرّانی سوار تھے باقی کی فوج کیمپ میں مقیم تھی۔ میں شام تک پہاڑی پر کھڑا رہا اور پھر دشمن کی آنکھ بچا کے نیچے اتر آیا اتنے میں اندھیرا ہو گیا اور میں کل فوج کے ساتھ اپنے کیمپ کی طرف واپس پھرا جہاں میں ٹھیک ۲ دو بجے شب کو پہنچا۔ خداوند تعالےٰ کی عنایت سے بارش ہونی شروع ہوئی دس بجے صبح تک موسلا دھار مینھ برسا تمام سڑکوں پر کیچڑ ہو گئی اور خیمے بھیگ کے چوڑا ہو گئے دو روز تک ہمیں ٹھیرنا پڑا اس کے بعد ہم قندھار روانہ ہوئے ہمارے پیچھے شیر علی نے بھی باگیں اُٹھائیں۔ ہم میں اور شیر علی کے بیچ میں پہاڑ کا ایک سلسلہ فاصل تھا ایک طرف میری فوج بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف شیر علی اپنی فوج کے ساتھ قدم اُٹھا رہا تھا۔ شیر علی سے پہلے قندھار پہنچنے کی مجھے امید تھی اور اس کا یہ ارادہ تھا کہ ہمارے ساتھ ساتھ رہے

اور ہم جہاں ٹھیریں وہیں وہ بھی قیام کرے۔ ہم اس صورت سے پانچ روز تک سفر کرتے رہے میری فوج اور دشمن کی فوج میں پانچہزار قدم کا فاصلہ تھا لیکن ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

پانچویں تاریخ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جو جنگ کی جان تھا شیر علی نے بھی یہیں ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے۔ چند توپیں پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیں اور اُن پر جھنڈے کھڑے کردئے اور دشمن کو دہوکا دینے کے لئے پہاڑی کے پیچھے توپیں چھپادیں۔ کل زائد سامان تو آگے کی طرف روانہ کیا اور جنرل نظیر اور عبدالرحیم کو میں نے حکم دیا کہ تین بٹالن اور ایک ہزار ملیشا پیادہ فوج کے ساتھ اس گڑھے پر قبضہ کرلیں جدھر سے شیر علی گزرنے کو تھا۔ جب یہ دیکھا کہ میں نے راستہ پر قبضہ کرلیا ہے تو مجبوراً شیر علی نے نقارہ جنگ پر چوب پڑنے کا حکم دیا۔ جب شیر علی نے یہ دیکھا کہ عبدالرحمن کے چند سپاہی پہاڑ کی چوٹی پر ہیں سامان آگے جاچکا ہے تو وہ اپنے افسروں سے کہنے لگا کہ ایک ہی حملہ میں دشمن کا تیا پانچا کرلو کیونکہ چند سپاہی اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر دکھائی دیتے ہیں اخیر میرے چند سپاہیوں پر حملہ ہوا میں موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا فوراً اپنی پوشیدہ فوج کو حکم دیا کہ دشمن پر حملہ کرے وہ پوشیدہ مقام سے نکل آئی بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی طرفین کے بہت سے لوگ مقتول و مجروح ہوئے اسی اثنار میں جنرل نظیر اور عبدالرحیم کو حکم دیا کہ دشمن کے بازو اور عقب پر حملہ کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں شیر علی کی سپاہ تتر بتر ہوکے قندہار فرار ہوگئی میں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے۔ علاوہ سامان کے ۲۵ توپیں بھی ہمارے ہاتھ لگیں۔ پھر میں اپنے لشکرگاہ میں چلاگیا جو تیرہ میل دور تھا اور وہاں خوب سن٘ا کے سویا کیونکہ پندرہ روز سے میں دو تین گھنٹے سے زیادہ ذرا نہ سویا تھا چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور فوجی مشکلات نے مجھے آرام لینے کی مطلق فرصت نہ دی تھی دوسرے روز شام کو میں سو کے اٹھا۔ کھانا کھایا اور پھر صبح تک سوتا رہا۔ اتنے عرصہ سونے پر میری طبیعت بہت درست ہوگئی میں نے اپنی نمایاں فتح پر خدائے توانا و بزرگ کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے روز قندہار روانہ ہوا میرے چچا ساتھ تھے۔ روانگی سے پانچ روز بعد شہر میں داخل ہوا۔ شیر علی سیدھا ہرات بھاگ کے چلا گیا۔ قندہار پہنچنے پر میرے چچا کا ارادہ کابل جانے کا ہوا

میں نے اُنکی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بطور گورنر کے قندہار میں رہیئے اور مجھے کابل چلا جانے دیجئے۔ میں نے باربرداری کے جانوروں کا انتظام کیا کیونکہ میرے جانور سفر اور جنگ سے سخت کمزور ہو گئے تھے اور اب اُنہیں ضرورت تھی کہ چرنے چھوڑ دیا جائے تاکہ خوب ڈبل ہو جائیں۔ میں ایک شخص فتح محمد پسر سلطان احمد خاں کا ذکر کرتا ہوں جو میرے چچا کی فوج میں ایک افسر تھا۔ جنگ ہرات میں اس کے باپ کو شیر علی نے قید کر لیا تھا۔ میرے والد نے اُسے خلاصی دلوا کے ہزارہ جات کا گورنر بنا دیا تھا۔ یہ شخص گورنری چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا اور شیر علی سے آکے ملگیا اُس نے اپنے رسالہ کا افسر بنا کے مجھسے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ایسے شخص کا کیا کہنا جو اپنے محسن سے روگردانی کر کے اُس شخص سے مل جائے جس نے اُسے گرفتار کیا تھا۔ سچ کہا ہے۔

شمشیر نیک ز آہن بد چو کند کسے — ناکس زتربیت نہ شود ای حکیم کس
باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید در شورہ بوم خس

چوتھا باب

تتمہ جنگ شیر علی

امیر عظیم

۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۰ء تک

اب میں اپنے ناظر سوانح کی توجہ بلخ کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ اس ملک کے فتح کرنے کے بعد میں نے فیض محمد کو نظیر حیدر خاں اور جنرل علی عسکر خاں کے ساتھ گورنر مقرر کر دیا تھا جب میں مقام تھمن میں پہنچا تو فیض محمد اور جنرل نظیر کی اس وقت ٹھنی رہی تھی یہ سن کے میں نے ان دونوں کو خط لکھا کیا غضب کی بات ہے کہ ایسے نازک موقع پر کہ میں کابل پر حملہ کرنا چاہتا ہوں تم آپس میں کٹے مرتے ہو۔ موسم سرما میں فیض محمد کو لکھ کے بھیجا کہ تو ایک ہزار امداد یابو مجھے بھیجدے اس غدار نے دیکھا کہ میں جنگ میں مبتلا ہوں فوراً انکار کر دیا۔

سعد آباد کی فتح کے بعد میرے والد نے اُسے لکھا کہ مجھے آکے مل اُن سے ملنے کے لئے بھی نہیں آیا۔ اس کے بعد میرا چچا زاد بھائی سردار سرور خاں اور غلام علی آٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ ہزارہ کا

انتظام کرنے کے لئے بہمن بھیجے گئے اسی اثنا میں شیر علی قندہار سے غزنی پر بڑہ رہا تھا اور جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں میرا اُس کا مقابلہ قلات پر ہوا تھا۔

اس عرصہ میں سردار فیض محمد ہماری جان کے لئے عذاب ہو گیا کہ میرے والد نے سرور خاں کو اُس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ سردار یک لخت بہمن سے بلخ روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ اباکلی پر ہوا۔ اس میں سرور خاں کو شکست ملی اور وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا لیکن باجگاہ میں پھر سنبھلا اور اپنے منتشر آدمیوں کو جمع کر کے اور بھی ایک بار حملہ آور ہوا۔ مگر غدار فیض محمد کے لشکر نے پھر اُسے پارہ پارہ کر دیا اخیر سرور بھاگ کھڑا ہوا فیض محمد نے بہت سپاہی اور افسر گرفتار کر لئے اور کمبخت نے نائب غلام اور غلام علی کو معہ دو تین اعلےٰ افسروں کے قتل کر ڈالا۔ پھر اُس نے کتغان اور بدخشاں کی طرف باگیں اُٹھائیں۔ جن ممالک کو اُس نے خفیف جنگ کے بعد جہاندار شاہ سے چھین لیا۔ میر جہاندار بھاگا ہوا میرے باپ کے پاس شاکی کابل آیا۔ والد کے پاس فوج ہی نتھی کہ اُس کی امداد کے لئے دیتے۔ ادہر یہ خبر آئی کہ فیض محمد آندہی اور مینہہ کیطرح کابل پر بڑھا چلا آتا ہے والد نے مجھے لکھہ کے بھیجا کہ تو جلد پہنچ اور اس کا سدّ راہ ہو۔ خط دیکھتے ہی اگرچہ میں مرض سے بہت کمزور ہو گیا تھا لیکن بلا تامل روانہ ہو گیا مجھے گُردے کے درد کا عارضہ تھا اور اس موذی درد نے یہ کیفیت کر دی تھی کہ گھوڑے پر سوار نہ ہوا جاتا تھا بلکہ میں تخت رواں پر بیٹھ کے نکلتا تھا غرض اسی حالت میں روانہ ہو گیا اور ایک منزل کی دو منزل کرتا ہوا پانچویں روز غزنی پہنچا۔

غزنی پہنچتے ہی والد کا خط مجھے ملا کہ اب کچھہ جلدی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ غدار فیض محمد بلخ اور کتغان واپس چلا گیا ہے۔ میں یہ خبر سن کے بہت خوش ہوا اس لئے میری طبیعت تو اچھی ہو گئی تھی لیکن میری سپاہ تھک کے چور ہو گئی تھی۔ پانچ روز تک غزنی میں قیام کیا اور پھر کابل روانہ ہو گیا۔ والد نے بہت سے امرا کو میرے استقبال کے لئے بھیجا میں ان سے بخندہ پیشانی ملا اور دوستانہ باتیں کیں میں نے والد کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور والدہ ماجدہ کے حضور حاضر ہو کے آداب عرض بجالایا۔ دریائے کابل کے سواحل پر ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے دن میں ایکبار والدین کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن شب باشی کیمپ ہی میں ہوتی تھی۔ موسم گرما تک یہی حالت رہی یہانتک کہ گرمی شروع ہوتے ہی کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ والد نے مجھے رائے دی کہ میں

بالاحصار چلا جاؤں کیونکہ خیموں کی آب وہوا اچھی نہ رہی تھی - میں نے اپنے سپاہیوں کو چھٹی دیدی وہ سب اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے اور میں بالاحصار روانہ ہوگیا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد والد مبتلائے ہیضہ ہو گئے اور اُس ملک کے جاہل لوگوں نے اُن ہی ادویات کا استعمال کرایا جو وہ جانتے تھے - ان دوائیوں سے نتیجہ یہ ہوا کہ ہیضہ کا بخار شروع ہو گیا - اور اب والد بہت ہی مریض ہو گئے - اسی اثنار میں یہ خبریں آئیں کہ شیر علی بلخ جا پہنچا ہے اور فیض محمد کی فوجوں کو ساتھ ملا کے کابل کی طرف بڑھ رہا ہے - یہ سنتے ہی میں نے اپنے چچا کو لکھا کہ والد کی حالت تو بہت ہی خطرناک ہے اور شیر علی کابل کی طرف بڑھ رہا ہے - اگرچہ میں تنہا اُس سے جنگ کرنے کو کافی ہوں لیکن میں والد کو اس حالت میں چھوڑ کے کابل کے باہر نہیں جا سکتا جبتک آپ میری جگہ پر نہ آجائیں - دنوں تک اس خط کا کوئی جواب نہ آیا میں نے مخبر روانہ کئے کہ شیر علی کی یلغار کی خبر لائیں کہ اب وہ کتنی دور ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جب وہ کابل سے دو دن کی راہ پر رہجائیگا ناچار میں ہی اُس سے جنگ کرنے کے لئے جاؤنگا میں تیاری کر رہا تھا کہ یکایک یہ خبریں آئیں کہ شیر علی پنج شیر واپس چلا گیا مجھے بہت ہی حیرت ہوئی کیونکہ اس کا ارادہ تھا کہ کوہستانی راستہ سے کابل میں اچانک داخل ہو جائے یہہ سنتے ہی میں والد سے رخصت ہوا جنھوں نے رخصت کرتے وقت میری کامیابی کی دُعا مانگی اور میں یلغار کرتا ہوا مقام چارہ کار میں پہنچا - میرا چچا بھی اس اثنار میں غزنی پہنچ گیا اور یہاں اس نے اس نظر سے قیام کیا کہ جبتک جنگ ختم نہ ہو جائے یہاں سے جنبش نہ کرے -

چارہ کار پہنچے پر میں نے سنا کہ فیض محمد کا ارادہ وادئ پنج شیر میں ہو کے آنے کا ہے - یہہ سنتے ہی میں روانہ ہو گیا اور راتوں رات سفر کر کے علی الصباح مقام گل بہار اور قلعہ اللہ داد پر پہنچا یہ مقام دہانہ وادی پر واقع ہے - کل فوج میرے ساتھ تھی فیض محمد بھی پہنچ چکا تھا اور اس نے ایک بلند پہاڑی پر مورچے بنالئے تھے - بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ جوں ہی اس نے کابل کی فوج کو اپنے سامنے دیکھا حیران وششدر رہگیا کیونکہ کوہستانی سرداروں نے اُسے بلایا تھا کہ ہم تجھے اپنے ملک میں سے رستہ دیتے ہیں تو یہاں سے نکل جائیو تو اُسے امید نہ تھی کہ یہاں میری کوئی مزاحمت کرے گا - اب یکایک اس پر بلا نازل ہوگئی - ادہر شیر علی کا خط اس کے

پاس پہنچا کہ جب تک میں نہ پہنچ لوں ہرگز آگے نہ بڑھیو میں انشاءاللہ دو روز میں تیرے پاس آجاتا ہوں۔ فیض محمد کی جان نکلی جاتی تھی وہ یہ خط دیکھ کے سخت برہم ہوا اور اس نے شیر علی کو لکھا تو یہ کیا لکھتا ہے کمبخت جلدی چلا آ.... اگر تو جلدی نہ پہنچا تو پھر میری اور تیری خیر نہیں ہے اگر تو نے ذرا بھی تساہل کیا تو عبدالرحمٰن مجھے اور تجھے قتل کر ڈالیگا۔ ساری رات فیض محمد پہاڑ کی چوٹی پر مورچہ بندی کرتا رہا صبح ہوتے ہی میں نے اسپر حملہ کر دیا۔ جنگ بہت ہی خطرناک ہوئی اور کئی گھنٹے تک ہوتی رہی چونکہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر مورچہ زن تھا اس لیئے وہ فائدہ میں تھا مگر اخیر میں نے اُس کے کئی موچوں پر قبضہ کر لیا۔ جوں ہی اس نے یہہ سنا کہ آگے والے مورچوں پر عبدالرحمٰن کی فوج قابض ہوگئی وہ یکایک پہاڑی کے پیچھے سے نکل آیا میں قریب ہی کھڑا تھا فوراً میں نے نشانہ لگا کے فیض محمد کو گولی ماری۔ گولی پیٹ میں لگ کے معدہ کو چیرتی ہوئی نکل گئی وہ وہیں ٹھنڈا ہو کے گر پڑا۔ وہ نمک جو اُس نے ہمارا کھایا تھا اس طرح گولی کی صورت میں اس کی پشت میں سے نکل گیا اور ایک غدار کی زندگی کا اس صورت سے جو اس کی مناسب حال تھی خاتمہ ہوگیا۔ میں نے قریب قریب اس کی کل فوج کو گرفتار کر لیا۔ یہ سنکے شیر علی ان دو ہزار آدمیوں کے ساتھ جنہیں وہ ہرات سے لایا تھا بلخ بھاگ گیا میں نے فیض محمد کی لاش اُس کے بڑے بھائی ولی محمد اور اس کی ماں کے پاس کابل بھیجدی اور پھر چار روز کے بعد خود بھی کابل واپس چلا گیا۔

غزنی میں چند روز کے بعد چچا نے میری فتح کی خبر سُنی جوں ہی میں کابل پہنچا سید ہا والد کے پاس گیا دیکھا کہ اُن کی حالت بہت خراب ہے۔ حرمسرائے کی بیگموں نے غل مچا کے کہا عبدالرحمٰن آیا ہے اس سے ایک بات تو کر لو۔ والد کی زبان بند ہو چکی تھی لیکن اتنا ہوش باقی تھا کہ بہ مشکل اپنا ہاتھ میری طرف پھیلایا یہ صورت دیکھہ کے مجھے رونا آگیا۔ پھر میں اپنے کیمپ میں واپس چلا آیا جنگی فرائض کی تکمیل اسی طرح کئے جاتا تھا ہاں دن میں دو دفعہ والد کو دیکھنے محل میں آیا کرتا تھا تیسرے روز جمعہ تھا جب میں اُن سے ملنے گیا ہوں اسی روز سعید میں اُنہوں نے اس دنیائے فانی سے کوچ کیا" انا للہ و انا الیہ راجعون۔" میرا دل غموں سے چور ہو گیا اور میں خوب پھوٹ پھوٹ کے رویا۔ لیکن پھر میں نے خدا کی مرضی پر صبر کیا۔

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ ہوشمند خاں کے قلعہ میں دفن کیا گیا جو والد ہی کی ملک سے تھا۔ مٹی دے کے میں شکستہ دل کابل واپس آیا اور غربا کو کھانا کھلایا۔

تین دن کے بعد میں نے اپنے چچا محمد عظیم سے کہا کہ جبتک والد زندہ رہے آپ اُن کے چھوٹے بھائی کی طرح دیکھے جاتے تھے اب میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے میں چاہتا ہوں آپ اُن کی جگہ بیٹھیں اور آپ کی جگہ میں لیلیتا ہوں اور اپنی جگہ پر آپ کے بڑے صاحبزادہ کو کر دیتا ہوں میرے چچا نے جواب دیا "حق وراثت تجھے پہنچتا ہے کیونکہ تو امیر مرحوم کا بیٹا ہے۔ میں تیرے آگے مثل تیرے ملازموں کے رہوں گا" اس کا جواب میں نے یہ دیا "سنیئے چچا جان آپکی سفید ڈاڑھی اور میرا بھتیجا ہونا اسباب کے ہرگز شایاں نہیں ہے کہ آپ اپنے کو میرا ملازم کہیں۔

چار روز تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا اخیر پانچویں روز امرائے کابل اور سرداران صوبہ جات کو بلاکے میں نے حکم دیا کہ خطبہ میرے چچا کے نام کا پڑھا جائے۔

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو سب سے پہلے میں نے بیعت کی اور میرے بعد کل سردار بیعت ہوئے اور ہم سب نے اُنہیں امیری کی سبارکباد دی۔ پھر میں کیمپ میں چلا آیا چالیس روز تک ملا قرآن مجید پڑھ پڑھ کے والد کی روح کو ثواب پہنچاتے رہے اس عرصہ میں میں نے مساکین کو کھانا کھلایا اور خوب خیرات بانٹی۔

والد کی وفات کے چند مہینے بعد غمازوں نے میری طرف سے چچا کو برانگیختہ کر دیا اور یہ سمجھایا کہ جب تک میں کابل میں رہوں گا آپ کی وقعت نہیں کرنے کا مناسب یہی ہے کہ آپ عبدالرحمن کو بلخ بھیجدیں اور اپنے صاحبزادہ کو عبدالرحمن کی جگہ مقرر کر دیں۔ میں ان بدخواہوں اور نمک حراموں کے نام معہ ولدیت لکھہ دیتا ہوں جن کے ہاتھہ میں امیر کی نکیل تھی جس طرف چاہتے امیر کو پھیر دیتے تھے۔ نمک حراموں کے نام مفصلہ ذیل ہیں۔ سرفراز خاں غلزئی۔ صاحب جاو اک غلام جان۔ ملک شیر گل غلزئی۔ نواب خاں۔ صوفی خاں کیانی۔ محمد اکبر خاں غلزئی۔ میر اکبر خاں غلزئی۔ میر اکبر خاں کوہستانی۔ میر جان عبدالخالق پسر احمد کشمیری جس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے اور ملک جبار خاں۔ ان بداندیشوں نے چچا کو میری طرف سے ایسا برہم کر دیا کہ ایک دن جب میں سلام کو گیا تو دربان نے مجھے اندر جانے سے روک دیا کہ امیر صاحب آرام فرما رہے ہیں میں دروازہ

پر بیٹھ گیا۔ صبح سے تیسرا پہر ہوگیا۔ اتنی دیر تک میں یہ تماشا دیکھتا رہا کہ تمام عہدہ دار اور خدمتگاروں کی برابر آمد و رفت ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ دستر خوان بچھایا گیا مجھے تعجب ہوا کہ کیا آج چچا جان مُردوں سے شرط باندھ کے سوئے ہیں کہ اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ غرض جب دستر خوان بچھا تو مجھے اندر آنے کی اجازت ملی اندر جا کے میں نے دیکھا کہ کل سردار چچا کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نیچے ایک طرف بیٹھ گیا جب میری کھانے کی صلاح کی گئی تو میں نے کہا کہ کھانا کھا لیا ہی ایک کونہ میں خاموش بیٹھا رہا اور لوگ کھانا کھاتے رہے۔ پھر درباریوں میں سرگوشی شروع ہوگئی مجھ سے یہ ذلت گوارا نہو سکی میں اُٹھ کے باہر چلا آیا۔ اسی اثنار میں چچا نے مجھے کہلا بھیجا کہ تو بلخ چلا جا میں نے اب بھی چچا کو یقین دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو عبدالرحیم جنرل نطیر اور دوسرے جنگی افسروں کے ساتھ جو بلخ ہی کے رہنے والے ہیں چوبیس[۲۴] توپیں دیکے روانہ کر دیں اور مجھے تنہا کابل ہی میں رہنے دیں۔ تاکہ بوقت ضرورت کام آؤں میں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر شیر علی ہرات سے کابل پر حملہ آور ہوا تو میں رستہ میں اس کا سدِ راہ ہوں گا میرے چچا نے اس عاقلانہ رائے کا یہ جواب دیا بلخ کا انتظام بغیر تمہارے ہونا محال ہے جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ اپنی ضد پر تلا ہوا ہے اور رنگ دوسرا ہے میں دس روز کے بعد ناچار بلخ روانہ ہوگیا۔ موسم جاڑے کا تھا برف سے تمام راستے ڈھکے ہوئے تھے۔ مجھے راستہ میں سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ تین سو سپاہیوں کے ہاتھ پیر برف کی نذر ہوئے۔

کابل سے روانہ ہونے کے پہلے امیر نے محمد اسمٰعیل پسر سردار امین کو ایک بٹالن چھ[۶] توپیں اور پانچہزار رسالہ کے ساتھ اور کرنیل سُہراب کو چار سو سواروں اور چار توپوں کے ساتھ باجگاہ پر مجھسے ملنے روانہ کیا۔ یہ افسر آئے اور مجھے سلام کیا میں نے اُن سے کہا مناسب ہے کہ تم میرے ساتھ بلخ چلو اور مجھے مدد دو تاکہ میں بلخ میں انتظام قائم کر دوں۔ موسم بہار میں میں تمہیں وہاں سے رخصت کر دوں گا۔ یہ دونوں راضی ہوگئے لیکن اسی اثنار میں میرے چچا کا خط کرنیل سہراب کے پاس آیا کہ تو فوراً کابل واپس چلا آ خواہ عبدالرحمٰن اجازت دے یا نہ دے۔

چندروز کے بعد گورنر تہمن کا خط میرے پاس آیا جس میں لکھا تھا کہ کابل سے یہ احکام آئے ہیں کہ میں کابل حاضر ہوں کیونکہ مجھے موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جسے میں نے گورنر

مقرر کیا تھا۔ میں نے صرف یہ جواب دیا کہ امیر کے احکام کی فرمانبرداری کرنی مجھپر فرض ہے۔
جب میں مصیبتیں جھیلتا ہوا اور پریشانی اُٹھاتا ہوا ایبک پہنچا تو میر کتغان مجھ سے ملنے آیا اور بہت سے ہدیئے میرے آگے پیش کئے۔ ان ہدیوں میں چار سو اونٹ ایک ہزار گھوڑے بھی تھے۔
اس سامان کو لیکے تاشکرغان روانہ ہوا۔ میں نے دیکھا کہ شیر علی کی بے انتظامی کی وجہ سے ملک کی حالت ہی ناگفتہ بہ ہے۔ بلخ کے میر جنہوں نے بخارا۔ کولاب اور حصار میں پناہ لی تھی شیر علی نے اُنہیں اپنے اپنے ممالک میں آجانے کا حکم دیدیا تھا اور اُن کے ہاتھ ملک اور توپیں فروخت کرکے نقد روپیہ حاصل کرلیا تھا۔
میر یہ سمجھے کہ شیر علی کو ملک فروخت کرنے کا اختیار ہے سبکے روپیہ دے دیدیا اور پھر افغانیوں کو لوٹنا شروع کیا کہ شیر علی تمہیں ہمارے ہاتھ فروخت کرگیا ہے۔ افغانیوں نے جواب دیا کہ تم ہو کس خبط میں عبدالرحمٰن ہمارا امیر ہے ہم نہیں جانتے کہ شیر علی کون بلا ہے میروں نے نہ مانا۔ لوٹ کھسوٹ کرنے لگے۔ اخیر افغانیوں نے تلوار سنبھالی خوب جنگ ہوئی طرفین کی بہت سی جانیں ضایع ہوگئیں۔ اتنے میں میں پہنچ گیا۔ میری آمد کی خبر سنتے ہی سب میر مقامات اکچا اندکوہی شیرغان اور میمنہ میں بھاگ کے چلے گئے اور ادہر اُدہر سے جمعیت اکھٹی کرکے قلعہ نملک کو خوب مضبوط کرلیا کہ اگر میں حملہ آور ہوں تو مجھ سے جنگ کریں۔
میں تاشکرغان سے مزار اور وہاں سے تختہ پول چلا گیا۔ چند روز کے بعد اسمٰعیل کے توپخانہ اور پیادہ فوج کے افسروں نے مجھ سے درخواست کی کہ اسمٰعیل کا خیال آپ کی نسبت کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا بہتر ہے کہ آپ ہمیں اپنی ملازمت میں لیلیں میں نے جواب دیا کہ بغیر امیر کے حکم کے میں کچھ نہیں کرسکتا ہاں میں امیر کا استمزاج لیتا ہوں اگر وہ راضی ہوئے تو تمہیں اپنی ملازمت میں لیلوں گا۔
میں نے امیر کو اس معاملہ میں خط لکھا۔ اس کا جواب امیر نے یہ دیا کہ جو شخص میرے نورعین اسمٰعیل کے خلاف لگائی بجھائی کرتا ہے وہ اول درجہ کا مکار اور غدار ہے۔ یہ خط میں نے افسروں کو دکھایا اور پھر یہاں سے میں نملک روانہ ہوگیا۔
اہل قلعہ مجھسے جنگ کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ میں نے قرآن مجید کی قسم کھائی کہ میں جنگ کرنیکی غرض سے نہیں آیا ہوں مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے خواہ مخواہ کیوں بیگناہوں کی جانیں ضایع کی

جاتی ہیں اور کیوں غریب باشندوں کو برباد کیا جاتا ہے۔ مگر میروں نے ایک نہ سُنی وہ نادانی سے یہ سمجھہ گئے تھے کہ عبدالرحمٰن اپنی پوری قوّت سے بھی اس قلعہ کو فتح نہیں کر سکتا وہ جانتے تھے کہ ۳۴۰ گز لمبی اور پچاس گز چوڑی کھائی کبھی نہیں پھلانگی جاسکتی۔ یہ احمق اپنی اسی حماقت پر تُلے رہے ناچار دوسرے روز میں نے اپنی توپوں کو موقع پر نصب کر کے علے الصباح حملہ کا حکم دیا نو بجے تک دروازہ قلعہ اور دو منارے اُڑا دیئے گئے میری فوج نے دس ہزار بوریاں ریت کی کھائی میں ڈالیں تاکہ ایک پشتہ تیار ہو جائے اس ریت سے وہ بآسانی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ دشمن اور رعایا نے بانسوں کے گٹھوں میں آگ دیکے میری آگے بڑھتی ہوئی فوج پر پھینکنا شروع کیا۔ اور جب فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے تو بھالوں سے حملہ کیا۔ تو بھی میری بہادر سپاہ نے اس کی پروانہ کی اور برابر آگے بڑھی چلی گئی یہاں تک کہ قلعہ کے پہلے حصہ میں داخل ہو گئی اگرچہ میرے سات سو سپاہی قلعہ تک پہنچنے میں ضایع ہوئے۔ قلعہ کے دو ہزار پانسو مفسدوں کو قتل کر دیا گیا صرف ایک شخص بچا تھا جو خود ندہے کوئیں میں گر پڑا تھا اس نے مجھے بیان کیا کہ جب آپ ادہر بڑہے ہیں تو میروں نے پچیس سو بہادر سپاہیوں کو جمع کیا تھا جنہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم اپنی جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں۔ اُنہیں میروں نے خلعتیں۔ اسلح اور بہت سی نایاب چیزیں بطور صلۂ خدمت عنایت کی تھیں۔

میں نے قلعدار کارا خاں پسر آتش سدور میر بلخ سے دریافت کیا کہ جب میں نے بطور قسم تمہارے پاس قرآن مجید بھیجا تو تم نے میری اس سخت قسم کو کیوں نہیں قبول کیا اس نے جواب دیا "اس بات کو تم بخوبی سمجھہ سکتے ہو کہ آج تک اس قلعہ کو کسی نے فتح نہیں کیا پھر کیونکر یقین کر لیتے کہ یہ قلعہ اب فتح ہو جائے گا اس لئے ہم نے تم سے صلح کرنی نہ چاہی" اس میں شک نہیں کہ بات بھی یوں ہی تھی کیونکہ میرے چچا نے کامل اٹھارہ مہینے اس کا محاصرہ کیا تھا اور جب سامان خورد و نوش ہو چکا تو مجبوراً اہل قلعہ سے صلح ہی کرتے بن پڑی۔ خدا کی عنایت سے میں نے اس ناممکن الفتح قلعہ کو چھہ گھنٹے میں فتح کر لیا۔ اور جو بے رحمیاں کہ افغانوں میں ہو چکی تھیں اُنکا پورا انتقام لیلیا۔ دوسرے روز میں نے اس شخص کو چھوڑ دیا تاکہ میروں کو قلعہ کے فتح ہونے کی جا کے خبر دے۔ اس کے بعد اکچا کی طرف بڑھا باشندے مجھے ملنے کو آئے سلام کیا اور عرض رساں ہوئے کہ میروں کا قصور معاف کر دیا جائے میں نے اس لحاظ سے اُن کا قصور معاف کر دیا کہ شیر علی سے قیمت دیکے اُنہوں نے ملک خریدا تھا

پھر میمنہ بھاگ گئے۔ سوائے میر حکیم خاں کے سب نے میری اطاعت قبول کر لی اور میر سری پول محمد خاں نے میرے لئے گرانقدر تحفے بھیجے پہلے میں اس شخص کا ذکر کر چکا ہوں جب میں بخارا میں رہا تھا تو اس ضمن میں اس کا بھی ذکر آیا تھا میں نے اُس کے ہدیوں کو واپس کر دیا اور ایک شخص کو جدید گورنر بنا کے بھیجا کہ اُسے خارج کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا جائے۔ جب نیا گورنر پہنچا تو یہ شخص میمنہ بھاگ گیا۔

شبرغان پہنچ کے میں نے سابق میر حکیم خاں کو اس کی قدیم جگہ مقرر کر دیا اور ایک جدید گورنر کا تقرر اندکوہی پر کر دیا۔ میری یہ مہربانی اور شفقت دیکھ کے میر حکیم خاں نے اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کرنی چاہی پہلے تو میں نے انکار کیا لیکن پھر قبول کر لیا۔ میر حکیم خاں کے مخالفین نے مجھ سے کہا ذرا حکیم سے ہوشیار رہنا یہ ہماری حکومت کا مخالف ہے یہ باتیں ایسی ہی تھیں جیسی اُسکے افسروں نے مجھ سے کہی تھیں میں نے اُن سے کہا کہ تم ایک یادداشت پہ مہریں لگا کے امیر کو بھیجو۔ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ اُسکے علاوہ میں نے بھی خط لکھے لیکن چچا نے مطلق پروانہ کی بلکہ الٹا ہم ہی کو احمق بنایا۔ پھر مجھے حکم بھیجا کہ میں فوراً میمنہ روانہ ہو جاؤں لیکن چونکہ یہ غیر عاقلانہ حکم تھا میں نے اس کی تعمیل نہیں کی کیونکہ میری فوج طولانی اور سخت سفر کے بعد تو اتنی تکلیفیں اُٹھا کے یہاں پہنچی تھی اور پھر اُسے جنگ کرنا اور قلعہ کو فتح کرنا پڑا اسلئے مناسب تھا کہ وہ دیر تک آرام لیتی۔

اس کا جواب اُس نے یہ دیا "یہ مجھے یقین ہے کہ شیر علی اپنے بیٹوں سردار اور عزیز سے جنگ کرنے کیلئے قندہار پر فوج بھیجے گا اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکے بیٹوں کو شکست ملے گی۔ اور پھر ان تمام باتوں کا مجرم مجھے قرار دیا جائیگا میں نے جواباً لکھا کہ تم میمنہ میں مجھے کچھ امداد بھیجو اور مجھے اپنے قریب رہنے کی اجازت دو کہ شاید شیر علی قندہار پر حملہ آور ہو میں نے یہ بھی لکھا کہ میمنہ کا محاصرہ تو مہینوں طول کھینچے گا اور شیر علی کو ایسی حالت میں کابل پر بڑھنے کا اچھا موقعہ مل جائے گا۔ میرے چچا نے میری کسی رائے کو نہ مانا اور مجھے یہ لکھ کے بھیجا کہ تو اگر میرا دوست ہے تو فوراً میرے حکم کی تعمیل کر اور اگر دوست نہیں ہے تو جو کچھ تیرے جی میں آئے کر گزر۔ یہ دیکھ کے میں شکستہ خاطر ہو گیا اور میں نے ناچار اپنے چچا کو یہ لکھا۔ اگر مجھے شیر علی کی پرخاش کا کچھ خوف نہیں ہے تو میں آپ سے بھی مطلق نہیں ڈرتا" پھر مجھے یہ خیال آیا کہ جب میں نے اُسے بادشاہ بنایا اور اپنے کو ماتحت قرار دیا تو ہر بات میں اسکی اطاعت کرنی لازمی ہے اس بنا پر میں تمام اطراف میں گورنروں کا تقرر کر کے اندکوہی سے

میمنہ روانہ ہوا اور اسی اثناء میں میں نے ایک خط امیر کابل کو بھیجا کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل تو کر لی ہے لیکن عنقریب اس غلطی کا آپ بڑا خمیازہ اٹھائیں گے۔

میں میمنہ سے ایک دن کی راہ پر ایک گاؤں میں پہنچا۔ اتنے میں امیر کا خط میرے نام آیا کہ شیر علی کے بیٹے قندہار پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور اُنہوں نے مقام لارا پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو فوراً اپنی نصف فوج تو کابل بھیجدے اور نصف فوج میمنہ کے محاصرہ میں رہنے دے اور میرے نورچشم اسمٰعیل کو بھی فوج کے ساتھ کابل روانہ کردے میں نے اس کا جواب دیا کہ میں پہلے آپکو اطلاع دے چکا تھا کہ اس قسم کے حادثات پیش ہونگے مگر اُسوقت میری باتوں کو نہ سنا اب نہ تو میں نصف فوج آپ کی مدد کے لئے کابل بھیج سکتا ہوں نہ باقیماندہ نصف فوج سے میمنہ کا محاصرہ رکھ سکتا ہوں نہ میں خود آپکی امداد کو آسکتا ہوں میں برابر بڑھا چلا گیا اور میں نے قلعہ کے باہر کی جانب مورچہ بندی کر لی اور اپنا خیمہ ایک بلند پہاڑی پر جس کا نام تال اشی کان تھا نصب کیا اس قطع زمین پر یہ سب سے بلند پہاڑی تھی یہاں سے قلعہ کا فاصلہ کل پندرہ سو قدم رہگیا تھا۔ جب میں نے محاصرہ شروع کیا تو مجھے ایک اور خط میرے چچا امیر کابل کا پہنچا جس میں لکھا تھا (یعنے امیر لکھتا ہے) محمد یعقوب نے میرے بیٹے عزیز کو شکست دے کے گرفتار کر لیا یعقوب نے صوبہ کشت رد بھی فتح کر لیا اب تو جس طرح پر بھی تجھ سے ہو اپنی نصف فوج میری مدد کو بھیجدے میں نے اب بھی انکار کر دیا کہ میں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا ہوا ہوں اور ایک کثیر تعداد دشمن سے میرا مقابلہ ہے میرے پاس اتنی فوج کہاں ہے کہ میں نصف فوج آپ کو بھیجدوں۔

میں نے بڑی خونخواری سے قلعہ پر حملہ کیا لیکن میں اسے فتح نہ کر سکا اس لئے کہ محمد اسمٰعیل نے ان سے کہہ دیا کہ میں فلاں وقت حملہ کرونگا لیکن پھر بھی میری حملہ کی قوت سے اُنہوں نے یہ جانچ لیا کہ اگر دوبارہ حملہ ہوا تو وہ قلعہ کو اپنے ہاتھ میں نہ رکھ سکیں گے۔ میمنہ کے امیر نے اپنے بیٹے کے ساتھ چند سرداروں اور علماء کے ہاتھ قرآن دیکے میرے پاس بھیجا۔ قرآن مجید گویا بجائے قسم کے تھا کہ ہم چالیس ہزار سکہ شاہی سالانہ بطور خراج کے ادا کرتے رہیں گے اور ساتھ ہی بہت سے گھوڑے اور دیگر چیزیں میرے پاس بطور ہدیہ کے بھیجیں میں نے کابل کی مشکلات کی وجہ سے ان شرطوں کو منظور کر لیا۔ میری منظوری کی خبر میمنہ کے امیر نے سنی تو وہ خود میرے سلام کو آیا

میں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور چھ توپیں جو قلعہ میں تھیں میرے ہاتھ لگ گئیں۔ حسین خاں میر میمنہ نے اور میروں کی بھی مجھ سے سفارش کی جن کا قصور میں نے معاف کر دیا۔

میرے چچا نے اسمٰعیل کو لکھا کہ میں نے تجھے پانچ خط بھیجے کہ تو واپس چلا آ لیکن تو نے ایک کی بھی تعمیل نہیں کی میں نے یہ خط اسمٰعیل کو دیدیا اور اُس سے کہا کہ پہلے چار خط میں نے اس سبب سے تجھے نہیں دکھائے کہ تیری فوج کی مجھے ضرورت تھی اب چونکہ فوج کی ضرورت نہیں رہی ہے اسواسطے تم جا سکتے ہو۔ دوسرے روز وہ بلخ روانہ ہو گیا اور میں نے بھی اس کے پیچھے پیچھے باگیں اٹھائیں مجھے اُس کا ارادہ کچھ بدمعلوم ہوتا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ عبدالرحمٰن سے پہلے پہنچ کے بلخ کو لوٹ لوں اس اندیشہ سے میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھا چلا گیا اور اُس سے پہلے بلخ میں میری ہی سپاہ پہنچی۔ جب میں بلخ پہنچا تو کرنیل سُہراب کا ایک خط میرے نام آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ آپ کے چچا کی ہدایتوں کے بموجب میں سردار شریف خاں کو تختہ پول لے آیا ہوں اور وہ بہ حفاظت قید خانہ میں رکھا گیا ہے۔ یہہ شریف خان اسمٰعیل کا چچا تھا مجھے خیال ہوا غالباً اسمٰعیل اس کی رہائی کی کوشش کرے گا اس بنا پر میں نے اُسی شب دو بٹالن اور ایک توپخانہ روانہ کیا اور سخت ہدایتیں کر دیں کہ دن رات سفر کر کے تختہ پول کی مورچہ بندی کر لیں فوج روانہ ہوئی اور ریتیلے جنگل میں سے ہوتی ہوئی آگے اور بلخ کو عبور کرتی ہوئی تختہ پول پہنچی اسمٰعیل دوسرے دن شہر پر حملہ کرنے کی غرض سے اور اپنے چچا کو چھٹانے کے لئے تختہ پول پر بڑھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ میری فوج نے پہلے ہی سے مورچہ بندی کر لی ہے اس نے حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور مزار پر واپس آ گیا یہاں پہنچ کے گورنر مزار کو دھمکی دی کہ کل سرکاری روپیہ میرے حوالہ کر دے ورنہ ٹکڑے اُڑا دونگا آخیر اس بیچارہ نے تیس ہزار تنگا اُس غارتگر کے حوالے کئے۔ اس کے بعد تاشقرغان پہنچا اور وہاں بھی خزانہ کو لوٹنا چاہا لیکن لوگ اس کے ارادہ سے پہلے ہی سے واقف ہو گئے تھے اُنہوں نے مورچہ بندی کر کے اُس سے مقابلہ کی تیاری کی اسمٰعیل نے جب دیکھا کہ اُن سے مقابلہ کرنا ٹیڑھی کھیر ہے فوراً اپنی باگیں بدخشان کی طرف پھیر دیں اور رستہ میں جو کوئی آیا اُسے لوٹ لیا میرے چچا کو بنت کی خبر ہی تھی کہ ان کا نور چشم کیا کیا غضب ڈھا رہا ہے اُنہوں نے اس کو بہمن میں لکھا کہ جہاں تک جلد

ممکن ہو تو کابل چلا آ کیونکہ میں شیر علی سے جنگ کرنے کے لئے غزنی جاتا ہوں وہ قندہار فتح کر کے قلات کی طرف بڑھا چلا آتا ہے نورچشم نے اپنے پدر بزرگوار کو اس کا یہ جواب دیا کہ میری دو بٹالن اور توپخانے کے سوار یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمیں سال بھر کی تنخواہ نہ ملیگی ہم کابل کیطرف قدم نہ اُٹھائینگے اسی اثنار میں امیر کابل کو یہ خبر پہنچی کہ اسمٰعیل اُن کا نورچشم تختہ پول سے روانہ ہو گا اس پر چچا جان نے مجھ کو لکھا کہ واقعی تم سچ کہتے تھے اسمٰعیل بڑا غدار اور بدمعاش نکلا میں نے یہ جواب دیا کہ میں اب بھی آپ کی ایسی خدمات انجام دینے کے لئے موجود ہوں جس کی امید آپ اپنے نورچشم سے بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے یہ بھی لکھا خدا کیواسطے کابل کو نہ چھوڑنا منتظر رہو میں ایک مہینہ میں تمہاری مدد کو آجاؤں گا۔ بعدازاں میں نے دو ہزار بہادر آدمی غلام علی پوپل زئی کی ماتحتی میں روانہ کئے کہ میرے آنے تک اس کی مدد کریں۔

دوسرے روز مجھے بخار چڑھ آیا اور اکیس روز تک مجھے ہوش نہ رہا بائیسویں روز بخار اُترتے ہی میں سیدھا کابل روانہ ہو گیا حالت مرض میں میں نے عبدالرحیم اور جنرل نظیر کو دوسرے افسروں کے ساتھ اس کام پر مقرر کر دیا تھا کہ کوچ کرنے کی جہانتک ممکن ہو جلدی تیاری کریں اُنہوں نے حسب ہدایت کل تیاری کر رکھی تھی میں سیدھا تاشکرغان روانہ ہوا اور وہاں سے ایبک گیا جہاں میری حرم کا ایک خادم اُسی جھوڑ کر فقیر کا بھیس بدلے ہوئے مجھسے ملا اور مجھے یہ خبر دی کہ امیر عظیم غزنی چلا گیا ہے اور سردار اسمٰعیل نے کوہستان کے چند سرداروں کے ساتھ کابل کا محاصرہ کر لیا ہے۔ قلعہ کابل میں صرف دو سو سوار تھے جو چھ روز تک بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے رہے لیکن جب اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا تو کابل کے باشندے اسمٰعیل کے پاس گئے اور شہر کے دروازے کھولدیئے اسمٰعیل نے شہر میں داخل ہوتے ہی محل میں سے میرے خاندان اور میرے چچا کے خاندان کو نکال باہر کیا اور شیر علی کے امیر ہونے کا اعلان دیدیا اُس چھوکرے نے مجھسے یہ بیان کیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا بہت بُرا حال ہے۔ غوری سے سردار سرور خاں کا یہ خط آیا کہ میرے لشکر کو غزنی پر شکست ہوئی۔ اور بھاگتے وقت چونکہ فوج تتر بتر ہو گئی تھی اس لئے اُسے یہ نہ معلوم ہوا کہ امیر کس طرف بھاگے ہیں وہ کسی اور طرف نکل کے چلا گیا اور امیر کسی دوسری طرف اس خبر سے میں بہت ہی آزردہ ہوا میں نے

فوراً نظیر حیدر بلخ کے گورنر کو لکھاکہ تو میرے چچا کے تلاش کرنے کے لئے آدمی بھیج اُس نے میرے حکم کی تعمیل کی اُس کے آدمیوں نے بلخاب میں چچا کا پتہ لگا لیا جو ہزارے میں ہو کے اس مقام پر پہنچے تھے اس کے بعد میں نے گورنر بلخ کو یہ لکھاکہ تو ایک لاکھ تنکا نزسواری کے گھوڑے اور جس چیز کی میرے چچا کو ضرورت ہو اُن کے پاس پہنچادے اور یہ کہدے کہ عبدالرحمن کابل پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسی اثناء میں میں نے جنرل نظیر کو لکھ کے بھیجا کہ تو باجگاہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کردے۔

جب ہم غوری میں پہنچے تو میر جہاں دار شاہ نے اپنی بھانجی کا مجھ سے نکاح کرنا چاہا۔ یہ لڑکی میر شاہ جاٹ کی بیٹی تھی میں نے انکار کردیا اور کہاکہ میرے چچا نے جو تعلق اس خاندان سے پیدا کرلیا ہے میں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کے اصرار پر میں نے ناچار منظور کرلیا۔ میر محمد شاہ نے (جسے فیض محمد نے میر جہاں دار شاہ کا ملک دیدیا تھا) مجھے تحایف بھیجے وہ تحفے میں نے واپس کردئے اور لکھ بھیجا کہ اُسے ملک کی بابت فیصلہ کرنا چاہیئے آیا وہ رکھے گا یا چھوڑے گا۔ میر جہاندار کی بابتہ یہ ہے کہ میں نے شہاب الدین خاں کو دوسو سوار دیکے ... بھیجا کہ اس کے ملک پر قبضہ کرلے میں غوری میں رہا اور کتغان کا معاملہ درست کیا پھر میں نے اپنے چچا کو لکھاکہ وہ مجھ سے آنکے مل لیں چچا نے جواب بھیجا کہ تم میرے پاس آؤ چونکہ میں غوری میں اس لئے تھا کہ ہندوکش اور کابل کے راستہ پر قابو ہو میں یہاں سے نہ جاسکا۔ میرے چچا نے میری اس توضیح کو پسند کرلیا۔ وہ خود میرے پاس آیا اور میں نے اُنکو مبارکباد دی۔ اُنہیں کابل پر دوبارہ قبضہ کرنیکا بہت فکر تھا اُنہوں نے مجھسے باصرار کہاکہ تو شیر علی پر حملہ کر میں نے اُن سے کہاکہ ہمیں موسم بہار تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اسوقت برف گر رہی ہے ہمیں کسی معاملہ میں کامیابی نہیں ہوسکتی میرے چچا نے اپنی وہی قدیمی ضد سے کہاکہ اگر تو شیر علی پر حملہ نہ کریگا تو میں بخارا چلا جاؤں گا۔ میں نے کہا حضرت آپ سے میں وعدہ کرتا ہوں کہ چھ مہینے میں میری کُل فوج لڑائی کے لئے تیار ہوجائیگی اور پھر میں نہایت استحکام سے اس کی طرف بڑہوں گا مگر یہ میرے وعدے اور معقول باتیں میرے چچا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ ناچار میں بادل ناخواستہ اپنے چچا کے ساتھ بہمن کی طرف بڑھا میری فوج بدگگ اور شولکٹو میں سے ہو کے گزری بہمن سے ہم گردن ڈال میں پہنچے۔ یہاں

شیر علی کے تین ہزار سپاہی مقیم تھے میرے پہنچتے ہی یہ سپاہ سرائے چشمہ بھاگ گئی۔ میرے فوجی افسروں نے مشورہ دیا کہ میں اس فوج کا تعاقب کروں تاکہ شیر علی کا دل بالکل ٹوٹ جائے میں تو راضی ہو گیا لیکن میرے چچا نے نہ مانا اور مجھ سے اصرار کیا کہ میں تور اور ڈیڑہ سوختہ کے راستہ سے غزنی پر بڑہوں۔ سفر کے سخت مصائب اور موسم کی تکلیفیں اٹھاتا ہوا غزنی پہنچا۔ خدانظر وردت نے قلعہ کی بہت مضبوطی سے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ہم روزہ میں خیمہ زن ہوئے میرے چچا نے پہلے ہی سے اپنے بیٹے سرور کو سرفراز غلزئی کی طرف جو تازان کی سیدہ میں ہے روانہ کر دیا تھا اُسے رعایائے اندر کی وفاداری پر بڑا بھروسہ تھا اور جب وہ ان کے قلعہ سے ایک دن کی راہ پر رہ گیا تو اُنہیں امداد کے لئے خط لکھا۔ چند روز کے بعد وہ ہمارے لشکر گاہ میں آئے اور اُنہوں نے صاف کہدیا کہ ہم آپ کو کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ نہ انہوں نے ہماری خلعتیں قبول کیں اب میرے چچا کو کھلا کہ وہ کتنے دہوکے میں تھے۔

شیر علی نے جب سُنا کہ ہم غزنی میں ہیں وہ ہم پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑہا ہمارے لئے تو اُسوقت بہتر ہوتا کہ ہم خود اُسپر کابل میں حملہ کرتے اور اب تو اُسی کا پاسہ زبردست تھا۔

جب وہ شاہ گاؤں میں پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ راستہ میں گز گز بھر برف پڑی ہوئی ہے نہ اُس کے پاس سامان خورونوش رہا تھا اور نہ کئی روز سے اُس نے آفتاب کی صورت دیکھی تھی اس کے مقابلہ میں ہم ایک ایسی سطح زمین پر ٹھیرے ہوئے تھے کہ وہاں آفتاب نکلا ہوا تھا اور سامان خورونوش کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے۔

ایک دن ہمنے حسب معمول فوج بدرقہ کے ساتھ جس میں ۲ دو بٹالینیں اور ۶ چھہ توپیں تھیں سامان خورونوش کے لئے اونٹوں کو روانہ کیا اس مٹھی بھر فوج کا مقابلہ شیر علی کی دس ہزار فوج سے ہو گیا۔ میں دوربین سے یہ سارا تماشہ دیکھہ رہا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ دشمن کی کثیر تعداد فوج قریب آگئی ہے میں نے دو ہزار فوج اس کی امداد کے لئے روانہ کی۔ یہ سپاہ بہت قریب پہنچ گئی اور عقب سے دشمن پر ننگی تلواریں گھسیٹکر حملہ کیا۔ میری فوج بدرقہ کی کمرہمت اس امداد سے مضبوط ہو گئی اور اُنہوں نے بڑی دلیری سے گولہ باری کی۔

دشمن گھیر لیا گیا اور اس کی کثیر تعداد فوج کاٹ ڈالی گئی۔ شیر علی کی فوج شایستہ نہیں تھی۔ وہ

بھاگتے وقت وحشیوں کی طرح ایک دوسرے پر گرتے ہوئے بھاگے اس صورت سے ہماری توپوں نے اُن کا اور بھی ستراؤ کر دیا - ایک ہزار گھوڑے - چار توپیں اور بہت سے سپاہی گرفتار ہو گئے -

اسی شب شیر علی نے دس ہزار سپاہ مقام ناآنی اور شندک پر میرے باربرداری کے جانوروں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجی - یہ جانور فتح محمد کی سرکردگی میں آرہے تھے - جب مجھے اس معاملہ کی خبر لگی میں نے مخبر مقرر کئے کہ وہ مجھ سے شب کے مقام قیام سے اطلاع دیں - میں نے دو ہزار سپاہ چھ خچروں کے توپخانے اور چھ گھوڑے کے توپخانے پیادہ فوج کی دو بٹالن اور پانسو ملیشا کو عبدالرحیم اور جنرل نظیر کی ماتحتی میں روانہ کیا کہ اچانک شیر علی کی فوج پر جا پڑیں - تمام رات سفر کر کے علی الصباح اُنھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور دشمن کو نوک دُم بھگا دیا یہ لڑائی ایسی کامیاب ہوئی کہ ہراتی ہرات بھاگ گئے - قندہاری قندہار بھاگ گئے اور اپنے پیچھے تین ہزار مجروح مقتول اور قیدی چھوڑ گئے -

اس نمایاں فتح کے بعد میں نے شیر علی کے جنگی افسروں کو لکھا کہ میں تم سے ملنے کا بہت شایق ہوں تم کیوں مجھ سے جنگ کرتے ہو اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ ہمیں تمہارے چچا سے سخت نفرت ہے - ہم اس کی بے رحمیوں کی وجہ سے شیر علی سے مل گئے ہیں - ہاں اگر تمہارا چچا تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو ہم قطعی اطاعت کر لیتے - میں نے یہ خط اپنے چچا کو دکھایا - اور میں نے اُن سے کہا کہ حضرت جب تک میں کابل میں رہا یہ لوگ ہمارے وفادار دوست بنے رہے لیکن جب میں وہاں سے چلا آیا تو آپ کے بیرحمانہ برتاؤ نے اُنہیں ہمارا دشمن بنا دیا - بھلا اس کا جواب چچا جان کیا دے سکتے تھے -

شیر علی کو جب کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوئی تو اس نے اپنا لشکر گاہ زناخوان کی طرف تبدیل کر دیا - یہ مقام شاہ گاؤں سے بہت قریب ہے یہاں چھ یا سات قلعے بنے ہوئے ہیں اس صورت سے اس نے کچھ خوراک بہم پہنچائی - اسی اثنا میں میرے چچا نے خیال کیا کہ زناخوان پر حملہ کرنا چاہئے اور جب ہم زناخوان فتح کر لیں گے تو پھر شیر علی بھوکا مر جائے گا اور سامان خورونوش یہاں سے جمع نہ کر سکے گا - میں نے چچا کو سمجھایا کہ ایسے موسم میں کہ تمام راستے

گھری گہری برف سے ڈھکے ہوئے ہیں یہ عقلمندی کی بات نہ ہوگی کہ ہم اپنی جگہ کو چھوڑ دیں نہ تو اس برفستانی قطعہ زمین پر اچھی طرح مورچہ بندی ہوسکتی ہے اور نہ میری سپاہ شب کو قیام کر سکتی ہے۔ میرے چچا نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق میری بات کو نہ مانا اور کہا کہ زنا خوان پر حملہ کر کے اس کے قلعوں کو ایک دم فتح کر لینا چاہیئے۔ یہ قلعے بہ نسبت میرے شیر علی کے لشکرگاہ سے زیادہ قریب تھے۔ اگر میں اُنھیں چند گھنٹے میں فتح کر لیتا تو بیشک بڑی اچھی بات تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ صبح ہوتے ہی شیر علی اپنی کل فوج کے ساتھ مجھ پر حملہ کرے گا۔ اگر میری اس وقت فتح نہ ہوئی تو کامیابی کا موقعہ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میں نے اسبات کی بھی ضرورت سمجھی کہ میرا لشکر برف کے اوپر دن بھر سفر کرے اور رات کو کسی مقام پر قیام ہو۔ میں نے یہ بھی ارادہ کیا کہ نصف فوج تو میں اپنے چچا کی ماتحتی میں چھوڑوں اور نصف فوج سے میں شیر علی کا مقابلہ کروں لیکن پھر خیال آیا کہ نصف فوج شیر علی کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہ ساری باتیں میں نے اپنے چچا کو سمجھا دیں اس پر بھی وہ برابر اصرار کرتا رہا اور اس نے میری کوئی بات نہ سُنی ناچار میں طوعاً و کرہاً اور جبراً قہراً آفتاب غروب ہوتے ہی روانہ ہوگیا۔

قلعہ کے پاس پہنچکر میں نے اس کے سامنے مورچہ بندی کی۔ جب میری ملیشا فوج اہل قلعہ کو دوستانہ طور پر راضی کرنے سے ناکام ہوئی تو میں نے جنرل نظیر کو پانچ بٹالین ہم ۲ توپیں دو ہزار ملیشا پیادہ فوج اور ۵۰۰ رسالے کے ساتھ روانہ کیا اس غرض سے کہ اِردگرد کی پہاڑیوں پر ہماری فوج قابض ہوجائے اور ہم شبا شب مورچہ بندی کر کے مناسب مقامات پر توپیں نصب کرلیں اور صبح کی جنگ کے لئے ہر طرح سے تیار ہوجائیں کیونکہ میں خوب جانتا تھا کہ کل صبح مجھے ایک انقطاعی جنگ لڑنی پڑے گی۔ اب اندھیرا ہوگیا تھا اور سردی اس بلا کی پڑ رہی تھی کہ الحفیظ الامان۔ ہمیں سخت تکلیف رہی اور ہم رات بھر برف میں گھُسے رہے۔

آفتاب خونی طشت لیئے نکلا صبح کی روشنی نمودار ہوئی مگر قلعہ اب بھی ناقابل گزر تھا میں نے اپنے چچا کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً ایک ہزار رسالے اور پانسو کتغانی سواروں کے ساتھ یہاں چلا آئے اور سلطان مراد کو بھی تین بٹالینوں اور گھوڑوں کے ساتھ روانہ کر دے میں نے اُسے لکھا کہ شیر علی ہم پر حملہ کرے گا نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس جنگ کو انقطاعی جنگ

سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گی۔ میرے چچا نے میرے خط کا جواب دیا کہ سردی اس بلا کی پڑ رہی ہے کہ میں ابھی روانہ نہیں ہو سکتا ہاں یہ ضرور ہے کہ ذرا بھی سردی کم ہوگی تو میں فوراً روانہ ہو جاؤنگا۔ میرے قاصد نے باصرار اُن سے کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں ایسا مت کیجئے تین گھنٹے میں آپ زنا خوان پہنچ سکتے ہیں صبح ہوتے ہی جنگ شروع ہو جائیگی اگر آپ وقت پر نہ پہنچے تو بڑا ہی غضب ہوگا مگر چچا جان نے اصلا توجہ نہ کی۔

چونکہ سردی بہت تھی جنرل نظیر خوب شراب چڑھا گیا اور اُسے دین و دنیا کے کچھ ہوش نہ رہے اور نہ اُسے توپوں کی خبر رہی اور نہ اُن کے موقعہ سے نصب کرنے کا ہوش رہا۔ صبح ہوتے ہی ایکسوار میرے پاس بھاگا ہوا آیا کہ شیر علی معہ اپنی کل فوج کے آگیا ہے۔ اِسوقت میرے پاس صرف چالیس سوار تھے میں اُنہیں ساتھ لیکے گھوڑا دوڑاتا ہوا پہاڑی پر گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ توپیں ٹوٹی ہوئی ہیں لیکن نہ توپچیوں کا پتہ ہے اور نہ میگزین کا۔ میں پہاڑی پر اور اونچا چڑھ گیا دیکھا کہ شیر علی کا لشکر بہت قریب آگیا ہے۔ اور اُس کی ترتیب بہت ہی درست ہے۔ گر میرے جنرل نظیر کو ابھی تک ہوش نہ تھا وہ عالم بیخودی کا لطف اُٹھا رہا تھا اور اسے آپے کی ذرا بھی خبر نہ تھی میں نے اُسے جگایا۔ اور جھنجوڑ کے ہوشیار کیا اور یہ جملے کہے "تو نے یہ کیا غضب کیا اب تو اس آنیوالی آفت کا ذمہ وار ہے۔ توپچی کہاں ہیں سپاہ کہاں گئی اور باربرداری کے جانور کہاں چلدئے۔" جنرل نظیر بارے بیدار ہوا اور یہ جواب دیا کہ "سردی چونکہ بہت تھی اس لئے میں نے ان لوگوں سے کہدیا کہ جاکے سو رہو وہ ابھی آجاتے ہیں۔ میں نے کہا "ان کے آتے آتے تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کیا ہوتا ہے" میں اس قدر شکستہ خاطر اور مایوس ہو گیا تھا کہ اُسکی عجیب حرکات پر مجھے ہنسی نہیں آئی۔ چونکہ ہمارے پاس جنگ کرنے کے لئے فوج نہ تھی اور جو چند سوار میرے پاس تھے وہ بھی ادھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ فوج تو کچھ تھی ہی نہیں دشمن کی فوج آگے بڑھی اور اس نے ہماری توپوں پر قبضہ کر لیا مجھے چاروں طرف سے دشمن نے گھیر لیا تھا میں اُن سواروں کے ساتھ ترکیب سے ملگیا جو ایک چھوٹے سے گروہ کا تعاقب کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اُنہیں پکڑ لو پھر آگے جاکے میں نے بھیس بدل لیا اور اپنے سواروں میں ملکے سید ہاتیمنہ اپنے چچا کے پاس آیا اور اُن سے یہ کہا "آپ اگر میرا کہنا مانتے تو آج کو مجھے اس حال میں نہ دیکھتے" لائیے میری اشرفیاں جو میں

آپ کے پاس رکھوا گیا تھا دیدیجے چچا صاحب بولے "عبدالرحمٰن میں تو سو گیا تھا تمہاری گل اشرفیاں خزانہ والا لیکے چلدیا- یہ جواب سنکے میں اُن کا منہ تکنے کا تکتا رہگیا- اب میں بلخ واپس نہ جا سکتا تھا کیونکہ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے اخیر ناچار ہم وزیری پہاڑیوں کی طرف واپس پھرے- جوں ہی ہم نے وزیری پہاڑیوں کی طرف چلنے کی ٹھان لی دشمن کے دو سو یا تین سو سوار نمودار ہوئے- اُنہیں دیکھتے ہی میں چار سواروں کے ساتھ ایک ندی میں ہو کے پار ہو گیا لیکن دشمن کے سواروں نے تعاقب کر کے باقی ماندہ میرے آدمیوں کو گرفتار کر لیا- شام کو میرے چچا عبدالرحیم کے ساتھ مجھ سے آ کے ملے- ان کے پاس اس وقت تین سو سوار تھے- شب کو ہم قلعہ زرمت میں پہنچے- سخت ماندہ ہو گئے تھے ہمارے دل ٹوٹ چکے تھے اور ہم بالکلیہ برباد ہو چکے تھے (جنوری ۱۸۶۹ء) دو گھنٹے گاؤں میں قیام کرنے کے بعد ہم پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے آٹھ بجے دن کے سرروزا میں پہنچے- اس قصبہ کے باشندے یہ سمجھے کہ ہم شیر علی کی فوج میں سے ہیں اُنہوں نے ہم پر فیر کر دئے لیکن جب اُنہوں نے پہچان لیا وہ معافی کے طلبگار ہمارے پاس آئے اور اُن کے ملکوں اور ملاؤں نے ہمارے اور ہمارے گھوڑوں کیلئے خوراک بہم پہنچائی- ایک مُلّا نے مجھے تانبے کا کٹورا بطور ہدیہ کے دیا اور دوسرے نے ایک صراحی میں نے ایک حقّہ خریدا دو دن سے ہلاس ہی نہ سونگھی تھی اور نہ حقہ پیا تھا- حقہ پی کے طبیعت کو کسی قدر فرحت ہوئی- اس وقت جو کچھ دنیا میں میرے پاس تھا صرف تانبے کا کٹورا- ایک صراحی ایک حقہ- ایک کمبل- ایک فوجی وردی- ایک تلوار- ایک رفیل پیٹی- ایک طپنچہ اور ایک سواری کا گھوڑا بس سوائے ان چیزوں کے اور میں کسی چیز کا مالک نہ تھا- اس سے چند روز پہلے

میرے پاس آٹھ لاکھ تو بخارا کی اشرفیاں تھیں اور بیس ہزار انگریزی اشرفیاں بیس ہزار درہم گیارہ لاکھ روپیہ کابلی اور پانچ لاکھ کندری جو ہندوستانی روپیہ کے برابر ہوتا ہے دس ہزار خلعتیں اتنے کھانے کے ظروف جن میں دو ہزار آدمی بآسانی کھا سکیں کیونکہ ہمیشہ دو ہی ہزار آدمی میرے ساتھ ایک دسترخوان پر کھایا کرتے تھے ایک ہزار اونٹ غرض میرے پاس اتنا سامان تھا کہ افغانستان میں ایک شخص کے پاس بھی نہ تھا- مگر ان قیمتی اشیاء کے جانے کا اب مجھے زیادہ صدمہ نہ رہا تھا میرا غم اپنے وفادار ملازموں کی خیر خواہی سے کافور ہو گیا تھا جو مجھے یہاں اپنی جان

پرکھیں کے لے آئے میں تو اُن کی قسموں سے بالکل لاعلم تھا۔
سہ پہر میں وزا سے روانہ ہوا۔ ایک شخص امیر محمد نامی کو بطور رہنما کے اپنے ساتھ لیلیا۔ ہم یہاں سے روانہ ہو کے آٹھ بجے شب کے مقام برمال پہنچے گھوڑوں پر سے اُترے۔ دیکھا کہ کچھ حصہ زمین سے برف پگھل گئی ہے ہم نے جنگل سے لکڑیاں لا کے وہاں روشن کیں اور ہاتھ سینکنے لگے برمال کے قلعہ سے چند آدمی نکل کے آئے اور مجھ سے جھگڑا کرنے لگے میں تنہا تھا اور میرے چچا اور سوار آگے بڑھ گئے تھے۔ اپنا موقعہ دیکھ کے میں نے ایک گھوڑے کو پکڑ لیا جس پر ایک سپاہی شخص سوار ہوتا تھا میں نے جھٹ رکاب پر پیر رکھ ہی دیا اور جست کر کے اُس پر بیٹھ گیا وہ شخص مجھے لپٹ گیا اور چاہا کہ اپنے گھوڑے پر سے پھینک دے فوراً میں نے تلوار نکال لی۔ ننگی تلوار دیکھتے ہی وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ میں دوڑ کے اپنے چچا سے جا ملا وہ مجھے دیکھ کے بہت ہی متعجب ہوئے میں نے اُن سے کہا آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ مجھے تنہا چھوڑ کے چلے آئے اس کا جواب اُنہوں نے کچھ نہ دیا ہم میں سے ایک شخص بھی رستہ نہ جانتا تھا ہم سب متحیر تھے کہ کدھر جائیں۔ باہم صلاح کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے میں نے کہا شب بھر یہیں قیام کرو جب دن نکل آئے تو یہاں سے روانہ ہو جاؤ خود بخود رستہ مل جائے گا میری رائے سے سب نے اتفاق کیا ہم سب ایک پہاڑی پر سو رہے۔ آگ سلگانے پر میرے چچا نے یہ کہا کہ خواہ مخواہ لوگ ہمارا پیچھا کریں گے اس سے بہتر ہے کہ ہم سردی کی تکلیف برداشت کریں اور آگ نہ جلائیں۔ میں نے جلکے کہا چچا جان میں ایسا بزدل نہیں ہوں کہ لوگوں کے پیچھا کرنے سے ڈر جاؤنگا اگر آگ نہ جلی تو میرے آدمیوں کے ہاتھ پیر و نکی انگلیاں جھڑ پڑینگی۔ آگ روشن ہوتے ہی کوئی چالیس آدمی خروتی جرگہ کے ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ہم بہت دیر سے آپ کی تلاش کر رہے تھے اب آگ جلی تو ہمیں پتہ لگا کہ آپ یہاں ہیں۔ اُنہوں نے کہا آپ سردی میں کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں ہمارے گھر موجود ہیں وہاں چل کے آرام کیجئے چنانچہ ہم اُن کے گھروں پر گئے کھانا کھایا اور طبیعت خوش ہوئی اُن لوگوں نے ہماری بڑی خاطر داری کی اور جہانتک اُن سے ہو سکا مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اس خاطر و مدارات پر میں اُن کا بہت ہی ممنون ہوا۔ علی الصباح ایک رہنما لیکے ہم روانہ ہو گئے غروب آفتاب پر پھر کوئی جرگہ کی بستی

میں پہنچے وہ ہمیں دیکھ کے حیران ہو گئے اور اُنہوں نے چاہا کہ بہت جلد بستی کا دروازہ بند کر دیں کہ ہم اندر نہ آنے پائیں لیکن میں گھوڑا دوڑا کے جھٹ دروازہ میں داخل ہو گیا میرے بعد میرے آدمی بھی آ گئے ناچار اُنہوں نے ہمارا خیر مقدم کیا اور ہمیں مبارک باد دی اور ہم سے کہا آپ بطور مہمان کے ہمارے ہاں رہیں اور ہماری دعوت قبول کریں ہم نے اُنکی دعوت سے انکار کیا صرف چارپی کے آگے روانہ ہو گئے افسوس ہے اسوقت کوئی رہنما نہ تھا آگے جا کے راستہ بھول گئے اور پھر ٹپے ٹوئیاں مارنے لگے۔ میں آگے بڑھ گیا اور اپنے آدمیوں سے کہدیا کہ میرے پیچھے چلے آؤ چلتے چلتے ہم ایک بستی میں پہنچے جہاں ایک راستہ بتانے والا مل گیا۔

ہم چار میل آگے بڑھے ہوں گے کہ ہمیں ایک سوار ملا اور اس نے دریافت کیا تم لوگ کون ہو "اسے جواب ملا عبدالرحمٰن" یہ سنتے ہی وہ گھوڑا دوڑا کے میرے پاس آیا اور میرے قدموں پر بوسہ دیا اُس نے کہا میں آپ کے والد کا قدیم ملازم ہوں اور آپ کے دادا جان کی خدمت میں بھی رہ چکا ہوں اور بہت سی باتوں کو یاد دلایا جو میرے بچپن میں گزر چکی تھیں۔ اس نے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں میں راستہ بتانے میں آپ کی مدد کروں گا۔ چنانچہ میں نے اُس پر بھروسہ کیا اور اُسے اپنے ساتھ لیلیا۔ اس نے کہا وزیری ملک یہاں سے دو دن کی راہ پر ہے مگر مجھے ایک پہاڑی راستہ معلوم ہے جہاں سے ہم سہ پہر تک اس ملک میں پہنچ جائیں گے۔ میرا اچھا ڈر گیا کہ یہ شخص ہمیں دھوکا دیتا ہے وہ بضد ہو کے کہنے لگا کہ میں تو دور کے راستہ سے جاؤں گا حالانکہ مجھے اُس پر پورا بھروسہ تھا اور میں جانتا تھا کہ سچ بول رہا ہے میں اُسی پر اڑا رہا کہ ہم تو پہاڑ ہی پر سے چلیں گے اخیر اسی راستہ پر پڑ لئے۔ جب چوٹی پر پہنچے تو ایک کثیر تعداد فوج نظر پڑی جو دوسری طرف سے ہمارے پیچھے آ رہی ہے فوج کو دیکھتے ہی میرے کل ساتھی بھاگ کے اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے صرف چالیس بہادر سپاہی میرے ساتھ رہ گئے۔

اُنہوں نے اور چند سواروں نے دشمن کا مقابلہ کیا جوں ہی یہ لوگ جنگ کرنے کیلئے مستعد ہوئے وہ سب بھاگ گئے اُن میں سے دس رہ گئے تھے اخیر میں جب بندوقوں کے فیر ہوئے تو وہ بھی چلدیے۔ یہ بلا بھی اوپر کی اوپر ٹل گئی ہم نے آگے قدم بڑھایا اور پھر چند سوار اور میرے

چچا بھی مجھے مل گئے۔ جن چالیس بہادر آدمیوں کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ عبدالرحیم خاں۔ پروانہ خاں (جواب ڈپٹی کمنڈرانچیف ہے) عبداللہ خاں (جواب وایسرائے بدخشاں اور کتغان کا ہے) جان محمد خاں (جواب میر اخرانچی ہے) فرامرز خاں (کمنڈرانچیف ہرات) سید محمد (کرنیل باڈی گارڈ) محمد شبیر خاں (کرنیل رسالہ) احمد خاں رسالدار۔ حیدر خاں (جسے میں نے قندہار کا کمنڈرانچیف بنایا لیکن وہ کاکر بھاگ گیا اور کوئی بات نہیں ہوئی تھی صرف اپنے مظالم کی وجہ سے اُسے بھاگنا پڑا تھا) کمانڈنٹ نائب اللہ خاں (کرنیل مارسلیری جواب کابل میں ہے) کرنیل محراب خاں (برادر جنرل نظیر) اور میر عالم خاں (جو بلخ میں توپخانہ کا جنرل ہے)

جب ہم دوسرے پہاڑ پر چڑھے تو ہمیں دوسو آدمیوں نے گھیر لیا جو اسی جرگہ سے تعلق رکھتے تھے ہماری تعداد تین سو تھی۔ میں گھوڑے پر سے اُتر کر اُن سے جنگ کی تیاری کرنے لگا لیکن جنگ ہونے سے پہلے میں نے اُن سے یہ کہا تم بلا وجہ کیوں ہم سے لڑتے ہو اس میں تمہارا کیا فائدہ ہوگا اُنہوں نے جواب دیا تم نے ہمارے پانچ آدمیوں کو مجروح کر دیا ہے اُن کا انتقام لینے آئے ہیں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا کہ ایک حصّہ کو جانب راست روانہ کیا اور ایک کو بلند زمین پر جانب چپ اور تیسرے حصّہ کے ساتھ میں بذات خود دشمن پر حملہ آور ہوا چونکہ اب ہم نے اُنہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اس لئے اُنہوں نے اسی میں نجات سمجھی کہ وہ بھاگ جائیں وہ تتر بتر ہو کے چل دیئے اور ہم آگے روانہ ہوئے۔

بہت جلد ہمیں وزیری قلعہ مرغا نامی نظر پڑا۔ میرے چچا نے ملکوں کے نام خط لکھا کیونکہ وہ ان لوگوں سے واقف تھے۔ خط پہنچتے ہی سو سوار ہمارے استقبال کے لئے آئے اور ایک ہزار پیادہ آدمیوں نے اپنی زبان میں ہماری مبارکبادی کے گیت گائے۔ دو روز تک اُنہوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور گھوڑوں کو بھی دانہ گھاس دیتے رہے ہم نے چاہا کہ اس مہربانی کا کچھ صلہ بطور زر نقد انہیں دیں لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا سردار عبداللہ پسر عبدالرحیم نے دو سو اشرفیاں مجھے دیں بس یہی روپیہ تھا جو اس وقت میرے پاس تھا اسکے علاوہ ایک حبّہ بھی نہ تھا۔ عبداللہ نے یہ اشرفیاں اپنی کارتوسوں کی پیٹی میں بھر رکھی تھیں اس وجہ سے وہ کالی ہو گئی تھیں دو دن

آرام لینے کے بعد ہم پھر روانہ ہوئے اور ملک کے دوسرے حصہ میں قیام کیا جہاں ہم سے کہا گیا کہ سامان خور و نوش کی قیمت دلوائیں۔ جب میں اشرفیوں کو دینے لگا تو دیسیوں نے صاف انکار کر دیا یہ سمجھ کے کہ تانبے کی اشرفیاں ہیں اور روپے مانگنے لگے۔ مجھے خبر لگی کہ شیر خاں کے پاس ایک ہزار روپے ہیں میں نے یہ اشرفیاں اُس سے بھنانی چاہیں اس نے یہ کہکے صاف انکار کر دیا "حضرت جب کوئی شخص آپ سے یہ اشرفیاں نہیں لیتا پھر مجھ سے کیوں لینے لگا"۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو میں نے بالجبر اس سے وہ ایک ہزار روپیہ لیلیا اور اس کے بدلہ میں سوا شرفیاں دیدیں۔ اس روپے سے میں نے آدمیوں اور جانوروں کے لئے خوراک خریدی۔

دو دن کے بعد ہم ملک آدم خاں وزیری کے قلعہ میں داخل ہوئے جس نے بڑی گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا اور شب کو اپنے قلعہ میں رکھا دوسرے روز ہم دوسری بستی میں پہنچے۔ ان لوگوں نے بھی ہمارا استقبال کیا اور ہماری دعوت کی اس کے بعد وہ ملک جو بطور رہنما کے ہمارے ساتھ تھے رخصت ہو کے اپنے اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اب ہم ہندوستانی حدود کے پار مقام دوآ میں داخل ہوئے۔

میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جو کچھ عرصہ ہوا مجھپر گزرا تھا۔ اس شب جب میں وزیری ملک ملک میں داخل ہوا تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ شکست سے اب تک میں نے کچھ کھایا نہ تھا بھوک کے مارے میری جان نکلی جاتی تھی میں نے اپنے سواروں سے کہا کہ میرا تو بھوک سے پتلا حال ہے کچھ اور انتظام نہ ہو سکے تو اس وقت گوشت کا ایک ٹکڑا ہی نعمت غیر مترقبہ ہو جائے گا ان لوگوں کے پاس صرف ایک ہی روپیہ تھا اس روپیہ سے وہ کچھ گوشت کچھ مکھن اور کچھ پیاز میرے لئے خرید کے لائے ہمارے پاس پکانے کے برتن نہ تھے اور اس ملک کے لوگ مٹی کے برتنوں میں کھانا پکایا کرتے تھے بمشکل میرے آدمی کہیں سے لوہے کی ایک کڑھائی لائے جس میں میں نے خود بیٹھ کے گوشت پکایا اور کچھ یخنی بھی کر لی۔ میں نے لکڑیوں سے باندھکے کڑھائی کو معلق کر دیا اور اس میں سے پکا ہوا گوشت نکالنے لگا ایک کتا تاک لگائے بیٹھا تھا موقع پا کے جھپٹا اور الگ کڑھائی کی کڑھائی اُڑا کے لیگیا میں دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا

میرے سوار اُس کتے کے پیچھے دوڑے لیکن وہ سارا گوشت خراب کر چکا تھا دوسرے اسکا بہت سا حصہ اُس کے پیٹ میں چلا گیا تھا۔ خدا کی قدرت کا ایک جدید سبق میں نے اس واقعہ سے سیکھا۔ اس سے تین روز پہلے ایک ہزار اونٹ میرے پاس تھے جن پر صرف میرے پکانے کھانے کے برتن لدتے تھے اور اب وہ کیفیت ہے ایک کتا معہ برتن اور گوشت اٹھا کے لیگیا اور میں تکتے کا تکتا رہ گیا۔ مجھے ایسے عجیب واقعہ سے ہنسی بھی نہیں آئی صبر شکر کر کے روکھی روٹی کھائی اور پڑ کے سو رہا۔

مقام دوآ میں سردار محمد خاں جسے میرے چچا نے اپنے ماموں کے پاس بھیجا تھا چالیس سوار لیکے ساتھ پہنچا اس کے ساتھ جنرل علی عسکر خاں اور ہواز دلا بھی تھے۔ چند روز کے بعد دوآ ہی میں عید ہوئی۔ بستی کے لوگوں نے بھی ہمارے ساتھ آ کے نماز پڑھی اُن لوگوں کو میں نے مٹھائی اور پگڑیاں دیں اور اُنہیں مبارک بادیاں دی گئیں۔ میرے اخراجات بہت بڑھتے جاتے تھے کیونکہ اب ہماری تعداد چھ سو کے قریب ہوگئی ہے خرچ کے بار سے دبا چلا جاتا تھا اتفاق سے عبدالرحیم کا ایک ملازم کابل سے آگیا اور مجھے دو ہزار اشرفیاں لا کے دیں اس کی وفاداری اور خیر خواہی کا سب پر اثر پڑا یہ شخص پہلے عبدالرحیم کا خزانچی تھا اور اب اس کے پاس جوتیاں تک بھی نہ تھیں کمبخت برہنہ پا کابل سے آیا پیروں میں گودڑ بندھا ہوا تھا اور خون جاری تھا تمام پیر چھلنی ہو رہے تھے۔ اشرفیاں دے کے اُس نے کہا مجھے کابل واپس جانے کی اجازت دی جائے تاکہ عبدالرحیم کے کنبہ کی خبر لوں اور اگر ممکن ہو تو وہاں پہنچ کے آپ کی بھی کوئی خدمت کروں۔ میں نے بخوشی اُسے کابل جانے کی اجازت دی چلتے وقت اپنا گھوڑا دینا چاہا لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں اس وقت آپ کو ضرورت ہے میں تو پا پیادہ چلا جاؤں گا۔ ان دو ہزار اشرفیوں کو بھنایا تو بیس ہزار روپے میں بھنیں۔ اس روپے سے ادویات سامان خورد نوش خریدا۔

اسی اثنا میں میرے چچا کے پاس اضلاع بنوں اور پشاور کے انگریزی حکام کے خطوط پہنچے جن میں لکھا تھا کہ آپ دوآ میں کیوں ٹھیرے ہوئے ہیں انگریزی عملداری میں آکے پناہ گزین کیوں نہیں ہوتے۔ میرے چچا نے اس کا جواب یہ دیا "ہاں اگر ہندوستان کا وائسرائے

براہ راست ہمیں لکھے اور دریائے انڈس کے اُس پار ہمارا استقبال کرے ہم یوں نہیں آسکتے ہاں اگر یہ کل صورتیں ہوں گی تو ہم آسکتے ہیں۔ اس خط پر چچا نے مجھ سے کہا تم اپنی مُہر کردو میں نے جواب دیا،، میں نے انگریزی دوستی میں کبھی کوئی فائدہ نہیں دیکھا آپ تو ایک دفعہ ہو کا آچکے ہیں تعجب ہے پھر اُسی طرف رجوع کرتے ہیں اگر آپ جانا چاہتے ہیں جائیں میں ساتھ نہیں جانے کا۔ یہ تو بتایئے کہ راولپنڈی چھوڑنے کے وقت سے آپ کی رائے انگریزوں کی نسبت کیوں تبدیل ہو گئی آپ خود ان کی سرد مہری کی مجھ سے شکایت کر چکے ہیں۔ چچا نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کہتا ہے صحیح ہے بیشک یہ ارادہ تھا کہ اب کبھی انگریزوں کے ملک میں نہ جاؤں گا لیکن کیا کروں پھر کہاں جاؤں ادھر اُنہوں نے خود بلایا ہے میں نے کہا شان جوانمردی کے خلاف ہے کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ آپ اُنہیں صاف جواب لکھیے۔ چونکہ مجھے آپ لوگوں سے کسی قسم کی فائدہ کی امید نہیں ہے اس لئے میں آپ کی گورنمنٹ کی سرپرستی میں نہیں آنا چاہتا۔ اخیر میری بات مان لی اور اسی مضمون کا ایک خط لکھا میں نے خط پر بھی اپنی مُہر ثبت نہیں کی اور چچا سے کہدیا کہ مجھے جانتا ہی کون ہے میں ایسا کہاں کا بڑا چڑھا آدمی ہوں یہ سن کے چچا سخت غصہ میں آگئے اور مجھ سے شکایت کرنے لگے۔ مجھے بھی غصہ آگیا اور میں نے فوراً اپنی مُہر توڑ ڈالی اور قاصد سے مخاطب ہو کے یہ کہا،، تو زبانی انگریزی افسروں سے کہہ دیجو میں آپ سے کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہتا وہ میرے دشمنوں کے دوست ہیں اس لئے میرے دشمن ہیں،، وہ قاصد پشاور اور بنوں چلا گیا اور اس نے ضرور میرا پیغام پہنچا دیا ہوگا۔

پانچ روز تک ہم ووا میں مقیم رہے اور وہاں سے کانی گرم روانہ ہوئے پانچ روز سفر کرنے کے بعد وہاں پہنچے۔ سات دن یہاں قیام کیا اس عرصہ میں ہمارے گھوڑے تازہ دم ہو گئے۔ اس جگہ گھاس خوب سرسبز اُگی ہوئی تھی۔ مجھے یہاں بخار آگیا پانچ روز تک ہوش نہ آیا پھر دانا روانہ ہو گیا یہاں دو دن ٹھیرا اس کے بعد دریائے گومل سے پار اُتر گیا جب میں دریا کی دوسری طرف پہنچا تو میں نے ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جو رومال ہلا رہا ہے میں نے علی عسکر خاں کو بھیجا کہ جا کے دریافت کریں یہ شخص کیا چاہتا ہے۔ جب عسکر خاں وہاں پہنچا تو اسے سخت تعجب ہوا کیونکہ یہ ایک خاتون تھی جسے بارہ سال کی عمر میں افغانستان

سے وزیری چرا کے لیگئے تھے۔ اب اُس خاتون کی عمر بیس سال کی تھی اور وہ کسی ترکیب سے بچکے نکل آئی تھی اور ہماری حفاظت چاہتی تھی میں نے اُسے اپنی نگرانی میں لیلیا اور اُسے ضروری سامان اور سواری کے لئے ایک گھوڑا دیا اور تسلی دی تو گھبرا نہیں انشاء اللہ میں تیرے ماں باپ کے پاس تیرے وطن پہنچا دوں گا۔

پھر ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور شیرانی والوں میں جا کے مہمان ہوئے یہ ایسی بستی تھی کہ جہاں صرف دو پھوس کے چھپر پڑے ہوئے تھے اور کچھ نہیں تھا۔ ان لوگوں کے پاس چانولوں کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔ صرف ایک بھیڑ۔ چار بکریاں اور تین مرغ تھے جن کو اُنہوں نے فروخت کرنے کے لئے رکھ چھوڑا تھا اور خدا کے فضل سے ہم تین سو تھے۔ ہمارے اور ساتھی بنوں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ ہم نے ان جانوروں کو خریدا اور کسی نہ کسی طرح رات کاٹی۔ وہ تیسرے دن ہم کاکڑ زہوب کی بستیوں میں سے ایک بستی میں داخل ہوئے۔ یہاں ہمنے افراط کے ساتھ آٹا۔ مکھن اور بکری کا گوشت خرید لیا۔ اور دو دن کی خوراک کا کھانا یہیں پکا لیا آگے چلکے بھی ایسے ہی کرتے رہے۔

پھر ہم ایک دوسرے گاؤں میں جس کا نام وہیبر نگ تھا پہنچے۔ یہاں ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بہت کثرت کے ساتھ ہو گیا۔ ضرورت سے زیادہ گاؤں والوں نے لا کے ہمارے سامنے ڈالدیا اور اُس کی خریداری پر زور دینے لگے۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ یہ دیکھہ کے وہ اپنا سامان ویسے ہی کل زمین پر چھوڑ کے چلدئے۔ دوسرے دن صبح کو آ کے دیکھا تو اُن کا سامان ویسا ہی پڑا ہوا ہے اور کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اخیر مجبور ہو کے اور یہ سمجھہ کے کہ ہم ان پر جبر نہیں کر سکتے وہ کل سامان بڑی بے دلی سے اُٹھا کے لیگئے اور جب تک ہم رہے ہمیں بہت بُرا بھلا کہتے رہے۔ ہم چند ہی میل چلتے ہوں گے کہ کیا دیکھتے ہیں دو ہزار آدمیوں کا گروہ ننگی تلواریں لئے ہوئے رستہ پر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ اُن میں سے ایک نے آ کے میرے چچا کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ وہ تلوار نکالنے ہی کو تھا کہ میں اُس پر جھپٹ پڑا اور اپنا رفل اُس کی چھاتی سے لگا کے فیر کرنے کا ڈراوا دیا۔ اس نے فوراً باگ چھوڑ دی۔ میں نے دریافت کیا کہ اخیر تمہارا منشاء کیا ہے اس نے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ اس گاؤں کا نام زہوب ہے اور اگر تم

لوگ ٹی کس ہیں روپیہ نہیں بھرو گے ہم تمہیں رستہ نہیں دیں گے - میں نے کہا اگر ہم تمہیں کا کر کا سارا ملک بخشدیں پھر تو ہمیں جانے دو گے اور یہ کہکے میں سنبھل گیا اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا اب تو وہ چونکے اور کہنے لگے ہم تو مذاق کر رہے تھے اور ہمیں آگے بڑھنے کا موقع مل گیا - دن کی منزل ابھی دور تھی کہ ایک سن رسیدہ آدمی ہمیں راستہ میں دکھائی دیا اُسکی بھوری بھوری زلفیں کندھوں پر لٹک رہی تھیں - اس کے سر پر ایک سفید عمامہ اور ہاتھ میں ایک مضبوط لکڑی تھی - اور اس کے ساتھ اس کے دس مرید بھی تھے - ابھی یہ مقدس صورت پورے طور سے سامنے نہیں آئی تھی کہ میرے چچا کے پاس دو آدمی آئے اور اُنہوں نے بیان کیا کہ ہم ملک کے سردار ہیں - یہ دونوں آدمی اس ضعیف صورت کو دیکھہ کے سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے کہا کہ یہ سید ہے - یہ سنتے ہی میرے چچا نے گھوڑے سے اُتر کے اس سن رسیدہ آدمی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اسے اپنے پہلو میں جگہہ دی - میں اس سے پہلے بھی ایسے سینکڑوں مکار دیکھہ چکا تھا اور خود اس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھہ دال میں کالا کالا ہے اور یہ تقوی وطہارت خالی از شر نہیں ہے - میری یہ بھی عادت تھی کہ جس گاؤں میں جاتا تھا وہاں کے لوگوں میں سے ایک کو کچھہ روپیہ دے دلا کر بستی کے حالات پوچھہ لیا کرتا تھا - ایک جاسوس کی باتوں سے مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بڈھا بڑا زبردست رہزن ہے - اس کے ساتھ سو آدمیوں کا ایک خونخوار گروہ ہے - اسوقت وہ اپنے ساتھ چالیس آدمیوں کو ہمارے مال و اسباب پر دھاڑا ڈالنے کے لئے لایا ہے - میں نے چچا کے کان میں یہ بات ڈالدی - لیکن وہاں کیا تھا - اس ماجرے کو سرتاپا غلط سمجھا اور اپنے بیٹے سرور کو بلا کے کہا آج یہ مقدس پیر ہمارے ہاں رات کو مہمان رہیں گے آفتاب چھپنے ہی کو تھا کہ چند آدمیوں نے ان چشموں کو جہاں سے ہمارے نوکر جاکر گھوڑوں کو پانی پلانا چاہتے تھے آکے گھیر لیا - یہ دیکھتے ہی میں چوکنا ہوا - اور میں نے بھی ایک چال کی کہ اپنے گھوڑوں کے چھوٹے قافلے بناکے بستی کے ادھر اُدھر مختلف وقتوں میں پانی پلانے کے لئے بھیجدیئے - اور ان چشموں کو جہاں وہ لٹیرے گھوڑوں کا انتظار کر رہے تھے خالی چھوڑ دیا - اس صورت سے ہمارے تین سو کے تین سو گھوڑے صحیح و سلامت منزل پر پہنچ گئے - میرے چچا اور اُنکے لڑکے کے پاس تقریبًا پچاس گھوڑے تھے - جو لوگ ان کی نگرانی اور خدمت کے لئے

مقرر تھے اُنہوں نے کہا کہ جو لوگ چشموں کو گھیرے ہوئے ہیں وہ گھوڑوں کو پانی پلانے سے
منع کرتے ہیں اس پر وہ پیر صاحب جوش میں آ کے کہنے لگے میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں دیکھوں
تو وہ لوگ کیسے تمہارے نوکروں کو پانی نہیں پلانے دیتے۔ پیر صاحب آگے بڑھے اور جب کچھ
دور پہنچے تو سائیسوں سے کہا تم لوگ اب ڈولوں سے پانی بھر لو۔ وہ غریب پانی نکالنے میں رہے
اوہر پیر صاحب معہ تیس۳۰ گھوڑوں کے غائب اور اُن کے کُل آدمی بھی اُن کے ساتھ غائب
ہو گئے بہ مشکل بیس۲۰ گھوڑوں کو میرے سواروں نے جن میں سے پانچ زخمی بھی ہوئے بچایا۔
جس وقت نوکروں نے آ کے یہ ماجرا سنایا میں بھی موجود تھا اور میں نے زور سے قہقہہ لگایا۔
میں نے کہا "میں آپ سے تیسرے پہر کو کہہ چکا تھا آپ نے میری نہ مانی آپ اس مثل کو کہ" دنیا
میں بہت سے شیطان بہ شکل انسان ہیں اور سب کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے" بالکل
بھول گئے میرے چچا اور ان کے بیٹے سرور کی رات گھوڑوں پر افسوس کرتے اور مجبور حسین کی
مرہم پٹی میں بسر ہو گئی۔ دوسرے کوچ میں میرے چچا کے آدمی اور سواروں کے پیچھے منزل طے
کرتے رہے۔ گیارہویں روز لگر کے ایک گاؤں میں پہنچے وہاں میرے سپاہیوں نے خوراک کا
بندوبست کیا اور میں اپنے لئے ایک فربہ بھیڑ تلاش کرتا رہا۔ اخیر ایک بھیڑ ملی اس کے مالک کو
بیس۲۰ روپیہ کابلی جس کا اس سے فیصلہ ہو چکا تھا دئے۔ ہم لوگ اس بھیڑ کو ذبح کرنے کو تھے کہ
اس کے مالک نے کہا اب میں نہیں بیچتا۔ میں نے ارادہ فسخ کر دیا۔ میری بھیڑ مجھے دو میں نے
کہا لیجائیے پھر کہنے لگا نہیں نہیں اب میں نے اپنا ارادہ پھر بدل دیا ہا لآخر وہ بھیڑ میری خاطر
ذبح ہوئی۔ اس کے دیکھتے ہی بھیڑ کے مالک نے روپے پھینکدئے اور کہنے لگا میری بھیڑ کو زندہ
کرو۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ میں یہ طاقت نہیں ہے اس کا زندہ کرنا میری طاقت سے
باہر ہے۔ اچھا تم روپے اور بھیڑ دونوں لیجاؤ۔ لیکن وہ اپنی ہٹ پر قایم رہا اور مجھے اُسکے زندہ
کرنے کے لئے برابر مجبور کرتا رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی بات نہیں بنتی تو ایک تدبیر سوچی اور
ایک مولوی کو جو میرے قریب کھڑا تھا بلایا۔ میں نے کہا یہ شخص بہت دیر سے آپ کی نسبت
بُرے بُرے الفاظ بک رہا تھا پھر اس بھیڑ والے کو مخاطب بنا کے میں نے کہا مجھے تمہاری
جتنی طبیعت چاہے گالیاں دو لیکن اس متبرک آدمی کی بیوی کو بُرا نہ کہو۔ یہ مقدس آدمی اپنے

وقت کا پیغمبر ہے یہ سنتے ہی وہ مولوی آگ بگولا ہو گیا اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مولوی صاحب نے بھیڑ کے مالک کو سور کہا اس نے بھی اس کا جواب دیا۔ دونوں میں خوب کٹا چھنی ہوتی رہی۔ میں روپے اور بھیڑ دونوں کو لیکے چلدیا اور ان دونوں کو انقطاعی فیصلہ کرنے کے لئے یہیں چھوڑ دیا۔ آدھے آدمی اس کی طرف ہو گئے اور آدھے مولوی کی طرف خوب آپس میں لڑے اور پھر لوگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ گھنٹے ڈیڑہ گھنٹے کے بعد ہی بھیڑ والا آیا اور میرے سامنے بطور نذرانہ دو دودھ کے بھرے ہوئے لوٹے۔ بہت سی روٹیاں دسترخوان میں لپٹی ہوئیں اور ایک حلوان بھیڑ کا پکا پکایا گوشت پیش کیا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ بالکل وحشی تھا اب اس کے حرکات و سکنات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مہذب اور معقول آدمی ہے میں نے کہا بھیڑ کا حیلہ ڈھونڈھ کے تم نے مجھسے کیوں جھگڑا کیا اس نے جواب دیا کہ سرور خاں نے قندہار میں اس سے برا برتاؤ کیا تھا اس لئے اس نے اس کا بدلا نکالا میں نے کہا سرور خاں تو یہاں موجود ہے۔ تم کو اس سے لڑنا تھا نہ کہ مجھسے وہ کہنے لگا کہ سرور خاں کو قندہار میں حاکم تو تم ہی نے بنایا تھا اس لئے میں نے تم ہی سے اس کا انتقام لیا اسی طرح کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں وہ اپنے گھر چلا گیا اور میں آرام کرنیکے لئے اپنی جائے قیام پر چلا آیا۔ دوسرے روز جب ہم روانہ ہوئے تو ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور ہر طرف گرد و غبار اُڑ رہا تھا جس گاؤں میں ہمارا ٹھیرنے کا ارادہ تھا وہاں کا ملک دو سواروں کو لیکے ہمارے استقبال کے لئے آیا لیکن ملاقات ہونیسے پہلے اس نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ یہ کہلا بھیجا تھا کہ شاہ جہاں بادشاہ آپ سے راستہ میں ملیں گے آپ کو چاہئے کہ گھوڑے سے اُتر کے اُن سے معانقہ کریں۔ میرے چچا نے مجھسے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ مجھے آگے جانے دیجے۔ پہلے دیکھ لوں پھر اسکے بعد کوئی رائے قائم کروں گا تھوڑی دور جانیکے بعد میں نے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا ان دونوں میں سے ایک سے میں نے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے اس نے بتلایا کہ یہ جو میرے ساتھ ہیں۔ یہ شخص جسے بادشاہ بتلایا گیا تھا ایک سن رسیدہ آدمی تھا۔ اس کا کوٹ بھیڑ کی کھال کا تھا۔ اس میں جابجا سرخ کپڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس کا عمامہ کسی میلی چیز کا بندھا ہوا تھا۔ دیکھنے سے قے آتی تھی۔ دوسرے یہ کہ

کوئی سر پر کلاہ نہ تھی۔ پیروں میں اون کی جرّابیں تھیں مگر جوتا نہیں تھا جس گھوڑے پر وہ سوار تھا اُس کی ہڈیاں پسلیاں نکل آئی تھیں۔ زین لکڑی کا رکھہ چھوڑا تھا اور اس کے پیروں میں گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ باگ بالوں کی تھی۔ اور اُس کے سِروں پر بھی گھنٹیاں باندہ رکھی تھیں۔ یہ تماشا دیکھہ کے میں بہت ہنسا اور ان کے بادشاہ سے میں نے کہا ہمارے امیر نے آپکی زبانی عزّت کرلی ہے۔ یہ بڑی زبردستی ہوگی اگر پھر بھی آپ اُنہیں گھوڑے سے اُترنے کی ہدایت کریں۔ میرے اس کہنے پر اُس فرضی اور مصنوعی بادشاہ نے کچھہ چوں وچرا نہیں کی پھر میں نے اپنے چچا کے پاس آکے اس عجیب شخص کی کیفیت بیان کی اور کہا شاہ جہاں اسبات پر راضی ہے کہ آپ گھوڑے پر سے نہ اُتریں۔ غرض میرے چچا جان وہاں پہنچے۔ چچا کا گھوڑا اس عجائب الخلقت صورت کو دیکھہ کے بھڑکا اور چراغ پا ہونے لگا چچا نے غل مچا کے کہا عبدالرحمٰن مجھے سنبھال میں چلا۔ میں نے کہا حضرت دو بادشاہوں کے معاملہ میں میں دخل دینے والا کون۔ چچا نے پریشان ہوکے کہا خدا کے لئے مجھے سنبھال ورنہ گھوڑا مجھے پھینک دیگا۔ عبدالرحمٰن بھلا یہ کوئی مذاق کا وقت ہے میری جان پر بن رہی ہے اور تجھے ہنسی سوجھی ہے۔ میں نے کہا اچھا اس شرط پر میں آپ کے گھوڑے کو پکڑتا ہوں کہ آپ اس کے صلہ میں مجھے کچھہ دلوائیں چچا نے کہا دو تلواریں ہیں اُن میں سے ایک تو لیلے میں نے منظور کرلیا اور پھر گھوڑے کو پکڑ کے درست کردیا۔ پھر میں شاہ جہاں کے پاس گیا اور اس سے کہا آپ میرے ساتھہ تشریف لائیں تاکہ ہم ملکے آنے والوں کے استقبال کا انتظام کریں شاہ جہاں بولا ایک دُنبے کی تو یخنی تیار ہے اور چالیس روٹی کے ٹکڑے ہیں میں نے کہا حضرت یہ سامان تو بہت ہے لیکن ذرا چلئے تو سہی کہ ہم ہر معاملہ خود جا کے دیکھہ آئیں۔ غرض ہم دونوں گھوڑے پر سے اُترے اور ایک میل تک چلے گئے میں نے ایک میل پر جاکے کہا اہا مجھے یاد آیا میں اپنی کچھہ ضروری چیزیں بھول آیا ہوں آئیے واپس چلکے لے آئیں۔ غرض ہم واپس پھرے۔ واپس ہوتے وقت میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کچھہ شکر بھی مجھے لانی ہے شکر کا نام سُنکے شاہ جہاں کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ میں اپنے چچا کے پاس آیا اور اُن سے کہا آپ نے اس جلیل القدر بادشاہ کی نسبت کیا خیال فرمایا۔ چچا یہ سُنکے ہنسنے لگے۔

گاؤں میں پہنچتے ہی ہم نے بادشاہ سلامت کو اِدھر اُدھر تلاش کیا خیر میں نے اُنہیں ایک پھوس کے چھپّر میں دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھسے حضرت سلامت نے کہا کہ میں نے اپنے نوکروں کو ایندھن کے واسطے جنگل روانہ کیا ہے۔ تعجب ہے وہ سب ابھی تک غائب ہیں۔ توا شادی میں کوئی مانگ کے لیگیا ہے۔ روٹیاں بھی تو ابھی تک نہیں پکّیں۔ میں نے کہا اگر آپ کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں تو کچھ مضایقہ نہیں ہم تو آپ کے مہمان حاضر ہیں۔ میں نے پھر اپنا سامان منگایا۔ لوگوں سے میں نے پوچھا کہ کیا یہی تہارے بادشاہ ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں یہی ہیں۔ میں نے کہا واقعی آپ لوگ بڑے عقلمند ہیں کہ آپ کا بادشاہ ایسا ذی اختیار ہے۔ میں جتنی تعریف کرتا تھا اتنا ہی وہ لوگ مجھسے خوش ہوتے تھے اس روز تو ہمارا پڑاؤ جنگل میں ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ صاحب ہمارے ہاں تشریف لائے اور کہنے لگے آپ لوگوں کا دوسرا پڑاؤ میرے ماموں زاد بھائی کے گاؤں میں ہوگا۔ وہ لوگ تو آپکی آؤ بھگت خوب کریں گے۔ میرے ماموں زاد بھائی کا نام دوست محمد ہے ہم لوگوں نے اس سے ایک ساتھی کی درخواست کی۔ پھر تو وہ خود ہی مستعد ہوگیا اور ہمیں راستہ بتانے کے لئے کمر کس لی۔

میں نے چچا سے کہا کچھ اس میں بھید ہے۔ اُنہوں نے مطلق خیال نہیں کیا اور ہم سب کے سب اس کے ساتھ ہو لیئے۔ دن بھر کی منزل طے کرنے کے بعد ایک پہاڑ کی کھو میں پہنچے۔ دوسرے دن پھر ایسے ہی ایک پہاڑ پر سے گزرے اور ایسے گاؤں میں آ پڑے جہاں کسی آدم زاد کا پتہ نہ تھا۔ تب تو میں نے چچا سے کہا کہ ہمیں یہ کہیں سے کہیں لیئے جا رہا ہے اور ہمارے گھوڑوں اور آدمیوں کو بغیر دانہ پانی کے مار ڈالے گا۔ اگر ہمارے پاس دو روز تک کچھہ کھانے پینے کا سامان نہ ہوگا تو ہم کیا کریں گے۔ رات کو اس ویرانہ میں ٹھیر گئے دوسرے روز دوست محمد دو ہزار آدمیوں کو لیکر ہمارے ہاں آیا۔ پہلے ایک آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہم لوگ حاضر ہیں۔ اس نے کہا آپ لوگ اس ٹیڑھے رستہ سے کیوں آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ماموں زاد بھائی کی حرکت ہے۔ اس کا منشا تھا کہ آپ لوگ ہمارے مہمان نہ ہوسکیں اور گاؤں کے باہر ہی باہر چلے جائیں جس سے ہماری سخت ذلت ہو۔ اب اسے

ہمارے سپرد کیجیے۔ وہ ہمارا دشمن ہے اُس نے تھوڑی دور پیچھے لوٹنے کی صلاح دی اور کہا کہ میں نے ہندوستانی پر تکلف دعوت کا سامان کیا ہے آپ لوگ چلکے اسے تناول فرمائیں۔ چچا سے میں نے کہا کہ آپ نے میری بات نہ مانی۔ اب ان دو بدمعاشوں سے کیسے چھٹکارا ہوگا۔ اتنی دیر میں دوست محمد کے وہ سپاہی جنہیں اس نے ہمارا اسباب لوٹنے کے لئے بھیجا تھا آپہنچے۔ جب ان پر گولیاں برسائیں تو وہ اُلٹے پیروں لوٹ گئے شاہ جہاں تو خوف کے مارے چھپ گیا۔ میں نے چچا سے کہا رات ہی رات میں یہاں سے چلدیجئے۔ ورنہ دوست محمد سے لڑنا پڑے گا۔ خدا خدا کر کے شاہ جہاں کا پتہ چلا۔ ہم لوگوں نے اُس سے کہا جہاں سے تو ہمیں لایا ہے وہیں پہنچا دے۔ وہ اس ڈر سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا کہ شاید ہم لوگ اسے دوست محمد کے حوالہ نہ کر دیں۔ میں نے اسے اطمینان دلایا۔ رات ہی رات اگرچہ جاڑا شدت سے پڑ رہا تھا اس کے ساتھ چل نکلے۔

راستہ میں کہیں پانی اور اناج کا پتہ نہیں تھا۔ کوئی گاؤں ایسا نہیں ملا۔ دوسرے دن تیسرے پہر کو ایک گاؤں میں وارد ہوئے وہاں بھی یہی رونا تھا۔ میں نے اس شیطان کے بچے سے پوچھا کہ آخر گاؤں والے کہاں گئے۔ اس نے کہا بہار کے موسم میں وہ تو یہاں آجاتے ہیں اور جہاں ذرا سردی پڑی وہ پہاڑ فرن پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ پہاڑی سامنے رہی میں نے جھنجلا کے کہا تجھ پر خدا کی مار اب ہمارے آدمیوں اور گھوڑوں میں کہاں اتنی طاقت ہے کہ وہ ایسی چڑھائی پر چڑھ سکیں۔ کمبخت نے جواب دیا جو کچھ ہو اب بہتر یہی ہے کہ پہاڑی پر چڑھیں وہاں لوگوں سے ملیں اور وہ لوگ ہمیں آرام دیں گے۔ کھانے کا بندوبست کر دیں گے لیکن میں خود نہیں جاسکتا وہ لوگ کل میرے خاندان کے دشمن ہیں۔ میں نے کہا اچھا آپ یہاں سے دفع ہوجیے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے مفسد کے پھندوں سے نجات ملی شام کے قریب پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے اور اُن لوگوں سے جو وہاں رہتے تھے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے ہمارا استقبال بڑے شوق سے کیا اور یہ سمجھے کہ یہ دشمن کے سوار ہیں۔ لیکن پھر بھی گھوڑے کے واسطے چارہ اور آدمیوں کیلئے کھانے پینے کا سامان اُنہوں نے بہم پہنچایا مگر کسی جنس کے دام نہیں لئے۔

ہم دو روز اُن کے مہمان رہے۔ پھر یہاں سے کوتل سرائے ہوکے پشمین روانہ ہوئے جب

ہم پشین کے پاس والے گاؤں میں پہنچے تو ایک مخبر نے کہا کہ یہاں کے حاکم نے مالگزاری کے چالیس ہزار روپے قندہار بھیجنے کے لئے اکٹھے کئے ہیں۔ میں نے چچا سے کہا کہ رات کو چھاپا مارنا چاہیئے۔ گاؤں میں رات ہی رات پہنچ جاؤں گا۔ لیکن یہ سب منصوبے ٹوٹ گئے۔ دو چار ملازموں نے جا کے اس حاکم سے کہدیا۔ اس نے کچھ آدمی آس پاس کے گاؤں سے قلعہ کے مضبوط کرنے کے لئے بُلالئے۔

میں نے خوش قسمتی سے پہلے ہی ایک مخبر کو روانہ کردیا تھا اور اس سے کہدیا تھا کہ میرے آنے تک وہ انتظار کرے مگر یہ شخص بدحواس میرے پاس بھاگا ہوا آیا اور میرے چچا کے پانچ سواروں کی غدّاری کا حال بیان کیا۔ یہ سُنتے ہی میں نے اپنا ارادہ فسخ کردیا اور میں فوراً مقام کاریز وزیر کی طرف پھرا اور یہاں دو روز قیام کیا۔ یہاں کے باشندے اپنے کو سیّد وردی کہتے ہیں۔ لیکن میں خیال نہیں کرسکتا کہ وہ اس لقب کے کس طرح مستحق ہوسکتے ہیں جبکہ اُس قوم کی خاص علامتیں فیاضی۔ اخلاق اور رحم کی ہیں۔ مگر ان لوگوں میں یہ صفتیں بالکل مفقود ہیں۔ ہاں خوبصورتی تناسب اعضاء اور دولت مندی میں سب بڑھے چڑھے ہیں لیکن ایک دوسرے کے سخت مخالف اور آپس میں ایک کو ایک کھائے جاتا ہے اسی وجہ سے ان میں رات دن جھگڑے اور فساد ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں سے روانہ ہوکے ہم نے مقام آبراغ میں قیام کیا۔ نشکی کے رستہ میں اس بلا کی بارش ہوئی کہ الٰہی توبہ۔ تمام دن مینہہ نے آنکھ نہ کھولی اور ہوا بہت خنک چلتی رہی۔ ہم چور بچوُر ہوگئے اور سردی سے ہمارے ہاتھہ ٹھٹھر گئے۔ بمشکل ہم مقام مقصود پر پہنچے لوگ ہم سے مہربانی سے پیش آئے۔ دوسرے دن ہم وہاں سے بھی روانہ ہوگئے اور اب ہمارا سفر ایسے جنگل میں ہوا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا ہمنے یہاں سے واپس چلا آنا چاہا کیونکہ لوگوں نے ہمسے کہا کہ اگر تم خاران کے رستہ سے جاؤگے تو تمہیں آرام ملے گا۔ اگرچہ یہ راستہ چار پانچ روز پہلے راستہ سے دور ہے مگر میں نے مناسب نہ سمجھا۔ دو سو اونٹ کرائے پر کئے اور اُن پر کافی سامان خورونوش بار کیا۔ اور اُسی بے آب و گیاہ جنگل میں روانہ ہوا۔ اللہ کی مدد سے ہر روز پانی برستا تھا اور ہماری تمام ضرورتوں کے لئے کفیل ہوجاتا تھا۔

ہم برابر دس روز تک اسی طرح سفر کرتے رہے۔ دسویں دن مقام چغتائی نظر پڑا۔ پانی برسنے سے سڑک بالکل ناہموار ہو گئی تھی گھٹنوں گھٹنوں پانی اور کیچڑ ہو گئی تھی اور اُسی میں ہم کو بہزار خرابی پیدل چلنا پڑا۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے ہمارے جانوروں اور آدمیوں کا بُرا حال ہو گیا۔ ایسی حالت میں میں نے خود تھوڑا سا گوشت پکایا اور ان آدمیونکو جنکے چہرہ سے مردنی برس رہی تھی تقسیم کیا۔ گھوڑوں نے موقع پا کے آرام کیا اور ایسے پڑے کہ اُٹھائے سے بھی نہیں اُٹھتے تھے۔ صرف میرا عربی النسل گھوڑا جو میرے دادا کے اصطبل کا تھا کھڑا رہا۔ دو دن تو ہم سخت آفت میں مبتلا رہے۔ تیسرے دن اللہ اللہ کر کے چغتائی میں پہنچے۔ جب بستی میں ہم داخل ہو گئے تو وہاں کا خان ہمارے استقبال کے لئے نہیں آیا ہم کو سخت حیرت تھی کہ کیا معاملہ ہے ہفتہ عشرہ کے بعد وہاں کے خان اور حبیر نے میرے چچا کے پاس یہ کہلا کے بھیجا کہ وہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اجازت ہونی چاہئے مجھے سخت ناگوار گزرا اور میں نے کہا اب تک کہاں رہے کہ ملنے کا موقع نہیں ملا جسکے لئے آج وہ درخواست کرتے ہیں۔ خیر معلوم ہوا کہ ان کے آدمی اپنے گھوڑے جنگل چرانے گئے تھے۔ اب گھوڑے چرا کے وہ واپس آئے ہیں۔ اور اُن میں سے ۵۰۰ سلام کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ ہمارا اشارہ پاتے ہی خان قلعہ سے باہر نکلا۔ آگے آگے وہ تھا اور اُس کے پیچھے ایک صف میں آدمیوں کی ایک جماعت تھی۔ خان کے آگے دو نوعمر ناچنے والے لڑکے تھے ان کی عمر نو یا بارہ برس کی ہو گی۔ ان کے چہروں سے وحشت برستی تھی۔ اُن کے بال آپس میں گھتے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کنگھا نہیں ہوا اور نہ صابون یا پانی سے کبھی دھوئے گئے۔ دو چار آدمی ان لڑکوں کے ساتھ گاتے ہوئے چلے آ رہے تھے اور گویا یہ ہمارا نہایت تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ اسی کی تیاری میں پندرہ دن صرف ہو گئے۔ ہم چغتائی میں پورے پچیس دن ٹھیرے رہے اس عرصہ میں ہمارے گھوڑے خوب ہٹے کٹے ہو گئے۔ کیونکہ گھاس اور چارہ کی افراط تھی۔ پھر ہم دریا ہلمند کے کنارے کنارے ملک پلالایک کی طرف بڑھ گئے۔ چھ دن کے بعد "خیل شاہ گل" میں داخل ہوئے اس کا نام شاہ گل ایک بلوچی سردار کے نام پر رکھا گیا ہے دیکھا تو سوائے دو بڈھے آدمیوں کے بستی میں کوئی بھی نہ تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

یہ دونوں بڈھے ڈر کے مارے ہماری نگاہ سے بچنا چاہتے تھے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ گاؤں کیوں ویران پڑا ہے تو انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور کہا ہمیں کیا معلوم۔ ہم لوگ سوائے اپنے تنگ و تاریک گوشے کے اور کہیں نہیں جانتے۔ لیکن جب ہم نے انہیں دھمکی دی تو کہنے لگے کہ قنات کے میر عالم خاں نے اپنے افسر سردار شریف خاں سیستانی کی ماتحتی میں گاؤں والوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے فوج روانہ کی تھی۔ اسی خوف سے تمام بستی والے اسی جگہہ کہیں قرب و جوار میں چھپ گئے ہیں۔ میرے چچا نے اُن سے کہا کہ ہم اُن کی حمایت لیں گے تم لوگ وہ جگہ بتلادو جہاں وہ چُھپے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں وہاں پہنچا دیا۔

شاہ گل ہمیں دیکھہ کے باغ باغ ہوگیا اور ہماری امداد سے بے انتہا مسرور ہوا۔ رات کو اس نے ہماری دعوت کی رات کا نصف حصّہ گزر چکا تھا کہ اتنے میں اس کے دو سپاہیوں نے آکے ہمیں اطلاع دی کہ سیستانی سوار قریب کی بستی میں آگئے ہیں کل صبح وہ ہم پر حملہ کرینگے شاہ گل نے کہا میں تو اپنے ساتھیوں کو لیکے کل صبح ایک محفوظ اور مورچہ بند مقام پر پہاڑ کے قریب چلا جاؤں گا تاکہ ہم لوگ اس بلائے ناگہانی سے بچے رہیں۔ میرے چچا نے مجھسے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا وہ لوگ جہاں چاہیں جائیں لیکن شاہ گل اگر ہمیں کوئی رستہ بتانے والا دیگا تو ہم سیستانیوں سے جا کے ملیں گے شاہ گل نے رستہ دکھانے والا ہمارے ساتھ کردیا۔ وہ تو پہاڑ کی طرف چلدیا اور ہم لوگ دوسری طرف روانہ ہوئے۔ کچھہ عرصہ تک تو ہم گھوڑا بڑھائے ہوئے منزل طے کرتے رہے جب سواروں کے گھوڑوں کی دوڑ دھوپ سے گرد و غبار ہماری طرف بڑھنے لگا اور ہم نے اس گرد میں آدمیوں کو دیکھا تو فوراً جنگ کے لئے ہر طرح سے مستعد ہوکے میں چچا کے سامنے آکے کھڑا ہوگیا اور اپنے سپاہیوں کو فوجی ترتیب میں کھڑا کردیا۔ سیستانی یہ دیکھہ کے گھبرائے اور ہمارے مقابلہ میں اُنہوں نے ایک قدم نہیں اُٹھایا اور اب ہمارا حال دریافت کرنے کے لئے وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ ہم نے کہا کہ ہم سب افغان ہیں بلوچی نہیں ہیں۔ یہ سنتے ہی ان کا سردار ہمارے سلام کیلئے حاضر ہوا۔ چچا صاحب کو میں نے بلا لیا۔ اب ہم نے سردار سے کہا کہ جو کچھہ آپ دیکھتے ہیں یہ شاہ گل کی حمایت میں ہے۔ وہ اور اُس کی رعایا ہمارے زیر حکومت ہیں تم کو ان سے چھیڑ چھاڑ کا

کوئی حق نہیں۔

سیستانیوں کے حاکم نے کہا کہ ہم اس شرط پر اپنے ارادے سے باز آئیں گے کہ شاہ گل ہمیں اس وجہ سے کہ ہم نے اُس کی عزت برقرار رکھی۔ سلام کرے۔ میں نے شاہ گل کے ساتھیوں کو اس شرط پر کاربند ہونے کے لئے مجبور کیا۔ مگر دقت یہ تھی کہ شاہ گل کی بہن اپنے بھائی کو اپنے پاس سے نہیں جدا کرنا چاہتی تھی۔ وہ ڈرتی تھی کہ اُس کے بھائی نے قدم باہر رکھا اور وہ گرفتار ہوا۔ میں نے کہا کہ اگر شاہ گل کو تم لوگ میرے چچا کے ساتھ کردو گے تو میں خود تمہارے ہاں رہونگا۔ اور گویا میں اس کا ضامن ہوتا ہوں۔ خدا خدا کرکے یہ لوگ اس بات پر راضی ہوئے۔ میں نے بھی اسے غنیمت سمجھا اور چچا سے اسے جلدی واپس بھیجنے کی بہت زور سے درخواست کی۔ میں نے اُن لوگوں سے پانچ روز کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں سات دن ہوگئے لیکن شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں اب یہ لوگ میرے پاس آئے اور اُنہوں نے میرے وعدہ کو بار بار یاد دلایا اور کہا ہم نے پانچ کی جگہ سات دن گزار دیئے ہمارے سردار کا کچھ پتہ نہیں۔ ضرور ہے وہ قید ہوگیا۔ میں نے ان کو بہت اطمینان دلایا اور کہا یہ بات نہیں ہے۔ ضرور کوئی اور سبب ہے۔ اچھا میں خود جاکے تمہارے سردار کو لاتا ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ بہت غضبناک ہوئے اور کہنے لگے کہ جب تک ہمارا حاکم نہیں آئے گا اس وقت تک ہم تم کو نہیں جانے دینگے پھر تو میں چونکا اور اپنے دوسو سواروں کو لڑائی کے لئے تیار کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی سب ننگی تلواریں لئے ہوئے ہمارے قریب آن پہنچے۔ میں نے اپنے آدھے سواروں کو بندوق مارنے اور بقیہ نصف کو تلواروں سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ معاملہ کی صورت ہی بالکل بدل گئی۔ نہ تو ان کے وہ جوش رہے اور نہ اُنہوں نے ہماری طرف اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ ہماری آمادگی دیکھکر وہ اپنے قلعہ کی طرف بھاگ گئے۔ میں نے دوسو اونٹ لئے اور اُن پر سب سامان لاد کے جس طرف شاہ گل گیا تھا ادہر روانہ ہوگیا۔ یہ لوگ میرے ساتھ ساتھ ہولئے اور مجھسے برابر اپنی قصور کی معافی مانگتے رہے۔ میں اُن کو سیستان لے گیا۔ اور پھر اس وقت اُن کے اونٹ واپس کئے۔ دو دن کی منزل طے کرنیکے بعد ہم لوگ گاؤں میں پہنچے۔ جاتے ہی میں نے اپنے چچا کو پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ شاہ گل کا کیا حشر ہوا جب

چچا صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے شاہ گل کا قصہ پوچھا معلوم ہوا کہ میر عالم خاں کے دو افسر تھے ایک کا نام سردار شریف خان اور دوسرے کا نام موسیٰ یوسف ہزارہ تھا۔ آخرالذکر نے شاہ گل کو قید کر لیا اور میرے چچا کی باتوں کی مطلق پروا نہیں کی۔ میں فوراً اس حاکم کے پاس پہنچا اور بغیر اس کے کہ میں گھوڑے سے اُترا دوں میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور پوچھا کہ شاہ گل کہاں ہے وہ خیمہ میں تھا میں نے فوراً آواز دی کہ "شاہ گل باہر آؤ" یہ سنتے ہی وہ باہر آگیا۔ میں نے اس حاکم سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں زبردستی قید کیا۔ جس کے جواب میں اُس نے یہ کہا کہ میرا ارادہ اُسے اپنے اعلیٰ سردار میر عالم خاں کے پاس لیجانے کا تھا۔ میں نے اس سے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ میں بطور ضامن کے تھا اور میں نے تمہارے ساتھ صرف اس لئے بھیجا کہ وہ صحیح سلامت پھر واپس آجائے تم نے بالکل خلاف کارروائی کی اور یہ شاہ گل تمہاری رعایا نہیں ہے۔ پھر میں نے شاہ گل اور اس کے ایک ملازم کو جو اس کے ساتھ قید ہو گیا تھا اپنے دس آدمیوں کے ساتھ ان کے وطن کو لوٹا دیا۔ شاہ گل کی رعایا اس کی سلامتی سے بہت خوش ہوئی۔

تین دن تو ہم اسی گاؤں میں پڑے رہے اب ہم سیستانیوں کے ساتھ اُن کے ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسرے دن ہمارا قافلہ دریائے ہلمند کے کنارے ٹھیرا۔ یہاں ایک قندہاری جرگے سے ملاقات ہوئی جن کے صرف پندرہ گھر تھے۔ ان بیچاروں پر بھی سواروں نے جن کا سردار ہزارہ سے تعلق تھا آفت ڈھا رکھی تھی۔ اور یہ وہی لوگ تھے جو ملک پلایک کے جرگوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جس طرح ہو سکا ان بیچاروں نے اپنے مکانوں کو خوب مضبوط کیا اور ہر طرف سے اُنہیں محفوظ بنا لیا۔ پچاس ہزارہ سواروں کو جان سے مار ڈالا اور ستّو کو زخمی کیا۔ تھوڑی دیر میں دو تین کوس کے اندر جتنی بستیاں تھیں سب ایک رائے ہو گئیں اور اُنہوں نے اپنی مشتملہ قوت سے ان سواروں کو روکنا چاہا۔ جب معاملہ کی یہ صورت ہو چکی تھی اس وقت ہماری فوج گاؤں میں داخل ہوئی۔ میں نے نہایت آمادگی سے اپنے سپاہیوں کو ان ہزارہ سواروں پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ میں نے ان بیچاروں کو ہر طرح کا اطمینان دلایا اور کہا کہ میں تمہارے دشمنوں سے تمہاری آیندہ سلامتی کی بابت

بھی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اُنکے قلعہ کیطرف پیدل روانہ ہوا۔ قلعہ خوب مضبوط بنا ہوا تھا اور فوجوں سے مسلح ہو رہا تھا۔ میرے ساتھ نہ تو کوئی سیڑھی اور نہ کوئی توپ تھی جس سے اندر جانے کا راستہ نکالا جاتا۔ بہر حال میں نے اپنے ایک ملازم کو صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا جب میرا ملازم قلعہ کے اندر داخل ہوگیا تو اُس نے اُن سے کہا کہ تم پر تمام مصیبتیں صرف ایک ہزاری سردار کی شرارت سے آئیں۔ اس کو میرے آقا عبدالرحمٰن خاں نے اچھی طرح سزا دے دی ہے اور اُسے ٹھکانے پر پہنچا دیا ہے۔ اب تم لوگ بغیر کھٹکے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلو۔

جب ان مصیبت زدوں کو ساری کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے سلام کرنے کے واسطے باہر نکل آئے۔ جب وہ میرے سامنے آئے تو میں ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور اطمینان دیا۔ کہ وہ لوگ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی افغانی ہیں اور میں بھی افغانی ہوں۔ اتنی باتیں سُننے سے ان کے اوسان درست ہو گئے اور ہمارے ساتھ اپنے اپنے گاؤں کو واپس آئے۔ اس سفر میں دو دن دو رات صرف ہوئے۔ یہ لوگ اپنے گاؤں سے جب ہم اُن کے ہاں ٹھیرے تو ہر طرح کا کھانے پینے کا سامان لاتے رہے لیکن سیستانیوں کو نہیں دیتے تھے اور مجبوراً ہم اپنے پاس سے کھلاتے رہے۔ بالآخر ہمارا قافلہ بنجر پہنچا۔ یہاں سے اب یہ لوگ واپس ہو گئے۔ اور سیستانیوں میں سے وہ لوگ جو ضرورتاً سپاہ کا کام دیتے تھے اپنے مکانوں کو لوٹ گئے۔ جو فوجی سپاہی تھے وہ اپنے سردار میر عالم کو ہمارے استقبال کی غرض سے بلانے گئے۔ جب سب سپاہی اس طرح ہم سے علیحدہ ہو گئے تو سردار شریف خاں نے اپنے قصبہ شریف آباد میں دو دن تک خوب ہماری دعوت کی۔

تیسرے دن میر عالم کے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میر عالم ہمیں دیکھتے ہی فوراً باہر نکل آیا اور ہمارے استقبال کے لئے جلدی سے تیار ہو گیا۔ جب ہم قریب پہنچے تو مجھ سے اور میرے چچا سے وہ بغلگیر ہوا۔ اس کے بعد اس کے نئے قلعہ میں پہنچے۔ میر عالم نے تو ہمارے لئے بڑی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اپنے قلعہ کے چاروں طرف ہمارے سواروں کے لئے سینکڑوں نئے خیمے کھڑے کر رکھے تھے۔ دو بڑے خیمے میرے اور میرے چچا کے لئے نصب کرائے تھے

ہماری مہمان نوازی اور خاطر مدارات کے لئے ایک ہوشیار آدمی کو ہماری خدمت میں رکھا ان لوگوں کے ہاں ہم بارہ دن تک مہمان رہے۔

پھر ہم قلاب سیستان روانہ ہوئے۔ جب ہم وہاں سے چلنے لگے تو میر عالم نے کل خیمے اور سامان کو ہمیں نذرانہ میں پیش کیا۔ اس نے نہایت عاجزی اور انکساری سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے ہمسایہ ہیں۔ ہمیں آپ کی ہر طرح خاطر کرنی چاہئے۔ ہم نے اس کی مہمان نوازی کا بہت اچھی طرح شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ محض اس کے اصرار سے دو یا تین خیمے اپنے ساتھ لے لئے۔ اس نے اس کے علاوہ ایرانی سکّے کے دس ہزار روپے بھی بیر جند کی رستہ کے خرچ کے لئے دیئے۔ میں نے یہ کل روپے چچا کی خدمت میں اس غرض سے کہ ان کا خرچ میرے ذمّہ نہیں تھا پیش کر دیئے۔ اب اسوقت بھی میرے پاس دو اشرفیاں جو عبدالرحیم خزانچی نے لا کے مجھے دی تھیں موجود تھیں۔ قلاب سیستان سے جسے وہاں کے لوگ ہاموں کہتے ہیں بندان پہنچے۔ یہاں سے نہہ کے رستہ سے صحرا لوت اور پھر بیر جند میں جا پہنچے۔ بیر جند میں میر عالم کے دو لڑکے رہتے تھے وہ لوگ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ لڑکوں کی ماں نے خوب مہمان نوازی کی اور جب تک ہم رہے ہماری خوب خاطر مدارات ہوئی۔ پانچویں محرم کو ہم بیر جند میں پہنچے تھے۔ سات روز وہاں ٹھیرنے کے بعد بارہ[۱۲] کو شہد کا رستہ لیا۔ یہاں آٹھویں امام حضرت امام رضا کا مزار شریف ہے۔ جب شہر سیراہیان میں قدم رکھا تو اگلی عمارتوں کے آثار بہت دور تک نظر آئے۔ ہمارا دوسرا پڑاؤ ایک غلیظ جگہ نیسی میں ہوا۔ پانی بالکل کھاری اور کڑوا تھا۔ یہاں والے بڑے بڑے حوضوں میں برساتی پانی کو رکھ چھوڑتے تھے اور اسی کو پیتے تھے۔ شہر والوں نے دو بڑے کنوئیں بھی تیار کرائے تھے۔ کھانا پکانے میں تو ان کا پانی کام دیتا تھا لیکن پینے کے قابل نہ تھا۔ کچھ عجیب اتفاق ہوا کہ جب ہم اس شہر میں پہنچے تو میرے چچا کو بخار آنے لگا۔ جب تک ان کو کامل صحت نہیں ہوئی ہم وہیں پڑے رہے۔

ایک مہینہ تک رہنا ہوا۔ اس عرصہ میں جو کچھ میرے پاس تھا وہ اب قریب قریب ختم ہو چکا تھا میں نے چچا سے کہا کہ آپ ابھی بہت کمزور ہیں۔ آپ سفر نہیں کر سکتے۔ مجھے تو یہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لئے ایک ہوادار تیار کراؤں۔ اس میں آپ بیٹھیں چچا نے کہا بھلا ہوادار یہاں کیسے تیار ہو سکتا ہے۔ بالکل غیر ممکن ہے۔ یہاں لکڑی کا نام نہیں۔ میں چپکا سنکے چلا آیا اور جس جگہ یہاں کے لوگ نماز پڑھتے تھے اسی عمارت میں سے لکڑی کے چار ٹکڑے کاٹے۔ جب وہاں والوں نے اعتراض کیا تو میں نے کہا کہ ہم سب پردیسی مسافر ہیں۔ ہم مرض کی مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ میں خدا کا مال اچھی طرح صرف کرنا چاہتا ہوں یعنی اس کے مصیبت زدہ بندوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں میری باتیں وہ سنکر خاموش ہو گئے اور ان کا اطمینان ہو گیا۔ شام تک ہوادار تیار کرا لیا اور ہم لوگ مقام تربت عیسے خاں میں پہنچے یہاں سے قارز شاہزادہ جو بہت صاف جگہ تھی وہاں مقیم ہوئے۔ یہاں کے شاہزادہ نے اپنے لئے بہت اچھا مکان بنوایا تھا۔ میں نے چچا کے لئے اس مکان کو تجویز کیا۔ انکو وہیں ٹھیرایا۔ اور میں خود اُن کا کھانا پکاتا اور ان کی تیمار داری کرتا رہا۔ خدا کے فضل سے ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھی کم نہیں تھے۔ علاوہ اس کے چچا کا لڑکا سردار سرور خاں بھی تھا۔ لیکن سب سے زیادہ باوجودیکہ میرے چچا مجھے محبت نہیں کرتے تھے میں اُن کی خدمت کرتا تھا اور مجھے اُن کے ساتھ زیادہ محبت تھی اس عرصہ میں سرور خاں صرف دو مرتبہ اپنے باپ کی مزاج پرسی کرنے کے لئے آیا اور باقی وہ اپنے نج کے کام میں ہمیشہ لگا رہا۔ ایک دن میرے چچا کے پاس کسی نے زرد آلو بھیجدیئے۔ میں نے اُن سے کہا ابھی دو یا تین دن گزرے ہیں کہ بخار خدا خدا کر کے گیا ہے اب آپ یہ کھانے بیٹھے ہیں۔ آپ ان کو نہ کھایئے۔ مجھے دیکھیئے کہ میں رات دن آپ کی خدمت کرتا رہا۔ رات کو سویا نہیں۔ ادھر اب جا کے اتنی فرصت ہوئی کہ میں نے تھوڑی دیر آرام کیا ہے۔ اس مرتبہ اگر آپ بیمار ہو جائیں گے تو پھر میری جان پر مصیبت آئے گی۔ اور مجھے آپ کی تیمار داری کرنی پڑے گی۔ میری کچھ نہ سنی اور ساری رکابی صاف کر گئے۔ یہ بات مجھے سخت ناگوار گزری اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری ساری عمر کی کمائی چچا کی خاطر برباد ہو گئی اور اب یہ نوبت ہو گئی کہ مجھے اُن کے آرام کے لئے اپنے ہتھیار فروخت کرنے پڑتے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں تربت عیسے خاں جانا چاہتا ہوں جب مجھے اجازت مل گئی تو میں رات ہی رات وہاں جا پہنچا۔ دھوپ کی سختی اور روپیہ پیسہ کی کمی

سے میں اپنے گھوڑوں اور آدمیوں کو ساتھ نہیں لایا۔ تن تنہا چلدیا۔ یہاں کوئی رئیس کا لڑکا رہتا تھا وہ طہران گیا ہوا تھا۔ میں اس کے مکان میں ٹھیرا رہا اور اپنے چچا کے لئے دوسرا مکان درست کیا یہاں مجھ سے ایک ہراتی سوداگر قاضی حسن علیخاں نامی سے جان پہچان ہوگئی جو یہاں مُدّتوں سے رہتے تھے۔ اس بھلے آدمی نے مجھسے کہا ''جتنا روپیہ تمہیں چاہئے میں دوں۔ میرے پاس میرا ذاتی ایک لاکھ کابلی روپیہ ہے۔ اور دو تین لاکھ ایرانی سکّے کے ہیں جو تجارت کی غرض سے لوگوں نے مجھے دے رکھے ہیں'' اس کے جواب میں میں نے کہا ''میں آپ کی اس عنایت کا ممنون ہوں۔ چونکہ میں روپیہ واپس نہیں کر سکتا اسلئے میں نہیں لینا چاہتا۔ ہاں نہایت شکریہ کے ساتھ جب تک یہاں رہنا ہو میں اور میرے آدمی آپکے ہاں کا کھانا قبول کر سکتے ہیں'' ان لفظوں سے میں نے اسکی مالی امداد کو نامنظور کیا۔

چھٹے دن کے بعد میرے چچا صاحب معہ اپنے تمام آدمیوں کے یہاں پہنچ گئے اور قاضی صاحب نے ان کا بھی خرچ اپنے ذمہ لیا۔

ہمارے آدمیوں کے کپڑے بالکل پھٹ گئے اور ہمارے گھوڑوں کے زین پُرانے ہو گئے تھے۔ قاضی صاحب نے چاہا کہ میں اپنے خرچ سے بنوادوں میرے چچا نے اپنے آدمیوں کے لئے تو قاضی صاحب کی امداد منظور کر لی لیکن میں نے اپنے سواروں کیلئے یہ بات نہیں منظور کی۔ حقیقت میں اس آدمی نے ہمارے ساتھ بڑے سلوک کئے۔ اور تمام عمر میں اس کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ ایک معمولی حیثیت کے آدمی کے لئے اتنے آدمیوں کا خرچ اُٹھانا کچھ کم نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑا دل چاہیئے۔ میرے چچا نے کھانے پینے میں پھر بے احتیاطی کی اور بیمار ہو گئے دس دن دس رات پھر مجھے تیمار داری کرنی پڑی۔ کچھ دن کے بعد مشہد کے سردار کو ہمارے آنیکا حال معلوم ہوا۔ اور شاہ کے اشارہ سے مشہد کا گورنر معہ ایک ہوادار اور ۲۴ خچروں کے میرے چچا کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے اپنے خط میں میرے چچا کو لکھا کہ آپ کی بیماری کا حال سُنکر میں ہوادار بھیجتا ہوں تاکہ آپ مشہد تشریف لائیں۔ میں نے اس بات کو منظور کیا اور ایک مہینہ کے بعد ہم سب مشہد روانہ ہو گئے۔ اب تک قاضی صاحب کے ۷۰۰۰۰ قرن (ایرانی سکّے کے حساب سے فی قرن چھ پنس کے برابر)

ہمارے ذمہ ہو چکے تھے۔ ساٹھ ہزار تو میرے چچا نے قرض لئے اور دس ہزار میں نے لئے۔ اس ہمدرد آدمی نے تربت عیسے سے پانچ دن کے راستہ پر (ایک پہاڑی سلام تادی ہے) ہمیں پہنچایا۔ یہاں پر پہنچ کے ہم لوگ کہنے لگے کہ ہم آٹھویں امام کا مبارک مقبرہ دیکھ سکتے ہیں مقدس مقبرہ کے کنگرے مجھے نظر آنے لگے اور مجھے معلوم ہونے لگا کہ وہاں خدا کا نور برس رہا ہے۔ اس مقدس مقبرہ کی عظمت و برکت دیکھکر مجھے بہت خوشی ہوئی اور اس سرور میں چند قرآنی آیتیں پڑھکر دعا کے لئے میں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اس جگہ سے آگے بڑھ کے ہمیں چھ عربی گھوڑے دکھائی دیئے۔ جن کے زین بہت خوبصورت تھے اور ان پر ہیرے لگے ہوئے تھے۔ یہ گھوڑے دو گاڑیونکو کھینچ رہے تھے۔ ان گاڑیوں کے پیچھے ہزار سوار تھے جو مقبرہ شریف کے ملازم تھے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں شاہ کے چچازاد بھائی کی ہیں یہ مرحلے طے کرنے کے بعد بڑی شان کے ساتھ ہمیں شاہ کے محل میں لیگئے اور ہم سے وہیں ٹھیرنے کی درخواست کی گئی۔ تین روز تک درگاہ کے یعنی امام صاحب کے ہم مہمان رہے اس کے بعد شاہ کے مہمان ہوئے۔

شاہ کا چچازاد بھائی ترکمانوں کے مقابلہ کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہ دس روز تک غیر حاضر رہا۔ دس روز کے بعد وہ اس مہم سے واپس آیا۔ اس نے میرے چچا۔ ان کے لڑکے سرور۔ میری اور ہمارے چند افسرونکی دعوت کی اور دعوت کے وقت دوستانہ برتاؤ کا اظہار کیا۔

دوسرے دن حمزہ میرزا شاہ کا چچا آیا اور اس نے ہم سے ملاقات کی۔ اس کی ملاقات کے بعد میں مزار شریف زیارت کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ شاہ کے وزیر نے جو مزار شریف کی جاروب کشی کرتا ہے مجھے بلایا۔ میں نے خوشی سے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔ مشہد کے پندرہ دن کے قیام میں مجھے بھی خفیف سا بخار آگیا تھا۔ خدا کا شکر میں جلدی اچھا ہو گیا۔

شاہ کے چچا سے جب میں دوسری مرتبہ ملا تو میں نے درۂ غزبہ تجان اور درۂ اُدر گنج کے رستہ ترکستان جانے کی اجازت چاہی اور اس بات کی بھی درخواست کی کہ میرے ساتھ ایک آدمی کیا جائے اور وہ مجھے مقام ڈراگز تک پہنچا دے جو ایران کی سرحد پر ہے اور جہاں علی یار خاں حاکم ہے۔ شاہ کے چچا نے کہا قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دوں مجھے یہ مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ شاہ کو بھی اس کی اطلاع کر دی جائے اور ان کو فوراً ہی تار دیا جائیگا۔
دو دن کے بعد مقام شاہزادہ کا حاکم میرے پاس آیا۔ حقّہ اور چاء پینے کے بعد اس نے مجھے کہا کہ میں نے ریاست کے میر منشی کو تار دیا اور اس سے اس معاملہ میں شاہ کی رائے پوچھ لی ہے اور شاہ نے فرمایا ہے کہ اس قسم کی درخواست کی منظوری سے پہلے میں ان سے طہران میں ملنا چاہتا ہوں۔ اگر مجھ سے ملنے کے بعد بھی ان کی یہی خواہش رہے گی تو ان کو اجازت دیدونگا جب میں نے یہ سُنا تو جواب دیا کہ فی الحال شاہ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونگا۔ ہاں اگر افغانستان پر تسلط کرنے میں میری اور کوئی مدد نہیں کرے گا تو پھر میں شاہ موصوف کو تکلیف دوں گا۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ایک ایسے جلیل القدر شاہ سے پہلے تو امداد کی درخواست کی جائے اور پھر اس کو چھوڑ کے کسی اور ملک سے حمایت کی امید کیجائے کیونکہ غیر آدمی یہ سمجھیں گے کہ شاہ نے شاید ساتھ دینے سے قطعی انکار کر دیا اور یہ بات ان کی شان کے خلاف سمجھی جائے گی۔ شاہ کے ملازم نے مجھے دو دن کی مہلت دی کہ میں ایک انقطاعی فیصلہ کرلوں۔ اس مہلت کے بعد ہی مجھے اطلاع دیگئی کہ اگر تم سے ہو سکے تو شاہ سے مل لو اور نہیں تو تم ترکستان جانیکے لئے آزاد ہو۔ مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا گیا کہ شاہ مجھے اپنا لڑکا سمجھتے ہیں اور مجھے چاہئے کہ میں ایران کو خاص اپنا گھر سمجھوں۔
جو مہربانیاں میرے ساتھ کی گئیں میں نے انکا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور مقام شاہزادہ کے حاکم سے شاہ کی آیندہ نظر عنایت کی اُمید ظاہر کی۔ اس شخص نے اپنے شہر سے میرے ساتھ ایک سردار اور دس سوار کئے۔ اور علی یار خاں کے نام کا مجھے ایک خط بھی لکھ دیا اب میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چھ دن کی منزل طے کرنے کے بعد علی یار خاں کے پاس پہنچا۔ وہ ہمارے استقبال کے لئے ایک ہزار سواروں کے ساتھ باہر آیا۔
اس نے شہر دارا گز کے باہر ایک باغ میرے ٹھیرنے کے لئے تجویز کیا۔ یہ جگہ بہت خوشگوار اور اسکی آب و ہوا نہایت اچھی تھی۔ اس نے میرا استقبال ایسی کشادہ پیشانی سے کیا جیسے کہ یہ کوئی میرا پرانا دوست ہے۔ اور مجھے ایک مہینہ تک اپنے ہاں ٹھیرایا اس نے کہا کہ یہ ترکمان لٹیرے ہیں اس لئے اس نے میرے جان و مال کی حفاظت کے لئے ان ترکمانوں سے

ضمانت طلب کی۔

ان ہی دنوں میں چند ترکمانی سوداگر ایک ہزار اونٹ لیکے جن پر تجارت کا مال لدا ہوا تھا۔ شہر دارا گز میں تجارت کرنے گے لئے آئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھکر علی یار خاں نے امانتاً ان آدمیوں کو رکھ لیا اور ان کا سارا مال ضمانت میں ضبط ہوگیا۔ میں تجان کے تین سرداروں کے ساتھ اب روانہ ہوا۔ ایک کا نام آوزبک۔ دوسرے کا نام عزیز۔ تیسرے کا نام آونرک تھا۔ یہ لوگ اُور گنج تک مجھے رستہ دکھانے کے لئے ساتھ گئے تھے۔ خان اور اُسکے ۱۵۰۰ سوار بھی عشق آباد تک میرے ہمرکاب ہوئے۔ وہاں کے کھیت دور تک کھڑے ہوئے اور ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ جس طرف نظر اٹھتی تھی اُسی طرف قدرت کا دلکش منظر ہماری تفریح کے لئے کافی تھا۔ چونکہ ان کھیتوں میں شکار کی افراط تھی اس لئے طبیعت خوش کرنے کے لئے دو تین گھنٹے روز گھوڑے دوڑانے اور شکار کھیلنے میں ہم صرف کرتے تھے۔ ہمارے پاس گھوڑے بھی مضبوط تھے اور بندوقیں بھی کثرت سے تھیں۔ رستہ بھر یہی کیفیت رہی۔ جب عشق آباد سے ہم آگے بڑھے تو خان مجھسے رخصت ہوا اور اپنے چند سوار میرے ساتھ چھوڑ دیئے تاکہ یہ لوگ لوٹتے وقت میری منزل مقصود پر پہنچنے کی خیریت اس سے جا کے کہیں۔

ہم اسی طرح آگے قدم بڑھاتے ہوئے چلے گئے اور ساری رات اپنی منزل طے کرنے میں گھوڑے پر سوار رہے۔ جب صبح صادق کے نور نے ہمارے دلوں میں سرور پیدا کیا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے ہماری مخمور آنکھوں کو کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم ایک مرغزار میں اپنے گھوڑوں کو آگے بڑھا رہے ہیں اور اس سرسبز وادی کے چاروں طرف ہیرات کے صاف اور شفاف چشمے بھر رہے ہیں۔

ان چشموں کے کنارے دور تک خربوزوں اور تربوز کی فالیز لگی ہوئی تھی اور دور تک پانی میں کنول کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ یہاں کے رہنے والوں کا قاعدہ ہے کہ جب خربوزے پک کے میٹھے ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ ان کھیتوں میں آکے ٹھہر جاتے ہیں اور اس فصل میں سوائے طرح طرح کے میٹھے خربوزے اور کھیریوں کے کچھ نہیں کھاتے اور

کوئی گھاس تو ملتی نہیں اس لئے آجکل ان کے گھوڑے سبز جھاڑیوں کی پتیاں کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

اس کے دوسرے دن ہم سب تجان پہنچے۔ اور ان خانہ بدوشوں میں ہم لوگ پانچ دن ٹھیرے رہے کیونکہ خورد نوش کا سامان خریدنا تھا۔ علاوہ اس کے رستہ کی تکان سے میرا جسم چُور چُور ہو رہا تھا اور دوسرے ایک گھوڑے نے میرے پیر میں لات ماردی تھی۔ اس لئے میں آرام لینا چاہتا تھا۔

چھ دن کے بعد ہم اُڈر گنج کی طرف روانہ ہوئے۔ ان تینوں سرداروں میں سے جو میرے ساتھ تھے ایک اپنے وطن کو چلا گیا اور باقی دو آوزبک اور عزیز میرے ساتھ ہو لئے۔ ہم رات بھر چلے اور صبح کے دس بجے ایک کنوئیں پر پہنچے جس کا پانی بالکل کھاری تھا۔ آدھے دن سے بیکے ساری رات سفر کرتے اور صبح کے وقت تھوڑی دیر گھوڑوں کو دانہ کھلانیکے لئے ٹھیر جاتے اور اسی طرح برابر دو دن تک سفر کرتے رہے۔ چوتھے دن رات کے دس بجے کے قریب ہم لوگ ایک دوسرے کوئیں پر پہنچے جس کا پانی پہلے کوئیں سے بھی زیادہ کھاری اور غلیظ تھا۔ لیکن کیا کرتے مجبوری تھی اخیر پینا ہی پڑا۔ ہمارے گھوڑے بھی آگے نہیں بڑھ سکتے تھے جنہیں آرام دینے کے واسطے ہم یہاں چھ دن پڑے رہے۔ اس کے بعد ہم پھر اپنی منزل پر ہو لئے۔ رات بھر چلتے اور دن کے وقت گرمی میں آرام کرتے۔ یہاں تک کہ ہم ایک ترکمانی قافلہ سے ملے۔ ان لوگوں نے ہمیں ایرانی سمجھا اور ڈرے کہ شاید یہ ہم پر چھاپا ماریں اس لئے وہ جلدی سے چھپ گئے۔

اس موقع پر میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایرانی اور ترکمانی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان کے مُلّانوں نے یہ ہدایت کی ہی کہ وہ ایک دوسرے کے قتل اور قید کی فکر میں رہا کریں۔ حالانکہ یہ دونوں مسلمان ہیں لیکن ان کے مُلّانے شیطان کی اولاد ہیں وہ انہیں ایک دوسرے کا دشمن بناتے ہیں۔ یہ بڑے شرم اور افسوس کی بات ہی۔ خدا فرماتا ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے جزوِ بدن ہیں۔ وہ بھائی بھائی ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کا برتاؤ کافروں سے بھی بدتر ہے۔ اور یہ سخت جہالت ہی

یہی وجہ ہے کہ کافر اور بیدین دینداروں اور ایمان والوں پر ہنستے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ یہ لوگ آپس میں لڑے مرتے ہیں۔ خود اسلام میں کوئی نقص نہیں ہے یہ تو ہم کمبخت ہیں کہ دنیا بھر کے عیب ہم میں موجود ہیں اور اسلام کے بدنام کرنے والے ہم ہی ہیں چند بچھڑے اور رستہ بھولے ہوئے ترکمانوں سے ہم نے پوچھا کہ ادھر کوئی کنواں بھی قریب ہے۔ اُنہوں نے کہا اگر اسی رفتار سے چلے جاؤ گے تو پو پھٹنے سے پہلے تم ایک کنوئیں پر پہنچ جاؤ گے۔ ہم اپنی منزل برابر اسی طرح طے کرتے رہے۔ آفتاب کی صورت دکھائی دی۔ گرمی کا زور ہوا۔ آفتاب کی حرارت سے ہماری زبان سوکھ کے کانٹا ہوگئی۔ گھوڑوں نے بھی پیاس کے مارے اپنی زبانیں نکال دیں۔ مگر تعجب ہوا کہ ابھی تک کسی کنوئیں یا چشمے کا پتہ نہیں۔ دو تین گھوڑوں کی زبانیں بھی میں نے کاٹیں لیکن خون کا نام نہیں۔ مجبوراً ایک نیبو تراش کے اس کے دو تین قطرے اپنے حلق میں ٹپکائے۔ اور اپنی زبان اپنے گھوڑے کی زبان پر رکھ دی لیکن پھر بھی کسی طرح کی نمی محسوس نہ ہوئی۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ جب انسان کو پانی نہیں ملتا ہے تو وہ آگ کی طرح گرم ہو جاتا ہے اور دوزخ کی آگ خود انسان کے جسم میں موجود ہے۔

ہم گرتے پڑتے اسی مصیبت سے شام تک رستہ چلتے رہے اور ایک چشمہ پر پہنچے۔ لیکن میرے ساتھ والوں میں سے صرف چار میرا ساتھ دے سکے اور باقی اس تکلیف کو برداشت نکر سکے۔ زمین پر بیہوش گر پڑے اور پیچھے رہ گئے۔ تھوڑا پانی پینے کے بعد میرے حواس درست ہوئے۔ مجھے اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کا خیال آیا اور میں اُن کی مصیبت پر رونے لگا۔ میں نے ایک گھوڑے کو دیکھا کہ ابھی اس میں کچھ دم باقی ہے پانی کی دو مشکیں اُس پر رکھ کے اپنے ایک سوار کو پھر اسی رستہ پر بھیجا اور کہا کہ ہمارے باقی ساتھیوں کو ڈھونڈھ کے لاؤ۔ میں نے اُس آدمی کو ہدایت کردی تھی کہ وہ گھوڑوں کے قدم کے نشان سے علیحدہ ہو کے نہ چلے ورنہ رستہ بھول جائے گا۔ اسے ایک قطب نما بھی دیدیا تھا جس سے وہ سمت معلوم کر سکے۔ اس آدمی کی میرے سب ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جو پیاس کی شدت سے اپنے گھوڑوں پر سے گر پڑے تھے اور بالکل بے بسی کے

عالم میں تھے۔اس نے سب کے حلق میں تھوڑا سا پانی ٹپکایا۔جب ان کے ہوش و حواس درست ہوئے تو تھوڑی دیر میں سب کو میرے پاس لایا۔

اس چشمہ کے کنارے ہمارا قیام سات روز تک رہا۔ترکمانوں کا وہی قافلہ جو ہمیں وہاں ملا تھا یہاں پہنچا۔جب ان کو معلوم ہوا کہ ہم کون ہیں تو دو چار ترکمان ہمارے پاس معافی مانگنے کے لئے آئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نے ایرانی سمجھ کے آپ لوگوں کو قصداً یہ راستہ بتلایا تھا کہ بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کے مرجائیں۔میرے پاس خور و نوش کا سامان ختم ہو چکا تھا ان لوگوں نے اپنے پاس سے چار دن کی خوراک کا سامان ہمیں دیا۔اور تین دن کا سامان ہمیں نے اُنسے قیمتاً خریدا۔اس جگہ سے مقام خیوا پانچ دن کی منزل پر رہ گیا تھا۔

اب ہم اسی سمت کو روانہ ہوئے۔جب ہم کسی شہر میں پہنچتے تو میں شہر کے باہر ٹھیر جاتا تھا۔ساتھیوں کو کھانے پینے کا سامان لینے کے واسطے بازار میں بھیجدیتا۔جب خیوا کی دیواروں کے نیچے پہنچے تو میں شہر کے باہر ٹھیر گیا۔میں نے اپنے آدمیوں کو بازار میں بھیجا۔خیوا کے خان نے میرے ملازموں سے پوچھا کہ تم لوگ یہ سب سامان کس کے واسطے لیجا رہے ہو اُنہوں نے کہا کہ ہم اپنے سردار عبدالرحمٰن کے لئے لیجا رہے ہیں جو امیر افضل مرحوم کے بیٹے ہیں اور دوست محمد کے پوتے ہیں۔خان نے اپنے ایک وزیر کو میرے پاس بھیجا اس نے کہا ہم لوگ اسے غیر مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ ایک ایسی خراب جگہ رات بسر کریں۔اس شخص نے شہر میں چلنے کے واسطے اصرار کیا۔جہاں اس نے بہت کچھ اہتمام کر رکھا تھا اور بڑی دھوم سے ہمارا استقبال کیا۔

دو روز کی ضیافت کے بعد اور گنج اور خیوا کے خان نے میرے پاس اپنا ایک وزیر بھیجا۔اور مجھ سے ملنے کی درخواست کی۔میں نے وزیر سے کہا کہ میں مسافرانہ حیثیت میں ہوں مجھے خیوا میں کوئی کام نہیں ہے۔یہ نہایت موزوں ہوگا کہ میں خود حاضر ہوں۔اس وجہ سے میں محل کی طرف روانہ ہوا۔جب وہاں پہنچا تو ساتھ توپیں اور اُن کے چھکڑے دیکھ کے حیران ہوگیا۔سب توپچی حبشی تھے۔اس سے پہلے میں نے اتنی توپیں ایک جگہ نہیں دیکھی تھیں حبشیوں نے پچاس توپوں سے سلامی دی۔اور خان میری پیشوائی کے لئے آگے بڑھا۔میں گھوڑے

سے اتر پڑا۔ میں نے مصافحہ کیا۔ اور ہاتھ میں ہاتھ دیئے خان مجھے دربار عام میں لے گیا۔ اس وقت مجھے ترکی زبان نہیں آتی تھی۔ اس وجہ سے اس نے ہماری باہمی گفتگو کے سمجھنے کے لئے ایک ترجمان مقرر کیا۔ خان سے برابر دو گھنٹے تک بات چیت ہوتی رہی۔ سلسلۂ گفتگو میں اُس نے مجھے اپنا بڑا بھائی کہا اور یہ ظاہر کیا کہ جب اس کا باپ محمد امین بلخ میں مقیم تھا تو وہ میرے والد کا سچا دوست تھا۔ اس لئے وہ میرا اور بھی مشکور ہوا اور اسے ہماری ملاقات سے بے انتہا خوشی ہوئی اس نے اپنی ملکیت میں سے دو شہر میری نذر کرنے چاہے۔ اور جب کبھی میں بلخ آؤں تو میرا ساتھ دینے کیلئے اس نے ایک لاکھ پیدل اور ایک لاکھ سوار کا بھی وعدہ کیا تاکہ دوستانہ تعلقات مضبوط رہیں۔

میں نے خان کی اس غیر معمولی مہربانی کا خاص طور سے شکریہ ادا کیا۔ میں نے کہا کہ میں تین چار روز میں آپ کی ان باتوں کا جواب دوں گا علاوہ اس کے دوستانہ طریقہ سے آپ کو کچھ مشورہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ جو ممکن ہے آپ کے حق میں بہت مفید ثابت ہو۔ پھر میں یہاں سے رخصت ہوا۔ خان کا ملازم جو میری خدمت میں حاضر باش رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ میرے آقا نے آپ کے واسطے خاص اپنی آرام گاہ کو تجویز کیا ہے۔ آپ کے ملازم وہاں باغ میں موجود ہیں شہر سے کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر یہ مکان اور باغ واقع تھا اور اس میں بڑی خوبصورت عمارتیں تھیں۔

دو گھنٹے کے بعد خان کا خزانچی آیا اس نے عرض کیا کہ مجھے شاہ نے ہدایت کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو جتنے روپے کی ضرورت ہو میں اس کا بندوبست کر دوں اور دو لاکھ تک کا آپ کے لئے فوراً انتظام ہو سکتا ہے۔ روپے کے معاملہ میں بھی وزیر نے بہت اصرار کیا جس کے جواب میں میں نے کہا، "خان نہایت نیک اور شریف آدمی ہیں خدا انکو ہمیشہ سرسبز رکھے۔ انہوں نے مجھ پر جو مہربانیاں فرمائی ہیں۔ میں ان کے شکریہ ادا کرنے کے واسطے کہاں سے الفاظ لاؤں گا"

دوسرے دن خزانچی میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں لیکے حاضر ہوا۔ کہنے لگا خان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں روز آپ کی خدمت میں اس تحفہ کے ساتھ حاضر ہوں۔ آخر میں نے

اسے قبول کر لیا اور اس سے کہدیا کہ وہ اس رقم کو میرے خزانچی کو دیدے۔ اسی طرح وہ اتنی ہی رقم لیکے برابر حاضر ہوتا رہا حالانکہ میں کہہ چکا تھا کہ میرا خرچ تیس ۳۰ قیران روز کا ہے۔

پانچ دن کے بعد وزیر میرے پاس یہ دریافت کرنے آیا کہ تم نے خان کی باتوں کا کیا جواب سوچا ہے اور تم ان کو کس قسم کا دوستانہ مشورہ دینا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ اگر شاہ کے افسر اس کو منظور کریں کہ میں شاہ کی طرف سے بطور ایک سفارت کے سلطنت روس کی خدمت میں حاضر ہوں اور وہاں شاہ کے تعلقات اور حقوق کا روسیوں سے انقطاعی فیصلہ کر لوں تو بہتر ہے۔ کیونکہ مجھے یہ بات کھٹک رہی ہے اور ممکن ہے کہ ایک نہ ایک دن روسی اور گنج پر آدھمکیں ایسی حالت میں آپکی مٹھی بھر فوج اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس معاملہ میں خان نے اپنے مشیروں سے رائے لی۔ لیکن ان لوگوں کو ایسی زبردست سلطنت کی طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے کہا،، اگر روسی اور گنج کے قریب آئے تو ان کے لئے موت اپنی خونی تلوار تیز کرے گی،،

مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور میں نے کہا اگر یہاں کے لوگ ایسے جاہل ہیں اور ان کی حالت ایسی خراب ہے تو میں اب ان کا مہمان نہیں ہونا چاہتا۔ جب وزیر نے یہ سُنا تو اس نے کہا یہ بات سوچی گئی ہے کہ خان کی لڑکی سے آپ کی شادی کردی جائے اس وقت یہاں کی رعایا آپ کے مشورہ کی قدر کرے گی۔

میں نے جواب دیا اگر میں شاہ کے دو شہروں کو نذرانے میں قبول کر لوں گا تو اور گنج والے میرے دشمن ہو جائیں گے میری خیر اسی میں ہے کہ میں بخارا چلا جاؤں۔ وزیر نے یہ سنکے بہت افسوس کیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ بخارا والوں نے تو آپ کے آدمیوں کو پوچھا تک بھی نہیں۔ اُنھوں نے آپ کے چچازاد بھائی اسحٰق کو ریاست کے قیدی کی طرح حراست میں رکھ چھوڑا ہے۔ اس نے بہت سی باتیں بنائیں لیکن میں یہی کہتا رہا کہ مجھے تو ضروری کام ہے میں ضرور بخارا جاؤں گا۔ پھر وزیر مجھ سے رخصت ہوا اور دوسرے روز جواب دینے کا وعدہ کیا۔ جب صبح ہوئی تو وزیر حاضر ہوا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ شاہ کو آپ کی جدائی منظور نہیں۔ اگر آپ بغیر وہاں گئے نہیں رہنے کے تو خیر مجبوراً اُنہیں اجازت دینی

ہو گی۔ لیکن پھر بھی روانہ ہونے سے دو روز پہلے آپ انہیں اطلاع دیں اور اُن کو اس بات کا بھی موقع دیں کہ وہ آپ کے سفر کا سارا سامان ٹھیک کر دیں۔

تیسرے دن خان نے مجھے ۱۵۰ اونٹ معہ سامان خورونوش۔ مختلف قسم کے بڑے بڑے فرش اور خیمے دیئے۔ اور جب میں اُس کے پاس رخصت ہونے کے واسطے گیا تو اس کو میری جدائی کا کمال افسوس ہوا۔

پانچ دن کی منزل طے کرنے کے بعد میں دریائے جیحوں پر پہنچا۔ مقام گوز اور شراب خان کی سرحد سے جواب روسیہ کے قبضہ میں ہیں میں نے دریا کو عبور کیا۔ یہاں سے آگے بڑھکر سات روز کا سفر کرنے کے بعد بخارا کے ایک علاقہ کاراکول میں پہنچا۔ جب بخارا میں میرے چچازاد بھائی اسحٰق اور میرے ملازموں کو ہمارے آنیکا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے میری خیر و عافیت دریافت کی۔

تین روز کے بعد جب میں بخارا پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کا شاہ میر مظفر بیگ سے جنگ کرنے کے واسطے حصار اور کلاب میں پڑا ہوا ہے کیونکہ میر مذکور نے روسیہ کی عظمت و حشمت نہیں تسلیم کی تھی۔ شاہ بخارا کو روسیہ نے حکم دیا تھا کہ وہ اس میر کی خبر لے۔ شاہ سے پہلے سے بھی میری کچھ جان پہچان تھی۔ میں نے ان کو لکھا کہ مجھے سمرقند جانا ہے اگر آپ فرمائیں تو میں حصار ہی میں آپ سے آکر ملاقات کر لوں۔ یا آپ کی رائے ہو تو میں بخارا میں آپکے آنیکا منتظر رہوں۔ اس ناخداترس شاہ نے اخیر مجھ ہی کو اپنے پاس بلایا۔

اب میں نے یہ کیا کہ خیوا کے خان نے جو مجھے اشرفیاں دی تھیں میں نے ان سے اپنے سفر کے واسطے تمام ضروری سامان خریدا۔ اُونٹوں کو بھی میں نے فروخت کر ڈالا۔ اور اب میں نے خوب ہٹے کٹے گھوڑے سواری کے لائق خرید لئے۔ غرضکہ میں اپنے سفر کے واسطے ہر صورت سے تیار ہو گیا۔ میرے ساتھ پانسو سوار تھے۔ خیوا کے خان نے جن بے زبان غلاموں کو میرے نذرانہ میں پیش کیا تھا میں نے اُن کو آزاد کر دیا اور بالآخر دس روز کا راستہ طے کرنے کے بعد میں شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے راستہ میں ایک ٹیلہ دیکھا جو خون سے سُرخ ہو رہا تھا۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ شاید

شاہ کی اس فتح کی یادگار میں قربانی کی گئی ہے اور یہ جانوروں کا خون ہے جو اس طرح بہ رہا ہے۔ راستہ چلنے والوں سے جو پوچھا تو وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگے "یہ آدمیوں کا خون ہے جانوروں کا نہیں ہے"۔ معلوم ہوا کہ دس پندرہ دن پہلے شاہ کا خیمہ یہاں نصب تھا۔ ان ہی دنوں میں ہرات کا قلعہ فتح ہوا تھا۔ جب ایک ہزار قیدی گرفتار ہو کے لائے گئے تو شاہ نے فوراً سب کی گردنیں مارنے کا نادرشاہی حکم دیدیا۔ ان مظلوم قیدیوں کے سر فوراً شاہ کی آنکھوں کے سامنے اڑا دیئے گئے۔ جب مجھ سے یہ ماجرا بیان کیا گیا تو میرا دل بھر آیا اور اس خونی منظر کو دیکھ کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دل میں انسانی ہمدردی کے خیالات موجزن ہونے لگے۔ میں نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ اگر یہ لوگ مجرم تھے تو کیا مگر قیدیوں کو کوئی اس طرح نہیں مارتا۔ ان غریب دہقانیوں نے کہا "آپ یہی دیکھ کے افسوس کر رہے ہیں۔ ہزاروں کی گردنیں بغیر کسی جرم کے ایک اشارہ سے اڑا دی گئیں اور سینکڑوں ہمارے میزبان بھائی اس مردم آزار انسانی جلاد کی خاطر یہاں لا کے مار ڈالے گئے ہیں۔ جن کے خون ابھی تک تازے ہیں" مجھے یہ باتیں سن سن کے افسوس ہوتا تھا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ روسیوں کو ترکستان پر محض اس وجہ سے کامیابی ہوئی کہ مسلمان حاکموں اور افسروں نے خدا کو اور اس کے مذہب کو فراموش کر دیا ہے اور اس سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ یہ اس کی سزا ہے۔ ان مسلمان حکمرانوں نے اپنے ڈھنگ بگاڑ رکھے ہیں۔ وہ اپنے ہی بھائیوں کو جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں جوان ہی کی طرح نمازیں پڑھتے ہیں۔ غلام بناتے ہیں اور انسان کا خون جائز سمجھتے ہیں وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ ان کا پیدا کرنیوالا وہی ایک خالق ہے۔ کچھ عجیب حالت ہے کہ وہ لوگ جو بادشاہ یا حاکم ہیں وہ خدا اور رسول کے قانونوں کو اپنے پیروں کے نیچے روندتے ہیں اور مولوی اور عالم جو ان ہدایتوں کے بتلانے والے اور ان کے محافظ ہیں کچھ بھی ان بے اعتدالیوں پر نہیں چونکتے۔

میں تو یہ سنا کرتا تھا کہ بخارا ایک اچھی جگہ ہے اور وہاں کے لوگ مذہب کے پابند ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کے کہ یہاں کے لوگوں نے رسول عربی کی تعلیمات کے بالکل برعکس کارروائی کی

مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور مجھے کمال افسوس ہوا۔ میں مسلمانوں کی بے پروائی اور خود غرضی پر بار بار افسوس کرتا تھا جو اپنے ذاتی مقاصد کے واسطے اپنے بھائیوں کی گردنیں کاٹتے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کافروں کو موقع ملتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جہالت اور بدبختی سے فائدہ اُٹھائیں۔ میں نے ان مظلوم آدمیوں کے خون پر آنسو بہائے۔ اور اپنے چند سواروں کو حکم دیا کہ وہ اس خون کو مٹی سے چھپا کے خاک کے تودے کو قبر کی صورت بنا دیں۔

میری یہ رات بڑی بے چینی اور انتہا درجہ کی مایوسی میں گزری۔ دوسرے دن ایک ہزار سوار اس کے ساتھ شاہ کے دو تین افسر میرے استقبال کے لئے آئے اور میں اُن کے ساتھ حصار پہنچا۔ وہاں ایک مکان میں ٹھیرا جو خاص میرے لئے تیار کیا گیا تھا۔ تین دن کے بعد شاہ کا ایک ملازم مجھے بلانے کے لئے آیا۔ میں شاہ کی ملاقات کے واسطے گیا۔ پھر میں وہاں سے واپس آ گیا اور شاہ نے میرے پاس دس ہزار تانگے (ایک تانگا چھ پنس کے برابر ہے) اور کچھ زریں کپڑے بطور تحفہ کے بھیجے۔

دو ایک روز حصار میں ٹھیرا رہا۔ اُس کے بعد سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ روسی حاکم نے خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا۔ میرے ملازموں کے ٹھیرنے کے واسطے موقعے کے مکان تجویز کر دیئے اور اس نے ہر طرح سے ہمارے آرام کا سامان بہم پہنچا دیا۔ ہمیں اپنا مہمان سمجھ کے وہ ہر وقت ہماری خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد ترکستان کے شاہی افسر نے مجھے تاشقند میں ملاقات کی غرض سے بلایا۔ سمرقند کی ریاست کی طرف سے میرے سفر کا سارا اہتمام ہو گیا۔ جب میں تاشقند پہنچا تو بہت جوش کے ساتھ میرا استقبال ہوا۔ دوسرے دن نائب شاہی نے مجھے اپنے پاس بلایا جب وہ بھی مجھ سے مل چکا تو ایک دن اس نے مجھے بات چیت کے لئے اپنے ہاں مدعو کیا جب میں وہاں گیا تو مجھے یورپی عادات و خیالات کے موازنہ کرنے کا کافی وقت ملا۔ ان لوگوں کے ہاں کا یہ قاعدہ ہے کہ یہ اپنے مہمانوں کو بڑے کمروں میں لا کر بٹھاتے ہیں اور مہمان کو اپنے ساتھ لیکر اس کمرے سے اُس کمرے میں لیجاتے ہیں۔ آپس میں باتیں

کرتے ہیں۔ تمباکو پیتے ہیں یا طرح طرح کے میوے اور پھلوں سے ان کی ضیافت کرتے ہیں کوئی دو بجے تک ہم اس طور سے ایک دوسرے کی ملاقات سے خوش ہوتے۔ اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے ٹھکانے پر آ گئے اور اپنی قیام گاہ کو رونق دی دوسرے دن جب صبح ہوئی تو روسیہ کا نائب شاہی میرے بنگلہ پر ملاقات کی غرض سے آیا۔ میں نے جاکے اس کا استقبال کیا۔ مزاج پُرسی کرنیکے بعد میں نے کچھ چیزیں بطور تحفہ کے پیش کیں جن میں چھ کشمیری قیمتی کپڑوں کے تھان۔ دو زرین تھان اور ایک تلوار جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھی یہ شخص دو گھنٹے تک میرے پاس بیٹھا رہا اس کے بعد مجھ سے رخصت ہوا۔ دوسرے دن جنرل آلکھانوف نے میری دعوت کی۔ میں اس کے پاس گیا اور ہم دونوں نے یہ دن بڑے مزے سے بسر کیا۔ ہفتہ عشرہ جب تک میں یہاں رہا بہت سے حاکموں اور علے والوں نے میری دعوت کی اور میری ملاقات سے خوش ہوئے۔

اس عرصہ میں روسیوں کا بڑا تہوار کرسمیس (ولادت مسیح) آ پہنچا۔ اس دن کو وہ اپنے خدا کے بیٹے کا یوم ولادت قرار دیتے ہیں۔

اس تہوار کے دن وایسرائے یعنی نائب روسیہ نے میرے لینے کے واسطے اپنی گاڑی اور اپنے معتمد کو بھیجا۔ ہم دونوں گاڑی میں سوار ہو کے نائب روسیہ کے مکان پر پہنچے وہ میرے استقبال کے واسطے پہلے ہی سے باہر کھڑا ہوا تھا۔ جب میں اُس سے نیچے اُتر کے ملا تو وہ مجھے اسی درباری کمرہ میں لیگیا جہاں میرا پہلے استقبال کیا گیا تھا اس جلسہ میں تمام حکّام اور روسی امراء کی عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ دسترخوان پر حلال اور حرام دونوں ہی طرح کی چیزیں موجود تھیں۔ ارباب مجلس آدھی رات تک کھاتے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی پیشانی کو بوسہ دیتے وقت "مسیح" "مسیح" کہا۔ اور ہم سب اپنے میزبان کو خدا حافظ کہکے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے۔

تین دن کے بعد جب یہ تمام رسمیں ادا ہو چکیں تو نائب روسیہ نے اپنے معتمد کو گاڑی لیکے میرے پاس بھیجا۔ اور اپنی فوج کی قواعد دکھلانے کے واسطے مجھے مدعو کیا۔ پیدل

سپاہیوں۔ سواروں اور توپچیوں نے قاعدہ سے سلام کیا اور اس کے بعد پریڈ کے میدان میں قواعد شروع ہوئی۔ فوج کی ترتیب اور اس کی قواعد اعلیٰ درجہ کی تھی اور اپنا جنگی کمال دکھانے کے لئے انہوں نے اخیر میں ایک مصنوعی کان اُڑائی۔ جب دوسرے دن مَیں مُنہ ہاتھ دھو کے فارغ ہوا تو وہی معتمد صاحب پھر حاضر ہوئے اور اپنے آقا کی طرف سے ملاقات کا پیغام لائے۔ بالآخر ہماری اُس کی پھر ملاقات کی ٹھیری۔ جب وہ چاء پی چکا تو اس نے مجھ سے کہا کہ شہنشاہ اعظم زار روس نے تار کے ذریعہ سے آپ کی خیر و عافیت پوچھی ہے۔ میں نے زار کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ نائب روسیہ نے مجھسے کہا کہ زار روس آپسے سینٹ پیٹرسبرگ میں ملنا چاہتے ہیں اور اُن کی آرزو ہے کہ وہ اس خلوص کا جو اُن کو آپ کے ساتھ ہے پورا پورا اطمینان دلائیں اور آپ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ سے پیش آئیں تاکہ محبت و الفت کا سلسلہ قائم رہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے ہمیشہ زار کی سلطنت کو اپنا دَارُالْاَمن سمجھا۔ اسی خیال سے آج اتنی دور یہاں آیا ہوں۔ تاکہ مجھے ان سے اپنی دلی آرزو کہنے کا موقع ملے اور کامل بھروسہ ہے کہ میری امیدیں سرسبز ہونگی اور وہ مجھے اپنی سرسبزی سے مالامال کرینگی جسکی تمنا بہت دنوں سے ہے نائب روسیہ نے مجھسے پوچھا کہ آپ کی کیا مرضی ہے۔ میں نے کہا کہ کل اس کا جواب دونگا۔ پھر میں نے سینٹ پیٹرسبرگ جانے کی بابت اپنے خاص خاص ملازمین سے رائے لی اور اُنسے دریافت کیا کیا مناسب ہوگا کہ میں وہاں جاؤں۔ انہوں نے صاف کہدیا۔ کہ ہم تو آپ کو نہیں چھوڑنے کے اور ہماری رائے نہیں ہے کہ آپ وہاں جائیں کیونکہ ہم بالکل مجبور ہو جائیں گے ہمارا یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بہتیرا سمجھایا لیکن ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ دوسرے دن میں خود نائب روسیہ کے پاس گیا۔ مزاج پُرسی کرنے کے بعد جب میں چائے حُقّے سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ شہنشاہ روس نے مجھ پر بڑی عنایت کی۔ مجھے اپنی اس خوش قسمتی پر فخر ہے۔ لیکن میں اُن کے ملک میں ابھی مسافرانہ حیثیت سے ہوں۔ میرے پاس صرف ۵۰۰ سوار ہیں جو ایک لمبا چوڑا سفر طے کر چکے ہیں۔ میرے لئے جتنے سامان کی ضرورت

ہے اور جو مناسب تیاری مجھے کرنی ہے اس کو پہلے انجام دے لوں۔ اس کے بعد اگر پھر مجھے وہ مدعو کریں گے تو اس وقت میں حاضر ہونگا۔ جس کے جواب میں معزز نائب نے کہا "بہت خوب میں ابھی زار کو تار دیتا ہوں"

دو دن کے بعد گاڑی لیکے وہی منشی پھر حاضر ہوا۔ میں سوار ہو کے نائب کے مکان پر پہنچا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں نے وزیر اعظم روسیہ کو آپ کے بارہ میں اطلاع دی تھی جس کا جواب یہ ملا کہ زار روس کو آپ کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور انہوں نے سمرقند یا تاشقند میں آپ کی مرضی سے ایک اعلیٰ درجہ کے مکان خریدنے کی منظوری فرمائی ہے اور آپ کے جیب خرچ کے واسطے ۱۲۵۰ ٹمس (روسی سکہ) ماہواری مقرر کئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو اب آپ کے شہنشاہ کے سایۂ عاطفت میں آیا ہوں اور جو کچھ وہ عنایت فرمائیں گے مجھے بسر وچشم منظور ہے۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ زار کو میری اور میرے چند افسروں کی عکسی تصویر دیکھنے کا شوق ہے میں نے اسے منظور کر لیا اور دوسرے دن کا وعدہ کر کے میں وہاں سے رخصت ہوا۔

دوسرے دن ہم اُسی معتمد کے ساتھ ایک فوٹو گرافر (عکسی تصویروں کا مصور) کے پاس پہنچے لیکن یہاں جا کے میرے افسروں نے اپنی تصویر اُتروانے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور اُنہوں نے کہا "جو کوئی اپنی تصویر اُترواتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے" اب تک تو میں اپنے ساتھیوں کو سمجھتا تھا کہ وہ کچھ سمجھدار ہیں لیکن اب معلوم ہو گیا کہ وہ بالکل جاہل ہیں اور ان میں عقل کا نام نہیں ہے معتمد موصوف نے کہا "ان لوگوں نے کیوں نہیں اپنی تصویریں اُتروائیں" میں نے کہا یہ کسی جرگہ اور خاندان کے افسر یا حاکم نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو میرے ذاتی ملازم ہیں میں ان کو اس وجہ سے مانتا ہوں کہ یہ لوگ میرے ساتھ بہت دنوں سے ہیں لیکن یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی تصویر بادشاہ کے ملاحظہ کے لئے کھچوائی جائے۔ اس نے سمجھا کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کیونکہ اگر زار نے ان کی ذاتی ثروت اور وقعت پوچھی تو اس کا کیا جواب دیا جائیگا مجھے اب اس کا یقین ہو گیا کہ میرے ملازموں میں کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اور نہ میں نے آئندہ کسی بات میں ان کی صلاح لی۔ علاوہ اس کے وہ دو مرتبہ میری باتوں سے صاف انکار کر چکے تھے۔

چند روز کے بعد میں پھر اسی معتمد کے ساتھ حاکم صوبہ کے ہاں دعوت کھانیکے لئے گیا۔ آدھی رات تک کھانے پینے۔ طرح طرح کی دلچسپیوں اور گانا سننے سے ہم سب خوب لطف اٹھاتے رہے۔ اس وقت میں نے نائب روسیہ سے سمرقند جا کے اپنے ساتھیوں سے ملنے کی اجازت چاہی۔ اس نے فوراً منظور کر لیا اور جنرل ابراموف کے نام کی مجھے ایک چٹھی بھی لکھدی دوسرے دن صبح کے وقت میں کاف مین صاحب سے ملنے گیا اور ان سے رخصت ہو کے جس راستہ سے میں آیا تھا اسی راستہ سے سمرقند روانہ ہو گیا۔

جب میں سمرقند پہنچا اور جنرل ابراموف سے ملا تو اس نے کہا کہ وایسرائے نے اس خط میں مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کے لئے ایک لاکھ تنگ کا آپ کی پسند کا ایک مکان اور باغ خریدوں۔ میں نے کہا کہ شاہ بخارا کے پاس کئی سرکاری باغ ہیں۔ میں اپنے آدمیونکو بھیجتا ہوں کہ وہ جا کے ان باغوں میں سے کسی کو پسند کر آئیں تو پھر میں آپ کو اس کا جواب دوں میرے ملازموں نے کئی روز اسی دیکھ بھال میں گزار دیئے اور میں بھی اپنے طور پر اور لوگوں سے مکان اور باغ کے بارہ میں پوچھتا رہا۔ بالآخر میں نے جنرل موصوف کو لکھا کہ قلندر خانہ کے سامنے ایک باغ ہے وہ ٹھیک رہے گا اور وہ بخارا کی ریاست سے تعلق رکھتا ہے اس باغ کا رقبہ دو ایکڑ تھا۔ اس کی آب و ہوا بہت اچھی تھی۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا تھا اور اس میں جا بجا چشمے بہ رہے تھے۔ میں نے اسکو پسند کر لیا اور اپنے دل میں سوچا کہ روپیہ برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ باغ روسیہ کا ہے بس اسی میں میں رہوں گا۔

جب سب کچھ ہو چکا تو میں اس باغ میں رہنے لگا۔ اپنے چچازاد بھائی سردار اسحٰق خاں کے واسطے ایک رہن کا مکان لے دیا۔ اور سمرقندیوں سے ایک مکان اپنے ملازموں کے رہنے کے واسطے ٹھیرا لیا۔

تھوڑے روز کے بعد ان سرداروں نے جو زار کی ملاقات کے خلاف تھے اور مجھ سے اس معاملہ میں مخالفت کر چکے تھے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور ایک ایک کر کے سب چلدیئے۔ بعض تو ایسا بگڑے کہ مجھ سے ملنے بھی نہ آئے اور باہر ہی باہر چلے گئے۔ صرف سپاہی رہ گئے

جن بے چاروں نے اخیر تک میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلکہ بے انتہا وفاداری سے میری خدمت کرتے رہے۔ اور ان سرداروں سے تو مجھے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا ہمیشہ مجھے تکلیف ہی دیا کرتے تھے۔

پانچواں باب ۵

سمرقند کا قیام

۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۰ء تک

جب تک میں سمرقند میں رہا مجھے سینکڑوں واقعات پیش آئے اگر میں سبکو بیان کروں تو میرا تذکرہ کبھی نہیں ختم ہونیکا۔ اس وجہ سے صرف وہی باتیں کہونگا جو میری رعایا کے حق میں مفید ہوں گی۔ روسیوں کے ملک میں میں نے پورے گیارہ ۱۱ برس صرف کئے۔ میں ان ایام میں دن بھر شکار کھیلنے سے اپنا دل بہلاتا اور برابر چاندماری پر گولی کا نشانہ لگایا کرتا تھا۔ میرے اصطبل میں سواری کے بیس ۲۰ گھوڑے اور دس ۱۰ چھوٹے ٹٹو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جب میں کہیں باہر جاتا تو پندرہ سوار بر جلوڈر بندوقوں سے مسلح ہمیشہ میرے ساتھ رہتے۔ میرے پاس شکرے عقاب اور بہت سے شکاری پرند بھی تھے۔ اپنا غم غلط کرنے کے لئے میں اس طرح سیر و تفریح کیا کرتا تھا۔ میں نے اپنے سپاہیوں کی تنخواہ پانچ روپیہ ماہوار مقرر کر دی اور افسروں کی کچھ اس سے زیادہ غرضکہ ان کے عہدے اور کام کے موافق سب کی تنخواہیں کر دیں۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ میرے ساتھیوں میں بہت سے حاکموں اور افسروں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا لیکن مجھے اس کا مطلق رنج نہ ہوا۔ ہم لوگوں کو بعض وقت روپے پیسے کی کمی سے بہت پریشان ہونا پڑتا تھا کیونکہ خرچ بہت زیادہ اور سرکاری وظیفہ بے انتہا کم۔ لیکن کیا کرتے روسیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ جو کچھ مجھے مل رہا تھا میں اُسی کا بہت مشکور تھا۔ اگر کسی روسی حاکم سے باتوں ہی باتوں میں کبھی روپیہ پیسہ کا تذکرہ آگیا تو میں نے فوراً ہی یہ کہا کہ جو وظیفہ سرکار سے ملتا ہے وہ میرے حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔ خدا اس سلطنت کو قایم رکھے اُس نے مجھپر بہت سی مہربانیاں کی ہیں۔ جب کبھی کوئی تہوار یا تقریب ہوتی تو جرنیل آبراموف اور دوسرے بڑے

واسلے ہمیشہ مجھے مدعو کیا کرتے تھے۔ میں اُنکے بُلاوے کو بہت خوشی سے قبول کرلیتا تھا۔ جرنیل موصوف کا برتاؤ بالکل دوستانہ تھا۔ جب مجھے روپیہ وغیرہ کی ضرورت پڑی تو میں نے فوراً اپنے منشی سردار عبداللہ خاں (جو اب کتغان اور بدخشاں کا حاکم اور عبدالرحیم مرحوم کا لڑکا ہی) کو اُس کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے ملنے کا وقت اسے بتلادیا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر میں اپنی مشکلات اس سے بیان کرتا۔ غرضکہ وہ لوگ میری بڑی عزت کرتے تھے۔ میں تمام درباری قاعدوں سے آزاد تھا۔ جب میری طبیعت چاہتی میں حاکموں سے ملنے کے واسطے چلا جایا کرتا تھا اُن کی مرضی ہوئی تو وہ میرے پاس چلے آئے۔ مہینہ میں میں پندرہ روز گھر پر رہتا اور پندرہ روز باہر دیہاتوں میں جنگل میں شکار کھیلتا رہتا تھا۔

بس اس طرح گیارہ برس میں نے روسیوں کے ساتھ بسر کئے۔ اس عرصہ میں مجھے ہر طرح کا اطمینان رہا صرف اس بات کا خیال رہتا تھا کہ میرے گھر والوں کا کیا حال ہے اور میری والدہ اور میرے لڑکے عبداللہ کا کیا حشر ہوا جو نظر بند تھے۔

سمرقند میں رہتے ہوئے مجھے ابھی دو برس ہوئے تھے کہ اس عرصہ میں روسیوں اور افغانیوں میں محبت ہوگئی۔ شیر علی اور روسی حکومت میں نامہ پیام کا سلسلہ اچھی طرح قایم ہوگیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ محمد عالم خاں حاکم بلخ اپنے آدمیوں کو شاہ بخارا امیر مظفر کے پاس بھیجتا تھا اور پھر وہ یہاں سے جرنیل آبراموف اور تاشقند کے وائسرائے کے نام خط پہنچایا کرتا تھا۔ اسی طرح روسیوں کو جب جواب دینے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ ان لوگوں کی معرفت اپنے خط بھیجتے تھے۔ جب معاملہ طے پاجاتا تھا تو وہ اخباروں میں چھپتا اور عام لوگوں میں مشتہر ہوتا تھا لیکن میرے ناظرین کو یہ سب باتیں معلوم ہوں گی اس لئے میں اپنی داستان شروع کرتا ہوں۔

پہلی دفعہ جب میرا سمرقند جانا ہوا تھا تو میں نے وہاں میر بدخشاں یعنے شاہ سمرقند کی بیٹی سے شادی کرلی تھی۔ اس شادی کے دوسرے ہی سال خدا کی عنایت سے میرے ہاں ایک لڑکا ہوا جس کا نام میں نے حبیب اللہ رکھا اب یہی میرا سب سے بڑا لڑکا اور ولیعہد بھی ہے۔ اس کے دو برس کے بعد میرے ہاں دوسرا لڑکا ہوا جس کا نام میں نے نصراللہ رکھا۔ اسی طرح میرے اور دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی جو دو چار سال کی ہوکے مرگئی۔

مجھے سمرقند میں رہتے ہوئے ابھی دو تین ہی برس گزرے تھے کہ روسیوں نے شہر سبز کو تخت و تاراج کرنیکے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ اس کے جرنیل نے مجھسے کہا کہ آپ بھی ساتھ چلئے اور اپنے آدمیوں کو بھی ساتھ لیجے۔ میں نے جواب دیا کہ پہلے ہی میں نائب شاہ سے کہہ چکا ہوں کہ میں روسی حکومت کی ماتحتی میں کوئی ملازمت نہیں کرنے کا۔ اور اگر آپ لوگوں کی ایسی ہی خواہش ہے تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ شہر سبز کے سرداروں کو سمجھا بجھا کے آپ لوگوں کے پاس سلام کرنے کی غرض سے لاؤں اور پھر وہ آپ کی شرطوں پر کاربند ہوں۔ جرنیل ابراموف نے کہا کہ اب اتنا وقت باقی نہیں رہا۔ اعلان جنگ ہو چکا ہے۔ میں نے کہا کہ اس مہم کے ساتھ میرا جانا تو درکنار اگر یہی سمرقند والے آپ کے جانے کے بعد بگڑ جائیں تو میرے یہ تین سو آدمی کچھہ نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں کو تین سو بندوقیں اور کارتوس بھی چاہئیں خدا جانے آپ کے بعد کیسی پڑے کیسی نہیں۔ جرنیل نے اس کا وعدہ کیا اور میگزین کے افسروں نے اسکا بندوبست کر دیا۔ دو دن کے بعد یہ لوگ شہر سبز کی طرف بڑھے اور شہر پر قبضہ کر لیا شاہ بخارا کو بھی ان لوگوں نے لکھا کہ تم کارکی کی راہ سے اپنی فوج بستی والوں کے ڈرانے کے لئے بھیجو۔ روسی فوج نے شہر سبز کے قلعہ پر چار مرتبہ جل کھول کے حملہ کیا لیکن پس پا کر دیئے گئے اور جرنیل ابراموف کے ایک گولی اسی لڑائی میں لگی تھی لیکن زخم کاری نہیں لگا پانچ ہزار آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ دو ہزار مقتول اور مجروح ہوئے۔ روسیوں نے ایک قاصد کے ہاتھہ بستی والوں سے کہلا بھیجا کہ چھہ دن کی مہلت جنگ ملنی چاہیئے ہم اس عرصہ میں عہد شکنی نہیں کرینگے اور روسیہ جیسی بڑی سلطنت تم کو دھوکا نہیں دیگی۔ بیچارے بستی والے کیا جانتے تھے انہوں نے منظور کر لیا۔ اور بارہ ہزار بندوق چلانے والوں میں سے ایک ہزار آدمیوں کو اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لئے اس طرف روانہ کیا جدھر شاہ بخارا کی فوجیں نقل و حرکت کر رہی تھیں۔ روسیوں نے تین دن کے بعد موقعہ پاکر آدھی رات کو حملہ کیا اور ان بیچاروں پر بیکسی کے عالم میں آپڑے۔ جو تھوڑے بہت آدمی رہ گئے تھے اُنہوں نے اپنی جان لڑا دی۔ روسیوں کو خوب ہی مارا۔ لیکن کیا کرتے۔ اخیر میں قلعہ فتح ہو گیا اور شہر سبز کے میر اور سردار تین سو جانباز سواروں کے ساتھہ پہاڑوں میں ہو کے کوکند کیطرف چلدیئے۔ روسی جرنیل شاہ بخارا کے حاکموں کے

ہاتھ میں شہر سپرد کر کے اپنی فوج کو سمرقند لے کے چلا آیا۔
جرنیل ابراموف کی واپسی کے دوسرے دن صبح کو میں اس کی خیر و عافیت پوچھنے گیا۔ اسکے جو زخم تھا وہ ایسا کچھ کاری نہیں لگا تھا۔ اُسے شہر سبز سے بہت کچھ ہاتھ لگا تھا۔ ایک خوبصورت ڈبیہ۔ ڈبل بر جلوڈر بندوق اور ایک دُوربین میرے نذر کرنی چاہی۔ میں نے جواب دیا کہ میں اپنے مذہب کے مطابق مسلمان کا مال جو لوٹ میں آیا ہو نہیں لے سکتا۔ مجھے روسیوں کی عہد شکنی کا حال سن کے بڑا غصہ آیا اور میں اسی وقت ان کے جرنیل سے رخصت ہو کے چلا آیا۔
شہر سبز کے مظلوم میر اور سردار کو کوکند میں بھی پناہ نہیں ملی۔ جاتے ہی وہاں کے خان خدایار خاں نے ان کو گرفتار کر کے تاشقند کے وائسرائے کے پاس بھیجدیا۔ اور ان کے ملازموں اور مال و اسباب کو خود دبا بیٹھا۔ یہ غریب میر اٹھارہ مہینے تک قید میں رہے اس کے بعد ان کی رہائی ہوئی اور ان کی تنخواہیں کر دی گئیں۔ مگر میر بابا بیگ۔ میر سہراب بیگ اور ان کے چند حمایتی ۱۸۸۱ء تک تاشقند میں سرکاری قیدی رہے۔ اور ان کے بال بچوں کو شاہ بخارا نے ان ہی کے پاس بھیجدیا تھا۔
اسکے دو برس کے بعد روسیوں نے اورگنج کا قلع قمع کرنا چاہا۔ تاشقند کا حاکم خود فوج کے ہمراہ ہو کے مقام جیزک میں آپہنچا اور اس کا ارادہ نور عطا کی ریگستانی سڑک سے سفر کرنے کا تھا مجھے بھی اس نے بلایا۔ میں بھی جیزک کی طرف روانہ ہوا۔ اور دو دن میں وہاں جا پہنچا۔ حاکم مذکور کا جیسا قاعدہ تھا اس نے اسی طرح میرا استقبال کیا اور میری ملاقات سے بہت خوش ہوا۔ اس نے دریافت کیا کہ،، کیا آپ اور آپ کے ساتھی اورگنج تک میرا ساتھ دیں گے اور میں آپ لوگوں کے سفر کا سارا سامان درست کر دوں گا۔ میں نے کہا کہ یہاں میرا قیام صرف چار روز تک رہے گا اور سفر کا سامان ٹھیک کرنے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگے گا۔ علاوہ اس کے آپ ہمارے دینی بھائی مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ مذہب نے منع کیا ہے کہ تم لوگ آپس میں نہ لڑو اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھاؤ۔ دوسرے میرے پاس کوئی فوج نہیں ہے۔ اور میرے ساتھ جانے سے روسی حکومت کو کوئی

تقویت نہیں ہو سکتی اور میرے گھر بیٹھ رہنے سے فوج میں کسی قسم کی کمی نہیں رہنے کی۔ جب نائب روسیہ نے یہ بات سنی تو اسنے کہا "میں نے محض تفریح طبع کے لئے یہ بات پوچھی تھی۔ آپ کو اختیار ہے۔ اس مہم میں آپکا شریک ہونا کچھ لازمی نہیں ہے۔ پھر مین نے کہا کہ میں روسی حکومت کے زیر سایہ امن و امان سے زندگی بسر کر رہا ہوں اور میں شکار کھیلنے سے خوب خوش و خرم رہتا ہون۔ مجھے بھی پسند ہی۔ لڑائی سے قطعی نفرت ہو گئی ہے۔ میں نے اس سے یہ بات مذاق سے کہی۔ نائب روسیہ نے جواب دیا کہ "میں نے آپ کی خاطر اپنے پاس ہی دو تر کی خیمے نصب کرانے کا حکم دیا ہے"۔ میں اسکی اس مہربانی کا شکور ہوا۔ میرے لئے یہ خیمے زار کے چچازاد بھائی کے فرودگاہ سے تیس قدم اور نائب روسیہ کے خیمے سے چالیس قدم پر نصب کئے گئے۔ گورنر (حاکم روسیہ) دن میں پانچ چھ دفعہ مجھسے ملنے آتا تھا۔ تقریباً ہمارے تین ہفتے اسی طرح بسر ہوئے۔ ایک دن اُس نے مجھے بلایا اور کہا کہ "اب روسی فوج افغانستان جانے کے واسطے تیار کھڑی ہے آپ بھی چلیئے"۔ جس کا جواب میں نے یہ دیا کہ اگر آپ لوگ خود ہی افغانستان پر حملہ کر کے اپنا سکّہ جمانا چاہتے ہین تو بھلا مین جا کے کیا کرون گا۔ ہان اگر آپ افغانستان پر اپنا قبضہ کر کے دوبارہ مجھے واپس کر دیں تو پھر اتنی تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ میرا ذمہ ہے کہ ایک ہزار پیدل۔ ایک ہزار سوار اور ایک توپخانہ سے میں اپنے ملک پر قبضہ کر لون گا۔ میں نے کہا کہ مین تو سمرقند ہی مین سیر و شکار سے خوب مزے سے دل بہلاتا ہون اور آپ کا دعا گو رہنے کا خدا سے آرزومند ہوں۔ مجھے تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ یہ لوگ اتنے کم سپاہیوں کے ساتھ افغانستان نہیں جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ افغانی بڑے خونخوار اور جنگجو ہین۔ وہ اور گنج والون کی طرح بودے نہیں ہیں۔ اسلیئے میں بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ یہ کچھ اور ارادہ رکھتے ہیں۔

بہار کا موسم ختم ہو گیا مگر روسیوں نے کابل کی طرف فوج بھیجنے کا ابھی تک کوئی انقطاعی فیصلہ نہیں کیا۔ اور دوسرے یہ آفت آئی کہ ان کی فوج میں وبا نے سینکڑون سپاہیوں کا استراؤ کر دیا۔ اب سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ وبا کے خوف سے بھاگ گئے اور چھ سو گاڑیان مریض سپاہیون کی بھر کے ایک علیحدہ مقام پر روانہ ہوئین۔ ان سپاہیون کی مرض کی حالت بہت خطرناک تھی کوئی قریب مرگ تھا کوئی مرض کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ کسی کا گاڑی ہی میں فیصلہ ہو گیا۔ غرضکہ

روسی سپاہ کی یہانتک بُری نوبت پہنچی ۔ جب وُایسرائے یا نائب روسیہ یہانسے تاشقند جانے لگا تو میں نے اس سے اپنی پیشین گوئی کا اعادہ کیا دیکھا آپنے سب کچھہ تیّاری ہوگئی لیکن اخیر آپکا افغانستان جانا نہین ہوا ۔ اس نے کہا "ہاں آپ بہت ٹھیک کہتے تھے ۔

جب جاڑا ختم ہوچکا اور پھر موسم بہار نے لوگون مین ایک گدگدی سی پیدا کردی تو یہ بات طشت ازبام ہوگئی کہ "امیر شیر علی انگریزون کا مخالف ہوگیا ہے اور اب روسیہ سے اس کے تعلقات روز بروز بڑہاتے جاتے ہین ۔ ابھی کچھہ دن بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ کوکند کے مولویوں اور مسلمانون مین بڑی خوب کٹا چھنی ہوتی رہی ۔

اب جو کچھہ اس کے بعد پیش آیا وہ آگے جاکے معلوم ہوجائیگا ۔ اور وہ بے انتہا دلچسپ ہے ۔ تقریباً پچاس مولویون اور دو سو حاکمون نے روسیوں سے کچھہ معاملہ کر کے اُنکو امداد دینے کا وعدہ کرلیا اور اپنے ہم مذہب بھائیون کے خلاف کارروائی کرنے پر آمادہ ہوگئے ۔

مجھے یہ نہیں معلوم کہ روسیون سے ان کا کیا معاہدہ ہوا تھا ۔ ان سردارون اور مولویون نے ایک چمار کو پکڑ کے اسے تولاد خان کے نام سے مشہور کردیا ۔ تولاد خان خدایار خان والئے کوکند کا چچازاد بھائی ہوتا تھا ۔ روسیون نے تولاد خان کا بس نام ہی نام سنا تھا کبھی دیکھا نہیں تھا اور یہ جانتے تھے کہ وہ ہوسنے خان مرحوم سابق والئے کوکند کا بیٹا ہے ۔ ان بدمعاش مولویون اور حاکمون نے کوکند کے باشندون سے یہ کہا کہ خدایار خان والئے کوکند تمہارا ملک روسیون کو دینا چاہتا ہے ایسی حالت میں تمام مسلمانون کا فرض ہے کہ وہ اس کے مقابلہ کے لئے تلوار اُٹھائیں اور اُس کو تخت سے اُتار کے تولاد خان کو اپنا بادشاہ بنائیں ۔ یہ سیدھے سادے باشندے ان مکارون کے ہتکنڈون سے بالکل بے خبر تھے ۔ سب جوش میں آکے اس فرضی تولاد خان کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ مظلوم خدایار خان کو تخت سے اُتار دیا اور پھر کیا تھا روسیون کا داؤن چل گیا ۔ آناً فاناً مین کوکند لیلیا ۔ ان بدبختون کو روسیون نے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی اور سب اپنا سا مُنہ لیکے رہ گئے ۔ اس فرضی تولاد خان کو بھی کچھہ نہیں ملا اور اُلٹے بہت سے سردار اور حاکم یا تو گرفتار ہوگئے یا قتل کرڈالے گئے ۔ روسیون نے کوکند پر اپنا قبضہ کر کے یہان ایک نیا شہر "شہر سِم" آباد کیا جو بہت خوبصورت ہے اور ابتک اُنکے پاس ہے ۔

اب یہان سے شیر علی کا حال سننا چاہیئے۔ کچھہ عرصہ کی خط وکتابت سے اُسے روسیون کی دوستی کا پورا یقین ہوگیا۔ اور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند سے قطع تعلق کرکے زار روس شہنشاہ اعظم سے جاملا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح نہین جانتا تھا کہ جو چیز کھوٹی ہے وہ کسی بازار مین نہیں بک سکتی۔ یا وہ اس بات کو نہین سمجھتا تھا کہ جس نے اپنے دوست سے بدسلوکی کی بھلا وہ اپنے غیر سے کب سلوک کرے گا۔ اس عہد شکنی سے اس نے اپنا وقار اور اپنا بھرم بالکل بگاڑ دیا۔ اور ایک کا ساتھہ چھوڑ کے دوسرے کا ساتھہ قبول کرلیا۔ اور ایسے ایسے وعدے کیئے جن پر کوئی ہوشیار سلطنت بھروسہ نہیں کرسکتی تھی۔ مثلاً یہ کہ وہ روسیون کو ہندوستان کا راستہ دیدے گا۔ افغانستان میں ان کی تار برقی کے سلسلے کی حفاظت کریگا۔ ہندوستان کی سرحد پر روسیون کو ریل اور تار گھر بنانے کا پورا پورا موقع دیگا اور انگریزوں کے خلاف روسیہ کو اخیر تک مدد پہنچاتا رہیگا۔

اس کے مقابلہ میں روسیون نے وعدہ کیا کہ دریائے انڈس کے قرب وجوار کے سارے ملک جو افغانی سرحد مین ہیں اور جو کبھی کسی زمانہ مین افغانی بادشاہون کے پاس تھے شیر علی کو بخش دیئے جائین گے روسی کا سکون کو یہ شنکے کہ اب وہ ہندوستان پر چڑہائی کے واسطے بھیجے جائین گے بہت خوشی ہوئی اور یہ خیال کرکے کہ ہندوستان سے لوٹ مار میں اچھی اچھی چیزین ہاتھہ لگین گی ان کے دل باغ باغ ہوگئے۔ لیکن ان کے منصوبے خاک مین مل گئے۔ کیونکہ جب شیر علی اور انگریزون کا درۂ خیبر اور شتر باغ پر جو پیاؤر کوتل کے نام سے مشہور ہے مقابلہ ہوا تو وہ انگریزی فوج کے سامنے پیر جما کے نہ لڑسکا۔ امیر شیر علی کی فوجین قواعد نہیں جانتی تھین۔ وہ بھاگ کے بلخ مین جا پہنچا۔ وہین چند ہفتے پہلے اس نے اپنا سارا خاندان بھی بھیجدیا تھا۔ اور اپنے بیٹے یعقوب کو قیدخانہ سے نکال کے کابل کا حکمران بنادیا اور خود بلخ میں جا کے مقیم ہوگیا۔

انگریزی فوج گینڈا مک پر پہنچ گئی اور جلال آباد سے یعقوب سے خط وکتابت ہونے لگی۔ یعقوب نے شالکوٹ (کوئٹہ)۔ خیبر۔ قرم اور پشین انگریزون کے حوالے کردیئے۔ اس نے لوئیس کیوگنری کو بطور انگریزی سفیر کے کابل میں رہنے کی اجازت دیدی۔ بلخ کے راستہ مین شیر علی بالکل مجنونانہ طور سے باتین کرتا جارہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ افغانیون نے میرا ساتھہ نہین دیا۔ اور اُنہون نے انگریزون کی محافظت میں مجھے کچھہ بھی مدد نہین دی۔ مین اب زار روس کے ملک مین جاؤن گا۔ وہان سے

کا سکون کو اپنے ساتھ لاؤن گا۔ اور اس صلہ مین کہ وہ میری مدد کرین گے میں افغانون کی عورتون کو اُن کے حوالے کر دون گا۔

بلخ جاکے وہ تھوڑے دنون کے بعد فروری ۱۸۷۹ء میں اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ کابل میں بڑے بڑے سردارون نے تو یعقوب کی حکومت مان لی تھی۔ لیکن فوج اور رعایا کا بہت بڑا حصہ اس کے خلاف تھا مین نے تو یہ سنا کہ انگریزی سفیر متعینہ کابل اپنے کو کابل کا فرمانروا سمجھتا تھا اور یعقوب کو صلاح دیا کرتا تھا کہ فلان معاملہ مین تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ افغانون نے اس کے اس اقتدار کو بُری نظرون سے دیکھا اور انہون نے اسپر حملہ کیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ کارروائی یعقوب کے اشارہ سے ہوئی۔ بعض کہتے ہین کہ عبد اللہ جان (ولیعہد) کی مان نے داؤد شاہ خان کو تین ہزار کی رقم اس غرض سے دی کہ وہ کیونگنری کے ہاں رہنے سے مخالفت کرے اور اُسے مار ڈالے کہ یعقوب کا زور کم ہو جائے۔ اور وہ سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس دوسرے بیان کی کابل کے افغانون سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔

اس وقت داؤد شاہ خان فوجی سپاہ سالار تھا اور وہ غلزئی جرگے کی بہت اونے قوم میں سے تھا۔ اپنے بچپن میں دیہ سبز میں بکریون کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ جب اسکی بیس ۲۰ برس کی عمر ہوئی تو وہ کابل مین ملازم ہوگیا۔ دیہ سبز یا سبز دیہات نواح کابل مین ہے۔ یہان کے خربوزے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ لوئیس کیونگنری کا قتل تیسری ستمبر ۱۸۷۹ء کو ہوا جس کی وجہ سے لارڈ رابرٹس کی ماتحتی مین انگریزی فوج کابل پر بڑہی۔ تاکہ اس معاملہ کی تحقیقات کرے اور اس بزدل قوم سے اس کی عہد شکنی اور بیجا کارروائی کا پورا انتقام لیا جائے۔

یعقوب خان فوج کے استقبال کے لئے آگے بڑہا لیکن انگریزی افسر اس کی دغا بازی اور مکر کو ابھی بھولے نہیں تھے انہون نے فوراً اُسے قید کر کے دسمبر ۱۸۷۹ء مین ہندوستان بھیجدیا۔ کابل پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اور یہ لوگ وہان نہایت انصاف اور امن کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ شیر علی نے اپنی علالت اور وفات سے پہلے حاکم روسیہ کے پاس اپنے وکیل بھیجے تھے۔ اُنکے نام یہ ہیں۔ سردار شیر علی خان قندہاری۔ قاضی پشاوری۔ مفتی شاہ۔ محمد حسن۔ محمد منشی۔ دو یا تین فوجی حاکم اور دوست محمد مرحوم کے چند ذاتی ملازم بھی ہمراہ تھے۔ یہ لوگ سمرقند پہنچ گئے۔ شیر علی خود بلخ

میں اپنی حمایتی روسی نوجون کا انتظار کرنے لگا۔ ادہر حاکم روسیہ یعنی روسی گورنر شیر علی کا منتظر تہا۔ اس نے اپنے مہمان کے استقبال اور آرام کے واسطے بہت سے خوبصورت باغ آراستہ کر رکہے تہے۔ روسی انگریزون کے خلاف صدہا سازشین کر رہے تھے اور شیر علی کے استقبال کے منتظر ہی تہے کہ اس کی موت آپہنچی اور اُسے ہمیشہ کے لئے یہان سے ناکام رخصت کر دیا۔ اس حادثہ نے روسیون کی ساری تدبیرون پر پانی پھیر دیا۔ اس کے بعد مین تاشقند چلا گیا کہ دیکھون اب کیا ہوتا ہے۔

یعقوب نے نائب روسیہ کو لکہا کہ میں اپنے والد مرحوم کی تمام امیدون کو پورا کر دون گا اور جو بات قرار پاچکی ہے اُسے میں اخیر تک نباہون گا۔ نائب روسیہ کو یعقوب کی اس امداد سے بڑی خوشی ہوئی اور اُس نے اس کے خط کو "سینٹ پیٹرسبرگ" بھیجدیا۔ یعقوب نے اپنے خط میں یہ بھی لکہا تھا کہ مجھے "عبدالرحمن" کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔ اگر یہ سمرقند سے کہین اور بہیجدیئے جائین تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔

اس کے بعد دیکہا کہ روسیون کے برتاؤ مین کچھہ فرق آگیا ہے۔ مین نے بھی اپنی حالت ایسی بنالی کہ گویا اس معاملہ کی کچھہ خبر ہی نہیں ہے اور سوائے دن بھر سیر و تفریح کرنے کے اُنہین کوئی ایسا کام بھی نہیں ہے۔

جب مین تاشقند مین پہنچ گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ شیر علی کے ملازم اور اس کے افسر آجکل یہین ہیں مین نے پوشیدہ طور سے بہت سے جاسوس مقرر کئے اور اُن لوگون کی ساری کارروائی کا بھید لینا چاہا۔ ان جاسوسون نے آکے یہ خبر دی کہ نائب روسیہ اور شیر علی کے افسرون سے کچھہ آپسمین معاہدہ ہوا ہے۔ مین نے گمان کیا کہ وہی روسی امداد کا قصّہ ہوگا۔ اخیر میں سب شرطیں مجھے معلوم ہوگئین۔ اور وہ یہ ہین (۱) سردار شیر علی روسیون کو قندہار دے۔ (۲) میر منشی کابل کے قزلباشیون اور ہزارہ جات سے اُن کی مدد کرے (۳) مفتی غلزئی جرگے سے امداد پہنچائے (۴) اور قاضی صاحب نے پشاور۔ سوات اور باجوریون کو روسیون کے حوالے کرنا منظور کرلیا۔

جب مجھے یہ باتیں معلوم ہوگئین تو مین تاشقند سے سمرقند آگیا۔ شیر علی کے وکیل بھی یہین آگئے

جب سے مین سمرقند آ کے ٹھیرا تھا۔ اس وقت سے مین نے اپنے چچازاد بھائیون کو برابر اپنے ساتھ ہی رکھا۔ اب مین کچھہ اُن کی حالت بیان کرتا ہون۔ میرے چچازاد بھائی تین تھے۔ محمد سرور خان۔ سردار عزیز اور سردار حسن۔ جب وکیلون کی مذکورۂ بالا جماعت سمرقند پہنچ گئی تو سردار سرور نے میری طرف سے شیر علی قندہاری کے نام ایک خط لکھا اور مجھہ سے کہا کہ آپ اپنی مُہر کر دیجے۔ مین نے کہا مجھے شیر علی کی ملاقات کی ضرورت نہین ہے۔ میں اپنی مہر کیون لگاؤن۔ اس کے ساتھہ کے سب بدمعاش میرے خلاف روسیون سے مل گئے ہیں۔ سردر نے کہا کہ شیر علی قرآن اُٹھاتا ہے اور قسم کھاتا ہے کہ اُسے مطلق خبر نہین۔ مجھے ہنسی آ گئی اور مین نے کہدیا کہ ان لوگون کی نگاہون مین جب قرآن پاک کی عظمت نہین ہے تو پھر یہ کیا اور ان کی قسم کیا۔

مین سردر کو اس قسم کی باتین سمجھاتا رہا لیکن وہ نہین مانا اور برابر مجھسے مُہر کے لئے اصرار کرتا رہا مجھے یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی اور مین نے غصّہ مین آ کے اپنی مہر سردر کے سامنے پھینکدی اور کہدیا کہ مین اپنے ہاتھ سے مُہر نہین کرنے کا مجھے ان بدمعاشون سے ملنے کی کوئی ضرورت نہین اور مجھے اُن سے کچھہ سروکار نہین ہے۔ اس نے اُٹھا کے فوراً اس خط پر میری مُہر کردی اور شیر علی قندہاری کے نام وہ خط بھیجدیا۔ مین نے اس سے کہا کہ تم نے بڑی غلطی کی اور ایک دن تم کو اس کا افسوس کرنا پڑے گا۔ میرے ہمراہیونمیں ایک شخص ”غازی جان محمد“ تھا جو انتہا درجہ کا بے ایمان اور بدمعاش تھا۔ اس نے خوب ڈاڑھی بڑہا رکھی تھی۔ اسکی عمر بھی بہت تھی۔ وہ ڈاڑھی کی آڑ مین لوگون کو دھوکے دیا کرتا تھا اور اسی کمبخت کے ہاتھ سرور نے شیر علی کے نام کا خط اس کے پاس بھیجدیا۔ اُس نے یہ خط پڑھہ کے سمرقند کے روسی حاکم کے پاس اُسے بھیجا۔ اور اس نے اس خط کو کاف مین نائب روسیہ کے نام روانہ کر دیا۔

پانچ دن گزر گئے لیکن اس غازی کا کوئی پتہ نہیں۔ مین نے سردار سرور سے کہا تم نے مجھے برباد کر دیا۔ مین تم کو منع کرتا تھا لیکن اخیر تم نے مُہر کر ہی دی۔ اب دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ چھٹے دن ہم لوگ گھوڑون پر سوار باہر سیر کرنے جا رہے تھے تو ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ حاکم شہر اور جنرل ایوانوف کے مترجم صاحب آپکی کوٹھی پر آپ کے منتظر

ہین۔ مین نے سرور سے کہا دیکھا یہ سب تمہارے بیج بوئے ہوئے ہین۔ سرور تو دیر مین واپس آیا لیکن مین اسی وقت وہان گیا۔ مزاج پرسی کرنے کے بعد مین نے چاء پی۔ حاکم سمرقند نے کہا کہ "وائسراے صاحب تاشقند مین آپ کو یاد فرماتے ہین،" مین نے کہا۔ اچھا کل دنؔ بجے یہان سے روانہ ہو جاؤنگا۔ پھر حاکم نے کہا "نہین آپ کو فوراً جانا چاہئے،" مین نے قطعی انکار کر دیا۔ اور پھر وہ مجھسے رخصت ہو کے چلا گیا۔ اس کے بعد مین نے اپنے چچازاد بھائیون کو بلایا اُن کو وہ باتین سمجھائین جو انہین میری عدم موجودگی مین کرنی چاہئے تھین مین نے اُن سے یہ بھی کہدیا کہ غالباً روسی اب مجھے قید کر کے تاشقند بھیجین گے۔ تم لوگون کو مناسب ہے اور مین تمہین اس معاملہ مین صلاح دیتا ہون کہ تم سب کے سب یہان سے بھاگ کے بلخ جا پہنچو اور وہان سے ترکستان کا راستہ لو۔ اور بلخ کی فوج اور وہان کے باشندون سے میل جول پیدا کر لو۔ مین نے ان بیچارون کو بلخیون کے نام کا ایک خط بھی لکھہ کے دیدیا۔ بلخ کے باشندون کو یہ لکھا تھا کہ مین اپنے چچازاد بھائیون کو تمہارے پاس بھیجتا ہون اگر تم اچھی طرح خاطر سے اُن سے پیش آؤگے تو مین یہی سمجھونگا کہ تم نے مجھپر بڑا احسان کیا اور تمہاری یہ باتین دل سے فراموش نہین ہونگی۔ مین نے اپنے نام کی انہین ایک اور مُہر بھی دیدی۔ شاید میرے بعد میرے نام سے ان کو اور کہین خط لکھنے کی ضرورت پڑے اور اس کے علاوہ چار ہزار کابلی روپے بھی سفر خرچ کے لئے دیئے۔ یہ رقم پندرہ ہزار روپون مین سے جو مجھے دو مہینے پہلے نائب روسیہ سے ہاتھ لگے تھے بچا رکھی تھی۔ جو ہندوستانی روپون کے حساب سے پانچہزار کے برابر ہے۔

جب ان کو سب ہدایتین کر چکا تو اپنے حرم مین چلا گیا۔

آج ہی رات کے بارہؔ بجے حاکم شہر معہ ترجمان تین سو رسالے کے سوار اور دو سو پولیس کے جوان لیکے آ پہنچا اور اس نے میرے ملازمون کو حکم دیا کہ عبدالرحمٰن خان کو باہر بلالو میرے ملازمون نے مجھے جگا کے یہ بات مجھسے کہی۔ گورنر نے میری نسبت کہا کہ مین ان کے ساتھ ضرور جاؤنگا کیونکہ وئسرائے نے مجھے اُن کے ہمراہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ مین نے اسوقت یہ کہا کاش مجھے یہ حال معلوم ہوتا کہ اب مین قید کیا جاؤنگا تو آج ہی صبح کو کسی نہ کسی طرح آپ کے ساتھ چلا گیا ہوتا۔ مین اپنی وردی پہن کے آگے آگے ہو لیا۔ سوار ننگی تلوارون کا سایہ کئے ہوئے

مجھے اپنے حلقے مین لیجارہے تھے - ہمارے آگے آگے پولیس کے جوان تھے - مین نے اپنے ساتھ صرف دو ملازمون کو لیا - ایک کا نام فرامرز خان تھا جو اب ہرات میں سپہ سالار ہے - دوسرا جان محمد خان جو کابل مین اب وزیر خزانہ ہے -

جب مین جنرل ایانوف کی فرودگاہ مین پہنچا تو مین نے جنرل موصوف سے پوچھا کہ مجھے آپ نے کیون طلب کیا ہے - اس نے جواب دیا " جنرل کاف مین نے آپ کو تاشقند بلایا ہے اور جب آپ وہان پہنچ جائین گے تو آپ کو یہان سے جانے کا سبب خود ہی معلوم ہو جائے گا " مین نے جنرل ایانوف سے دریافت کیا کہ ایسا کیا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے آدہی رات کو مسلح سوارون کی معرفت مجھے بلایا گیا ہے - اس نے گورنر سے کہا " کیون ان کے ساتھ ایسا برتاو کیا گیا " گورنر نے جواب دیا کہ " مین اپنے ساتھ اتنے آدمی اس خیال سے لیگیا تھا کہ شاید ان کے ملازم میرا مقابلہ کرین اور اُن کو آنے نہ دین - گورنر صاحب اپنے قول کی تائید مین فرمانے لگے کہ ان کے آدمی سر سے پیر تک مسلح تھے - اگر یہ خود میرے ساتھ نہو جاتے تو مین انہیں بڑی مشکل سے یہان لاتا - جرنیل مذکور نے کہا " تم نے غلطی کی کہ ان کے ساتھ قیدیون کا سا برتاؤ برتا - پھر اس نے جواب دیا یہ جرنیل صاحب کا قصور ہے کہ انہون نے مجھے ایسے وقت مین کیون بھیجا مین حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے - کبھی وہ اُسے کچھ کہتا ہے کبھی یہ اُسے کہتا ہے - بالآخر جرنیل ایانوف نے مجھے مکان جانے کی اجازت دی - اور کہا کہ " مین کل گیارہ بجے دن کو ایک آدمی کے ہاتھ گاڑی بھیجون گا آپ اس پر سوار ہو کے میرے ایک ملازم کے ساتھ تاشقند روانہ ہو جائین - مین اپنے بنگلہ پر چلا آیا - دیکھا تو باغ کا دروازہ بند ہے نوکرون کو آواز دیکے دروازہ کھلوایا - معلوم ہوا کہ میرے چچازاد بھائی اور اُن کے احباب پڑے ہوئے بے خبر سو رہے ہین - انہین مطلق خیال نہیں کہ میرا کیا حشر ہوا - میرے پیچھے میری اہلیہ پروانا (موجودہ نائب سپہ سالار کی بیٹی) اور قربان علی میرا ذاتی خزانچی بس یہی لوگ مجھے یاد کر کے روتے تھے - اور وہ میری جدائی سے بہت بے چین ہو رہے تھے -

مین اپنے بھائیون اور ملازمون کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اسوجہ سے اُن کی بے پرواہی سے مجھے کمال افسوس ہوا - حرم میں پہنچتے ہی اپنی اہلیہ کی تسلّی و تشفی کی اور پھر سفر کی

تیاری کرنے لگا۔

دوسرے دن صبح کو حسب وعدہ جب گاڑی آگئی تو مین اپنے ساتھ پروانہ خان اور ناظم الدین (جو بعد ازان رسالہ کا کرنیل ہوا) کو لیکے جرنیل صاحب کے میر منشی کے پاس پہنچا۔ اس وقت یہ لوگ خط کے لکھنے پڑہنے مین مشغول تھے۔ مین نے کہا کہ رات بھر مین سویا نہیں ہون اگر آپ کہین تو تھوڑی دیر آرام کرلون۔ اجازت ملتے ہی آرام کرنے کے لئے لیٹا۔ بیچینی اور پریشانی سے ڈہائی گھنٹے تک کروٹین بدلتا رہا نیند مطلق نہین آئی۔ اسکے بعد چلنے کی ٹھیری۔ یہ جتانے کے لئے کہ مین حراست مین آگیا ہون۔ شبیر علی قندہاری کے مکان کے سامنے سے گاڑی گزری اس وقت غصہ اور رنج کے مارے سارا جہان میری نظرون مین سیاہ معلوم ہونے لگا۔ دل مین تو آئی کہ نیچے اُتر کے اپنے دشمنون کا سر اُتارلون اور اپنی جان دینے سے پہلے دس بیس کا فیصلہ کردون لیکن فوراً ہی سنبھلگیا اور دل ہی دل مین اپنے کو ملامت کرنے لگا کہ یہ بیوقوفوں کا کام ہے عقلمند وہ ہے جو صبر کرے اور موقعہ سے اپنے دشمنون سے بدلا لے۔ یہ دنیا آفتون اور طرح طرح کی پیچیدگیون سے خالی نہین۔ تقریباً دو گھنٹے تک ہکا بکا بیٹھا رہا اس کے بعد میرے ہوش وحواس درست ہوئے اور بے چینی دور ہوگئی۔ دو دن اور ایک رات کی مسافت طے کرنے کے بعد تاشقند آیا یہان ٹھیرنے کے لئے وہی کوٹھی ملی جس مین مَین پہلے قیام کرچکا تھا بہت خوبصورت عمارت ہے ایک لاکھ ربل (روسی سکہ) مین تیار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک خوشنما اور شاداب باغ اور گاڑی گھوڑے کے لئے ایک اصطبل بھی تھا جس مین تیئس گھوڑون سے زیادہ نہین رہ سکتے تھے سیر وتفریح کی غرض سے تقریباً ہر سال اسی مکان مین چار مرتبہ ٹھیرنے کی نوبت آئی تھی لیکن اس مرتبہ اور طرح سے آنا ہوا۔ مین حیران تھا دیکھیے اب قسمت کیا تماشا دکھاتی ہے اور میری تقدیر مین کیا لکھا ہے۔ حسب معمول یہان کے ملازم اور باورچی حاضر ہوئے۔ میر منشی اور ترجمان صاحب رخصت ہوئے۔ دو تین روز تو کچھ معلوم نہین ہوا کہ علے والے کیا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد میر منشی صاحب میرے ہان تشریف لائے اور معمولی تعظیم و تکریم کے بعد گورنر صاحب کا پیغام کہا۔ ہم دونون گاڑی مین سوار ہوئے اور فوراً اُن کے پاس پہنچ گئے معمول کے موافق میری خاطر کی گئی۔

گورنر نے اپنے پاس بٹھا کے مجھسے سفر کا حال پوچھا - جب مین نے کہا مجھے معلوم نہین کیونکر آنا ہوا تو وہ ہنسا اور کہنے لگا سمرقندی آپ کی شکایت کرتے ہین - اس کے بعد ایک خط نکال کے مجھسے کہا دیکھو یہ کیا چیز ہے مین نے کہا مجھے دیجے - دیکھنے سے معلوم ہوا یہ وہی خط تھا جو سردار نے شیر علی قندہاری کے نام بھیجا تھا - مین نے جواب دیا اگرچہ یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہین ہے لیکن مُہر میری ہی ہے - گورنر نے اس کا سبب دریافت کیا - مین نے جوابدیا اگر اس خط مین آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی بات لکھی ہو تو بیشک مین اسکا جوابدہ ہون - لیکن کیا روزمرّہ کی معمولی خط کتابت سے بھی مین گیا گزرا ہوا - وہ یہ سُن کے خاموش ہو گیا - اس کے بعد جب اس نے پھر کہا آپ کو خط لکھنے سے پہلے مجھہ سے اجازت لینی چاہیئے تھی - تو مین نے یہ جواب دیا جناب تو اتنی دور بیٹھے تھے مین اجازت کس سے لیتا - جواب آنے سے پہلے افغانی سفارت بلخ روانہ ہو جاتی - یہ کہکے مین نے خط کو چاک کر ڈالا - پھر وہ میری طرف دیکھکے کہنے لگا "اچھا آپ سمرقند تشریف لیجائیے - آپ کے متعلقین پریشان ہون گے"

گورنر سے مین نے تاشقند مین رہنے کا خیال ظاہر کیا - اور کہا سمرقند مین میری سخت توہین ہوئی میرے ساتھہ قیدیون کی طرح پیش آئے - اب وہان ہرگز نہین جانے کا - یہ سُن کے اُس نے کہا آپ کوئی مکان پسند کر لین - اس سے میرا یہ منشا تھا کہ جب موقع ملے مجھے افغانستان پہنچنے مین آسانی ہو اور ایک ایسی جگہ پر مقیم رہون جہان سے افغانستان قریب رہجائے - بہر حال ایک مکان پسند کیا - وہان ایک رات رہنے کے بعد اپنے متعلقین کو یہان لانے کے لئے سمرقند چلا گیا - اخیر اُنہین لا کے مین رہنے لگا -

اس کے بعد افغانستان جانے کی تیاری سرگرمی سے کرنی شروع کی - جنرل کاف مین سے کہہ سُن کے حکومت روسیہ کی طرف سے اپنے وطن واپس جانے کی منظوری حاصل کر لی - ایک روز یکایک بغیر کہے سُنے غائب ہو گیا - اور بعض سوداگرون سے جنہون نے روپے دینے کا وعدہ کیا تھا ملنے کے واسطے چلا گیا مین یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے پیچھے آدمی دوڑائے جاتے ہین یا نہیں - سوداگرون سے دو ہزار ساورن قرض (انگریزی سکّہ) لئے - مجھے کسی نے بھی نہین دیکھا اور مین خوشی خوشی واپس آ گیا - مکان پر پہنچ کے کیا دیکھتا ہون کہ میرے تمام ملازم بڑی پریشانی سے

ادہر اُدہر مجھے تلاش کر رہے ہین اور سردار عبداللہ خان بڑی مایوسی سے دروازہ پر منتظر ہے جب مین نے اُسے پکارا تو وہ خوش ہو کے سلام کرنے کے لئے آگے بڑہا۔ روپے عبداللہ خان کو دیکے مکان مین داخل ہوا۔ وہ پوچھنے لگا یہ روپے کہان سے آئے۔ مین نے کہا قرض لئے ہین۔ کسی سے کہنا نہین ورنہ بڑی آفت آئے گی۔

دوسرے دن ایک گاڑی کرایہ کی اور جس بازار مین گھوڑے فروخت ہوتے تہے وہان جا پہنچا۔ تمام آدمیون نے سلام کیا۔ گھوڑون کے سوداگر میرے سامنے حاضر ہوئے اور مین نے سو گھوڑے اُن سے خرید لئے۔ میرے سپاہیون اور ساتھیون کو زین اور گھوڑے کے سارے سازوسامان کی ضرورت تہی اس لئے عبداللہ کو اُن کی خریداری کے لئے بہیجا۔ غرض کہ اس ڈھنگ سے تین دن مین سفر کی ہر طرح سے تیاری ہو گئی۔ چوتھے دن جمعہ تہا نماز کے بعد اپنے ملاقاتیون اور احباب سے رخصت ہو کے روانہ ہوا۔ آج کی رات میرا پڑاؤ دریائے چلچیک کے کنارے ہوا۔ دوسرے دن صبح کو جس راستہ پر مین نے اپنی نئی منزل کے لئے بسم اللہ کہی وہ جدید شہر کی طرف جاتا تہا جہان مجھے خدا کی طرف سے ایک عجیب بات پیش آئی۔ معلوم ہوتا تھا میرے پیچھے بہت گھوڑے چلے آرہے ہیں۔ اُن کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہو گی۔ جب وہ قریب آگئے تو انکی ٹاپون کی آواز زور زور سے آنے لگی۔ اور یہ دکہائی دیا کہ وہ سب کے سب میرے ساتھیون مین مل گئے اور پانچسو گز تک ساتھ چلنے کے بعد غائب ہو گئے۔ مین نے اپنے دل مین اس سے یہ خیال کیا کہ خدا نے میرے لئے راستہ صاف کر دیا اور اب میری کامیابی یقینی ہے۔ دریا کی قریب ایک مقام پر پہنچ کے ٹھیر گیا۔ روسی شہر کے حاکم نے دعوت کی۔ پہلے تو میری طرف سے انکار ہی ہوتا رہا لیکن اخیر قبول کرنی پڑی۔ کھانا کھاتے وقت اس نے پوچھا "روسیون نے آپ کو سفر خرچ کے لئے کتنے روپے دیئے ہین"؟ مین نے جواب دیا بڑی مہربانی ہوئی کہ انہون نے مجھے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہین تہی۔ خدا بڑا مسبب الاسباب ہے وہی میری تمام ضرورتون کو پورا کرے گا۔ یہ سُن کے روسی حاکم شہر نے دوسرے کمرہ سے پانچ ہزار کی رقم لا کے میرے حوالے کرنی چاہی۔ جب مین نے انکار کر دیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ مین نہین لینے کا تو ایک چھ نلا تمنچہ اور ایک برجلو دار بندوق

بطور اپنی نشانی کے میری نذر کی۔ اس کا یہ تحفہ قبول کر لیا۔ اور بڑے مزے سے اس کے ساتھ یہ شب بسر ہوئی۔

صبح ہوتے ہی کرنیل موصوف اور بعض احباب جو تاشقند سے آئے تھے رخصت ہوئے اور مین یاریمتی کی طرف روانہ ہوا شام کو کچھ رات گئے اس قصبہ مین پہنچ گیا دو دن یہاں آرام کیا۔ یہان سے پاسکیٹ مین تین دن ٹھیرنے کے بعد جنیتاک لی کے گاؤن مین داخل ہوا اس کے دوسرے دن مقام خوخند آیا۔ یہان ایک دوست کے ساتھ چھ روز تک ٹھیرنا پڑا۔

تین روز کے بعد بازار مین گھوڑون کی خریداری کے واسطے گیا۔ یہان کچھ اچھے گھوڑے نہین ملے۔ پھر لوگون سے پوچھا اچھی نسل کے گھوڑے کہان مل جائین گے۔ میرے پاس ایک آدمی کھڑا تھا اس نے مجھے چاء اور قہوہ پینے کی درخواست کی۔ مین نے اس کے ہان جاکے چاء پی۔ روسیون کے آنے سے پہلے یہ خوخند کا سردار تھا۔ ....

.... روسیون کے جب دورہ دورے ہوئے تو یہان کے تمام بڑے بڑے سردار اور رئیسون کے درجے توڑ دیئے گئے اور اس لئے یہ بیچارے سردار سوداگرون کی طرح دُکان کھول بیٹھے تھے اور دُکانداری کرتے تھے۔ میرا جدید میزبان اور دُکاندارون اور سردارون کو میری ملاقات کی غرض سے بلالایا۔ اور گھوڑون کی طرف سے میرا اطمینان کر دیا۔ یہ لوگ اسی وقت سو گھوڑے میرے لئے لائے۔ جن مین سے مین نے تیس ۳۰ خریدے اور ہر طرح سے میرے ساتھ اپنی عقیدت مندی اور اتحاد کا اظہار کیا۔

چھٹا باب ۶

بدخشان کا قیام

۱۸۸۰ء

تین دن خوخند مین رہ کے مین پھر آگے روانہ ہوا۔ پہلے تو کوکند کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن جب معلوم ہوا تمام درے اور راستے برف سے ڈھکے ہوئے ہیں تو اندراتیپی کا راستہ لیا

میر جہاندار شاہ کے صاحبزادون کے پاس جو کوکند مین رہتے تھے ایک قاصد کے ہاتھ چار ہزار روپے بھجوائے اور اپنے اوراتوپی جانے کا حال بھی کہلا بھیجا اور فی الحال کوکند مین ٹھیرنے کی ان کو ہدایت بھی کردی - یہ معلوم رہے کہ میر جہاندار میرے خسر ہوتے تھے - شیر علی نے اس مظلوم کو وطن سے نکالدیا تھا - اخیر اس کے لڑکون نے اُسے جان سے مار ڈالا جسکی سزا یہ ملی کہ روسیون نے انہین قید کرلیا - لیکن میری سفارش اور ضمانت سے رہا ہوگئے تھے -

پہلی منزل طے کرکے مین مقام بیسماد پہنچا - راستہ خراب اور رات بہت اندہیری تھی - دوسرے مین مسافرانہ حالت مین تھا اس لئے ایک دوکان پر ٹھیرنے کی درخواست کی اور دُکان والے سے کہا مین ایک اسلامی سردار ہون بازار والے بڑی خاطر سے پیش آئے - سب نے میرے ایک ایک سوار کو اپنے ہان ٹھیرالیا - اسی طرح ایک صاحب نے مجھے بھی اپنے ہان جگہ دی - ان لوگون نے خوب مہمان نوازی کی - صبح کے وقت ہمارے ناشتہ کے لئے روٹیان اور دوسری قسم کے کھانے پیش کئے - دو دن کے سفر کے بعد اوراتوپی پہنچ کے مین ایک سرائے مین ٹھیر گیا - اسجگہہ کے ہندو باشندے اور بڑے بڑے سوداگر میرے ہان حاضر ہوئے اور مجھسے اپنے ہان ٹھیرنے کے لئے بے انتہا اصرار کیا - لیکن جب مین مجبور ہوا تو اپنے خاص خاص افسرون کو ان کے ساتھ کردیا اور بجائے میرے وہ وہان جاکے ٹھیر گئے - میرا ایک دوست جو نامی سوداگر تھا وہ میرے یہان آنے کا حال سنکے آیا - جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبوراً مجھے اس کی بات ماننی پڑی - پہر یہان سے اپنے چچازاد بھائیون کو اطلاع دی کہ بلخ کی روانگی کا وقت آگیا ہے اور جس طرح مین ہدایت کرآیا ہون اُس پر بھی عمل کرنا ضروری ہے - اوراتوپی مین بارہ روز قیام کیا - خلعت اور ضروری سامان خریدنے مین سوداگرون نے بھی ہر طرح سے میری مدد کی -

اب یہان سے درہ اوچی کا راستہ لیا - یہ پہاڑ کی طرف بہت دور تک چلا گیا ہے اور سمرقند سے آنیوالے یہین سے ہوکے آتے ہین - یہ درہ حصار اور کلاب کے قریب ہے - جاڑے مین برف کی کثرت سے یہان سے آنا جانا محال ہے - مین نے چاہا کہ اس راستے سے بدخشان پہنچون - لیکن جب پہاڑ سامنے آیا تو دیکھا وہ سر سے پیر تک برف سے ڈہکا ہوا ہے - دوسرے دن ہم اس کے دامن مین پہنچے یہ پہاڑ اس قدر بلند تہا کہ مجھے خوف معلوم ہونے لگا - خدا پر بھروسہ کرکے مین

اوپر چڑہنے لگا۔ جب چوٹی کے پاس پہنچا تو ہوا بہت تیز تھی۔ سردی کے مارے ہاتھ پیر بیکار ہو گئے گھٹنوں گھٹنوں برف تہی۔ گہوڑوں کا بھی بُرا حال تھا۔ اُن کے پیر پھسلے جاتے تہے دُم پکڑ پکڑ کے آگے بڑہانا پڑتا تھا۔ پہاڑ پر تین چار میل کی چڑہائی طے کرنے کے بعد سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ مین اپنے ساتھیوں کے دل بھی بڑہاتا جاتا تھا لیکن کیا ہوتا تھا۔ بعض کو تو اس غضلت کی سردی نے بالکل بیکار کر دیا۔

مین نے اپنے مؤذن سے "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" کی آواز بلند کرنے کو کہا۔ سات مرتبہ یہ آواز سُنائی دی ہوگی کہ خدا کے فضل سے ہوا کا زور کم ہو گیا۔ اور سردی کا وہ زور شور بالکل جاتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالٰی نے ہماری جان بچالی۔ معلوم ہوتا تھا میرے دونوں کندہے گھوڑے کی دُم کھینچنے سے اُتر گئے ہین۔ لیکن کیا کرتا آگے بڑہا چلا جا رہا تھا۔ ساتھ کے آدمیوں میں سے صرف مین اور دس سوار اور چوٹی تک پہنچ گئے۔ جب میرے پیروں نے جواب دیدیا تو برف ہی کے اوپر بیٹھ کے چوٹی کے اُس پار نیچے کی طرف پھسلنا شروع کیا۔ غرض کہ خدا خدا کر کے اس ڈہنگ سے نیچے اُترا۔ میرے پانچ آدمی مجھسے پہلے پہنچ چکے تہے۔ پہاڑ کے دامن مین تین سو بستی والے لکڑی کے گٹھے لئے ہوئے کھڑے تہے۔ میرے پہنچتے ہی انہوں نے آگ جلائی اور مجھے گرمی پہنچانے لگے۔ گاؤن کے مستعد آدمی پہاڑ پر میرے ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے چڑھ گئے اور مجھے بھی اپنے گھر مین لیجا کے ٹھیرایا۔

جسوقت مین پہاڑ کے دامن مین پہنچا تہا۔ دہوپ خوب اچھی طرح نکلی ہوئی تھی۔ جب مجھے نیچے اُتارا تو غشی کے عالم مین معلوم نہین ہوتا تہا کہ مین کہان جا رہا ہون۔ ان سیدہے سادے دہقانیون نے مجھے اپنے مکان مین لیجا کے ٹھیرایا۔ شام تک سوتا رہا۔ جب آنکھ کھُلی تو سارے بدن مین درد تہا۔ بڑی مشکل سے قدم اُٹھایا جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ میرے سب ساتھی خیریت سے ہین مین نے ہر گاؤن والے کو ایک ایک اور اُن کے مالکون کو پانچ پانچ سادرن اور خلعت دی وہ بہت خوش ہو گئے۔

دس روز اس گاؤن مین قیام ہوا۔ میری تو یہ مرضی ہوئی کہ اب یہان سے حصار کا راستہ لون۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ راستہ مین ایسے ایسے ابھی اور چار پہاڑ ہیں۔ تو مین نے سمرقند جانیکا

قطعی فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ادھر صرف ایک پہاڑ تانگجر نامی پڑتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ دس
خطرناک مقامات بھی طے کرنے ہوتے تھے فقیور۔ پلشنک۔ وارض منیور۔ لق لق۔ پشکندہ۔ سوسن
اور جنات وغیرہ۔ لوگ یہان تک خائف ہین کہ جنات اور موسن کی راہ کو پل صراط کہتے ہین۔
کیونکہ جنات مین بے انتہا برف پڑتی ہے۔ اور وہان سے بچکے نکلنا بہت مشکل ہے۔ پنجکد
مین دو دن ٹھیرنے کے بعد آگے بڑھا اور کارا۔ تراش۔ مغیان کی بستیون سے ہوکے اسی
طرح ٹھیرتا ہوا مذکورہ بالا مقامات ایک عجیب پریشانی اور نا امیدی سے طے ہو گئے۔
مین اپنے ساتھ پیر خواجہ اقرار کے مزار شریف تک مقدس جھنڈا بھی لایا تھا جسے کئی برس پہلے
مین خواب مین بھی دیکھ چکا تھا۔
بزرگ خواجہ کی روح نے خواب مین مجھسے یہ کہا تھا "اے میرے عزیز میرے مزار کا سب سے
اونچا جھنڈا لیجا۔ جب تو افغانستان جانے لگے تو اسے اپنے ساتھ رکھنا۔ اسکی وجہ سے تو
کامیاب ہوگا اور فتح و نصرت تیرے ہمرکاب ہوگی"۔ مین نے خواجہ کی روح کے لئے اللہ کی راہ
مین دو بکرون کی قربانی کی اور نماز ادا کی۔ یہ جھنڈا ہوا مین اڑتا ہوا شہر سبز کی طرف بڑھا اور ایک
چھوٹی سی بستی جوز نامی مین پہنچا جہان گورنر نے میرا استقبال کیا۔ شاہ بخارا نے اس کمبخت کو
پہلے ہی ایک خط مین لکھہ بھیجا تھا کہ عبدالرحمن روسی حکومت سے بھاگ کے آتا ہے۔ کوئی
اس سے خرید و فروخت کا معاملہ نہ کرے۔ استقبال کرتے وقت گورنر نے مجھ سے یہ کہا
"میرے ظالم اور کافر بادشاہ نے ایسا حکم دیا ہے اس لئے مین آپ سے علیحدہ ہوتا ہون"۔
مین نے کہا آپ کیون گھبراتے ہین خدا میرا مددگار ہے۔ دیکھا تو سب بستی والے ہمارے
مخالف ہو رہے تھے۔ مین ایک مسجد مین ٹھیر گیا اور اپنے ساتھیون کو دریا کے کنارے رہنے
دیا۔ ہم لوگون نے زمین پر سے برف کے ٹکڑے ہٹا دیئے اور وہان اپنے گھوڑے باندھ دیئے
اور مسجد کی چھت پر چڑھ کے گاؤن کے رہنے والون سے یون مخاطب ہوئے "اے بستی کے
رہنے والون اگر تم ہمارے ہاتھ اپنا مال و اسباب فروخت کروگے تو ہم مشکور ہون گے۔
ورنہ ہم زبردستی کرین گے۔ اگر تم فساد کرنا چاہتے ہو تو یہان بھی ہر طرح سے مستعد ہین۔ تم
مسلمان ہو۔ بہتر ہے کہ ہم اور تم دوست بنے رہین۔ اور ہمارے آدمیون اور گھوڑون کے لئے

سامان خرید وا دو "اس کے بعد مین نے اپنے آدمیون کو گاؤن مین داخل ہونے کا حکم دیا۔ دہان کے رہنے والے میرے سامنے قرآن پاک لائے اور التجا کی کہ ہمارا مال و اسباب نہ لوٹیے اب ان بیچارون کو اپنے ظالم بادشاہ کی حکم عدولی کا ایک حیلہ ہوگیا۔ سب نے ملکے ہمارے کھانے پینے کا سارا سامان خرید وا دیا۔ مجھسے کہنے لگے "ہم لوگ آپ کے دادا دوست محمد کے خیر خواہون مین ہین۔ ہم ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہین۔

یہان کے سردارون کے ساتھ یہ رات بسر ہوئی۔ دوسرے دن صبح کے وقت شہر سبز روانہ ہوا۔ اس کے قریب ایک زبردست بزرگ خواجہ عام خانہ کا مقبرہ ہے۔ بس اس جگہہ ٹھیر کے شاہ بخارا کے نام اس مضمون کا ایک خط لکہا۔ مین ناچیز بندہ سردار عبدالرحمٰن اپنے چچا صاحب معلے القاب کی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ یہ خاکسار اس مقدس مقام مین داخل ہوگیا ہے۔ اور افغانستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر آپ مجھے اسکی اجازت دینگے تو مین قدمبوسی کے لئے حاضر ہونگا۔ اسکے بعد اپنے وطن مالوف روانہ ہونگا" دوسرے ہی دن اسکا یہ جواب ملا۔

"خدا کے واسطے تم یہان نہ آؤ۔ مین تم سے نہین ملنا چاہتا" مین نے اپنے دل مین کہا کہ اب اپنے چچا کا منہ ہرگز نہین دیکھون گا۔ وہ روسیون سے ملا ہوا ہے۔ بجائے شہر سبز کے مین یعقوب باغ چلا گیا۔ اچھا ہوتا اگر پہاڑ کے دامن ہی دامن مین ہمارا سفر ہوتا۔ آدھی منزل پر پہنچ کے کچھہ فاصلہ پر دو تین ہزار گائین چرتی ہوئی دکھائی دین۔ میرے ساتھیون نے سمجھا شاہ بخارا نے ہماری مخالفت کے لئے سوار بھیجے ہین۔ اسلئے وہ دوسرے راستے سے چلنے لگے حالانکہ مین منع کر رہا تہا۔ چار میل کے فاصلہ سے وہ گائے بیل ہماری طرف آتے ہوئے معلوم ہوئے شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے تہے کہ ہم لوگ آنے سے باز رکھے جائین۔ خاص میرے بہت سے ساتھی اور مصاحب جو سمرقند مین چھوٹ گئے تہے وہ اب شاہ بخارا کے ہان ملازم ہوگئے تہے۔ اس کو خوف تہا کہ کہین یہ لوگ مجھہ سے علیحدہ ہو کے عبدالرحمٰن سے نہ مل جائین بعض اسی وجہ سے اس نے مجھے آنے سے روکا اور میرے ساتھیون سے کہدیا اب وہ لوگ آرہے ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب مل گئے اور اُنہون نے میری دعوت کرنی چاہی جب شہر کا صدر دروازہ بند پایا تو دوسرے دروازہ پر گیا۔ اتفاق سے میرا ایک قدیمی ملازم باہر کھڑا ہوا تھا۔

مین نے اس کو اپنے ان آدمیون کے نام کی جو شہر مین موجود ہے ایک چھٹی لکھ کے دیدی۔ مضمون یہ تہا کہ اب مین افغانستان جا رہا ہون اگر تم سے ہو سکے تو مجھہ سے شام تک مل لو۔ ورنہ مین یارتیپی چلا جاؤنگا۔

اس آدمی نے یہ خط لیجا کے جرنیل نظیرہ قاضی جان محمد وغیرہ کو دیدیا۔ ان مفسدون نے میرا خط چھپا کے رکھہ لیا۔ میرے اور ساتھیون کو نہین دکھایا۔ سخت انتظار کے بعد آخر کار یارتیپی روانہ ہوگیا اور ایک لمبے چوڑے سفر کے بعد تین بجے دن کو یہان پہنچ گیا۔

مین یہان دو روز تک ٹھیرا رہا۔ شہر سبز سے بھاگ کے میرے دس ملازم بھی مجھہ سے آ کے مل گئے۔ وہ کہتے تھے ہمین کسی نے خط نہین دیا۔ یہ سُنکے اپنے افسرون کی اس بیہودگی پر مجھے سخت افسوس ہوا۔

تین دن کے بعد ایک اور مقام کی طرف روانہ ہوا جسے "قلتا بینار" کہتے ہین۔ شاہ بخارا نے میری نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے اپنے سو سوارون کو بھی میرے پیچھے دوڑایا۔ جب مین شام کے وقت یہان پہنچا تو ان سوارون کو دریا کے کنارے دیکھا۔ فوراً ہی اپنے جوانون کو فیر کرنے کا حکم دیا۔ دس یا پندرہ مارے گئے اور باقی اُلٹے پیرون بھاگ گئے۔

اس معرکہ کے بعد مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اب یہان سے آگے بڑہنا چاہئے۔ خوب کڑا کے کا جاڑا پڑ رہا تھا لیکن دل مضبوط کر کے تین دن کے سفر مین براہ خواہ چیلیک۔ شراب ہوتا ہوا آخر کار دوسرے دن سونے کے وقت مقام ہندا مین جا پہنچا۔ آخر الذکر دونون شہر حصار مین ہین۔ یہان سے بیسون اور سرئے آسیا۔ پور کی اور ریگار ہوتا ہوا حصار آ گیا۔ یہان پہنچ کے مجھے معلوم ہوا کہ ولیعہد صاحب یہین تشریف رکھتے ہین لیکن میرے آنیکا حال سُن کے براہ داغ کے پہاڑ کی طرف کوئی شہر ہے وہان چلدیئے سارے حصار میں سوائے ایک سرائے کے اور کوئی صاف ستھری جگہہ ٹھیرنے کے قابل نہین ہے جہان شرابی اکثر جمع ہوتے ہین ناچار مین یہین ٹھیر گیا۔ بادشاہ اور اس کے ولیعہد نے غریبون کو بڑا ستا رکھا تھا۔ دوسرے ہمیشہ میری مخالفت ہی کرتے رہے۔ اس لئے مین نے خاص ان کے اور یہان کے مقامی حکام کے بھی سارے گھوڑے ضبط کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سردار عبداللہ خان

کو اس کام کیلئے مقرر کیا کہ وہ یہان کے باشندون کو سمجھا دے اور اس بات کا انہین اطمینان دلا دے کہ ان کا بادشاہ ہمارا دوست ہے۔ محض روسیون کے خوف سے وہ اس طرح پیش آیا ہے۔

سردار مذکور نے ان کے نام کا ایک خط لکھا۔ سردار عبداللہ خان کو سمجھا دیا گیا کہ جب شہر والے میری ملاقات کو آئین تو تم اس کمرہ کے پاس آ کے جہان پردہ پڑا ہے کہڑے ہو جانا۔ پردہ اُٹھا کے مجھے جہک کے سلام کرنا اور یہ عرض کرنا کہ حضور آپ کی قدمبوسی کے لئے یہ لوگ حاضر ہین اور یہ گہوڑے معہ زین کے آپ کی نذر کرنا چاہتے ہین۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس ترکیب سے ان کے چھہ گہوڑے میرے ہاتھہ لگے اور مین دریائے جیحون کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت خط کے ذریعہ سے ان لوگون کے بادشاہ کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے سردارون کی بھی خاطر مدارات کا خاص طور سے ممنون ہوا۔ مین نے یہ لکھا جب روسیہ آپ کا دشمن ہو اسوقت کابل آپ کی مہمان نوازی اور استقبال کے لئے حاضر ہے۔ ایک رات حصار شادمان مین۔ دوسری تانگی کاک مین بسر ہوئی۔ آگے بڑھ کے کرغان تیپی مین چھہ دن پڑا رہا اور پہر خواجہ گلگون کی راہ لی۔ اس جگہ مجھے پیٹ کے درد سے حیران ہونا پڑا۔ خدا کا شکر ہے کہ تین دن مین دوا کھانے سے مین بہلا چنگا ہو گیا۔

جب مین یہان پہنچ گیا تو لوگون سے یہ معلوم ہوا کہ شاہزادہ حسن (میر شاہ کے لڑکے) اور اس کے دو چچازاد بھائیون نے یعنی میر یوسف علی اور میر نصر اللہ نے رشطک۔ کتغان۔ اور بدخشان آپس مین تقسیم کر لیا ہے اور بندوبست کیا ہے کہ حسن فیض آباد کے صوبے پر۔ یوسف رشطک پر اور نصر اللہ کتغان پر حکومت کرے۔ مین نے اپنے ملازم میر عالم کے ہاتھ گلگون آنے کا حال حسن سے کہلا بہیجا۔ شاہزادہ حسن میرے خسر کا بھائی ہوتا تہا۔

اس خط کی روانگی کے بعد دریائے جیحون کے کنارے شجاع آب آباد سے وہان چلا گیا۔ یہ گاؤن رشطک کے سامنے آباد ہے۔ دو دن کا راستہ طے کرنے کے بعد اس گاؤن مین پہنچا۔ تیسرے دن شام کے وقت دریا کو عبور کیا اور رشطک مین داخل ہو گیا۔

بشاہزادہ حسن کو میرا آنا برا معلوم ہوا اور میرے قاصد کو قید کر کے لکھہ بہیجا دریا عبور کرنے کی

کوئی ضرورت نہین ہے - مین نے قسم کہائی ہے کہ اگر میرے ملک کی زمین پر افغانیون نے ایک قدم بہی رکہا تو مین اس زمین کے ٹکڑے کو ناپاک سمجہ کے اپنی حکومت سے باہر سمجہون گا اور آپ لوگون کو بہی شہر سے باہر نکال دون گا - یہ خط مجہے اسی گاؤن مین ملا جس کا میری طرف سے یہ جواب دیا گیا -

اے بے وقوف - اے محسن کش بد باطن سُن - برسون مین نے تیری اور تیرے بھائی کی پرورش کی - تیرے ذلیل خاندان سے تعلق پیدا کیا کہ تو کسی دن میرے کام آئے گا - مجہے اپنی غلطی اور تیری ساری کیفیت معلوم ہوگئی - یاد رکہہ اگر مجہے موت کا خوف ہوتا تو آج میں یہان تک ہرگز نہین پہنچتا - اے بُزدل کان کھول کے سُن لے کل کی آنے والی صبح میرا تیرا فیصلہ کردیگی اور تجہے معلوم ہو جائیگا کون زبردست ہے "

آج رات کو شاہزادہ نے دریا کے کنارے ایک ہزار سوار میری روک تہام کے لئے مقرر کردیئے جب خوب اندہیرا ہو گیا تو میرے بیس سوارون نے ذرا پیچھے ہٹ کے ایک طرف سے ان کمبختون پر فیر کئے - وہ یہ سمجہ کے ہمارے مقابلہ مین کوئی بڑی فوج ہے فوراً بھاگ گئے - چھ سوارون کو ہم نے گرفتار کر لیا - میرے پاس کل سو سوار اور دس آدمی علم بردار تہے - اور دوسرے دن مجہے بارہ ہزار دشمنون کا مقابلہ کرنا تہا -

مین جانتا تہا کہ دنیا کی غیر معمولی شجاعت اور بے جگری بھی اس موقعہ پر کام نہین دے سکتی - لیکن مین اپنی جان پر کہیل گیا تہا - اور میرے دل مین ایک عجیب طور کا جوش پیدا ہو گیا تھا - مصیبت زدون کی حمایت کا جوش مجہے مجبور کر رہا تھا اور کلام پاک کی وہ آئتین یاد آتی تہین جن مین حق کی حمایت کرنے والون کو ربانی انعام کی بشارت دی گئی ہے - اس لئے میری نظرون مین دس ہزار اور دس لاکھ سب برابر تہے - ربانی جوش اور عشق کی آگ میرے دل مین لگی ہوئی تھی - شہادت سے دل باغ باغ ہوا جاتا تہا کہ کل کے دن اللہ کی راہ مین مجہ جیسے ناچیز کی جان کام آئیگی - مجہے خیال تہا اگر اس دفعہ بچگیا تو بدخشان اور کتغان والے میرا فیصلہ کردین گے اگر ان سے بچکے نکلا تو انگریزی فوج سے مُٹھ بھیڑ ہوگی - ان باتون نے مجہے زندگی سے مایوس کر دیا تہا - اور میری نظرون مین اپنی جان کی کچہہ حقیقت نہ رہی تھی مگر جس ناچیز بندے کو قادر مطلق

اپنی حفاظت مین لے اُس کے آگے تمام دنیا ہیچ ہے۔ رفتہ رفتہ میرا دل ایسا مضبوط ہو گیا کہ اگر سارے جہان کی فوج میرے سامنے آجاتی تو بھنگے سے زیادہ وقعت نہ رکھتی۔ اُسے شجاعت اور دلیری نہین سمجھنی چاہئے یہ ایک خاص جوش ہے جو خدا نے میرے دل مین پیدا کر دیا تہا۔ اب مین صاف صاف ایمان والون کو بتاتا ہون کہ میرے ساتھ کیا کیا واقعہ پیش آیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تم بارگاہ صمدی میں سچے دل سے حاضر ہو اور خدا کی راہ مین صدق دل سے خدمت کے لئے موجود ہو تو کامیابی یقینی ہے یہ عمر بھر کا میرا ذاتی تجربہ ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے آج مین بادشاہ ہون۔

دوسرے دن صبح کو "نصر من اللہ" کے انتظار مین مین شاہزادہ حسن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑہا۔ بارہ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مین نے دیکھا کہ بارہ ہزار جوان۔ بارہ جھنڈے ہوا مین اُڑاتے ہوئے میری طرف بڑہتے چلے آرہے ہین۔ جب اس ٹڈی دل فوج سے ایک میل فاصلہ رہ گیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے جادو کر دیا۔ سب کے سب تتر بتر ہو کے بھاگنے لگے۔ مین حیران تھا کہ یہ کیا اسرار ہے۔ تھوڑی دیر مین میر بدخشان کے سوارون کا ایک دستہ جو شاہزادہ حسن کا چچا زاد بھائی تھا اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوا میری طرف بڑہا۔ مین نے اپنے آدمیون کو آگے نہین بڑہنے دیا۔ خود چند سردارون کے ساتھ سوارون کے آنے کا سبب پوچھنے کے لئے آگے بڑھ گیا۔ قریب پہنچ کے اُنہون نے کہا ہم سردار عبدالرحمٰن کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے ہین۔ مین نے جواب دیا اگر تم لوگ اس کی حکومت مانتے ہو تو دو دو چار چار ہو کے ایک دفعہ آؤ۔ چند سردار میرے ساتھ ہو لئے۔ جب انہین معلوم ہوا کہ مین عبدالرحمٰن ہون تو سلام کے لئے آگے بڑہے۔ مجھ سے پوچھنے لگے کیا آپ شاہزادہ حسن کی فوج کا ستیاناس کرنا چاہتے ہین۔ مین نے کہا مسلمانون کی گردنین مارنیکے لئے نہین آیا بلکہ جہاد کی غرض سے آیا ہون۔ اگر یہ کل سپاہی جو ادہر اُدہر بھاگ رہے ہین میرے ساتھ ہو جائین تو یقینی مین انگریزون کا مقابلہ کرون۔

رشطاک پہنچ کے شہر کے باہر میر کے قلعہ مین ٹھیر گیا۔ یہین بڑے بڑے سردار تحفہ تحائف لیکے حاضر ہوتے اور میرے ساتھ دوستانہ تعلقات کا اظہار کرتے۔ مین نے ان کو خلعتین بخشین

اور وہ میرے جان نثار رعایا ہو گئے۔

ایک عقلمند کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک دن مین بیس ہزار آدمی کیونکر میرے شیدائی بن گئے مگر نہین۔ کوئی تعجب نہین ہونا چاہئے۔ تمام آدمیون کے دلون کی کنجی خدا کے ہاتھ مین ہے۔ آج اس نے سب کے دلون کو میری طرف پھیر دیا۔

تمام رعایا اور سردار ایک جرگے کی صورت مین میرے سامنے حاضر ہوئے اور نذرانہ پیش کیا مینے حکم دیا میر بابا جان کی ماتحتی مین دو ہزار سوار اور ایک ہزار جانباز سپاہی دو چار دن مین جمع ہون اور فیض آباد کا راستہ لین۔ اس حکم کی تعمیل نہایت مستعدی سے ہوئی اور یہ فوج میرے اس قاصد کے ساتھ جسے شاہزادہ نے قید کر لیا تھا روانہ ہو گئی۔ مین نے اُسے ایک خط بھی دیا تھا جس مین یہ لکھا ہوا تھا۔

"اے مسلمانو امین افغانون سے جنگ کرنے کے لئے نہین آیا جو اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہین بلکہ ایک عام "غزا" کی غرض سے آیا ہون۔ اس لئے تمکو میرے تمام احکام کی تعمیل کرنی چاہئے جو خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے ہین۔ ہم سب اللہ کے بندے ہین مگر ہم سب پر فرض ہے"

مین نے اس خط کے اخیر مین "راقم ایک مسلمان" لکھا۔ مجھے بھروسہ تھا کہ یہ لوگ میرے کہنے پر عمل کرین گے۔

اس خط مین عام طور سے سارے بستی والون کو مخاطب کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک خط مقامی افسرون اور امیرون کے نام بھی لکھدیا۔ جو میر بابا کے ہاتھ بھیجا گیا۔ مضمون یہ تھا۔

"جناب میر شاہزادہ حسن صاحب اور مقام فیضہ کے باشندون اور سردارون۔ مین آپکو اطلاع دیتا ہون کہ میری غرض یہان آنے مین صرف یہ ہے کہ فیضہ کو انگریزون سے محفوظ رکھون اگر یہ کام بغیر کسی مخالفت کے پورا ہو گیا تو خیر ورنہ پھر جنگ کی ٹھیرے گی۔ تم سب لوگ میر یا سردار ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ اس اسلامی شہر کو فرنگیون سے بچاؤ۔ اگر یہ ہمارے ملک کے مالک ہو گئے تو بس یاد رکھو سخت ذلت ہو گی۔ تمام دنیا حقارت سے دیکھے گی اور کہے گی میر یا سردارون مین حمیت اور عزت کا نام نہین۔ ان نامردون نے اپنے ملک اور مذہب کو بدنام کر دیا۔ اے میر اور سردارون غور سے سنو اور میری بات یاد رکھو۔ بالفرض اگر تم نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھو

میرا یہ فرض ہوگا کہ تمہین بھی کافر سمجھوں اور پھر تمہارے مقابل مین بھی ایک عام غزا کا اعلان دون - ہوشیار ہوجاؤ - یا تو خدا اور رسول کا ساتھ دو نہین اپنی حفاظت کے لیے جنگ کی تیاری کرلو "

جب شہر والون اور سردارون نے میرا خط پڑہا تو وہ اپنے اپنے میر کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے بہتر ہے کہ ہم عبدالرحمٰن کی حکومت مان لین - اس ترکیب سے کافرون کا داؤ ہم پر نہین چلنے کا اور اپنے ملک کو بچالین گے - لیکن ان بدنصیب بستی والونکے میر نے جوابدیا -

" مین تو کشمیر کے سکھون کا دوست ہون مین وہان جانا بہتر سمجھتا ہون بمقابلہ اسکے کہ ایک مسلمان کی اطاعت قبول کرون " یہ سنتے ہی سردارون نے کہا اگر ہمین معلوم ہوتا کہ آپ ہندوون کے دوست ہین تو ہم آپ کو اپنا میر کبھی نہ بناتے - خیر آپ سے جہانتک ہوسکے بہت جلدی تشریف لیجائیے -

بہرحال خدا خدا کرکے میر صاحب اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے بال بچون کے ساتھ لاک اور چترال ہوتے ہوئے کشمیر جا پہنچے لیکن یہان سوئے آوبایا اور بیچارے نے بڑی بے بسی کی حالت مین جان دیدی - اور اس کے بال بچے بالکل لاوارثی کی حالت مین ہوگئے - ادھر باشندون نے میری حکومت کے آگے اپنی گردنین نیچی کرلین اور مجھے اپنا مالک خیال کرنے لگے اس کے دو چار روز کے بعد کتغان کے میر سلطان مراد کو یہ لکھا کہ اب مین ملک افغانستان کو انگریزون کے پنجے سے نکالنے آیا ہون کیا آپ مجھے اپنے ملک سے راستہ دیدین گے - اور آدمی اور روپے سے میری مدد کرین گے - ان لوگون نے اس کا یہ جواب دیا -

" ہم مین اتنی طاقت نہین کہ جنگ کرین - ہماری اتنی مجال نہین کہ انگریزون سے خواہ مخواہ بگاڑلین اس لئے ہم آپ کو راستہ نہین دینے کے "

مین نے لکھا - معلوم ہوگیا اب آپ کافرون کے ساتھ ہین میرا فرض ہوا کہ آپ کے خلاف جہاد کرون - جب مین نے دیکھا کسی صورت سے یہ میرا کہنا نہین مانتے تو مین نے یہ ترکیب کی کہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون پر ہزار چٹھیان بلخ کی فوج کے نام لکھین مضمون یہ تہا -

" اے افغانستان کے رہنے والو! تم کو اطلاع دیتا ہون کہ مین ترشطک آنیوالا ہون لیکن افسوس

اور اُن کی دولت کا بندہ تھا۔ اس نے بدخشاں والون کے کان میری طرف سے خوب
بھر دیئے اور ہر طرح سے ان کو میرا مخاطب بنانا چاہا۔

ایک دن کا ذکر سنئے۔ میر بابا صاحب میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا "آج تو شکار کو جی
چاہتا ہے۔ اور ہر تیتر بٹیر بڑی کثرت سے ہین" مین نے کہا اچھا چلئے لیکن یہ تو بتایئے کہ فوج
کا کیا انتظام ہوگا جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس مکار نے مجھسے بیس ہزار "ساورن"
(طلائی انگریزی سکہ ایک پونڈ کا) طلب کئے کہ لوگون کو رشوت دے دلا کے اپنا پہلو زبردست
کیا۔ مین نے کہا۔ حضرت سُنئے روپے تو مین نے ان لڑائیوں کے لئے رکھ چھوڑے ہیں۔ جو
انگریزوں کے خلاف مجھے لڑنی ہیں۔ سواروں کو چھٹانے کے واسطے میرے پاس نہیں ہیں
اور مجھے اب اتنی پروا بھی نہیں۔ کیونکہ میرے پاس دس ہزار کتغانی اور دس ہزار رشطکی تو ابھی
موجود ہیں۔ اور جہان میں کابل پہنچا کہ لاکھوں افغان میرا ساتھ دینے کے لئے ٹوٹ پڑے گا۔
لیکن اگر سچ پوچھو تو میر بابا نے جن صندوقوں کو سمجھا تھا کہ یہ روپے سے بھرے ہیں اُن مین
کارتوس ہی کارتوس بھرے پڑے تھے۔ اور میری ساری پونجی بس ایک ہزار "ساورن" تھی
جب شکار کی ٹھیر گئی تو چند بدخشانیوں سے مجھے معلوم ہوا کہ میر بابا کا کچھ اور ارادہ ہے اور وہ
اس کوشش مین ہے کہ شکار کے بہانے سے آج مجھے گرفتار کرے اور دوسرے ہی دن میرا کام
تمام کردے۔ ان کا بھی مین نے بندوبست کر لیا۔ شکار اور چاند ماری کی تیاری کرتے وقت اپنے
ساتھ تیس جوان لے لئے۔ اور میر کی طرف سے ان کے کان کھول دیئے۔ مین نے کہا بندوقین
تیار رہیں اور جس وقت میر بابا کی طرف میرے رفل کا نشانہ ہو تم بھی گولی مارنا۔ یہ سب کچھ
سامان کر کے مین میر بابا کے ساتھ ہو لیا۔ اب ہم دونوں پہاڑون کے راستے پر چلے۔ پہاڑ کے
دامن میں پہنچ کے مین نے دیکھا کہ پانسو مسلح سوار ہم سے آ کے مل گئے۔ میر بابا کے پیدل اور سوار
بھی اس طرح سر سے پیر تک مسلح تھے جیسے کہ وہ کسی سے جنگ کرنے آئے ہین یہان تیتر بٹیر کا
پتہ بھی نہین تھا۔ میر بابا میرے بائیں ہاتھ پر تھا۔ اس سے مخاطب ہو کے یہ کہا کہ جب مین بدخشان
سے روانہ ہوا تو اس بات کی خبر لگی تھی کہ آپ مجھے قید کر کے محض انگریزوں کی خیر خواہی کے لئے
اُنکے حوالے کرنا چاہتے ہین اگر یہ بات سچ ہے تو بسم اللہ۔ آپ کو اس سے بڑھ کے اور کوئی موقع

نہین ملنے کا آپ اپنا کام کیجے - یہ کہہ کہ مین نے اپنا رفل میر بابا کی طرف اُٹھایا اور میرے ساتھیون مین سے بیس نے اُس کے سوارون کی طرف رُخ کیا- ہماری مستعدی دیکھہ کے ان کمبختون کی آنکھین کُھلی کی کھلی رہ گئیں - اور چلانے لگے "ہم کو نہ ہلاک کرو" "ہم کو نہ مارو" جب مجھے میر بابا کی بابت ان کے دلی خیالات معلوم ہو گئے تو پھر میرا اطمینان ہوگیا- اب مین نے کسی قسم کی اور کوئی کارروائی نہیں کی- بلکہ اپنے مقام پر واپس آگیا- تین دن کے بعد رُشطک کے ایک سردار احسان عزیز کے ہاتھ میر بابا سے کہلا بھیجا کہ آج شام کو میرے ہاں تشریف لائیے اور نہایت لطف سے اتنا وقت ہمارے ساتھ بسر کیجے-

وہ اپنے ساتھ تین سو آدمی لیکے آیا جن کے پاس طرح طرح کے ہتھیار تھے - میرے پہرے والوں نے اُن کو روکا اور کہا اول تو اتنے آدمیون کی ضرورت نہین دوسرے یہ بات ٹھیک نہین کہ آپ اتنے آدمیوں کو لیکے اندر جائیں- ہاں تیس جوان آپ کے ساتھ جا سکتے ہین- میر بابا یہ دیکھہ کے بڑا جھلّایا افغانیوں کو بُرا بھلا کہنے لگا اپنے سپاہیوں کو قلعہ پر زبردستی قبضہ کرنے کا حکم دیا- اور اسی طرح اپنے فوجی بگل بجانے والے سے کہا کہ جنگی بگل بجاؤ-

قلعہ کا پہلا دروازہ تو اچانک میرے سپاہیوں کے ہاتھ سے نکل گیا- وہ دوڑ کے آگے بڑھے اور اندر کے دوسرے دروازہ مین قفل ڈال دیا- اور ایک ملازم میرے پاس دوڑا ہوا آیا- کہ صاحب ہم لوگ لٹ گئے -

اس وقت مین ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا تھا- میری جیب میں سات نلا رفل پڑا تھا اپنے آدمیون کے ساتھ دروازہ پر آیا- کیا دیکھتا ہوں کہ باہر پانچہزار مسلح جوان کھڑے مین- اپنے ملازمون کو یہان بلایا اور ان سے کہا- اتنے آدمیون کا مقابلہ کرنا مشکل ہے- دیکھو اب مین آگے بڑھ کے ان ہی لوگوں میں مل جاوں گا- اس ترکیب سے کہ کوئی مجھے نہ دیکھے- اگر میر کی گردن میرے ہاتھہ مین آگئی تو بس بچ گئے ورنہ اگر میں مارا گیا تو مین تم لوگون کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور لڑنا نہ لڑنا تمہاری مرضی پر ہے- مین نے اوور کوٹ کے آستین مین رفل کو چھپایا اور دروازہ سے باہر آگیا-

خوش قسمتی سے مجھے کسی نے نہین دیکھا اور ان لوگوں کو چیرتا پھاڑتا سید ھا میر کے پاس جا پہنچا

گردن پکڑ کے مین نے طپنچہ اُس کی کنپٹی سے لگا دیا اور کہا بس زبان بند کر۔ یہ وہی افغان ہیں جنہیں تو اس طرح بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اپنی تلوار نیچے پھینک دے نہیں تو گولی مارتا ہون۔ میر منتین کرنے لگا کہ خدا کے لئے طپنچہ ہٹا لیجے۔ میں پھینک دیتا ہون۔ مین نے اُس کی گردن اور بھی دبائی یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ پھر مین نے کہا اچھا اپنے آدمیوں کو قلعہ سے باہر بُلا۔

جب اس کے آدمی باہر آ گئے تو مین نے پشتو میں اپنے سپاہیوں کو باہر کے دروازہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ اب میں میر سے مخاطب ہوا کہ مین نے تو تم کو دوستانہ طور سے اپنے ہاں مدعو کیا تھا۔ تم نے یہ دغابازی کیوں کی۔ اس کے بعد بدخشاں والوں سے کہا کیا تم میرا ساتھ دو گے یا اس بُزدل کا جو اپنے ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا۔ سب نے یکزبان ہو کے کہا "ہم آپ کا ساتھ دیں گے" میں نے کہا اچھا اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔

جب میرے حکم کی تعمیل ہو چکی تو مین نے میر کو اپنے ساتھ لیا اور دس سوار میرے ہمرکاب ہوئے اور میر صاحب کے مکان پر آیا۔ آتے ہی اس کے گھر والوں اور اس کی بیوی سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا پکاؤ۔ صبح کے وقت میں قلعہ مین واپس آ گیا اور خدا کا شکر کیا کہ اس نے اس بلائے ناگہانی سے مجھے بچایا۔

یہ بات مجھے بیان کر دینی چاہئے کہ میر عمر اور میر بابا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مین نے بہتیری کوشش کی کہ ان کے دل صاف ہو جائیں اور پھر یہ آپس میں دوست بنے رہیں۔ خیر۔ خدا خدا کر کے میں کامیاب ہوا اور ان دونوں کو گلے ملوا دیا۔

میر عمر چار ہزار سواروں کے ساتھ فیض آباد آیا اور شہر کے باہر ایک جگہ جو زن ہے وہاں ٹھیر گیا میرے پاس ایک خط بھی بھیجا کہ ہم دونوں اس خوشی میں کہ ہمارا دیرینہ اتحاد از سر نو قائم ہو گیا ہے ایک دوسرے کو خلعت دینا چاہتے ہیں اور اس لئے آپ کو اس خاص موقع پر مدعو کیا جاتا ہے مین نے اسے منظور کیا۔ دونوں میر میرے داہنے بائیں بیٹھ گئے۔ سامنے مصری کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اور بڑی بڑی سینیوں میں مٹھائیاں چُنی ہوئی تھیں۔ پہلے دونوں میروں نے اپنی اس دوستی اور اتحاد کے لئے قسم کھائی۔ پھر ایک دوسرے نے خلعت دی۔ میر بابا مجھ سے مخاطب

ہو کے طنزاً کہنے لگا " اب ہم دونوں بھائیوں نے مصافحہ کر لیا ہے ہم مصری کے بڑے سے بڑے ڈھیر کو بھی تقسیم کر سکتے ہیں" میں سمجھ گیا مجھ پر چوٹ کی ہے۔ مین نے کہا تم کو بڑی مشکل پیش آئے گی اور مصری کا ڈھیر وہاں سے اُٹھوا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مین اُٹھ کے چلا آیا۔ لیکن مجھے اُن کی طرف سے خیال پیدا ہو گیا کہ مبادا میرے خلاف کوئی سازش کر بیٹھیں۔ مین روز یہاں سے روانہ ہونے کے لئے اُنسے کہتا اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کے ٹال دیتے تھے۔

اس عرصہ میں میرے وہ پرچے جو بلخ کی شاہراہوں میں پراگندہ پڑے تھے فوجی حکام کے ہاتھوں میں پڑ گئے۔ اور یہ لوگ غلام حیدر سے کہنے لگے کہ ہم میر سلطان مراد کے خلاف جو انگریزوں کا دوست ہے غزا کے واسطے بے چین ہو رہے ہیں۔ غلام حیدر کو میر سلطان مراد کا ملک دبانے کا اچھا حیلہ ہو گیا اور اس فکر مین ہوا کہ اگر میں اپنی فوج ادہر بڑھاؤں گا تو ایک فائدہ یہ اور نکلے گا کہ عبدالرحمٰن کا فوجی کیمپ یہاں سے قریب ہے وہ خوف کے مارے بھاگ کھڑا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ بدخشانی پھر اُسے قید کر لیں اس لیے سلطان مراد کے مقابلہ کے لئے اس نے اپنے بھانجے کو بارہ ہزار سوار۔ پانچ پلٹن اور پانچ توپوں کے ساتھ روانہ کیا۔ جب یہ مہم تشکر غان پہنچی تو سواروں کی آپس مین کانا پھوسی ہونے لگی کہ جہاد مین میر نے عبدالرحمٰن کا ساتھ نہین دیا اسوجہ سے اسکی سرکوبی کرنی چاہئے سلطان مراد کو جب اس کی خبر لگی تو اس نے میر بابا اور محمد عمر کو میری نسبت یہ لکھا کہ فوراً اسے الگ کرو ورنہ فوج تمہاری اور میری دونوں کی مزاج پُرسی کرے گی۔

اس خط کی نوشت و خواند میری لاعلمی مین ہوئی۔ اور میرے پاس بھی ایک خط آیا جس میں مجھے کتغان بلایا تھا۔ کیونکہ میر میری آؤ بھگت کرنے کا بے طرح منتظر تھا۔ پہلے خط کا راز بالکل نہیں معلوم تھا اس واسطے اس دوسرے خط سے مجھے تعجب ہوا کہ کیا معاملہ ہے ابھی تو میر سلطان مراد نے میرے آنیکا حال سُن کے اس قدر ناک بھوں چڑھائی تھی۔ اب یہ کیا ہوا کہ یکایک بدل گیا اور مجھے بلاتا ہے قاصد نے دیکھا کہ بھید نہین چھپا رہ سکتا سارا کچا چٹھا کہہ سنایا اور بالکل لفظ بلفظ جیسا مین اوپر کہہ چکا ہوں۔ مین نے جواب دیا کہ ہم لوگ کل یہاں سے روانہ ہوں گے۔ محمد عمر میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن میر بابا نے کہا میں بعد کو آؤں گا۔ مین نے اُسے حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ پچاس رفل اور پچاس گھوڑے معہ زین وغیرہ کے سب تیار ان پچاس افغانیوں کے لئے لائے جنہیں مین نے

ہے تمہارا میر سلطان مراد جب مین وہان پہنچ جاؤن گا تم کو مجھ سے ملنے کی اجازت نہین دیگا۔"
مین نے یہ چٹھیان ایک آدمی کے ہاتھ بھجوائین جو فقیرون کے بھیس مین وہان گیا اور انھیں
فوجی چھاؤنیون۔ بازارون اور مسجدون مین ادہر اُدہر ڈال آیا اس سے یہ غرض تھی کہ جب
آدمی یہان سے گزرین گے تو ضرور ان پرچون کو اُٹھاکے دیکھین گے اور محض میری وجہ سے
میر سلطان کی طرف سے چوکنے ہو جائین گے۔
اب مناسب ہے کہ مین بدخشان کے حالات بیان کرون کہ وہان کیا گزری۔ یہ پہلے کہہ چکا ہون
کہ مین نے اپنے چچازاد بھائی سردار سرور اور سردار اسحق کو سفر خرچ۔ ساٹھ بر جلوڈ بندوق بارہ
ہزار کارتوس اور ترکمانیون کے نام کا ایک خط دیکے سمرقند سے رخصت کر دیا تہا اور ترکستان
جانے کی سخت ہدایت کر دی تہی۔
یہ بات بیان کرنے کے قابل ہے کہ شیر علی کے زمانہ مین وار دیک جرگے کے ایک شخص غلام حیدر نامی
نے بڑا رسوخ پیدا کرکے کرنیل کا درجہ حاصل کیا۔ اور جس وقت یعقوب امیر ہوا تو اس کے زمانہ مین
بہی وہ اسی عہدہ پر رہا۔ یعقوب نے جب لوئیس کیونگری کو کابل مین بطور رزیڈنٹ کے مدعو کیا تو
انہون نے غلام حیدر کو بلخ کا گورنر جنرل اور ویسرائے بنایا۔ غلام مذکور نے اپنے جدید اختیارات
سے قزلباشی جرگے کے ایک شخص قادر خان نامی کو شیر غان کا حاکم اور ایک دوسرے شخص غلام
محی الدین کو سری پول کا حاکم مقرر کیا۔ اور محمد سرور کو بھی آکچا کا حاکم بنایا۔ جب میرے چچازاد
بھائی سرور۔ اسحق اور عبداللہ قدوس ترکستان مین داخل ہو گئے تو غلام حیدر نے دو تین ہزار
قزلباشیون کو ان کی گرفتاری کے لئے بہیجا اور یہان کے باشندون کو اس کی مطلق خبر نہیں کی۔
میرے بھائیوں کو اس کا پتہ چلگیا وہ بلخ کا راستہ چھوڑکے شیر غان کی طرف چلدئے۔ یہان
پہنچ کے حاکم شہر سے خط کتابت کی۔ بدقسمتی سے یہہ بھی قزلباشی نکلا۔ ممکن ہے حاکم نے کسی قسم
کی امداد کا وعدہ کیا ہو یا امید دلائی ہو۔ کیونکہ جب شیر غان مین یہ لوگ پہنچے تہے تو بالکل رات
ہو گئی تھی اور ہر طرف اندہیرا تھا۔ مگر اس وقت بھی سرور نے حاکم سے ملاقات کرنی چاہی۔ سرور
کے بھائیون نے کہا یہ ساری نادانی کی باتین ہین۔ بہلا یہ کونسا وقت ہے ملاقات کرنے کا۔
ان بیچارون نے کسی کی کچھہ نہ سنی اور ایک ملازم شار باؤ نامی باشندہ خورسٹ کے کہنے کا

خیال کیا۔ بلکہ اپنے اور بھائیون کو دہمکی دی کہ اگر تم لوگ نہین جانے دو گے تو مین تم کو گولی مار دونگا۔ غرضکہ اس باجی نوکر کے ساتھ اکیلے قلعہ کا راستہ لیا۔ شہر کے دروازہ پر پہنچ کے ان لوگون نے آواز دی۔ پہرے والے سے سوال وجواب ہوئے اور کہا ہم جنرل غلام حیدر کا حاکم شہر کے نام ایک خط لائے ہین۔ فورًا دروازہ کھولدیا گیا اور یہ لوگ اندر جا پہنچے۔ پہرے والے نے سرور کو پہچان لیا۔ پوچہا آپ یہان کیسے تشریف لائے ہین۔ جب اسے ساری حقیقت معلوم ہوگئی تو بیچارے نے ہمدردی سے کہا خدا کے واسطے آپ حاکم کے پاس نہ جائین۔ جاتے ہی وہ آپکو قید کرلے گا۔ آپ اب یہان سے اُلٹے پیرون واپس جائین۔ کل اپنی فوج لیکے شہر مین آجائیے تمام قصبہ والے آپ کے ساتھ ہوجائین گے۔ اس بدقسمت کو یہ خیال تہا کہ عبدالرحمٰن نے بدخشان پر اپنا سکہ جمالیا ہے زور ون مین آکے پہرے والیکو دہتکار دیا۔ اور کہا حاکم شہر نے خود مجھے بلالیا ہے وہ میرے ہاتہہ پیرون کو بوسہ دیگا اور میری اطاعت کریگا۔ سید ہے حاکم کے سامنے ڈراتے ہوئے چلے گئے۔ اس ظالم نے مشکین کسوا کے ایک کرنیل کے حوالہ کردیا اور وہ بیرحم اپنے سوارون کو ساتھ لے سرور کو قید کر دشت آزرنا کے راستے ہوتا ہوا مزار پہنچ گیا۔ صبح کے وقت غلام حیدر کو اطلاع کی۔ جرنیل نے جو انتہا درجہ کا ظالم تہا اپنے مصاحبون اور افسرون کی صلاح سے اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ سرور کو ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت کردیا جائے۔ ورنہ یہ پہاڑی جرگے اور اوزبکی شبرغان مین اسکے آنیکا حال سُن کے بغاوت کرین گے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سرور کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ غلام حیدر نے اپنے وزیر رضوان اور اسی ملعون غلام محافظ الدین کو اس ظالمانہ کام کے لئے مقرر کیا۔ ان کمبختون نے کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی اور مظلوم سرور کی جان کا ذرا درد نہین کیا۔ اخیر اس کو ہلاک کرکے دیداہی کی شہر پناہ کے نیچے دفن کردیا۔ اور اس کے سر کو غلام حیدر کے سامنے اس غرض سے پیش کیا کہ اس کا پورا اطمینان ہوجائے۔

عبداللہ قدوس اور اسحٰق اپنے بھائی کی جدائی سے پریشان ہوکے تیمنہ کی طرف چلے گئے۔ دلاور خاں والئے شہر نے اپنے ترکمانوں سے کہدیا کہ ان لوگوں کو قید کرکے میرے پاس لاؤ۔ ترکمانون نے صاف جواب دیا کہ نہین صاحب ہم سے یہ نہین ہوسکتا۔ یہ عبدالرحمٰن کے چچا زاد

بھائی ہین۔ ہم تو مرتے دم تک ان کا ساتھ دین گے۔ غرض کہ دو ہزار آدمی اسحق کے ساتھ ہو گئے۔ حاکم شہر چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ان کو پھنسا کے قید کر لون لیکن جب شہر والون کی نظرین پھری ہوئی پائین تو اس نے عبداللہ قدوس اور سردار اسحق کو ہرات کی طرف رخصت کیا یہان محمد ایوب نے اپنا جال ڈال کے ان بے گناہون کو قید کرنا چاہا۔

غلام حیدر کے سامنے جب مظلوم سرور کا سر لایا گیا تو اس نے سلطان مراد کو لکھا کہ "فوج نے سرور کو مار ڈالا اب مجھے امید ہے کہ تم بھی عبدالرحمٰن کو یا قید کر کے بھیجو گے یا اسے جان سے مار ڈالو گے" لیکن سلطان مراد نے لکھ بھیجا "جناب۔ عبدالرحمٰن تو میری طاقت سے باہر ہے وہ میرے ہاتھ نہین چڑھنے کا۔ کیونکہ اب وہ بدخشان مین ہے۔

یہ یاد ہو گا کہ مین نے میر بابا کو فیض آباد بھیجا تھا۔ دو چار دن کے بعد مین نے اُسے لکھ بھیجا۔ کہ دونون فوجین ساتھ لیکے رشطک آجاؤ۔ میرا ارادہ ہے کہ کتغان کے میر اور سردارون کے خلاف غزا کا اعلان دوں۔ کیونکہ یہ کمبخت مسلمانون کو دنیا مین ترقی کرنے سے روکتے ہین۔ اور ان کی راہ مین کانٹے بچھاتے ہین۔ مگر میر بابا نے مجھے یہ صلاح دی کہ آپ خود آیئے لوگون سے تعارف پیدا کیجے اور پھر اس کے بعد کتغان پر دھاوا بول دیجے۔ غرض کہ مین فوراً فیض آباد روانہ ہو گیا مین نے اپنے ساتھ میر محمد عمر (رشطک کے گورنر) دو ہزار سوار اور دس پانچ سردارونکو لے لیا۔ مقام آراگو کے آتے ہی ہم سب ٹھیر گئے۔ اور یہان دم لینے کیلئے اُترے۔ رات کے وقت میرے خاص ذاتی ملازم نے جو مجھے چاء پلایا کرتا تھا جگایا اور کہنے لگا ایک معمولی سا آدمی بالکل پھٹے حالوں آپکے پاس آنا چاہتا ہے۔ مین نے فوراً اُسے بلایا۔ اس نے ایک خط دیا جس کا یہ مضمون تھا۔

"مین یعنی راقم خط ایک افغانی سوداگر ہون۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میر بابا خان نے بدخشان کے اور افسرون اور اپنے میر منشی دبیر سے رائے لیکے اس کا ارادہ کیا ہے کہ آپ کو قید کر کے انگریزون کے حوالے کر دین تاکہ بدخشاں کی حکومت اُن کے گھرانے مین رہے۔ لہٰذا آپ فیض آباد نہ آیئے"۔

ساری رات اسی اُدھیڑ بُن مین بڑی بے چینی سے کٹی۔ صبح کے وقت میر محمد عمر اور رشطک کے سردارون کو بلایا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ ان لوگون نے خط کو پڑھا اور کہا واقعی میر بابا

بہت بڑا محسن کش ہے۔ اس سوداگر نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے۔ اس بدباطن کا کیا ٹھیک ہے۔ محمد عمر نے عرض کیا کہ مین تو مدّت سے میر بابا کے خون کا پیاسا ہون۔ میری اس کی ہمیشہ سے بگڑی رہی۔ اب فیض آباد جانا ٹھیک نہیں۔ مین نے کہا تمہاری مرضی ہو تو تم واپس چلے جاؤ۔ لیکن مین تو رُکتا نہیں۔ میر بابا کی کیا حقیقت ہے۔ اس وجہ سے میر محمد عمر اور اس کے سوارون کو یہان سے واپس کر دیا۔ کہ وہ جا کے رستاق کی حفاظت کرین۔ مین نے عبد اللہ کو بھی ساتھ کر دیا کہ اس کا بھید لیتا رہے اور وقتاً فوقتاً مجھے اس کی اطلاع بھی کرتا رہے۔ خدا کی نامتناہی رحمت اور امداد کے بھروسہ پر قدم آگے بڑہایا اور اپنے راستے پر ہو لیا۔ دو چار میل گیا ہون گا کہ ایک پہاڑی آئی جسے رازگان کہتے ہین۔ یہان سے معلوم ہونے لگا کہ میر بابا چھ ہزار سوارون کا سرگروہ بن کے میری طرف زورون مین چلا آرہا ہے۔ اپنے جوانوں کو یہین ٹھہرا دیا۔ مین نے کہا کہ مین اکیلا جاتا ہون۔ ہان اگر ان لوگوں کی تیوری بدلی پاؤ تو فوراً گولی مار دینا۔ گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کے میں میر بابا سے جا ملا۔ بہت اچھی طرح یہ لوگ پیش آئے۔ پھر مین نے اپنے سواروں کو اپنے پاس بلا لیا۔ اب مین فیض آباد کے سوارون کی طرف مخاطب ہو کے کہنے لگا۔ آپ لوگ۔ سُنا گیا ہے بڑے اچھے شہسوار ہیں۔ مین آپ کی گھوڑ دوڑ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ یہ سوار گھوڑ دوڑ مین پھنس گئے۔ ادہر پشتون مین اپنے نوجوانوں کو اشارہ کر دیا کہ وہ میر بابا کو گھیرے مین لے لین۔ میر کو اپنے حلقے مین لئے برابر فیض آباد کیطرف بڑہتے گئے۔ جب شہر مین داخل ہو گیا تو تیس سوارون کو دروازہ پر مقرر کیا اور قلعہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔

تین دن گزرنے پر غلام حیدر کے پاس میر بابا کے نام ایک خط آیا کہ اب تک عبد الرحمن کو قید کر کے کیون نہین یہان بھیجا۔ اسی طرح دوسرے دن شاہ بخارا کا خط آیا۔ لکھا تھا کہ غلام حیدر میرے خیر خواہوں مین سے ہے اور اس نے اس ملک کو میری نذر کرنا چاہا ہے۔ اس لئے تمہارا (میر بابا) فرض ہے کہ عبد الرحمن کو جہان تک ہو سکے جلدی قید کرو۔

یہ بھی یارون نے اُڑا دی تھی کہ میں روسیہ کے پنجے سے نکل کے بھاگ آیا ہوں۔ میرے قتل کی کوئی تدبیر کرنے والا نہین۔ میر بابا جس کا ایمان خدا پر نہین تھا اور محض دولتمندوں

قیدخانہ سے باہر نکالا تھا - دو دن کے بعد میں یہاں سے روانہ ہوگیا اور ہماری پہلی منزل شہد مین ہوئی - جو بدخشان مین ہے اور اُسے کشم بھی کہتے ہین یہان ایک اور پُرانا قلعہ تھا جو قلعہ جعفر کے نام سے مشہور تھا سلطان مراد کا قاصد آگے بڑہنے کے لئے اصرار کر رہا تھا لیکن مین نے انکار کر دیا کہ جبتک میر بابا اور رشطاک کے سوار میرے ساتھ نہ ہولین گے میں آگے نہیں بڑہ سکتا - دیر کرنے سے میری غرض یہ تھی کہ اس عرصہ میں فوج سلطان مراد کی اچھی طرح خبر لیلے -

چھٹے دن یہ خبر ملی کہ بلخ کی فوج نے میر سلطان مراد کو شکست دیدی - وہ اپنے بال بچوں اور کلاب کے سابق بادشاہ کے ساتھ کہیں بھاگ گیا - اس کے بعد یہ پتہ لگا کہ یہ لوگ ہماری طرف آرہے ہین اور اب تھوڑی ہی سی دور رہ گئے ہین - اسی وقت عبداللہ خان کو چالیس سواروں کے ساتھ بھیجا کہ وہ میری طرف سے استقبال کرے -

جب یہ بدنصیب آگئے تو مین نے ان کو اطمینان دیا کہ گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہین کرنے کا - اور اگر وفاداری اور انسانیت سے میری خدمت کی تو مین بہت مہربانی سے پیش آؤنگا - مین نے میر سلطان مراد سے وعدہ بھی کر لیا کہ جب خدا میرے دن پھیرے گا تو مین تمہین کتغان کی حکومت سپرد کر دوں گا - مین نے اس کو عبداللہ خاں کے ساتھ کر دیا کہ وہ چھہ سو سواروں کو لیکے طالع خان جائے اور بستی والون کو میرے اتحاد اور خلوص کا میری طرف سے اطمینان دے -

میں نے بھی یہاں سے طالع خان کا راستہ کیا اور وہاں دو دن میں جا پہنچا -

ساتواں باب

میری تخت نشینی

سنہ ۱۸۸۱ء

ادہر تو یہ ہو رہا تھا اور ادہر غلام حیدر کی بقیہ بلخی فوج سے جنگ ہو رہی تھی - کیونکہ سردار سرور کے قتل سے یہ سب کے سب باغی ہوگئے تھے - اس نے اپنے تین جنگی توپخانے - تین ہزار رسالہ کے سوار اور ایکہزار پیدل خاص کے جوان لئے اور تختہ پول کی طرف روانہ ہوا - باغیون نے جاکے تختہ پول کے قلعہ مین پناہ لی تھی - یہ قلعہ میرے والد بزرگوار اور دوست محمد نے بنوالیا تھا اور پانچ برس

میں بن کے تیار ہوا تھا۔ میں بارہ برس کا تھا جب مین نے اس کا تذکرہ سنا تھا۔ اب میری عمر ۴۳ برس کی ہے مجھے اب تک وہ ساری باتین یاد ہیں اور بالکل یہی معلوم ہو رہا ہے جیسے کہ مین نے کل سُنی تھیں یہ قلعہ شاہی خاندان کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ اگر وقت بے وقت ضرورت پڑے یا کابل ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے اور ہمین کسی غیر سلطنت کے حملے سے جان بچانی ہو تو یہ کام دیسکے اور تھا بھی بہت ہی مضبوط بنا۔ غلام حیدر نے قلعہ کے باہر پہنچ کے باغیوں پر قلعہ میں گولیون کا مینھہ برسانا شروع کیا۔ سخت مقابلہ کے بعد جس میں دونوں برابر رہے۔ باغیوں نے زور سے پکارا "ہم باغی نہیں ہیں بلکہ غلام حیدر اور قزلباشیون کے خلاف اس وجہ سے لڑ رہے ہین کہ انہون نے تمہارے اور ہمارے ویساوہی کے بادشاہ کے لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے شاہی خاندان کے ساتھ وفاداری کرین" یہ سُنتے ہی فوج نے لڑائی سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور اپنے جرنیل (غلام حیدر) اور قزلباشیوں پر ٹوٹ پڑی۔ جرنیل اپنے دو سو ذاتی جانبازوں اور قزلباشیوں کیساتھ مزار کی طرف بھاگا۔ فوج نے اس بُری طرح پیچھا کیا کہ دریائے جیحوں اور درہ عبدہ سے ہوتا ہوا اس نے بخارا جاکے پناہ لی اور اپنا سارا مال اور اپنے بال بچوں کو سپاہیوں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ سپاہیوں نے اُن کے گھر والوں کو قید کر لیا اور قزلباشیون کا اور اس کا سب مال و اسباب لوٹ لیا۔

باغیوں نے میرے دو افسروں کو بھی قید خانہ سے باہر نکالا۔ اور ان کو بڑے بڑے عہدون پر مقرر کیا تشکر خان۔ کتنخان۔ شیر خان۔ سری پول اور آقچہ کی فوجوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اُنہون نے بھی غلام حیدر کے افسرون کو قید کر لیا۔ اس وقت میں چھ ہزار شطلکی اور دو ہزار کشمی سواروں کے ساتھ طایع خان پہنچ گیا تھا۔

غلام حیدر پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اس کے تمام افسر اور فوج کو جو اس کے بھانجے کی نگرانی مین تھی کندوز کی فوجوں نے گھیر کے بُری طرح مارا۔ اور اس بلائے ناگہانی کی خوف سے بہت سے افسر تو بے اوسان ہو کے بھاگے اور اس کے بھانجے نے نہایت مایوسی کے ساتھ اپنے کو گولی مار لی کہ وہ فوج کی بے رحمیوں کا شکار نہ ہو۔ اب کیا تھا تمام فوج نے دست لبستہ حاضر ہو کے مجھے سلام کیا۔ سر جھکا کے میں نے خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا کی اور دعا کی کہ "اے خدا۔ بیشک تو اس بات پہ قادر ہے کہ ملک کو کافروں کے پنجے سے محفوظ رکھے۔ اور بلاشبہ تو ان کے ساتھیوں کو سزا

دے سکتا ہے اور یہان والوں کی ہر طرح سے مدد کر سکتا ہے۔ تو ہی سب پر حاوی اور سب کچھ تیرے ہی دست قدرت مین ہے "

ابھی کچھ فوج کندوز ہی مین پڑی ہوئی تھی کہ مین نے سردار عبداللہ کے ہاتھ ان کے نام ایک خط بھیجا جس مین مین نے ان سوارون کی وفاداری کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ تم لوگ میرے دینی بھائی ہو اور میرے جزو بدن ہو۔ مین سردار عبداللہ کو تمہاری خیر و عافیت پوچھنے کے لئے بھیجتا ہوں اور تم لوگوں کو معلوم ہو کہ مین یہاں خیریت سے ہوں کیونکہ ابھی تو ملاقات کی نوبت نہین آئیگی مجھے چند روز یہان ٹھیر کے رسد اور نقدی کا بند وبست کرنا ہے۔

مین تو طالع خان مین پڑا رہا۔ سردار عبداللہ نے دریائے کندوز کو عبور کیا اور میرا خط پہنچایا۔ فوج کو جب میرا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے اس خاص خوشی میں سارے لشکرگاہ میں روشنی کی اور آتشبازی چھوڑی اور خوب دعوتیں ہوئیں۔ اور حضور انور شافع روز محشر کی روح اطہر پر درود بھیجی اور خدا سے دعا مانگی کہ اپنے حبیب کے طفیل مین افغانستان کے مسلمانون کو انگریزوں کے حملے سے بچایا ان کے دل ہماری طرف پھیر دے۔

فوج نے مجھے خط کے ذریعہ سے مبارک باد دی اور لکھا ہم سب کو یقین ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اس لئے کہ اس نے ایک ایسے افسر کی ماتحتی سے بچایا جو ہم کو اپنے پیروں سے روندنا چاہتا ہے اور اب آپ جیسے سردار کو ہماری رہنمائی کے لئے بھیجا مین نے خدا کے اس فضل و کرم کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اتنے آدمیوں کے دل میری طرف پھیر دیئے۔

دو روز تو مین نے میر بابا خان میر فیض آباد کا انتظار کیا۔ اخیر جب وہ نہین آیا تو اس کو ایک خط لکھا کہ تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ ہے۔ بابا خان نے عرض کیا اس خیال سے کہ فوج نے آپکی اطاعت قبول کر لی ہے مین نے آنے کی ضرورت نہین سمجھی۔ فوراً ہی میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ تم بہت جلدی میرے پاس حاضر ہو۔ اور نہین تو مین تمہارے پاس آؤں گا۔ اسنے اپنے مشیرون اور مصاحبوں سے اس معاملہ مین رائے لی۔ سب نے یہی صلاح دی کہ وہاں جانا چاہیئے ورنہ وہ خود کوئی فوج بھیجیں اور آپ کی بربادی کا سامان کرین۔ مصاحبوں کی آخر سُن لی اور چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ طالع خان مین مجھ سے آکے ملا۔

صبح کو میر بابا۔ میر عمر اور میر سلطان مراد اور ان کے ماتحت سرداروں کو مین نے دربار مین بلایا۔ اور جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو مین ان سے اس طرح مخاطب ہوا" تم کو معلوم ہے کہ مین اب کس حالت مین ہوں۔ دیکھو مین جہاد کرنے آیا ہوں۔ اور ہماری فوج کے پاس نہ تو کھانیکا سامان ہے اور نہ روپے پیسے کا کچھ ٹھیک ہے۔ اس ملک پر حکومت کرنیوالونکا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق روپے سے مدد کرین اور یہان کی رعایا کو یہ کرنا چاہئے کہ وہ سواروں کو اپنا مہمان سمجھے اور کھانے پینے کا فکر کرے۔ دو گھر پیچھے ایک بھیڑ اور ایک بوری گیہوں یا جو کے آٹے کی ضرورآنی چاہئے۔ بس اور مین آپ کو تکلیف نہیں دونگا"۔ مین نے ان لوگوں سے کہا اس کا جواب مجھے کل ملجائے اور اس کے بعد دربار برخاست ہوا۔ سردار اسحٰق کو بھی ایک خط بھیجا کہ جب سے تم میمنہ کی طرف گئے ہو اس وقت سے تمہارا حال نہیں معلوم ہوا اور مین بہت خوش ہونگا اگر تم مزار آجاؤ اور میری عدیم الفرصتی کے زمانہ میں اس ملک کا کام سنبھالو۔ یہ خط اُسے بیابان اندکوئی مین ملا اس کے دیکھتے ہی اسکی طبیعت مین شوق پیدا ہوا کہ میں وہاں جاؤن دوسرے کہین اس نے یہ سنا کہ مین نے بدخشان اور کتغان فتح کر لیا ہے اس وجہ سے وہ فوراً مزار کی طرف روانہ ہو گیا اور تیسرے دن وہان پہنچ کے مجھے لکھا کہ میں حاضر ہوں لیکن اب میری فوج کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں رہا۔

اس عرصہ مین میروں اور سرداروں نے اقرار کیا کہ ہم آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہین فی الحال تین لاکھ نقد روپے کا بندوبست کیا ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کرینگے اگر پھر ضرورت پڑی تو اس خیال سے کہ آپ ہمین ایک ایسے دشمن کی زد سے بچا رہے ہین جس سے ہم لوگ بالکل ناواقف ہیں ضرور اور بھی کچھ آپ کی خدمت مین پیش کرین گے۔ غرضکہ ہر طرح وہ میری امداد کے لئے موجود تھے۔ اس کے بعد مین نے حکم دیا کہ کچھ رسد کا سامان خان آباد کے قلعہ مین رکھا جائے اور کچھ تھوڑا سا دوسری جگہ۔ جب ذرا حالت درست ہوئی تو سردار اسحٰق کو لکھ بھیجا کہ اب تم باربرداری کے بارہ ہزار اونٹ یہاں بھیجو۔ مین سب پر خورونوش کا سامان لدوا کے تمہارے پاس بھیجدونگا۔ ان ہی دنوں میں ایک تاشکرغان کا سوداگر جس کا نام یار محمد خان تھا میرے پاس کچھ تحفے لیکے حاضر ہوا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اتنے سوداگروں میں سے اکیلا یہی

شخص کیون حاضر ہوا۔ بہر حال مجھے پتہ چلگیا کہ بلخ کے سابق وایسرائے یا حاکم نے سرکاری روپے
میں سے چار ہزار روسی طائی سکے۔ دس ہزار بخاری طلائی سکے۔ ساٹھ ہزار کابلی روپے۔ اور
سَو روپے والے دو ہزار نوٹ غبن کیے۔ اس کے بعد بخارا کے خاص خزانہ سے کچھ اڑایا اور دو چار
ہزار روپے اس سوداگر کے پاس بھی رکھہ گیا ہے۔ اور یہ سوداگر میرے پاس اس غرض سے آیا کہ وہ
مجھے اس معاملہ کی اطلاع کرے۔ مین نے اس آدمی کے ساتھ اپنے ذاتی ملازم فرامرز کو (ہرات
کا موجودہ سپاہ سالار) بھیجا کہ وہ تشکرغان جاکے روپے لے آئے۔ یہ دونون وہان گئے اور ایک
بڑی رقم لیکے وہان سے واپس آئے۔

دوسرے دن نوروز (نئے سال کا پہلا دن) تھا۔ اس کی خوشی مین چھہ ہزار افغانی لڑکیوں اور
عورتوں کو جنہین ترکمان شیر علی کی وفات کے بعد اپنی غلامی میں لائے تھے مین نے حکم دیا کہ وہ
آزاد کرکے اپنے اپنے رشتہ دارون کے حوالے کی جائیں۔ میرے حکم کی تعمیل ہونیسے پہلے میر باباخان
نے میرے قاصد کو قید کرلیا۔ اور میری نسبت یہ رائے قایم کی کہ ان کو انگریزوں سے بہت جلد
لڑنا چاہیے اور اگر ان عورتون کی رہائی میں کچھہ دیر ہوئی تو میں پھر سمجھونگا۔ میرے بہت سے قاصدوں
کو میر بابا نے مار ڈالا۔ ایک بیچارہ دریا مین کود پڑا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کے مجھہ تک پہنچا
اور یہ سارا معاملہ مجھہ سے کہا۔ یہ سُن کے مجھے میر بابا کی طرف سے بالکل اطمینان نہین رہا۔ اس کو
معہ اس کے چند ساتھیوں کے قید کرلیا۔ مین نے میر محمد عمر کو فیض آباد کا حاکم مقرر کیا۔ اور اس کے
بھائی کو رشطک کا۔ اس کے بعد ان مظلوم عورتوں کے رہا کرنے کا پھر حکم دیا اور میری اہلیہ کے
بھائی شیر غان کے قید خانہ میں پڑے ہوئے تھے انکے آزاد کرنے کا بھی حکم دیا۔ مین نے ان تمام مظلوم
قیدیوں کو رہا کرکے ان کے دوستون کے پاس بھیجدیا۔ اور سچے دل سے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ
آج اس نے مجھے ایسی قوت عطا کی جس سے مین نے اپنی قوم کی مدد کی۔ دوسرے دن جب میں
کندوز مین داخل ہوا تو سپاہیوں نے ایک سو ایک توپین میری سلامی کے لئے سر کیں۔ مجھے دیکھہ کے
بہت خوش ہوئے اور میرے سامنے دو سو افسر ونکو لائے جو میرے دشمن تھے اور محض مجھے خوش
کرنے کے لئے ان کی گردنین مارنا چاہتے تھے۔ مین نے ان کو منع کردیا اور سب کو چھوڑ دیا۔
جب صبح ہوئی تو مین توپخانہ کا معائنہ کرنے کے لئے گیا۔ ابھی یہاں سے فارغ نہوا تھا کہ ایک عجیب

واقعہ پیش آیا۔ یعنی دفعتاً مین نے دیکھا کہ ایک شخص آگے بڑہا۔ اس نے جھک کے مجھے سلام کیا اور میرے پیروں پر گر پڑا۔ مین نے اُسے اُٹھایا تو وہ تنظر حیدر کا لڑکا نظر محمد سرور نکلا۔ جس نے سمرقند مین میرا ساتھ چھوڑا تھا۔ پہلے تو یہ اپنی ندامت کی وجہ سے کچھہ شرمندہ رہا لیکن جب مین نے اس کا قصور معاف کر دیا تو اس نے کہا "مین کابل سے آپ کے نام کا ایک خط لایا ہوں"۔ جب مین اپنے خیمہ پر واپس آیا تو اس نے کہا کہ "اب مین انگریزی سفیر کا قاصد بن کے آیا ہون۔ مین نے پہاڑ ہندو کش کی چوٹیوں کو بڑی مشکل سے طے کیا ہے اور وہان برف بڑی شدت سے پڑ رہی ہے"۔ مین نے اس خط کو کھولا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

"محبی سردار عبدالرحمن خاں عالی مرتبہ۔ آپ کا دوست گیریفن بعد اظہار شوق ملاقات یہ عرض کرتا ہی کہ سرکار انگریزی کو آپ کے کتغان تشریف لانے سے بہت خوشی ہوئی۔ اور اس سے زیادہ خوشی ہو گی اگر آپ یہ تحریر فرمائیں کہ آیندہ کیا ارادہ ہے اور روس کے ملک سے کیسے آنا ہوا۔ مین آپ کی خیر و عافیت خداوند کریم سے ہمیشہ نیک چاہتا ہون"۔

مین نے اس خط کو پڑھ کے اپنی فوج کو سنایا۔ کیونکہ میرے اور سرکار انگریزی کے تعلقات کی یہ ابتدا تھی۔ اور یہ مناسب نہین سمجھا کہ بغیر فوج کے مشورہ کے مین اپنی طرف سے کسی قسم کا جواب دون مجھے مفسد آدمیوں سے اب بھی خوف تھا کہین وہ یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ یہ تو انگریزوں سے ملا ہوا ہی ہمارا ملک یوں ہی ملکے نکلوا دے گا۔ اور پھر میرا سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔ مین نے اپنے دل مین کہا کہ اب اس موقع پر یہ بھی دیکھنا ہے کہ خارجی معاملات کے انجام دینے میں یہ لوگ مجھے کتنا اختیار دیتے ہیں۔ خط کو خوب بآواز بلند پڑھ کے سنایا۔ اور سرداروں سے کہا کہ آپ بھی اس کے جواب کا مسودہ تیار کرنے مین میری مدد کریں۔ مین بغیر آپ کی صلاح کے کوئی کام نہین کرنا چاہتا۔ سرداروں نے دو روز کی مہلت مانگی۔ تیسرے دن کوئی سو خطوں کا ڈھیر میرے آگے لاکے ڈال دیا۔ کوئی لکھتا ہے "اے انگریزو۔ تم ہمارا ملک چھوڑ دو یا تو ہم تم کو مار کے نکال دیں گے اور یا خود مر جائینگے" بعض نے لکھا کہ جو کچھہ ہمارا نقصان ہوا ہے پہلے اس کو پورا کر دو جب ہم کہیں کچھہ معاملات کی بات چیت کریں گے۔ ایک دوسرے نے لکھا ہم کو سو کروڑ روپیہ دو تو ہم اپنے قلعے اور توپخانے درست کریں۔ ورنہ ہم ایک انگریز کو بھی زندہ نہ چھوڑین گے کہ وہ پشاور تک صحیح سلامت پہنچے جیسا کہ

ایک مرتبہ ہو چکا ہے - ایک سردار نے لکھا "اے دغا باز کافر - تم نے ہندوستان دہوکے سے لیا - اور اب تم اسی طرح افغانستان لینا چاہتے ہو - جبتک ہو سکے گا ہم تمہارا مقابلہ کرین گے اور پھر اس کے بعد اور کوئی سلطنت روس جیسی ہماری شریک ہو کے تمہارا مقابلہ کریگی" الغرض کہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی بے سروپا باتیں تھیں - ان خطوں کو مینے سب کے سامنے زور زور سے پڑھا اور کہا اب مین ایک خط تمہارے سامنے لکھتا ہوں جس مین تمہیں یہ نہ شبہہ ہو کہ پہلے ہی سے کسی سے پوچھہ کے لکھہ لیا ہے - کاغذ کا ایک ٹکڑا اور قلم لیکے مین بیٹھہ گیا اور اس ذات پاک سے مدد مانگی جو تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے کہ اے خدا آج مجھے وہ قوت دے جس سے مین اس خط کا ایک نہایت موزون جواب لکھوں - پھر میں نے سات ہزار ازبکوں اور افغانیوں کے سامنے یہ لکھا "بجناب مہربان گیریفن صاحب عالی مرتبہ قایم مقام سرکار انگریزی -

مجھہ راقم خط (سردار عبد الرحمن خاں) کا سلام قبول ہو - مجھے آپکے خط دیکھنے سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے کتغان آنے کی خبر بڑی خوشی کے ساتھ سنی - آپنے جو دریافت کیا کہ میں نے روس کا ملک کیوں چھوڑا تو اس کی نسبت یہ عرض ہے مین نے جنرل کاف مین صاحب وایسرائے اور روسی سلطنت کی اجازت سے ایسا کیا - میری غرض بس یہی کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں اپنی قوم کی مدد کرون - تسلیم و آداب وغیرہ وغیرہ -

مین نے اس خط کو فوج کے آگے پڑھ کے سنایا اور پوچھا کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہین - انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ کی ماتحتی میں اپنے دین اور ملک کے لئے لڑنا چاہتے ہیں - ہمیں نہین معلوم بادشاہوں سے کیسے خط کتابت کرتے ہین - اللہ اور اس کے رسول کی قسم کھائی اور انہوں نے مجھے اختیار دیا کہ جو چاہو لکھو" اور باواز بلند یہ کہا "اے چار یار جو تو نے لکھا سب صحیح ہے اور ہم سب اس سے راضی ہین - چار یار یعنی صحابہ کرام (ابو بکرؓ - عمرؓ - عثمانؓ - علیؓ) افغانی جنگ کے موقع پر جب انہین کوئی خوشی ہوتی ہے تو چار یار کے نعرے بلند کرتے ہین -

چونکہ میرا خط انہین پسند آیا اس لئے یہ نظر محمد سرور (قاصد) کو دیا گیا - جو چار روز دم لینے کے بعد کندوز سے کابل روانہ ہوا -

نظر محمد خاں سرور کے کابل روانہ ہو جانیکے بعد مینے بھی چاریکار کی طرف آہستہ آہستہ بڑہنا شروع کیا -

اور کابل میں انگریزی افسروں کے پاس زبانی کہلا بھیجا کہ مین چارا کار کی طرف فیصلہ کیلئے جارہا ہون ۳۰ اپریل کو گیریفن صاحب نے میرے پاس پھر ایک خط بھیجا جس مین بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا تم کابل چلے جاؤ اور افغانستان کی سلطنت کو سنبھالو۔ مین نے اس خط کا ۲۶ مئی کو حسب ذیل جواب دیا۔

مہربان من مجھے جسطرح سابقاً گورنمنٹ سے امیدیں تھیں اسی طرح میں اب بھی گورنمنٹ سے ہر طرح کی امید رکھتا ہون اور آپ کی دوستانہ عنایتون نے میری بہت سی امیدون کو پورا کر دیا اس لئے کہ آپ افغانستان کی حالت سے خوب واقف ہیں کہ افغانی میری کوئی بات نہین مان سکتے۔ جبتک وہ یہ نہ سمجھہ لین کہ مین ان کی بھلائی میں ہون۔ میرے ساتھی جبتک وہ مندرجہ ذیل سوالات کا شافی جواب نہ پالیں گے مجھے کابل نہ جانے دینگے سوالات یہ ہیں۔ اول یہ طے کر دیا جائے کہ میری سلطنت کی حدود کیا رہین گی۔ ۲ دوم کیا میری سلطنت میں قندھار بھی شامل رہے گا۔ ۳ سوم انگریزی ایلچی یا انگریزی فوج افغانستان مین رہیگی یا نہین۔ ۴ چہارم برٹش گورنمنٹ کے کونسے دشمن کے مقابلہ کے واسطے مجھے تیار رہنا پڑیگا۔ ۵ پنجم میرے اور میرے ملک والون کے ساتھہ برٹش گورنمنٹ کونسی رعایتوں کے کرنے کا وعدہ کرتی ہے۔ ۶ ششم۔ ان رعایتوں کے بدلے مین مجھسے کیا خدمات لیجائیں گی۔ ان سوالات کے جواب میں اپنے آدمیون کو دکھاکے اُنسے مشورہ کرون گا۔ اس عہد نامہ پر جس کی پابندی میرے اوپر لازمی ہوگی غور کرون گا کہ مین کہاں تک اسکی پابندی کر سکتا ہوں۔ مین خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں کہ ایک دن میں اور میری قوم ان کی خدمت انجام دینے مین فرد ہوگی۔ اگرچہ گورنمنٹ کو میری امداد کی ضرورت نہین مگر دنیا میں اکثر ایسے بھی موقعے ہو جاتے ہین۔ کہ امداد لینی ہی پڑتی ہے۔

آجکل میرے پاس غول کے غول آدمیوں کے چلے آرہے تھے اور میری تابعداری اور ساتھ رہنے کی قسمیں کھا رہے تھے۔ اور سب میرے ہر طرح کی جان و مال سے خدمت کرنے کو تیار تھے یہانتک کہ جب مین پنجشہر سے چارا کار میں داخل ہوا تو اس وقت تین لاکھ غازی میرے ساتھ تھے مینے خدا کا شکر یہ ادا کیا کہ میرے ساتھ اس قدر آدمی ہو گئے۔ جو اپنے پہلے بادشاہ کی طرح میری تابعداری کرنے میں خوش ہیں اور میری مرضی کے موافق عمل کرتے ہین۔

ان آدمیوں نے مجھسے سچے وعدے کئے کہ ہم انگریزوں سے لڑنے کے لئے بالکل مستعد ہیں۔ مگر مینے اُن سے کہدیا کہ سلطنت برطانیہ سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ گورنمنٹ نے کابل

کا تخت قبول کرنے کے واسطے مجھے خود لکھا ہے -

۱۴ر جون کو گریفن صاحب نے پھر میرے پاس خط بھیجا جس مین میرے سوالات کے جواب مین حسب ذیل تحریر تھا :- مین باتباع حکم گورنمنٹ آپ کو ان سوالون کے جواب سے جو آپنے دریافت فرمائے تھے منجانب گورنمنٹ آگاہ کرتا ہوں - اولاً اس سوال کا جواب کہ کابل کے حکمران کے سلطنت غیر سے کیا تعلقات رہین گے - یہ ہی کہ جبتک برٹش گورنمنٹ کو یہ حق حاصل ہی کہ کسی غیر سلطنت کو افغانستان کی معاملات مین مداخلت نکرنے دے اور جبتک روس فارس افغانستان کے معاملات میں کوئی پولٹیکل مداخلت نہیں کرتے - یہ واضح ہی کہ کابل کے حکمران کو کسی غیر سلطنت سے سوائے انگریزی سلطنت کے پولٹیکل تعلقات کی ضرورت نہین اور اگر ایسی کسی سلطنت کا افغانستان میں دخل بیجا کرنے کا ارادہ ہو اور اس مداخلت سے کابل کے حکمران پر حملہ کیا جانیکا اندیشہ ہو تو اس وقت گورنمنٹ اگر ضرورت ہوئی تو اُسکے دفعیہ کے لئے مدد کرے گی بشرطیکہ حکمران کابل بیرونی معاملات میں گورنمنٹ کی نصیحتوں پر عمل پیرا رہے - دوم حدود کے متعلق مجھے یہ جواب ملا ہے کہ قندہار کا تمام صوبہ جداگانہ حکمرانون کی ماتحتی میں رہا ہی - اور صرف پشین اور سیبی گورنمنٹ کے قبضہ مین ہیں اسلئے گورنمنٹ اس معاملہ مین آپ سے کوئی نیا بندوبست کرنا نہیں چاہتی - اسی طرح شمال و مغربی حدود کے متعلق جن کا فیصلہ امیر محمد یعقوب خان کے زمانہ مین ہو چکا تھا کسی نئے انتظام کی ضرورت نہیں - ان خصوصیتوں کے ساتھ گورنمنٹ راضی ہے کہ آپ افغانستان پر (معہ ہرات کے جس کی مقبوضیت کی ضمانت نہیں ہو سکتی - حالانکہ گورنمنٹ کی یہ مرضی نہین ہے کہ اس کے قبضہ مین آپ کے واسطے رکاوٹیں پیدا کیجائیں) مستقل طور سے مثل اپنے پیشرؤں کے حکمرانی کرین - گورنمنٹ کی یہ بھی خواہش نہیں کہ آپ کے ملک کے اندرونی معاملات مین کسی قسم کی مداخلت کرے - اور نہ ایسے کسی مقام پر انگریزی سفیر رکھنے کی درخواست کی جائیگی - اگرچہ یہ مناسب ہو گا کہ دوستانہ خط وکتابت اور معمولی سہولیت کے واسطے کابل میں ایک مسلمان ایجنٹ گورنمنٹ کی طرف سے رکھا جائے -

۲۲ر جون کو مین نے اس خط کا مختصر سا جواب تحریر کیا مگر میں نے قندہار کو اپنی سلطنت سے علیحدہ ہونے پر رضامندی ظاہر نہیں کی - اور یہ وجہ تحریر کی کہ قندہار شاہی خاندان کا شہر تھا اور بغیر ایسے شہر کے الحاق کے سلطنت کی بالکل کم وقعتی ہوگی - خدا پر بھروسہ کر کے میں کوہستان (کوہستان

کابل کے شمال و مشرقی صوبوں مین (ایک مقام ہے جہاں افغانیوں کے بڑے بڑے سردار رہتے ہیں) سے ہوکے چاراکار میں داخل ہوا۔ انگریزی فوج میں غازیوں کی کثیر تعداد کے جمع ہونیسے بے چینی پائی جاتی تھی۔ کابل اور کوہستان کے سردار اور اور آدمی جو انگریزوں سے لڑ رہے تھے ہر روز میری اطاعت کی قسمیں کھاکھاکے میرے ساتھ شامل ہوتے جاتے تھے اور جو میرے پاس نہین آسکتے تھے وہ بذریعہ خط یا کسی اور ذریعہ سے کہلا بھیجتے تھے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کابل سے میرے مخبروں نے مجھے اطلاع دی کہ انگریزی افسر اس بات سے سخت پریشان ہو رہے ہیں کہ آپ کے خیالات اُن کی جانب سے کیسے ہیں۔

۲۰ر جولائی کو تمام سردار اور افغانی جرگوں کے سرغنوں نے جو موجود تھے چاراکار میں مجھے اپنا بادشاہ اور امیر قبول کیا۔ اور اپنے خطبہ میں میرا نام بطور اپنے حکمراں کے داخل کر لیا۔ تمام آدمی خوش تھے کہ خدا نے اُن کے ملک کو ایک مسلمان حکمراں کے ہاتھ مین سونپا۔

تسلسل واقعات نے سردار عبدالرحمٰن خاں کو ایسی حالت پر پہنچایا کہ جس سے گورنمنٹ کی خواہش اور امیدیں پوری ہوگئیں۔ والیسرائے ہند اور ملکہ معظمہ قیصر ہند کی گورنمنٹ اس بات سے خوش ہے کہ سردار عبدالرحمٰن خاں نبیرہ دوست محمد خان مرحوم عام طور سے امیر کابل قبول کرلئے جائیں۔ گورنمنٹ کو بالکل اطمینان ہے کہ جرگوں اور اُن کے سرداروں نے بارک زئی خاندان میں سے ایک ممتاز رکن کا انتخاب کیا جو مشہور و معروف عاقل اور تجربہ کار ہے۔ انگریزی حکومت کی جانب اس کے خیالات دوستانہ ہیں وہ اپنے زمانہ سلطنت میں ہمیشہ ایسے خیالات کو پسند کرتا رہے گا اس کے مقابلہ مین برٹن اعظم اس کی مدد کرتا رہے گا۔ وہ لوگ جنھوں نے ہماری خدمتیں انجام دی ہیں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرکے عبدالرحمٰن خاں گورنمنٹ انڈیا کی دوستی کا اظہار کرین گے۔

۲۹ر جولائی شملہ سے ان انگریزی افسروں کے نام جو کابل مین مقیم تھے یہ تار برقی پہنچی کہ ایوب خان نے میمند پر انگریزی سپاہ کو بڑی بھاری شکست دی۔ اس خبر کے سنتے ہی گریفن صاحب بغیر کسی روک کے ضلع پہنچے۔ اس کے ساتھ سواروں کا ایک دستہ تھا اُن کی غرض یہ تھی کہ مجھ سے ایسے مقام پر مل کے تمام آیندہ انتظامات کا فیصلہ کرلیں۔ تین روز ۳۰ر جولائی سے یکم اگست تک جلسہ ہوتا رہا۔ مین نے گریفن صاحب سے درخواست کی کہ مجھے پچھلے شرایط نامے دیدیئے جائیں تاکہ مین

اُنہیں اپنے لوگوں کو دکھلادوں - گریفن صاحب نے میری درخواست پر ذیل کی دستاویز مجھے دیدی ہ
وایسرائے اور گورنر جنرل ان کاؤنسل اس بات سے نہایت خوش ہوئے کہ آپ گورنمنٹ کی
دعوت کے بموجب کابل کو جارہے ہیں -
برٹش اعظم اس لئے آپ کو امیر کابل تسلیم کرتا ہے کہ اوّل تو آپ ہمارے دوست ہیں اور دوسرے
کابل کے مستقل حکومت کے ہونے سے افغانستان کے سردار رعایا معقول فائدہ حاصل کریگی
میں بلحاظ عہدہ وایسرائی اور گورنر جنرل ہندوستان مجاز ہوں - کہ آپ کو اطلاع دیدوں کہ گورنمنٹ
کو آپ کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کی خواہش نہیں اور نہ گورنمنٹ یہ بات چاہتی ہے کہ
آپ کی سلطنت میں کسی جگہ انگریزی رزیڈنٹ رکھا جائے البتہ دوستانہ خط وکتابت اور عام سہولیت
کی غرض سے بالاتفاق یہ مناسب ہوگا کہ ایک مسلمان ایجنٹ گورنمنٹ کی طرف سے کابل میں رکھا
جائے - آپ نے گورنمنٹ کے متعلقہ حکمران کابل دربارۂ تعلقات سلطنت غیر ضبط تحریر میں لانے
کی درخواست کی ہے - بنجانب گورنمنٹ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جبتک گورنمنٹ کو یہ حق حاصل
ہے کہ کسی غیر سلطنت کو افغانستان میں داخل نہونے دے اور جب تک روس اور فارس افغانستان
کے معاملات میں دست اندازی کرنے سے باز رہیں - یہ ظاہر ہے کہ آپ کو سوائے سلطنت برطانیہ
کے دوسری سلطنت سے سیاسی تعلقات قایم کرنے کی ضرورت نہیں - اگر کوئی غیر سلطنت افغانستان
مین دست اندازی کی کوشش کرے اور اس کوشش کا نتیجہ آپ کی سلطنت پر حملہ کیا جانا متصوّر ہو
تو ایسی صورت میں برٹش گورنمنٹ اس صورت اور اس طریقہ مین جو مناسب وقت خیال کرے
اس کے دفعیہ کی غرض سے مدد دینا منظور کرتی ہے بشرطیکہ آپ بیرونی تعلقات میں گورنمنٹ کی
نصیحتوں کا لحاظ رکھیں گریفن صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کابل تشریف لے جائیے انگریزی
افسروں کو اس سے قبل کہ وہ کابل سے روانہ ہوں آپ سے ملنے کی بڑی خواہش ہے -
مسٹر گریفن نے مجھ سے اپنی حفاظت کے انتظام اور اس فوج کے لئے جو زیر ماتحتی جنرل رابرٹ
قندہار کو اور سر ڈانیلڈ اسٹورٹ کی ماتحتی مین پشاور کو جارہی تھی سامان رسد کے مہیا کرنے کی درخواست
کی - میں نے اس معاملہ میں حسب مقدور نہایت کوشش کی اور ان کو ہر طرح سے اطمینان دلادیا
کہ ان کا حدود افغانستان مین بال بیکانہ ہوگا - مین نے مسٹر گریفن سے کہا کہ میری رائے یہ ہے

کہ جنرل رابرٹ فوراً قندہار روانہ ہوجائیں۔ اور ان کی روانگی کے بعد میں سر ڈانیلڈ اسٹورٹ سے ملاقات کروں گا۔

۸ اگست کو جنرل رابرٹ کابل سے قندہار کی جانب روانہ ہوئے اور مین نے سردار محمد عزیز خاں ولد سردار شمس الدین خاں کو معہ چند افسروں کے اُن کے ہمراہ کردیا اور ان کو ہدایت کردی کہ وہ قندہار تک جنرل رابرٹ کے ہمراہ رہیں تاکہ کوئی شخص راستہ مین اُن کا مزاحم نہ ہو۔ اور اُنکی فوج اور جانوران بار برداری کے سامان رسد کا پورا انتظام رکہا جائے۔ جرگوں نے ان افسروں کی زبانی میرا حکم سنکے کسی قسم کی مزاحمت نہین کی اس وجہ سے جنرل رابرٹ بہ حفاظت تمام قندہار پہنچ گئے اور یکم ستمبر کو ایوب خان شکست پاکے ہرات کی جانب بھاگ گیا۔

سر ڈانیلڈ اسٹورٹ اور گریفن صاحب ۱۰ اگست کو شیرپور سے پشاور کی جانب روانہ ہوے ان کی روانگی سے چند منٹ پہلے مین اُن سے ملنے گیا۔ ۵ امنٹ تک میں نے دربار کیا اور آپس میں صاحب سلامت کرنے کے بعد دوستانہ باتیں کیں۔ معاہدات کے اثنا رمیں اسبات کا بھی تصفیہ ہوگیا کہ افغانی توپخانہ کی ۳۰ توپین جو اس وقت شیرپور میں موجود ہیں مجھے دیدیجائیں اور قریب ۱۹ لاکھ روپے کے جو دورانِ قیام انگریزون نے بطور مالگزاری وصول کیا ہے مجھے واپس دیدیا جائے اور جملہ اخراجات جو فوج کی رسد مین خرچ ہوئے ہیں وہ بھی مجھے دیدیئے جائیں۔ اور وہ نئے قلعے جو گورنمنٹ نے کابل میں بنائے ہین مسمار نہ کئے جائیں۔ ان واقعات نے افغانستان کی دوسری لڑائی اور انگریزی قبضہ کا خاتمہ کردیا۔ اور اس صورت سے تخت کی باگیں میرے ہاتھ میں ہوتی گئیں تاکہ مین نحون اور قومیت اور خدمت کے پنجہ سے بہت مضبوط انکی باگونکو پکڑلوں اور تمام ملک پر ان ہی تین چیزون کو مدِ نظر رکھ کے حکومت کروں۔

افغانی اپنے ملک کو ایک مسلمان بادشاہ کے قبضہ میں دیکھ کے بہت خوش تھے اور مین خدا کا نہایت شکرگزار تہا کہ اس نے مجھے یہ خدمات سُپرد کیں اور اس طرح سے میرے آدمیون کو ان تکالیف سے نجات بخشی جو ان کو سلطنت کی تزلزل کی حالت میں پہنچ رہی تھین۔ مین نے اپنے ملک میں امن ترقی قایم کرنے میں اپنے فرائض شاہی کو شروع کیا مگر یہ کام سردست آسان نہ تھے۔

آٹھوان باب ۸

انتظام

جب میں تخت پر بیٹھ گیا اور کابل سے انگریز چلے گئے - میں انتظام و ترقی سلطنت کی طرف راغب ہوا - میں نے ان شہروں میں جو میری عملداری میں تھے عمال مقرر کئے - میں نے بڑے بڑے شہروں میں اُن آدمیونکو مقرر کیا جو لیاقت اور دیانت مین فرد تھے - چھوٹے مقامات پر جہاں کم آبادی تھی ایسے آدمی مقرر کئے گئے جو معمولی لیاقت کے تھے - وہ آدمی جن کا اس طرح تقرر کیا گیا حسب ذیل ہیں - اوّل گورنر - اور معتمد معہ عملہ متعلقہ - دوم قاضی اور ان کے ماتحت - سوم کوتوال معہ عملہ پولیس سکرٹری اور محکمہ راہداری کے افسروں کی تقرّری کی گئی - چہارم قافلہ باشی - اس میں میں نے ایک جماعت پنچایت کی مقرر کی اور ایک دفتر جس میں روزانہ آمدنی اور خرچ تحریر کیا جائے - دفتر متعلقہ ٹکس - (موسومہ چبوترہ) خزانہ - فوج اور دیگر اشخاص جو شہروں میں امن قایم رکھنے کے واسطے ضروری تھے بھیجے گئے -

میں نے ایک حکم مختلف قریوں اور صوبوں کے سرداروں کے نام بدیں مضمون جاری کیا کہ تم لوگ شہر میں امن قائم کرو اور اہل شہر سے نیک سلوک کرو جس کے صلہ میں تم کو انعام دیا جائیگا اور سلطنت کی طرف سے ہر طرح کا سلوک ہوگا میں نے ان سب آدمیوں کو اس بات کا پورا یقین دیا کہ اگر تم شہر میں امن قائم کرو گے اور اہل شہر سے اچھا برتاؤ کرو گے تو تم کو ضرور انعام دیا جائیگا اس انتظام سے فراغت پا کے میں نے اپنے متعلقین اور دو لڑکوں حبیب اللہ خان اور نصر اللہ خان کو جو روس مین میرے وفادار نوکروں کی سپردگی میں تھے بلا بھیجا - میں نے قندھار سے اپنے اور رشتہ داروں کو بھی بلا لیا اور اسی سال ۲۲ر نومبر کو ایک دوسری شادی کر لی - یہ خاتون جس سے میں نے شادی کی تھی ملا علی قلی کی لڑکی تھی اور اس کی ماں میری چچی ہوتی تھی - میری یہ شادی میرے چچا سردار محمد یوسف خان کے مکان میں ہوئی اور میرے چچا ہی نے اس شادی کا انتظام کیا - میرا چھوٹا لڑکا محمد عمر اسی خاتون کے بطن سے ہے جو میری پہلی بیوی ہے - تھوڑے عرصہ کے بعد میرے اہل و عیال میری ماں اور میری بہن بھی کابل میں پہنچ گئی - اور میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا کہ اس نے ہم کو ایک مدّت کے

بعد جس کو بارہ برس گزر چکے تھے اور جس زمانہ میں سوائے تکلیفوں اور سختیوں کے سہنے کچھ نہیں دیکھا تھا ایک جگہ پھر ملایا۔

ملک میں شرارت اور فساد کا مادّہ پھیل رہا تھا اس لئے میں نے خفیہ پولس اور جاسوس مقرر کئے اور ان کو حکم دیدیا کہ جو کچھ شہر کے آدمیوں کے متعلق معلوم ہو مجھے مطلع کریں۔ اس طرح جب مجھے تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ فلاں آدمی مفسد ہے اور فلاں میرا دوست اور خیر خواہ ہے میں نے اُن کے ساتھ ویساہی برتاؤ کیا۔ شریروں کو کافی سزائیں دیں اور ان کو جو میرے دوست ہوئے انعام اور اکرام سے مالامال کردیا۔ شریر اور مفسد لوگوں میں سے متعصب ملّانوں کا گروہ تھا اور وہ سردار بھی جو شیر علی اور اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سب لوگوں سے ان کے برتاؤ کے موافق سلوک کیا گیا۔ بعض ان میں سے جلاوطن کردیئے گئے اور بعضوں کو ایسی سزائیں دیگئیں جن کے وہ مستحق تھے۔ اس زمانہ میں میں نے نہایت سخت برتاؤ کیا۔ میں تمام خطوط اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس زمانہ میں کسی پر بھروسہ نہیں تھا۔

اس زمانہ میں جبکہ میرے خیالات عام نگرانی کی طرف مبذول تھے۔ دو باتیں ایسی تھیں جن کی طرف مجھے سب سے زیادہ توجہ کرنی پڑی۔ اوّل یہ کہ خزانہ روپیہ سے بالکل خالی تھا نہ فوج کی تنخواہ دیجاسکتی تھی نہ سلطنت کے اور خرچ نکل سکتے تھے۔ دوسری فوج کے پاس نہ کچھ سامان میگزین تھا اور نہ اسلحہ۔ روپیہ کے متعلق میں نے یہ کارروائی کی کہ اپنے ملک میں ایک دارالضرب مقرر کی جہاں پر سکہ ہاتھ سے بنایا جاتا تھا کیونکہ اس وقت میرے پاس کوئی کل اس قسم کی نہیں تھی یہ دارالضرب جس میں ہاتھ سے کام ہوتا تھا آج کل میری خوش قسمتی سے اس میں کلوں سے کام لیا جارہا ہی اور ایسا ہی کام ہوتا ہے جیساکہ انگریزی دارالضرب میں کیا جاتا ہی۔ اس میں ہمیشہ اصلی حالت پر ایسا ہی کام ہوتا رہیگا۔ سرکار انگلشیہ نے دارالضرب کلکتہ سے میرے پاس کچھ روپیہ بھیجا تھا۔ جس میں میں نے ۹ فیصد تانبا ملوا کے اپنے ملک کے دارالضرب میں کابلی روپئے تیار کرالئے۔

میں نے اپنے افسروں کے نام حکم جاری کردیا کہ وہ شہر میں سے چاندی خرید کر اس میں مناسب مقدار تانبے کی شامل کرکے روپیہ کا سکہ تیار کریں اس ترکیب سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ علاوہ اس کے میں نے یہ حکم جاری کیا کہ جن لوگوں کے پاس پہلی عملداری کا روپیہ باقی ہے خواہ وہ روپیہ اُن کو

بطور پیشگی دیا گیا ہو یا عمال میں تقسیم کرنے کی غرض سے عطا ہوا ہو سب خزانہ میں واپس جمع کر دیا جائے یہ روپیہ ابھی تک یا تو انہیں لوگوں کے پاس تھا جنہیں دیا گیا تھا یا اُن کاموں میں خرچ کر دیا گیا تھا جن کے واسطے وہ روپیہ عطا ہوا تھا۔

اس عام اعلان سے بعض لوگوں نے تو وہ روپیہ جو ان کے پاس قرض تھا واپس جمع کر دیا۔ اور بعض آدمیوں نے واسطے جنہوں نے روپیہ داخل کرنے میں لیت و لعل شروع کی میں نے کلکٹر مقرر کیے اور ان کو ہدایت کر دی کہ قرضداروں پر تشدّد کر کے روپیہ جلد وصول کر لیا جائے۔ میں نے اس کام کے واسطے محاسب مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ وہ اس بات کی پڑتال کریں آیا وہ تمام روپیہ جو بمد ٹیکس یا قرضی تھا وصول ہو گیا یا نہیں۔

ملک کو لڑائی۔ بغاوت اور مفسدہ پردازی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے لئے میں نے حکم دیا کہ فوج کے لئے تمام سامان اور رسد وغیرہ کا کافی انتظام کر لیا جائے۔ بار برداری کے جانور خریدے جائیں اور تمام ضروری چیزیں کافی مقدار میں مہیا کر لیجائیں۔ اسی طرح سے میں تمام ناگہانی آفات کے مقابلہ کے واسطے بالکل تیار ہو گیا۔

دوسری شکل یعنی سامان جنگ کی ضرورتوں سے نجات پانے کے واسطے میں نے رائفل توپیں۔ گولہ اور ہاتھ سے کارتوس بنانے والے مقرر کئے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہر ایک کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ کوئی کل اس قسم کی میرے پاس نہیں تھی جس سے میں کام لے سکتا۔ یہ دستکاری جس کو میرے جد امجد نے میرے والد کی نگرانی میں جاری کی تھی اور بعد میں خود میں اس کام کا نگراں رہا تھا کابل میں بہت کمی کی حالت میں تھی جس کو میں نے اب پھر ایک بڑے پیمانہ پر جاری کر دیا۔

میں نے اپنے افسروں کو بھی حکم دیا کہ وہ شہر میں ان آدمیوں سے جن کے پاس ذخیرہ موجود ہے یا جو فروخت کرتے ہیں سامان جنگ خرید لیا جائے۔ اس طریقہ سے تھوڑے ہی دنوں میں جب میں ایوب خاں کے مقابلہ میں لڑنے نکلا ہوں میرے پاس میگزین کی اگرچہ نہایت ابتر حالت تھی مگر تو بھی ۱۵۰۰۰ گولے موجود تھے۔ علاوہ ان کے میرے پاس اسلحہ اور سامان جنگ کافی مقدار میں تھا۔ یہ نگرانی میری سلطنت کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اچھے اچھے افسر شیر علی کی فوج سے منتخب کرنے شروع کئے اور ان تمام افسروں کو بلا بھیجا جو میری جلاوطنی سے پہلے میری ماتحتی میں کام کرتے

تھے اور اس طرح سے میں نے تھوڑے ہی دنوں میں ایک زبردست اور بڑی فوج تیار کر لی۔ میں نے فوج کی خدمات لینے کا طریقہ جو شیر علی خاں نے مقرر کیا تھا موقوف کر دیا اور بجائے اس کے والنٹروں کی جماعت قایم کی جس میں ہر شخص جس کی مرضی ہو اور وہ فوج کے لایق ہو شامل ہو سکتا تھا۔ میں نے زخمی اور بیمار سپاہیوں کے واسطے ہر ایک کیمپ اور بٹالن میں شفاخانے مقرر کر دیئے اور سپاہیوں کی تعلیم کے واسطے مدرسے کھول دیئے اور مسافروں کی حفاظت کے واسطے پہرہ چوکیاں مقرر کیں سوداگروں کو یہ یقین دیا گیا "وہ میرے ملک میں بلا خوف و خطر سفر کر سکتے ہیں میں نے انکی ہمت دونوں بیرونی اور اندرونی تجارت کی ترقی میں بڑھائی۔ اس کے بعد میں نے پیمایش کرنے والے مقرر کئے تاکہ وہ سڑکوں کی درستی کریں۔ اور مقامات مناسب پر کارواں سرائے تعمیر کریں۔ کہ مختلف انتظام کے نگراں رہیں جس سے مسافروں کو آرام ملے اور ملک میں امن ہو جائے۔ میں بالتفصیل اُن سب باتوں کو بیان نہیں کر سکتا جن کی طرف مجھے اپنی شروع سلطنت میں ملک کو منصف گورنمنٹ بنانے کیواسطے توجہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ میری سلطنت کیحالت بالکل ذیل کے قصہ کی طرح تھی۔ اور اس سے یہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کن کن باتوں کا انتظام ضروری تھا۔

ایک شخص نے جبکہ ٹھیکہ داروں کو اپنے لئے ایک باغ تیار کرنے کا ٹھیکہ دیکر اُن کو پیشگی روپیہ دیدیا اور ان سے شرط ہو گئی کہ اتنی مدت میں کام پورا کر دینا ہو گا۔ ٹھیکہ داروں نے روپیہ اپنے خرچ میں اُٹھا ڈالا اور باغ کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں کی۔ جب وقت معینہ گزر چکا ٹھیکہ داروں نے مالک کو اطلاع دیدی کہ باغ بالکل تیار ہے اور وہ اُس کو باغ کی طرف لیچلے۔ مگر جب مالک نے باغ کو دیکھکر کہا کہ اس میں درخت تو لگے ہی نہیں۔ ٹھیکہ داروں نے جواب دیا کہ سوائے اس کے کہ درخت نہیں لگے اور سب کام ہو گیا ہے۔ مالک باغ نے جب یہ دریافت کیا کہ اس میں کوئی نہر نہیں جس سے باغ سینچا جائے تو انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ صرف نہر ہی نہیں نکلی ورنہ سب کام تیار کر دیا گیا ہے۔ مالک نے کہا اس میں دیوار بھی تو نہیں ہے جس سے باغ کو جانور نقصان نہ پہنچا سکیں۔ تو اُن سے وہی جواب ملا کہ دیوار ہی باقی رہ گئی اور تو سب کام ختم ہو چکا ہے۔ جب مالک نے پوچھا زمین میں ہل تک نہیں چلا اور تم کہتے ہو باغ تیار ہو گیا۔ تو ٹھیکہ داروں نے کہا کہ اس زمین میں ہل چلنا باقی ہے سوائے اس کے اور کچھ کام باقی نہیں چھوڑا۔

افغانی سلطنت بالکل اسی حالت مین تہی - ہر ایک چیز موجود تہی - مگر وہی چیز نہ تھی جو ترقی کے واسطے ٹھیک ہوتی -

اس وقت جب میں جنوب مشرقی اطراف اور کابل کے اندرونی انتظامات مین مشغول تھا مینے سردار عبداللہ خاں توخی کو بدخشاں کا گورنر مقرر کیا اور اپنے چچازاد بھائی محمد اسحاق کو سردار عبدالقدوس خاں کے ساتھ ترکستان کا ویسرائے بنایا تاکہ یہ دونوں وایسرائے میری ہدایتوں کے مطابق ملک کے جنوب مغربی صوبجات کا انتظام کریں - جنوب مشرقی سرحدات ابھی تک انگریزوں کے قبضہ میں تہیں کیونکہ وہ قندہار میں موجود تھے اور انہوں نے اپنی جانب سے شیر علی ولی کو منتظم مقرر کردیا تھا - پھر انگریزوں نے جب وہ قندہار سے گئے ہیں شیر علی ولی کی پنشن مقرر کردی تہی جو کراچی میں جاکے مقیم ہوگیا تھا -

۲۱ اپریل ۱۸۸۱ء میں قندہار انگریزوں نے خالی کردیا تھا - کل صوبہ مجھے سونپ دیا اور پھر میں نے اس صوبہ کو اپنی سلطنت کے ساتھ شریک کرلیا -

جہاں تک مجھے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ ولی مفصلہ ذیل اسباب کی بناپر انگریزوں نے قندہار سے نکالا تھا -

(۱) محمد ایوب نے تمام قسم کی تیاری قندہار پر حملہ کی غرض سے کرلی تہی بکثرت فوج بہی جمع ہوگئی تھی شیر علی میں اس سے مقابلہ کرنے کی ذرا بھی قوت نہ تہی -

(۲) شیر علی سے سب ناراض تھے اور ہر شخص اُسے بُری نگاہوں سے دیکھتا تھا ہر وقت اُس کی جان خطرہ میں پھنسی رہتی تھی اور اُسے ڈر تھا کہ کیا تو غدر ہو جائے گا یا مجھے کوئی قتل کردیگا -

(۳) میں نے کوئی معاہدہ قندہار سے دست بردار ہونے کے لئے نہیں کیا تھا - میں نے نہ اس بات کی کوئی مرضی ظاہر کی تھی کہ میں قندہار دیدوں گا مگر جب انگریزوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس شہر پر قبضہ کرلوں تو میں نے بڑی پُھرتی اور پریشانی سے اس شہر پر قبضہ کرلیا کیونکہ یہ شہر میرے اب وجد کا خاص وطن ہی -

میں نے لیتے تو لیلیا لیکن جب یہ خیال آیا کہ قندہار کی حفاظت کیونکر ہوگی تو میری زبان سے بیساختہ یہ نکل گیا مصرع "کہ عشق آساں نمود اوّل ولے اُفتاد مشکلہا" کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ عنقریب ایوب قندہار پر حملہ کرنے والا ہے اور میرے پاس جنگ مدافعت کی تیاری کرنے کا پورا وقت نہیں ہے مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ کابل کی حالت ٹھیک نہیں ہے اگر مین جنگ میں مبتلا ہوگیا تو پھر کابل کس پر چھوڑونگا

وہاں اُونٹ ابھی کل سے بیٹھا ہی نہیں ہے۔ لڑائی کوئی ایک دو روز میں تو ختم ہونے سے رہی ضرور ہے کہ کئی مہینے تک جاری رہے اس عرصہ تک کابل سے غیر موجودگی پر مجھے اندیشہ ہے مبادا فساد ہو جائے اور پھر میں دیکھتا کا دیکھتا رہ جاؤں۔

ایک طرف تو یہ خیال تھا اور دوسری جانب یہ سوچتا تھا کہ اگر سلطنت کابل کے ساتھ قندھار نہیں رہا تو اس کی مثال ایسے سر کی ہوگی جس میں ناک نہ ہو یا ایسے قلعہ کی مثال ہوگی جس کے دروازے نہ ہوں۔ میں اس وقت دنیا کے سامنے گویا آخری بزدل پیش ہوا جو ہر قسم کے خوف سے کانپا جاتا ہو اور جس کی حالت اپنے اب وجد کے تخت پر قبضہ کرنے سے سخت ناگفتہ بہ ہوگئی ہو کبھی مایوسی اور کبھی امید اس وقت میں امید و بیم میں غلطاں و پیچاں ہو رہا تھا۔ یہ تو مجھے آنکھوں سے دکھائی دے رہا تھا کہ میرے آگے خطرہ عظیم ہے اور مجھے اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ پھر بھی میں نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس بات کا عزم بالجزم کر کے کہ جہاں تک ممکن ہو تمام مشکلات کا مقابلہ کروں گا میں نے انگریزوں سے قندھار لے کے ہاشم خاں کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔

پھر سب سے زیادہ قاضی کی عدالت مقرر کی گئی اور اس عدالت میں نہ صرف مذہبی امور کے متعلق مقدمات دائر ہوئے بلکہ دیوانی اور ہر قسم کے مقدمات رجوع ہوتے ہیں۔ تمام معاملات اور مذہبی

ہر شہر میں امیر نے بڑے بڑے انتظامی محکمے مقرر کر دیئے تھے اور انتظام کی زنجیروں میں بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایسا جکڑ دیا تھا کہ کوئی اُف نہیں کر سکتا تھا۔ جہاں مستغیث چاہتا اپنے مقدمات کو منتقل کرا سکتا۔

گورنر تمام شہر کی عدالتوں کا افسر گنا جاتا تھا۔ اور اسی کے ہاں اپیل ہوتی تھی لیکن وہ بھی بغیر جلسہ حکام اپنی رائے سے کسی مقدمہ میں فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔

گورنر کا بڑا فرض یہ قرار دیا گیا کہ وہ زمینداروں سے محاصل سرکاری وصول کرے اور زمینداروں کے جھگڑے کا فیصلہ کرے اور شاہ کے احکام وقتاً فوقتاً عہدے داروں اور رعایا کو پہنچائے۔

چھوٹے چھوٹے گورنروں پر امیر کے ہاں اعلیٰ گورنر بھی مقرر ہیں اور ان پر وایسرائے جن کا لقب نائب الحکمار ہے اور تمام ویسرائوں۔ کل جنگی اور دیگر محکمہ جات پر امیر کے بڑے بیٹے شہزادہ حبیب اللہ خاں مقرر تھے جن کی عدالت عدالت العالیہ کہلاتی تھی

جھگڑے ٹنٹوں کا یہیں فیصلہ ہوتا ہے۔ طلاق۔ وراثت اور نکاح کے متعلق یہیں فیصلہ کیا جاتا ہے اس عدالت کے چیف جج کو قاضی کہتے ہیں اور اس کے ماتحت جج مفتی کہلاتے ہیں۔ سب مل کے ہر مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔

فوجداری کے مقدمات میں کوتوال کو بڑا اختیار دیا گیا ہے اور کسی دوسرے افسر کو اتنا اختیار فوجداری کے مقدمات میں نہیں ہے۔ ایک طرح سے کوتوال فوج پولس کا اعلیٰ افسر ہے اور عدالت فوجداری کا جج بھی ہے اور اس کے اختیار میں محکمہ خبر رسانی بھی ہے۔ غرض کہ مشرقی ممالک میں جو اختیارات کوتوال کو حاصل ہوتے ہیں وہ بھی یہاں دیئے گئے ہیں۔ تمام مشرقی کتابوں میں کوتوال کے اختیارات اور مظالم کی داستانیں ہم نے بارہا پڑھی ہیں۔ کوتوال چھوٹے چھوٹے فوجداری کے مقدمات تو خود فیصل کر دیتا ہے اور سنگین مقدمات پائے تخت بھجوا دیتا ہے۔

قافلہ باشی وہ افسر ہے جس کے فرض میں داخل ہے کہ وہ مسافروں کے لئے اونٹ اور باربرداری کے جانور بہم پہنچائے۔ یہ بھی اس کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی نگرانی رکھے کہ جو لوگ کرایہ کرتے ہیں اور جانور دیتے ہیں انہیں لوگ دھوکا تو نہیں دیدیتے۔ جو شخص اونٹ وغیرہ کرایہ کرتے ہیں وہ اپنی کمیشن ان سے لے لیتا ہے۔ اور اپنی کمیشن کا ایک ایک کوڑی کا حساب گورنمنٹ میں داخل کر دیتا ہے اس محکمہ کے کل اخراجات گورنمنٹ اٹھاتی ہے اور کمیشن وغیرہ کا جو کچھ روپیہ آتا ہے وہ گورنمنٹ خزانہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

بورڈ آف کامرس سوداگروں کے جھگڑے کا تصفیہ کرتا ہے۔ ایک میر مجلس ہوتا ہے اور بہت سے ممبر ہوتے ہیں جن کا انتخاب ہندو مسلمان تاجروں کے جرگوں سے کیا جاتا ہے۔

محکمہ محاصل صرف ان مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے جو محاصل کے متعلق دائر ہوتے ہیں۔ محکمہ میں محاصل کے جمع کرنے کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جس میں سالانہ آمدنی جمع ہوتی ہے۔ زمیندار سالانہ محاصل وہاں داخل کر دیتے ہیں۔

روزنامچہ میں روزانہ آمد و خرچ درج ہوتا ہے اور اس رجسٹر میں تمام اُن زمینداروں کی ایک فہرست ہوتی ہے جو سرکار میں محاصل ادا کرتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ فلاں زمیندار اتنی رقم سالانہ ادا کرتا ہے۔

چبوترہ یا ٹیکس وصول کرنے کے افسر۔ یہ محکمہ چنگی کا روپیہ وصول کرتا ہے جو اشیائے تجارت پر لگایا گیا ہے اور جس کا نرخ ڈہائی فی صدی ہے۔ یہی چنگی کل بیرونی اور اندرونی تجارت پر لگائی گئی ہے خزانہ شاہی۔ محاصل اور ٹیکس کا روپیہ وصول کرنیوالے بطور خود روپیہ نہیں لیتے صرف احکام شایع کر دیتے ہیں کہ اتنا روپیہ فلاں شخص پر واجب الادا ہے اور پھر وہ احکام خزانہ میں آجاتے ہیں کہ اتنا روپیہ فلاں شخص سے لیلیا جائے اور ہر ٹیکس وغیرہ ادا کرنے والا وہ روپیہ داخل خزانہ کرتا ہے ہر چھوٹے بڑے شہر میں ضرورت کے موافق تھوڑی سی فوج رکھی جاتی ہے۔

ان تمام محکموں کی سالانہ رپورٹیں براہِ راست پائے تخت بھیجی جاتی ہیں اور یہ کل رپورٹیں افسر اعلیٰ کی خدمت میں پیش ہوتی ہیں۔

نواں باب ۹

ہرات کا الحاق

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ جب میں تخت کابل پر بیٹھا ہوں تو میری زندگی پھولوں کے بچھونے پر نہیں گزرتی تھی۔ تمام قسم کی پیچیدگیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اب رشتہ داروں رعایا اور میرے آدمیوں سے مجھے لڑنا پڑا۔ کابل میں مجھے ایسی دقتیں پڑ گئیں کہ میں جنگ کی تیاری نہ کر سکا حالانکہ جنگ کی آفت میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ جب انگریزوں نے محمد ایوب خاں کو شکست دی ہے تو وہ قندہار کو چھوڑ کے ہرات پر قابض ہو گیا تھا اور جس دن سے اُسے شکست ہوئی تھی وہ برابر جنگی تیاریاں کر رہا تھا۔ بہت سی زبردست فوج جمع کر کے وہ ہرات سے قندہار کی طرف روانہ ہوا۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ مجھے پہلے سے اس کا کھٹکا لگا ہوا تھا وہ میرے سامنے آگیا۔

بہت سی باتیں اس وقت ایوب خاں کی تائید اور میری مخالفت میں موجود تھیں اس کے پاس سامان جنگ بہت اچھا تھا اور فوج کی تعداد بھی بہت تھی۔ دوسری سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جاہل ملانوں نے مجھ پر جہاد کا فتویٰ دیدیا تھا کہ ہر مسلمان کو عبدالرحمٰن پر جہاد کرنا فرض ہے انہوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن انگریزوں کا دوست ہے جو اس سے قتال کرے گا غازی ہو گا۔

ایوب کے پاس بارہ ہزار تعلیم یافتہ سپاہی بفصلہ ذیل افسروں کی ماتحتی میں تھے۔ حسین علی کمانڈر انچیف

نائب حفیظ اللہ ڈپٹی کمنڈر انچیف جنرل تاج محمد پسر ارسلا خاں غلزئی - سردار حسن خاں - سردار عبداللہ خاں پسر سردار سلطان خاں نبیرہ محمد عظیم خاں سردار احمد علی پسر محمد علی - نور خاں - سردار عبدالسلام پسر قاضی محمد سعید -

ایوب چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ خوشدل پسر شیر دل کو ہرات میں چھوڑ آیا تھا - سردار شمس الدین اور سردار ہاشم جو میری طرف سے قندہار کے گورنر تھے مفصلہ ذیل افسر ایوب سے جنگ کرنیکے لئے مقرر کئے - غلام حیدر توخی کمنڈر انچیف سردار محمد حسن پسر سردار خوشدل قندہاری قاضی سعید الدین (جو آجکل ہرات کا وسیرائے ہے) پیادہ فوج کی سات رجمنٹیں - دو توپخانے - سات رجمنٹیں باقاعدہ رسالہ کی - تین ہزار ملیشا سوار اور سات رجمنٹیں ملیشا پیادہ فوج کی -

بتاریخ ۲۰ جولائی ان دونوں فوجوں کا مقابلہ بمقام کرزیہ ہوا جو گرشک کے قریب تھا - اور بہت سخت جنگ ہوئی - اول ہی اول قندہاری لشکر کی فتح ہوئی جو نہایت شجاعت سے لڑا اور داد مردانگی دکھائی - ایوب کا سارا رسالہ ہر طرف سے پس پا ہو کے بھاگا صرف اسّی افسر ایوبی فوج کے معہ چند ساتھیوں کے میدان جنگ میں رہگئے - اور یہ بھی یوں ہوا کہ یہ لوگ سمجھ بیٹھے تھے کہ جان بچا کے بھاگنا محال ہے کیونکہ کل فوج انہیں چھوڑ کے چلدی تھی اس لئے اُنہوں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ بھاگ کے کتے کی موت مرنے سے یہی بہتر ہے کہ میدان جنگ میں مرد میدان بن کے سر دیدیا جائے -

باہم متفق ہو کے وہ یکایک قندہاری فوج پر جھپٹے اور سیدھے فوج میں رستہ پیدا کرتے ہوئے کمنڈر انچیف اور قاضی سعید الدین کی طرف بڑھے - ان مٹھی بھر سپاہیوں سے شکست کھا کے قندہاری رسالہ بھاگ گیا سردار عبداللہ خاں اور ایوب کے کئی افسر اس جنگ میں کام آئے - ایوب کی بن آئی وہ سیدھا قندہار پر بڑھا اور بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے قبضہ کر لیا -

میرے سرداروں میں سے ہاشم اور غلام حیدر قلات چلے گئے اور سردار حسن مکہ بھاگ گئے - شمس الدین خرقہ میں چھپ گیا ایوب نے وعدہ کیا تو اس مقدس عمارت سے باہر نکل آ میں تجھے کچھ نہیں کہنے کا کہتے ہیں جب وہ باہر نکل آیا تو ایوب نے اُسے خوب بیدیں ماریں -

جب میں نے یہ کیفیت سُنی تو ناچار بادلِ ناخواستہ حبیب اللہ خاں کو بطور گورنر کابل اور پروانہ خاں کو کمنڈر انچیف فوج کا چھوڑ کے کابل سے روانہ ہو گیا اس وقت میرے ساتھ بارہ ہزار فوج تھی اور یہ

افسر تھے۔ غلام حیدر چرخی کمنڈر انچیف۔ فرامرز کمنڈر انچیف اول کی وفات ہو چکی اور ثانی ابھی تک ہرات میں موجود تھے۔ غلام حیدر خاں توخی کمنڈر انچیف اور بھی بہت سے افسر تھے جن کے نام گنانے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔

جب میں ایوب خاں کی ۲۰۰۰۰ فوج کے مقابلہ میں قندہار کی جانب روانہ ہوا تو قریب ۱۰۰۰۰ آدمیوں کے توخی آندرا اور دوسرے فرقوں کے میرے ہمراہ ہو گئے تھے۔ اکثر مولویوں نے مجھپر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا تھا اور ان فتووں پر مولویوں نے اپنے دستخط کر دیئے تھے۔ بعض آدمیوں کا یہ بیان ہے کہ ان فتاوے پر ایوب خاں نے مولویوں سے خلاف مرضی دستخط کرائے تھے۔

میں بہت جلد کوچ کرتا ہوا چند روز میں موضع تموریان میں جو قندہار سے چار میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گیا۔ ایوب خاں نے جب یہ دیکھا کہ میں موضع تموریان میں پہنچ گیا اس نے مقام خیل ملّا عالم سے جو قندہار سے ایک میل سے فاصلہ پر ہے اپنا کمپ اٹھالیا اور خاص شہر قندہار چلا گیا۔

۲۲ ستمبر ۱۸۸۱ء کو دونوں فوجوں کا قندہار کے میدان میں مقابلہ ہوا مگر ایوب خاں کی فوج اس کی بعض غلطیوں کی وجہ سے جو اس نے لڑائی کے شروع ہونیسے پہلے کیں ہمت ہار چکی تھی۔ ایوب خاں کی اوّل تو سب سے بھاری غلطی یہ تھی کہ اس نے قندہار سے باہر نکل کے میری فوج کی مزاحمت نہیں کی اور بجائے اس کے کہ وہ خود مجھپر حملہ آور ہوتا اُس نے مجھے حملہ کرنے کا موقع دیا۔ دوم اس نے قندہار کو غیر مقبوضہ حالت میں چھوڑ دیا۔ تیسرے اس نے مقام خیل ملّا عالم کے چھوڑنے میں فاش غلطی کی۔ چوتھے شروع جنگ سے اخیر تک وہ لڑائی میں شامل نہیں ہوا بلکہ کوتل چہل زینہ سے جو میدان جنگ سے ½ میل پر واقعہ تھا بیٹھا ہوا لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں کہ جس سے اسکی فوج کا ہمت ہارنا تعجب خیز نہ تھا۔ کیونکہ فوج نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ خود نہیں لڑتا بلکہ ہماری جانیں ضایع کرتا ہے پانچویں ایوب خاں نے ۷۰۰ سواروں کے ایک رسالہ کو متذکرہ بالا پہاڑی کے دامن میں اس غرض سے پوشیدہ کر دیا تھا کہ جب لڑائی گھمسان کی ہونے لگے تو ان سواروں سے ایکدم حملہ کرا دیا جائیگا۔ مگر ایوب خان خود ایسا پریشان ہو گیا تھا کہ اُسکو رسالہ یاد بھی نہ آیا۔ اور یہ لوگ لڑائی کے ختم ہونے تک بالکل معطل رہے۔ اور لڑائی میں کچھہ امداد نہ دیسکے۔ یہ لوگ چٹان کے نیچے پڑے رہے۔ اور میدان میں اپنی صورت بھی نہیں دکھائی جس سے ان کی فوج کی ہمت بڑھ جاتی۔ مگر توپچی لائق اور بہادر افسر اور مرد میدان سپاہیوں نے خوب جی توڑ کے

میدان جنگ میں کام کیا۔ ایوب خاں کے توپ خانہ نے جو پرانی قندہار کی چوٹی پر تھا بہت اچھا کام دیا۔ دو گھنٹے کامل لڑائی ایسے زور شور کی ہوتی رہی کہ غالب و مغلوب کی تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ میری فوج یمین و یسار کی جانب سے ہٹنے لگی تھی۔ لیکن اس فوج کی جو قلب لشکر میں مشغول پیکار تھی۔ ہمت میں فرق نہ آیا۔ کیونکہ میں خود مع پیدل سپاہیوں سے اُن کے جوش کو بڑھا رہا تھا میری فوج کا ہر ایک سپاہی ایسا لڑائی میں مشغول تھا کہ اس کو اپنے سر پیر کا بالکل ہوش نہ تھا۔ یہاں تک کہ جوش میں آکے خاص میرے اردلیوں کو لڑائی میں شریک کر لیا تھا اور اب صرف میرے پاس میرا ایک سائیس رہ گیا تھا۔ اس موقع پر جب میں برابر لڑائی میں آگے بڑھا چلا جاتا تھا ایوب خاں کی فوج میں کمزوری نظر آنے لگی۔ اور چونکہ میرے عہد حکومت سے قبل سپاہیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ دونوں گروہوں میں سے جس کسی کو عین موقع جنگ میں غالب دیکھتے تھے تو مغلوب کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے اسی دستور کے موافق میری خاص فوج کی چار رجمنٹوں نے جو اس وقت سے جبکہ وہ مقام گرشک پر مغلوب ہوئیں اور محمد ایوب کے ہمراہ تھیں اپنی نظریں بدل لیں اور انہوں نے ایوب خاں کی فوج پر جب وہ جان توڑ کے لڑ رہی تھی بندوقوں کے فیر کر دیئے۔ میری فوج نے جب یہ دیکھا تو ایک سخت حملہ کیا اور بندوقوں اور سنگینوں سے دشمن پر ٹوٹ پڑی جس سے ایوب خاں کی فوج ہر طرف بھاگ نکلی اور وہ خود ہرات بھاگ گیا۔

میں جب کابل سے قندہار روانہ ہونے لگا تھا تو میں نے سردار قدس خاں کو ترکستان سے ہرات پر حملہ آور ہونے کے واسطے حکم دیدیا تھا۔ کیونکہ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ ایوب خاں ضرور ہرات کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ جائے گا۔ سردار قدس خاں نے میرے حکم کے بموجب ۰۰ھ رسالہ کے سوار اور ۰ھ پیدل اور دو پہاڑی توپوں کے ساتھ ہرات پر حملہ کر دیا۔ لوئی نائب خوشدل نے جس کو ایوب خاں ہرات میں چھوڑ آیا تھا کچھ آدمی میری فوج کے روکنے کیواسطے بھیجے مگر وہ پس پا کر دیئے گئے اور میری فوج ہرات پہنچ گئی۔ خوشدل میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ خود میدانِ جنگ میں آتا۔ اور لڑائی میں شریک ہوتا۔ اس نے یہ ترکیب کر رکھی تھی کہ روز چند آدمیوں کو قدس سے لڑنے کے واسطے بھیجدیتا تھا۔ ۱ھ اگست کو قدس خاں نے ایک سخت حملہ کر کے قلعہ کو فتح کر لیا۔

میں ناظرین کی آگاہی کی غرض سے یہ بیان کئے دیتا ہوں کہ قدس خاں جب کابل میں انگریز موجود تھے وہ تاشقند میں مجھسے ملنے کے لئے روانہ ہوا تھا لیکن میں نے اس وقت خود کابل کو چھوڑ دیا تھا جب

قدس خاں سمرقند پہنچا تو میں نے اُسے کہلا بھیجا کہ میرے پہنچنے تک تاشقند میں رہے۔ میں شاید اپنے اس سوانح میں کسی جگہ ذکر کر چکا ہوں کہ سردار سرور خاں۔ اسحاق اور قدس خاں کو ترکستان کے انتظام کے واسطے بھیجا گیا تھا اور قدس خاں آج کے دن تک میرا نہایت جان نثار ملازم بنا رہا۔
ایوب خاں کو جب ہرات کے راستہ میں یہ معلوم ہوا کہ اس کے سواروں نے ہرات کو کھو دیا اور اب اس پر میرے آدمیوں کا قبضہ ہے تو وہ مشہد کی طرف بھاگ گیا۔ اب میں نے فرامرز کمانڈر انچیف کو معہ رسالہ پیدل اور توپخانہ کے فوراً ہرات کیجانب کوچ کرنے کا حکم دیدیا اور قندہار کا بخوبی انتظام کر کے میں کابل روانہ ہوگیا۔
ایک مُلا جس نے مجھپر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور الہام گو کے بھیس میں عبادت گاہ میں رہا کرتا تھا۔ میں نے اس کے واسطے حکم دیا کہ عبادتخانہ میں ایسے بدخصلت کا رہنا مناسب نہیں۔ میرے حکم کے بموجب اس مُلا کو عبادت خانہ سے باہر نکالدیا گیا اور میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔
جب میں کابل پہنچا تو مجھے پروانہ خاں ڈپٹی کمانڈر انچیف اور اپنے لڑکے حبیب اللہ خان کی خدمات سے بہت خوشی حاصل ہوئی میرا لڑکا حبیب اللہ خاں اس زمانہ میں بالکل بچہ تھا لیکن اس نے بہت بڑا کام یہ کیا کہ سپاہیوں میں جاکے میری جانب سے انکو جوش دلایا۔ وہ مطلق پریشان نہ ہوا نہ اُسے اس لڑائی سے کچھ خوف ہوا بلکہ ہر بات میں وہ مردانہ خاں۔ میرزا عبد الحمید خاں اور دیگر افسروں کے مشورہ میں جنکو میں نے اس کی نگرانی کے واسطے مقرر کیا تھا شریک ہوتا رہا۔ اس زمانہ میں جب میں کابل میں موجود تھا کوہستان اور حسارک کے آدمیوں نے اور محمود باشندہ کنار عبد الرشید۔ جمعہ خان۔ محمود حسین باشندہ دروک نے عام غدر مچادینے کی کوشش کی تہی۔ مگر اُن افسروں کی حکمت عملی اور دوستانہ دباؤ سے جنہیں میں کابل چھوڑ آیا تھا کسی خاص مشکلات کا سامنا نہیں ہوا۔
محمد ایوب خاں کی شکست اور ہرات کے قبضہ سے میں اپنے آبا و اجداد کی سلطنت پر پھر قابض ہوگیا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ملک اور سلطنت کا اپنے آپ کو مالک سمجھوں مجھے بہت کچھ کرنا باقی تھا کیونکہ میں کسی مقام پر پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر ایک مُلا اور ہر ایک سردار قصبہ و فرقہ اپنے آپکو ایک آزاد اور خود مختار سمجھتا تھا اور قریب دو سو برس کا زمانہ ہو چکا تھا کہ گورنمنٹ کی جانب سے ان کی آزادی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔ ترکستان اور ہزارہ کے میر۔ اور غلزئی کے سردار اپنے امیر سے زیادہ طاقتور تھے۔ اور جبتک ان کی حکومت رہتی بادشاہ اپنے ملک میں انصاف نہیں کر سکتا تھا ان لوگوں کی

زیادتیاں اور ظلم ناقابل برداشت تھا۔ یہ تو ان لوگوں کی معمولی دل لگی تھی کہ مرد یا عورت کا سر کاٹ کے جلتے ہوئے لوہے کی چادر پر ڈال دیا اور ان سروں کے تڑپنے کا تماشا دیکھتے رہے۔ اس سے بھی سخت ترین مظالم کئے جاتے تھے جنکو میں بیان نہیں کرتا اسلئے کہ میری کتاب کے ناظرین ان واقعات کو پڑھنے سے لرز لرز اُٹھیں گے۔ ہر ایک سردار۔ افسر شاہزادہ اور خاص بادشاہ کے پاس قاتلوں۔ لٹیروں اور چوروں کا گروہ موجود رہتا تھا جن کا یہ کام تھا کہ مسافروں۔ بیوپاریوں اور شہر کے متمول سوداگروں کو لوٹ لیتے تھے اور ان کی جائداد اور مال کو تباہ و برباد کر دیتے تھے اور مال مسروقہ ملازمین اور آقاؤں کے درمیان تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ ان ڈاکوؤں میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ گروہ تھا جو بندوقوں اور رائفلوں سے مسلح رہتے تھے۔ میں کسی دوسرے باب میں اس کا ذکر کرونگا کہ مجھے ان لٹیروں میں سے دو سر غنوں سا دوادر دادو سے کتنی دفعہ جھگڑا کرنا پڑا اور انہوں نے میری فوج کو چند مرتبہ شکست دی۔ ان میں سے ایک اس وقت پنجرہ میں بند ہے اور اس کو لتا بند پہاڑی کی چوٹی پر لٹکا دیا گیا ہے۔

ان مُلانوں میں بہت آدمی مذہبی طریقہ پر عجیب عجیب لٹیرے پن کی تعلیم دیتے تھے جو مذہب اسلام اور پیشوائے دین رسول برحق سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے بالکل خلاف تھی۔ لیکن ملانوں کی اس تعلیم کا لوگوں پر اثر ہو جانا صرف اس سبب سے تھا کہ ہر ایک ملک میں اسلام برائے گفتن رہگیا تھا۔ ملانوں کی تعلیم یہ تھی کہ آدمی کو خود کچھ کام نہیں کرنا چاہئے بلکہ دوسروں کے مال چھین لینے اور آپس کے لڑائی جھگڑے میں زندگی بسر کرنی چاہئے۔ حقیقتاً ان میں سے ہر ایک مصنوعی بادشاہ اپنی رعایا سے طرح طرح کے ٹکس وصول کرتا تھا۔ پس سب سے پہلے کام جو مجھے کرنا چاہئے تہا وہ یہ تھا کہ ان بے شمار لٹیروں۔ چوروں اور جھوٹے پیشواؤں اور مصنوعی بادشاہوں کا خاتمہ کیا جائے۔

یہ کچھ آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ اس میں پورے پندرہ برس لڑنے میں گزرے۔ جس عرصہ میں یا تو انہوں نے پورے طور سے میری اطاعت قبول کرلی یا شہر بدر ہو گئے یا اُن کو جلاوطن کر دیا گیا یا ہمیشہ کے واسطے وہ دنیا سے رخصت کئے گئے۔ دوسرے باب میں میں ان لڑائیوں کا حال بیان کروں گا جو میرے زمانہ حکومت سے تا حال جاری ہیں اور اس کے بعد میں اپنی سوانح عمری کے متعلق دوسری باتوں کا تذکرہ کروں گا۔ سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ان لوگوں کا جو شایستگی۔ ترقی تعلیم اور ارادے میں رخنہ انداز تھے خاتمہ کر دیا جائے۔

بہت سے متعصب اور جاہل آدمی ایسے ہیں جو مجھے ان اندرونی لڑائیوں کی وجہ سے مطعون کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ میرا برتاؤ اپنے آدمیوں سے نہایت سخت تہا۔ لیکن زمانہ حال کے نہایت شایستہ ممالک میں بہی اس قسم کی کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ جس کو سب سے پہلے اپنے ہی ایسے آدمیوں سے لڑنے کی نوبت نہ آئی ہو جو شایستگی کا نام تک نہیں جانتے ہوں۔ اسی صدی میں انگلینڈ میں برخلاف اپنی گورنمنٹ کے فساد ہو چکے ہیں۔ مجھے اس بات کا دعوٰے ہے کہ میرے عہد حکومت میں میری رعایا نے شایستگی میں ایک نمایاں ترقی کی دولتمند اور مالدار میری عملداری میں رات کو بہی ایسے ہی گزر سکتے ہیں جس طرح دن میں۔ برخلاف اس کے سرحد افغانستان پر وہ حصۂ ملک جو سلطنت برطانیہ کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی شخص جب تک اس کے ساتھ کافی تعداد محافظین کی موجود نہ ہو ایک قدم بہی نہیں اُٹھا سکتا۔

دسواں باب ۱۰

میرے عہد حکومت میں ملک کی حالت

عام آدمی یہ خیال کرینگے کہ میں تخت کابل پر بیٹھ کے آرام وچین سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہونگا میرے واسطے سراسر خوشی اور آرام نصیب ہوا ہوگا۔ مگر نہیں میری حالت اس کے بالکل برخلاف تہی تخت پر بیٹھتے ہی میرے ارادے نے مجھکو جواب دیدیا۔ مشکلات۔ تکالیف۔ ناامیدی اور فکر نے چاروں طرف سے مجھے گھیر لیا۔ اس سوانح عمری کے ناظرین کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ مجھے اپنے والد ماجد اور چچا کے زمانہ حکومت میں بہی امورات سلطنت میں بہت کچھ دخل تھا مگر نہیں اس زمانہ میں تمام ذمہ داریوں سے مجھے نجات ملی ہوئی تہی۔ اور ہر ایک بات کے میرے باپ اور چچا ذمہ دار تھے یہ مثل بہت سچ ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے آدمیوں کے ساتھ ذمہ داریاں بہت ہوتی ہیں اور ذمہ داریوں کے ساتھ تشویش اور فکر بہی بڑہتا جاتا ہے۔

مذہب اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہر شخص اپنے افعال کا قیامت کے روز بحضور خداوند ذو الجلال جواب دہ ہوگا۔ مگر نہیں بادشاہ نہ صرف اپنے کاموں کا ہی جواب دہ ہے بلکہ اُسے اپنی رعایا کے آرام وآسایش ملک کے امن وصلح کا بہی جواب دینا ہوگا۔ مولانا روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں ؎ مصر کے بل کی خرابی کی

وجہ سے ایک بکری کے کھر میں چوٹ آگئی اسپر خلیفہ وقت حضرت عمرؓ خداوند ذوالجلال کی درگاہ میں معتوب ہوئے۔"
روایت ہے کہ قیامت کے روز خداوند تعالیٰ ہر بادشاہ سے سوال کرے گا کہ آج کے دن دنیا کی بادشاہت کس کی ہے۔ تمام شہنشاہ بارگاہ صمدی میں بعجز و انکسار عرض کریں گے۔ اے خدائے ارض وسما تمام بادشاہت کا تو ہی سزاوار ہے اور تو ہی سب سے بزرگ و برتر ہے۔ بارگاہ خداوندی سے اس جواب پر خطاب ہو گا کہ جب تم یہ جانتے تھے تو تم نے اپنی رعایا میں جسپر تمہیں مقرر کیا گیا تھا امن کیوں نہیں رکھا؟"

جب مجھے خداوند تعالیٰ کے روبرو جوابدہی کا خیال آتا تھا اور ساتھ ہی اسکے اپنے ملک کی ابتر حالت پر نظر اُٹھاتا تھا تو میری بے چینی اور پریشانی بڑھتی تھی۔ ملک کی ابتری اور حالت موجودہ سے مجھے اپنی ترقی دشوار ہی معلوم نہ ہوتی تھی بلکہ میں اُسے ناممکن الوقوع سمجھتا تھا۔ یقیناً کسی شخص کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ افغانستان کو ایسی ترقی نصیب ہو گی جیسے کہ خدا کی عنایت سے میرے قلیل زمانہ حکومت میں نظر آنے لگی۔ نہ صرف ملک کی سرسبزی کو ہمیشہ کے واسطے الوداع کہہ چکی تھی بلکہ ترقی کے تمام ذرایع کا خاتمہ نظر آرہا تھا۔ اور نہ صرف تمام ذرایع ترقی کے ختم ہو چکے تھے بلکہ کسی قسم کے آثار نہیں تھے۔ جس سے پایا جاتا ہو کہ ملک میں پھر ترقی کی صورت نظر آئے گی۔ مگر خدائے برتر و توانا نے جب ایسی بڑی ذمہ داریاں میرے سپرد کیں میں نے اس سے التجا کی اور دعا مانگی کہ اے رب العزت جب تو نے مجھے ایسے ملک کے آدمیوں پر حکومت بخشی ہے تو اُن کی اصلاح کرنے میں میری مدد فرما جس سے میں قیامت کے دن تیرے حضور شرمندہ نہ ہونے پاؤں۔ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اپنے صبر اور استقلال کو نہیں چھوڑتے خدا کی امداد اُن کے واسطے کافی ہے۔ اور وہی اُن کا سچا مددگار ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ غرضکہ مشکلات اور ملک کی ناگفتہ بہ حالت کے ذکر کرنے کے واسطے ایک ضخیم کتاب چاہیئے۔ مگر تو بھی میں اپنے ناظرین کی آگاہی کے واسطے تھوڑا سا حال لکھے دیتا ہوں جس سے انہیں اسبات کے جانچنے کا موقع ملسکے کہ میرے عہد حکومت سے قبل ملک کی کیا حالت تھی اور اسوقت ملک میں کس قدر ترقی ہو گئی۔ اور اب اور پچھلے زمانہ کی حالت میں کتنا فرق ہو گیا۔ میں اپنے بہت سے مشکلات میں سے بمصداق مشتے نمونہ ذیل میں کچھ حالات درج کرتا ہوں۔

سب سے پہلی مشکل جو مجھے برداشت کرنی پڑی یہ تھی کہ میں افغانستان کا بادشاہ ہو گیا مگر میرے رہنے

کے واسطے کوئی مکان نہ تھا۔ وہ مکان جس میں کابل کے امیر اور بادشاہ رہتے تھے انگریزی فوج نے مسمار کر دیئے تھے اور اس وقت کوئی مکان ایسا نہ تھا جس میں عارضی طور سے سکونت اختیار کی جا سکے۔ افغانستان میں کوئی ایسا ہوٹل بھی موجود نہ تھا جہاں پر میں رہتا۔ تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دے سکتی کہ کسی کو ایسی حالت پیش آئے کہ بادشاہ ہو کے مکان کی تلاش کرنی پڑے۔ جب مجھے کوئی مکان نہیں ملا تو مجبور جبتک میرا محل تیار ہو میں نے خیموں یا اپنی رعایا کی جھونپڑیوں میں زندگی بسر کی۔

جیسا اس سوانح عمری کے پچھلے بابوں میں ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا۔ میری عادت بچپن سے یہ تھی کہ میں کھلی ہوائیں رہنا پسند کرتا تھا اور میرا مکان ہمیشہ شہر سے باہر باغ میں رہتا تھا جہاں مجھکو تازہ تازہ ہوا ملتی تھی۔ مجھے اپنی بادشاہت کے زمانہ میں سب سے زیادہ مصیبت یہ ہوئی کہ اول مجھے ایسے مکانوں میں رہنا پڑا جہاں تازہ ہوا کا نام نہ تھا جن میں ہزاروں سوراخ موجود تھے۔ راتوں کو چوہوں کی لڑائی اور پریشان کرنیوالی دل آزار صداؤں کی وجہ سے تمام شب مجھ کو جاگتے ہی گزر جاتی تھی۔

دوسری مصیبت یہ تھی کہ خزانہ بالکل خالی تھا۔ اور کوئی چیز خزانہ میں ایسی نہ تھی جس سے ریاست کے نوکروں اور فوج کی تنخواہ دی جاتی۔ مالگزاری جو رعایا پر واجب الادا تھی اس سے دو ایک سال زیادہ کی جمع شیر علی۔ یعقوب خاں اور انگریزوں نے وصول کر لی تھی اور کسی کے پاس اتنا ہی باقی نہ تھا کہ جسے وصول کر کے کام چلایا جاتا۔

تیسرے۔ ملک میں کسی قسم کا سامان جنگ جو امن اور صلح کے واسطے ضروری ہے موجود نہ تھا۔ میرے پاس ۳۰ افغانی توپیں تھیں جن کو میں نے انگریزی افسروں سے لیا تھا۔ مگر اُن کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی توپ کی نال موجود ہے تو پہیا ندارد اور اگر پہیہ تھا تو دُھرا موجود نہ تھا اور اگر کسی میں یہ سب چیزیں بھی درست تھیں تو توپ کھینچنے کی گاڑیاں اس کی منتظر تھیں کہ کب توپ چڑھائی جائے اور کب اس کا ڈھانچ ٹکڑے ٹکڑے ہو۔ ان توپوں میں سے اگر بعض بہمہ وجوہ درست بھی تھیں تو گولہ اور سامان جنگ موجود نہ تھا۔ سچ ہے کوئی سپاہی خواہ کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو جبتک اس کے پاس لڑنیکے ہتیار نہ ہوں کام نہیں دیسکتا۔

چوتھے ہرات میری عملداری سے علیحدہ ہو کے ایوب خاں کے قبضہ میں چلا گیا تھا وہ میرے خلاف آدمیوں

کو بھڑکاتا تھا اور لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ قندہار میں انگریزوں نے سردار شیر علی کو والئے قندہار بنا رکھا تھا جو آدمیوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کرتا تھا۔ میمنہ کا گورنر دلاور میرے خلاف تھا۔ ملک میں پہلے بادشاہوں کی کمزوری کی وجہ سے شجاع۔ شیر علی۔ یعقوب۔ ہر ایک سردار سید ہو مائلا اپنے کو خود مختار بنا کے رعایا سے مالگزاری وصول کر لیتا تھا۔ بادشاہ ایسے غاصبوں کا کسی قسم کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

شیر علی کے زمانہ کے کاغذات جو اس وقت میرے دفتر میں موجود ہیں مظہر ہیں کہ اس کے زمانہ میں خون کرنے کی سزا صرف پانچ روپیہ مقرر تھے۔ یعنی مرد عورت کی جانیں اس وقت بھیڑ بکریوں کی جان سے بھی سستی تھیں۔ اس بے انصافی کی وجہ سے صرف ایک صوبہ نجراب سے جس میں ۲۰۰۰۰ خاندان ہیں ۵۰۰۰ روپے سالانہ کی آمدنی خزانہ سرکاری کو ہوا کرتی تھی یعنی ۱۰۰۰ خون سالانہ اس خاندان میں ہوتے تھے۔

شیر علی کے خاندان کے طرفدار جاہل ملا جو غازی کہلاتے تھے میرے خلاف لوگوں میں جوش پھیلاتے رہتے تھے اور ان کا وعظ یہ تھا کہ یہ شخص کافر ہے ہر ایک شخص کو اسے تکلیف پہنچانی چاہیئے کیونکہ یہ کافر انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔

طریقہ انصاف یہ تھا کہ ہر مستغیث سر دربار بادشاہ کی ڈاڑہی اور پگڑی کو پکڑ لیتا تھا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ کو اس ڈاڑہی اور پگڑی کی شرم کرنی چاہیئے اور اس ڈاڑہی اور پگڑی کے لحاظ سے ہمارا پورا انصاف کرنا فرض ہے۔ ایک روز میں حمام جا رہا تھا کہ ایک مرد اور عورت فریاد کناں دوڑے ہوئے آئے اور مرد نے میری ڈاڑہی پکڑ لی اور عورت نے پیچھے سے دھکے دینے شروع کئے۔ اس شخص نے ڈاڑہی اس زور سے پکڑ رکھی تھی کہ میں تکلیف سے بیتاب تھا

چونکہ اس وقت کوئی چوکی پہرہ والا حمام کے دروازہ پر نہیں تھا میں نے اس آدمی سے درخواست اور التجا کی کہ میری ڈاڑہی چھوڑ دے میں بلا ڈاڑہی کھینچے ہوئے تیرا انصاف کر دوں گا۔ مگر میں نے کتنا ہی غل مچایا اس نے میری ڈاڑہی نہیں چھوڑی۔ اس موقع پر مجھکو بہت افسوس آیا کاش میں انگریز ہوتا کہ میری ڈاڑہی منڈی ہوئی ہوتی۔ میں نے ان عورت و مرد کے فیصلہ کے بعد حکم دیدیا کہ آئندہ حمام پر ہر وقت پہرہ رہے۔

دربار میں یہ ایک اور نیا دستور تھا کہ جب کبھی مٹھائی آتی تھی تو بجائے اس کے کہ افسر اور وزیر اپنے اپنے حصّہ کے واسطے انتظار کریں مٹھائی پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ مٹھائی کی چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے پر گر پڑتا تھا اور ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ مٹھائی میں زیادہ کھا جاؤں۔ میں نے چند مرتبہ اس بات سے ان لوگوں کو منع کیا اور اُن سے کہا کہ یہ تمہارے اور میرے لئے بڑی شرم کی بات ہے کہ تم سر دربار مٹھائی پر جانوروں کی طرح گر پڑتے ہو مگر انہوں نے میرے کہنے کی کچھ پروا نہیں کی۔ ایک مرتبہ عید کے روز یہ لوگ حسب عادت مٹھائی پر کشتم کُشتا کر رہے تھے اور اس بیہودہ حالت کو یہاں تک ترقی ہوگئی تھی کہ میں زیادہ برداشت نہ کرسکا اور میں نے پہرہ والے کو حکم دیدیا کہ ان لوگوں کو جہاں تک تم سے ہو سکے خوب مارو۔ پہرے والوں نے میرے حکم کے بموجب میرے وزیروں اور افسروں کو جو مٹھائی پر جھگڑ رہے تھے مارنا شروع کردیا۔ ان لوگوں کا پٹنا دیکھ دیکھ کے میں افسوس بھی کر رہا تھا اور مسکرا بھی رہا تھا لیکن یہ سزا کچھ ایسی موثر ہوئی کہ آئندہ پھر کسی نے ایسی بیہودگی نہیں کی۔

سلطنت کے وزرا اور مشیران دربار کی عقلمندی کی ایک ادنےٰ مثال ہے کہ ایک مرتبہ جب روٹی آٹا نہایت گراں ہوگیا تو میں نے ایک وزیر سے اس کے دفعیہ کی تدبیر دریافت کی تو وزیر نے یہ تدبیر بتائی کہ غلہ فروشوں کے نام نہایت سخت احکام جاری کردیئے جائیں کہ وہ غلہ کی گرانی کو موقوف کردیں اور غلہ ارزاں فروخت کیا جائے۔ مجھے اس تدبیر پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور آئندہ میں نے کسی ارکین دولت سے مشورہ نہیں کیا۔

سلطنت کے دعویداروں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ان کے نام کی فہرست بنانا غیر ممکن تھا میرے اہل و عیال روس میں تھے جو ملازم میرے بھروسہ کے تھے ان کو میں نے مجبوری انتظاماً شہر میں تعینات کر رکھا تھا۔ کسی صلاح کار کے نہونے کے باعث مجھے ناامیدیوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ لیکن جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا مصیبت کے وقت انکی ضرور مدد کرتا ہے۔

ہمسایہ دول خارجہ کے معاملے میرے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتے تھے کہ اگر میں ایک طرف اپنا خیال رجوع کروں تو دوسری سلطنت مجھ پر حملہ کر دے گی۔ مورخ اور تجربہ کار مدبر سلطنت اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب سلطنت تنزل کر کے ایسی بربادی کی حالت تک پہنچ جاتی ہے

کہ اس میں طوایف الملوکی ہوجاتی ہے تو ایسی سلطنت کو طاقتور مستقل بنانے کے واسطے ایک مدت درکار ہے۔ مثال کے لئے ہندوستان کی سلطنت موجود ہے۔ جب شاہان مغلیہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن رہی تھیں تو سلطنت برطانیہ کو کیا کیا کچھہ نہ کرنا پڑا۔ کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوا۔ حالانکہ انگریزی مدبروں کی عجیب و غریب قابلیت - تجربہ اور علم زمانہ میں مشہور ہے "

افغانستان کی کمزوری کی یہ نوبت تھی اگر بادشاہ اپنے پایہ تخت سے دو تین میل کے فاصلہ پر بھی باہر چلا جاتا تو واپسی پر دوسرے شخص کو تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا پاتا اور سوائے اس کے کہ بھاگ کے اپنی جان بچاتا اور کوئی صورت نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے جب شیر علی نے اپنے سرداروں سے لڑنے کی قوت نہ دیکھی تو اس نے یہ تدبیر نکالی تھی جس کو وہ اپنے خیال میں بہت مناسب تدبیر سمجھا ہوا تھا۔ وہ تدبیر یہ تھی کہ اس نے خاص اپنے افسروں کو ہر ایک سرکش سردار پر مقرر کر دیا تھا اور ان کو قتل و غارت گری کی اجازت دیدی تھی اور اس کے لئے یہ قانون مقرر تھا کہ اگر کوئی اپنے دشمن کو مار ڈالنا چاہے تو وہ فی کس تین سو روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کر دے اور پھر جس قدر آدمیوں کو چاہے قتل کر ڈالے۔ شیر علی کے خیال کے بموجب یہ تدبیر بہت اچھی تھی۔ سب سے اول اس تدبیر سے اس کو باغیوں اور مفسدوں سے لڑنے سے نجات مل گئی وہ خود ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے دوسرے اسے تین سو روپیہ ہر ایک شخص کا جاں بہا ملنے لگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ جب خدا کسی قوم سے راضی ہوتا ہے وہ اس پر ایک رحم دل اور منصف بادشاہ کو مقرر کرتا ہے۔ اور جب وہ یہ جانتا ہے کہ کوئی قوم برباد اور تباہ ہو جائے اس پر ظالم بادشاہ مقرر فرماتا ہے۔

میری تمام سلطنت میں سالانہ اوسط قتل پانچ سے زیادہ نہیں تھی۔ جس تعداد سے بڑی بڑی شائستہ سلطنتیں بھی مشکل سے مقابلہ کر سکیں گی۔ میرے عہد حکومت سے قبل افغانستان کے آدمیوں کی شریر النفسی اور خودسری یہاں تک بڑھ رہی تھی کہ خود شیر علی کے بڑے بیٹوں یعقوب اور ایوب نے اپنے باپ کے مقابلہ پر ہرات میں بغاوت شروع کر دی تھی۔ اس واقعہ سے ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ جب خود بادشاہ کے لڑکوں کا یہ حال تھا تو رعایا کی حالت کیسی ہوگی اور انہوں نے شاہی خاندان سے

کیا کچھ سبق حاصل نہ کیا ہوگا - بقول شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ -

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ÷ - ÷ کہ بامن انچہ کرد آں آشنا کرد

بادشاہ اور اراکین سلطنت خودغرضی اور نفس پرستی کے شکار تھے رعایا کا ٹیکسوں اور بے جا محصول کی زیادتیوں سے ناک میں دم آرہا تھا - مسجدوں میں سوائے شریر ملانوں کے کسی نمازی کی صورت نظر نہ آتی تھی - جمعہ کا روز جو نہایت متبرک دن ہے اور خاص عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس روز افغانستان کے آدمی اپنا وقت بیہودہ کھیل تماشوں میں صرف کرتے تھے ان کے کھیل کی بیہودگی کی ادنے مثال یہ ہے کہ آپس میں پتھروں کی لڑائی ہوتی تھی - ایک مقام پر جو کابل کے بہت قریب واقع ہے اور رُحبا کے نام سے مشہور ہے وہاں پر اس نامہذب کھیل کی وجہ سے بیسیوں کا سر پھوٹتا تھا - اس زمانہ میں قرآن حمید کی یہ آیت کہ خدا کسی قوم کو برباد نہیں کرتا جب تک کہ قوم خود اپنے کو برے افعال سے برباد نکردے افغانستان کی بربادی کی شہادت دے رہی تھی - خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہی ملک جس کی ابتری کی یہ حالت بیان ہوئی ہے اس زمانہ میں ایک نمایاں ترقی پر ہے اور رعایا مالدار اور خوش نظر آرہی ہے استقلال اور قوت کی یہاں تک ترقی ہوگئی کہ دشمنوں کی بھی نظروں میں سماگئی اور اب وہ اس سلطنت کو ایک قوی سلطنت جاننے لگے -

وہی سرکش رعایا اب میری اس قدر فرمانبردار ہے کہ ہر ایک حکم نہایت خوشی اور خندہ پیشانی سے مان لیتی ہے - جنگ ہزارا اور کافرستان میں رعایا نے اپنی وفاداری اور محبت کا پورا ثبوت دیا وہ مجھ سے یہاں تک خوش ہیں کہ سلطنت کی ہر ایک ترقی اور تنزل کو اپنی ترقی اور تنزل سمجھتے ہیں یہ وہی رعایا ہے جس نے کافرستان اور ہزارہ کی لڑائی کے زمانہ میں سلطنت کے واسطے اپنی ذات خاص سے روپیہ دیا - مزید ثبوت رعایا کی وفاداری کا یہ ہے کہ ۱۸۹۵ء میں بلا میری درخواست کے ہر شخص نے اپنی سالانہ آمدنی کا دسواں حصہ خزانہ سرکاری میں سامان جنگ کی خریداری کے لئے داخل کردیا کہ سلطنت کو بیرونی حملوں سے نجات ملے - وہی رعایا جو میرے ابتدائے عہد حکومت میں میری جانی دشمن تھی اور ہمیشہ برسر پرخاش رہتی تھی اب میری وفاداری کا دم بھرنے لگی اور قانون کی پابندی اور شائستگی میں بڑا حصہ لے لیا - اور انہوں نے اپنے کو

صنعت و حرفت کے کام میں لگا دیا۔ جس سے سلطنت اور ان کا خود ذاتی نفع متصور ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ترقی کا سلسلہ ابھی تک میرے آدمیوں کی رفتار زندگی اور طرز معاشرت میں جاری ہے۔ آدمیوں کی وہ حالت جو مجھ سے پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں تھی بیان کر چکے بعد میں وہ واقعات جو مجھے پیش آئے بیان کروں گا۔

میں نے نہایت مستعدی سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس مقولہ کی تائید کی جو انہوں نے اپنے ایک مصاحب سے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالے پر بھروسہ رکھو لیکن اپنے اونٹ کی حفاظت کرو دو واقعات ایسے پیش آئے ہیں جنہوں نے میری تشفی کر دی اور مجھے امید ہوئی کہ میں ضرور بادشاہ بنا رہوں گا اور بالآخر مجھے میرے مقاصد میں کامیابی ہوگئی۔

ایک رات جب میں نے سلطنت روسیہ کو چھوڑا مجھے دو فرشتے خواب میں نظر آئے جو مجھے پکڑ کے ایک بادشاہ عالیجاہ کے پاس جو ایک کمرہ میں رونق افروز تھا لے گئے۔ اس بادشاہ کا نہایت خوشنما چہرہ تھا لمبی اور خوبصورت بھویں اور گول ڈاڑھی تھی اس کے چہرہ سے خلق کے آثار نمایاں تھے۔ بادشاہ ایک نیلے رنگ کی قبا زیب تن کئے ہوئے تھا اور سبز پگڑی باندھ رہا تھا۔ اس کے تمام چہرے سے ایک عجیب خوبصورتی برس رہی تھی۔ اس بادشاہ کے داہنی جانب ایک طویل القامت اور پتلے دبلے جسم کا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کی داڑھی لمبی اور بھوڑی تھی اور اس کے چہرے سے ایک ذہانت ٹپکتی تھی اسی کے پہلو میں ایک دوسرا شخص تھا جس کا اوسط درجہ کا قد تھا اور اس کے چہرے پر بہ نسبت اس شخص کے جو اس کی داہنی طرف بیٹھا تھا نہایت رعب و داب برس رہا تھا۔ اور اس کے پاس ایک قلمدان رکھا ہوا تھا۔ اس شخص کی پوشاک کسی قدر امیرانہ تھی اور بہت سے عربی میں لکھے ہوئے نوشتے جو مختلف کاغذوں پر تحریر تھے اس کے سامنے رکھے ہوئے تھے بادشاہ کی جانب چپ ایک آدمی اور بیٹھا ہوا تھا جس کی ڈاڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا اس کی مونچھیں اور بھویں گھن دار تھیں اور چہرہ پر متانت کے آثار نمایاں تھے۔ یہ شخص اُن ہر سہ آدمیوں سے جن کا ذکر میں نے کیا علیحدہ تمیز کیا جا سکتا تھا۔ یہ سب سے لمبا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک بہت بڑا چابک رکھا تھا اس کے برابر ایک نہایت خوبصورت آدمی تھا جس کی صورت بادشاہ کی صورت سے بمقابلہ اور آدمیوں کے زیادہ ملتی جلتی تھی۔ اس کا لباس قریب قریب پرانی وضع کا فوجی لباس کی طرح تھا اور ایک تلوار اس کے

پاس تھی۔ اس کے چہرہ سے نُھرتی پائی جاتی تھی اور بہادر معلوم ہوتا تھا یہ شخص ان تمام آدمیوں سے جو کمرہ میں بیٹھے ہوئے تھے چھوٹا تھا۔ جب میں اُس کمرہ میں جہاں بادشاہ مع اپنے ہر چہار اصحاب کے بیٹھا ہوا تھا پہنچا تو اُس کمرہ کی ایک کھڑکی دفعتہً کھل گئی اور ایک دوسرا آدمی بادشاہ کے پاس حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے اس آدمی سے جو ابھی حاضر ہوا تھا اپنی آنکھہ کے اشارہ سے سوال کیا جس کو میں سمجھا مگر اس کے جواب کو جو سمجھا۔" اگر میں بادشاہ ہوگیا تو دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو برباد کردوں گا اور بجائے اُن کے مساجد تعمیر کراؤں گا" بادشاہ اس جواب سے نہایت ناخوش معلوم ہوا اور اس فرشتہ سے جو اسے لایا تھا حکم دیا کہ اسے لیجاؤ جس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے مجھسے یہی سوال کیا جس کا جواب میں نے یہ دیا "میں انصاف کرونگا اور بتوں کو توڑونگا اور کلمہ طیبہ کا رواج دوں گا۔ جب میں نے یہ جواب دیا بادشاہ کے مصاحبین نے میری طرف نہایت تلطف آمیز نگاہوں سے دیکھا جن کی نظروں سے یہ بات پیدا تھی کہ مجھے بادشاہ بنایا جائیگا۔ مجھے اسی وقت یہ الہام ہوا کہ یہ بادشاہ جس کی حضوری میں میں موجود تھا رسول مقبول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دو آدمی جو داہنی طرف بیٹھے ہوئے ہیں ان کے صحابہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ اور وہ جو بجانب چپ موجود ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اس خواب کے دیکھتے ہی میری آنکھہ کھل گئی اور مجھہ کو یقین ہوگیا کہ رسول عربی اور اُن کے صحابہؓ نے مجھے اسلامی سلطنت کے واسطے تجویز کرلیا ہے اور اب میں اس ملک کا بادشاہ ہوگیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز میں اپنے ملک کے آدمیوں کی مصیبت کو سنکر خواجہ احرار کے مزار مقدس پر گیا اور وہاں جاکے میں نے امداد کی درخواست کی۔ میں مزار کے قریب بیٹھ کے اپنی ناامیدی اور مصیبتوں پر زار وقطار رویا کیا کہ اسی اثنا میں میری آنکھہ لگ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ بزرگ خواجہ کی پاک روح میرے پاس آئی اور مجھہ سے کہا کہ کابل جا اور تو ہی بادشاہ بنایا گیا۔ میرے مقبرہ میں سے ایک لکڑی لے اور اُس کا نشان بناکے اس کو اپنی فوج کے نشان کے آگے رکھہ تو ہر ایک مہم میں کامیاب ہوگا اور وہ نشان اب تک میرے پاس موجود ہے اور میری فوج نے کبھی شکست نہیں پائی۔

گیارہواں باب

میرے عہد حکومت کی لڑائیاں

جس سال ایوب خاں نے میری فوج سے شکست پائی مجھے دوسرے سردار سے لڑائی کرنی پڑی۔ یہ لڑائی سید محمود سکنہ کنار سے ہوئی تھی۔ جو وزیر اکبر ڈاکو کا داماد تھا اور اس لیے شیر علی کے گروہ کا ایک بڑا رکن سمجھا جاتا تھا۔ میرے عہد حکومت میں وہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھنے لگا تھا اور کنار کو اپنی ریاست بنا لیا تھا۔ وہ میدی نامی پہاڑی پر جو کنار سے چھ میل کے فاصلہ پر تھی رہتا تھا اور جب میں قندہار گیا تھا تو اس نے میری رعایا پر جو کنار میں رہتی تھی چار سو یا پانسو آدمیوں کی جمعیت سے حملہ کیا تھا۔ یہ اس کی بیوقوفی تھی جو اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ صرف چار سو یا پانسو آدمیوں اور پرانی توپوں سے میں بادشاہت حاصل کر لوں گا۔

عبدالرسول اور میر سینا گل افسروں سے اس کا مقابلہ ہوا مگر وہ لڑا نہیں اور بھاگ کے اسی پہاڑی پر چلا گیا جہاں اس نے جاہل متعصبوں سے سازش کر رکھی تھی۔ اس واقعہ سے چھ ماہ بعد سید محمود نے اپنی سازشوں سے بہت آدمی جمع کر لئے اور پھر میرے مقابلہ پر آیا۔ اس زمانہ میں میں قندہار سے فتح حاصل کر کے واپس آ لیا تھا۔ میں نے غلام حیدر چرخی کمانڈر انچیف اور عبدالغفار کو سید محمود کے مقابلہ کے واسطے بھیجا یا میر کمانڈر انچیف عین میدان جنگ میں گھوڑے سے گر پڑا جس کمسیلہ سے اس کا تختہ ٹوٹ گیا مگر اس پر بھی میرے بہادر سپاہیوں نے میدان جنگ کو نہیں چھوڑا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ سید محمود کو ہندوستان کی جانب بھاگنا پڑا اس طرح میں نے سید محمود پر قطعی فتح حاصل کی اور اس کے طرفداروں کے مکانات کو پھکوا دیا۔

اسی سال ۱۸۸۱ء میں شیر خاں احمد سکنہ کلمان کے لڑکے نے اپنے آپکو شیر علی مشہور کر دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ آدمی اسکو شیر علی سمجھ کر بادشاہ تسلیم کر لیں اور میری مخالفت میں اسکا ساتھ دیں۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ اپنی فتنہ پردازی سے میرے واسطے کوئی سخت مصیبت پیدا کرتا میں نے اس کو گرفتار کر لیا اور وہ قید ہی میں مر گیا۔

سال ۱۸۸۲ء میں حسب ذیل لڑائیاں ہوئیں

دلاور خاں والئے میمنہ جو اپنے آپ کو ایوب خاں اور شیر علی کے خاندان کا ممد و معاون جانتا تھا جب

اُسے یہ معلوم ہوا کہ ایوب خاں شکست کھا کے بھاگ گیا اور میں اب میمنہ کے صوبہ میں خود مختار رہونگا تو اس نے اپنی خود مختاری قایم رکھنے کی ہر ایک ممکن الوقوع کوشش کی۔ اس خواہش کے پورا کرنے کے لیے اس نے اول روسی افسروں کو امداد کے واسطے لکھا اور جب وہاں سے کسی قسم کی مدد نہ ملی تو سر رابرٹ سنڈیمن گورنر جنرل متعینہ بلوچستان کے پاس لکھا کہ میں برطانیہ سلطنت کا خیر خواہ ہوں مجھے مدد ملنی چاہیئے۔ اس تحریر کا اسے یہ جواب ملا کہ تم اپنے امیر کی اطاعت قبول کر لو کیونکہ سلطنت روسیہ اور برطانیہ اپنے عہد ناموں کی پابندی کی وجہ سے افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیسکتی جب اُسے ہر طرف سے مایوسی ہو چکی تو وہ خود آمادہ فساد ہوا۔ اور فوج کشی کر دی۔ میں نے ترکستان کے گورنر محمد اسحاق کے پاس دلاور خاں کے مقابلہ کے لیے حکم بھیجدیا جس نے میرے حکم کی تعمیل تو کی مگر مجھے یہ بات دکھائی کہ والئے میمنہ بہت طاقتور ہے اور مغلوب نہوگا جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ محمد اسحاق جیسا میں خیر خواہ اور وفادار سمجھتا تھا سلطنت کا خیر خواہ اور میرا سچا وفادار نہیں ہے اس شخص کی بیوفائی اور نمکحرامی بالآخر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔

اسی سال میں نے میر یوسف والئے شغنان و روشنان کے خلاف فوج بھیجی۔ اس مہم کے بھیجنے کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

حالانکہ میر یوسف اپنے کو خود مختار سمجھتا تھا لیکن اس کو اس کا خدشہ لگا رہتا تھا کہ مبادا میں اس کے ملک کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کر لوں اس خیال سے اس نے کوکند کے حکمراں سے عہد و پیماں شروع کر لیے۔ اور کوکند کے حکمراں نے روس سے سلسلہ عہد و پیمان جاری کیا۔ اس نے ڈاکٹر لیبیر ڈیگل کو شغنان میں مدعو کیا اور اس سے شکایت کی کہ امیر افغانستان اس کے ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ وہ اپنے کو روس کا ماتحت جانتا ہے۔ میں پہلے ہی سے بوجہ ان مشکلات کے جو اس کی وجہ سے میری عملداری افغانستان میں میرے لیے پیدا ہوئی تھیں میر یوسف سے تنگ تھا اور موقع کی تاک میں تھا اس موقع پر میرے جاسوسوں اور خفیہ مخبروں نے جو مختلف مقامات مثل کوکند۔ روشنان۔ شغنان اور بخارا میں تعینات تھے اس کے ارادہ سے مجھے اطلاع دی اور بیان کیا کہ وہ روسی سلطنت کی نگرانی میں چلا گیا ہے۔ مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی کہ وہ روسیوں کو اپنے شہر میں مدعو کرتا ہے اس خبر سے مجھے سخت تشویش پیدا ہو گئی کیونکہ اگر روس کا ایک مرتبہ بھی روشنان اور شغنان پر قبضہ ہو جاتا تو

پھر اسکو بے دخل کرنا نہایت مشکل تھا اور پھر میری سلطنت ایک غیر محفوظ حالت میں ہوجاتی۔ اس لئے میں نے جنرل قتال خاں اور سردار عبد اللہ خان گورنر کتغان کے نام حکم جاری کیا کہ وہ یوسف علی کے مقابلہ پر روانہ ہوجائیں۔ اس حکم کے ہوتے ہی وہ روانہ ہوگیا اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد یوسف علی گرفتار ہو کے معہ اپنے متعلقین کے کابل بھیجدیا گیا اور میں نے یوسف علی کی جگہ گلعذار خاں گورنر قندہار کو مقرر کردیا اور جب روسی افسر آیم آی وانف مع اپنی فوج کے شہر میں میر یوسف علی کا طلبیدہ پہنچا تو اُس نے شہر کو میرے گورنر کے قبضہ میں پایا۔ اور اسی وجہ سے سلطنت روسیہ عرصہ تک اس شہر کا دعوے کرتی رہی۔ اور بالآخر ۱۸۹۳ء میں جب سر مارٹیمر ڈیورنڈ کی مشن کابل میں آئی اس وقت اس کا فیصلہ ہوگیا۔ جب میرا ان صوبوں پر قبضہ ہوگیا تو میں نے اُن مظالم کا جو میری رعایا پر اور کرتے تھے خاتمہ کردیا۔ اور نیز نہایت سختی سے غلامی کا رواج موقوف کیا۔ مجھے یہاں میروں کی بُری عادات کا اعادہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ میں اپنی سوانح عمری میں اُن کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں۔

۱۸۸۳ء میں شنواری کے قبایل جو جلال آباد کے جنوب و شرق میں پشاور کے راستہ تک پھیلے ہوئے تھے اور جن کی موجودگی کابل کے حکمرانوں کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ میرے زمانہ حکومت میں ہی ناقابل برداشت ہوگئی۔ کیونکہ عرصہ دراز سے قافلوں کا لوٹنا اور مسافروں کو قتل کر ڈالنا اور دیہاتیوں کے زراعت اور گلوں کو برباد کردینا اور چھین لینا ان قبایل کا عام وطیرہ ہو رہا تھا۔ جب تک شیر علی کی حکومت کا زمانہ رہا پشاور کا راستہ نہایت خطرناک حالت میں تھا۔ لوٹ اور غارتگری کی وجہ سے پشاور اور کابل کے راستوں پر کوئی شخص بیخوف و خطر نہ گزر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے تمام کاموں سے یہ بات نہایت ضروری سمجھی کہ ایسی سفاکی اور بے رحمی کا جلد خاتمہ کردیا جائے اور اس مقصد کے لئے میں نے اُن آدمیوں کو جو ان قبایل کے ساتھ رشتہ اتحاد رکھتے تھے نہایت سختی سے تنبیہ کرنا شروع کیا۔

۱۸۸۳ء کے موسم سرما میں حبیب اللہ خاں اپنے لڑکے کو کابل میں بطور گورنر مقرر کرکے میں خود ملک میں امن و صلح قایم کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اور شنواری کے تمام سرداروں اور ملاؤں کو بلا کے اُن سے نہایت دوستانہ اور نصیحتانہ پیرایہ میں کہا کہ یہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے بالکل خلاف ہے کہ تم مسلمانوں کو لوٹ لیتے ہو میں نے ان کے سمجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مگر انہوں نے عرصہ دراز سے لوٹ مار کے عادی ہونے کی وجہ سے میری بات کی کچھ پروا نہ کی۔

اس موقع پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ شیر علی کے زمانہ میں شاہ مد گورنر جلال آباد نے یہ حلوم کر کے کہ شکایت کرنے والوں کی غرض یہ ہے کہ اس میں اور شنواری کے باشندوں میں رنج پیدا ہو جائے شنواریوں کی شکایت کرنے والوں کو سزا دینی شروع کر دی تھی۔

بالآخر جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ میری بات نہیں مانتے اور لوٹ مار کو نہیں چھوڑتے تو میں نے اُن کو سزا دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی زمانہ میں نور محمد جو سردار ولی محمد کا لڑکا تھا ساد اور داد و قبیلہ سالا خیل کے مشہور ڈاکوؤں کے ساتھ شنواریوں سے جا ملا اور پندرہ ہزار جنگجو آدمی میری فوج کے مقابلہ کے لئے جمع کر لئے۔ میں نے جنرل غلام حیدر خاں کو جو آپ ترکستان کا کمانڈر انچیف ہے بہ جمعیت تین دستے فوج پیادہ اور ایک رجمنٹ رسالہ کے اور دو توپخانوں کے ساتھ اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔

میری رعایا نے جو پشاور کی سڑک کے قرب وجوار میں رہتی تھی مجھ سے درخواست کی کہ ہمیں ان شریروں سے لڑنے کی اجازت دی جائے کیونکہ ہم اُن کی غارت گری اور ظلم سے تنگ آ گئے ہیں۔ لیکن میں نے ان لفظوں میں اُن سے انکار کر دیا کہ یہ میرا فرض ہے میں اُن لوگوں کو جو میری رعایا کو تکلیف دیتے ہیں سزا دوں۔ ان باغیوں سے چار مرتبہ مختلف مقامات حارک۔ آچین۔ منگل اور منگو خیل پر لڑائیاں ہوئیں۔ ان ہر چہار لڑائیوں میں باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے آدمی میدان جنگ میں کام آئے اور زخمی ہوئے۔ بعد اس لڑائی کے بہت سے باغی فرقوں نے میری اطاعت قبول کی۔ منگو خیل والے قتل کر دیئے گئے اور بقیۃ السیف تراہ کی جانب بھاگ گئے جنگ ختم ہونے پر میں نے یہ حکم دیدیا کہ ان تمام باغیوں کے سروں سے جو لڑائی میں کام آئے ہیں دو منارے ایک جلال آباد اور دوسرا شاہ مد کے رہنے کی جگہ جوان کو ہمت دلانار ہتا تھا بنائے جائیں۔ تاکہ آدمی جب ان مناروں کو دیکھیں تو اُنہیں معلوم ہو جائے کہ جو آدمیوں کو قتل کرتے اور لوٹتے ہیں اُن کی یہ سزا ہوتی ہے۔ زبان پشتو میں ایک شعر ہے جو بالکل شنواریوں کی حالت کا مصداق ہے" اگر تم برسوں متواتر کوشش کرتے رہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ سانپ اور شنواریوں کو دوست بنا سکو"

اسی سال ۱۸۸۳ء کے اخیر میں منگل ضرست کے قبیلوں نے میرے مقابلہ پر سرکشی اختیار کی۔ اس بغاوت کی وجوہات میں کسی مقام پر بیان کر چکا ہوں جو عملی طور پر تمام ملکی لڑائیوں کی بنیاد تھیں علاوہ اس کے سفرورین کی سازش اس بغاوت کا اور بھی باعث ہو گیا۔

اس بغاوت کے رفع کرنے کے لئے ایک فوج بماتحتی جنرل شرف الدین بھیجی گئی - یہ جنرل وہی سست اور نالایق افسر ہے جسکو شیر علی کے زمانہ میں سوائے تنخواہ لینے کے اور کچھ کام نہ تھا - اس موقع پر بھی یہ ان باغیوں سے نہ لڑا - اور اسی وجہ سے اس کو پابجولان کابل واپس بلا لیا گیا - اور اسکے بدلہ دوسری فوج بماتحتی جنرل قتال خاں اور یحییٰ (ایک مُلاّ) بھیجی گئی - جنھوں نے معمولی جنگ و جدال کے بعد باغیوں کو شکست دی - جو شکست کھا کے ہمیشہ کے واسطے میری فرمانبردار اور صلح پسند رعایا ہو گئے -

۱۸۸۴ء میں یہ ضروری معلوم ہوا کہ دلاور خاں والئے میمنہ کی گوشمالی کی جائے جس نے اپنے کو خود مختار حکمراں مشہور کر رکھا تھا - اور جس کے مقابلہ پر بماتحتی محمد اسحاق فوج کی روانگی بے سود ہو چکی تھی جیسا کہ پچھلے ابواب میں بیان کیا گیا ہے - میں نے ارادہ کر لیا کہ اس کو زیادہ وقت تیاری کے لئے نہ دیا جائے - دو فوجوں کو جداگانہ میمنہ کی طرف روانگی کا حکم دیا ان میں سے ایک ہرات سے بماتحتی زبردست خاں بھیجی گئی جس میں ہرات انفنٹری کی ایک بٹالن، ۲۰۰ سوار اور چھ توپیں تھیں - جمشیدی سردار یالوں و دو شخاں بھی معہ چھ سو ملیشیا سپاہیوں کے زبردست خاں برگیڈیر کے ہمراہ تھے - ۱ اپریل کو یہ فوج ہرات سے حسب الحکم زبردست خاں میمنہ کو روانہ ہوئی - اور میں نے محمد اسحاق کو ۵۰۰۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ بلخ سے روانہ کیا - قلعہ میمنہ نہایت مستحکم بنا ہوا تھا لیکن چند روز کے محاصرے اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا - اور مفتوحین نے میرے حکم کی تعمیل پر رضامندی ظاہر کی - دلاور خاں اپنے اعمال کی پاداش میں قید ہو کے کابل بھیجا گیا - میر حسن خاں جسکو دلاور نے قید کر رکھا تھا میمنہ کا دلاور کی جگہ گورنر بنایا گیا -

اسی سال جب کابل اور سلطنت افغانستان پر میرا پورا تسلط ہو گیا اور تین بڑے بڑے صوبے جن میں ہرات پر ایوب خاں کا - قندہار میں شیر علی کا - میمنہ پر دلاور کا قبضہ تھا - میرے ہاتھ آ گئے - میں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ میں دول خارجہ کی حدود پر ایسے نشانات کر دوں جن سے معلوم ہو جائے کہ یہاں سے میری حدیں شروع ہوتی ہیں -

اس موقع پر میرا مقصد مسئلہ حدبندی پر تحریر کرنے کا نہیں ہے - یہ مسئلہ ایک جداگانہ باب میں تحریر کیا جائے گا - یہاں پر اس کے بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی ان لڑائیوں کا ایک سبب ہو گیا جن کا ذکر آگے کیا جائے گا -

کمیشن حد بندی ایک طرف سلطنت برطانیہ اور افغانستان اور دوسری طرف سلطنت روسیہ کی جانب سے مقرر کی گئی تاکہ روسی اور افغانستان کے درمیان حد فاصل مقرر کر دی جائے۔ انگریزوں کی جانب سے جو کمیشن مقرر کی گئی اس کا افسر سر پٹر لمسڈن تھا۔ گورنمنٹ روسیہ نے میرے انگریزوں سے دوستانہ برتاؤ کو بہت بری نگاہوں سے دیکھا اور میری موافقت سے ناخوش ہوئے۔ میں اس کا مقر ہوں کہ میں روس کی سلطنت میں اپنے زمانہ قیام میں بہت آرام سے رہا اور میں ان مہربانیوں کو جو گورنمنٹ نے میرے اوپر کیں ہرگز نہ بھولوں گا۔ لیکن میرا انگریزوں سے دوستانہ برتاؤ کرنا چند وجہ سے تھا۔

اوّل۔ میرا ان کا عہد نامہ ہو چکا تھا اور وہ معاہدہ میرے مقاصد کے لئے بہتر تھا۔

دوم۔ انھیں یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ افغانی گورنمنٹ کا یہ مستقل ارادہ ہے کہ سرحد کا نشان کر کے روسی حملہ سے ہمیشہ کے لئے نجات پائے۔

سوم۔ انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ دولت خداداد افغانستان اور روسیہ افغانستان کے معاملہ میں بغیر انگلستان کے مداخلت کے اپنے طور پر حدود کا فیصلہ کر لیں۔

چہارم۔ میرا راولپنڈی جانا روسیوں کی نظروں میں بہت کھٹک رہا تھا۔ کیونکہ سلطنت روس کے اخباروں نے غل مچا رکھا تھا کہ ۱۸۸۰ء میں انگریز نہ عبدالرحمٰن کی دوستی کی وجہ سے اور نہ خود کابل علیحدہ ہوئے ہیں بلکہ کابل سے شکست کھا کے چلدیئے۔

میری کل وجوہات میں سے ایک وجہ راولپنڈی جانے کی یہ تھی کہ ان لغو بیانات کی تکذیب ہو جائے اور روس کو معلوم ہو جائے کہ میں انگریزوں کا دوست ہوں۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ انگلشیہ اور میرے باہمی تعلقات کو قایم دیکھ کے سلطنت روس پہلے سے زیادہ آزردہ تھی۔ متذکرۂ بالا وجہ سے یا یہ کہ سلطنت روس کی عادۃً جنوبی اطراف میں بڑھنے کی حکمت عملی پر توجہ رہتی ہے۔ پنجدہ کی طرف روس کی فوج نے بڑھنا شروع کر دیا میں نے جس طرح شغنان اور روشنان پر قبل ایم ای والف کے پہنچنے کے قبضہ کر لیا تھا۔ اس موقع پر بھی ایک بہت بڑی فوج پنجدہ کی جانب روانہ کرنی مناسب سمجھی تاکہ وہ روسیوں کا پنجدہ پر قبضہ نہ ہونے دے اور ساتھ ہی انگریزوں پر اس بات کا زور دیا کہ ایک بہت بڑی فوج بھیجکر پنجدہ پر روسیوں کا قبضہ روک دیا جائے۔

اس کا انگریزوں کی جانب سے مجھے یہ جواب ملا "جو مقامات افغانی سپاہ کے قبضہ میں ہیں اُن کو روس ہاتھ نہیں لگا سکتا"

انگریزوں کی جانب سے نہ صرف اسی قدر جواب میری تشفی کے لئے بھیجا گیا بلکہ ۱۲ فروری ۱۸۸۴ء کو سرپیٹر لمسڈن نے میرے پاس اس مضمون کی چٹھی بھیجی کہ روس اور افغانی فوج میں ہرگز لڑائی نہ ہوگی میرے اور انگریزوں کے درمیان یہ خط و کتابت ہو رہی تھی اور روسی نہایت جلد جلد آگے بڑھ رہے تھے یہاں تک کہ مارچ ۱۸۸۵ء میں روسی فوج کازلیتیپ کے مقام پر جمع ہوگئی اور وہاں پر اپنے مورچے قایم کر دیئے افغانی فوج مقام اکتیپ پر تھی جو دریائے آکسس کی جانب چپ واقع ہے اس فوج میں ۴۰ گولہ انداز اور چار برنجی توپیں اور چار پہاڑی توپیں اور تھوڑے سے پیدل تھے۔ ۳ مارچ کو افغانی فوج مقام پل خشتی پر پہنچی۔ جہاں سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر روسی فوج مقام کازلیتیپ میں مورچہ زن ہوئی ۲۹ مارچ کو جنرل کوماروف نے افغانی سپاہ سالار کے پاس اس مضمون کا مراسلہ بھیجا کہ یا تو اپنی فوج دریا کے داہنے کنارے سے ہٹا لو ورنہ افغانی فوج پر حملہ کر دیا جائے گا۔

اس وقت تک انگریزی مشن کے افسروں اور سپاہیوں نے ہر قسم کا اطمینان دلا رکھا تھا کہ روسی کسی طرح حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں گے اُن کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ سکیں علاوہ ازیں روسی سپاہ میری فوج پر بلا کسی خاص وجہ معقول کے حملہ نہ کر سکتی تھی کیونکہ یہ بات عہد نامہ کے خلاف تھی۔ اور شرائط عہد نامہ کے خلاف کرنے پر روس سے تمام طاقتیں باز پرس کرتیں۔

میرا جنرل جس کا نام غیاث الدین تھا اور جس کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ انگریزی افسروں کے منشاء کے خلاف نہ کرنا۔ انگریزوں کے وعدہ کے اطمینان پر اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھا۔ مارچ کی ۳۰ تاریخ کو روس کے سالم دستہ فوج نے افغانی سپاہ پر جو وہاں پڑی ہوئی تھی حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے جب یہ سنا تو مع اپنی فوج اور سپاہیوں کے ہرات کی جانب بھاگ گئے۔

جنرل غیاث اور دوسرے افسروں نے انگریزوں کو انکا یہ وعدہ کہ روس افغانی فوج اور سرحد پر حملہ نہیں کر سکتا اور یہ کہ اگر بفرض محال روس حملہ کرے گا تو ہم مدد دیں گے۔ یاد دلایا اور کہا کہ اپنے وعدہ کے بموجب ہمیں روس کے مقابلہ پر تنہا نہ چھوڑنا چاہیئے۔ لیکن انگریزوں نے

کچھ نہ سنا اور بھاگ گئے۔ افغانیوں نے انگریزوں سے یہ بھی درخواست کی کہ ہمیں اپنی رائفلیں ہی عاریتاً دیدو کیونکہ ہم روسیوں کا اپنی خراب خستہ بندوقوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

رائفلیں اور بارود جو افغانی سپاہیوں کے پاس موجود تھیں وہ بارش اور نمی کی وجہ سے ایسی خراب ہوگئی تھیں کہ کسی طرح کام نہ دے سکتی تھیں۔ انگریزوں نے جن کا وعدہ افغانی سپاہ کو امداد دینے کا تھا اپنی رائفلیں تک بھی نہ دیں اور بہادر افغانیوں کو روس سے لڑنے اور میدان جنگ میں قتل ہونے کے واسطے چھوڑ کے ہرات کی جانب بھاگ گئے۔

مجھے بھی اس واقعہ کی خبر تو ہوگئی مگر یقین نہ آیا کہ انگریزی افسر ایسے بدحواس ہو کے بھاگے کہ اُنہیں دوست اور دشمن کی بھی تمیز نہ رہی اور اُن میں سے بعض ہندوستانی جاڑے کی وجہ سے اس قدر مجبور ہوئے کہ اپنے گھوڑوں پر نہ جم سکے اور اس بھاگ دوڑ میں گھوڑوں پر سے گر گر کے مر گئے۔ بہت سے انگریزی افسروں کو بھی گھوڑوں نے پٹک دیا جن کا میں اس جگہ نام نہ لوں گا۔ حالانکہ انگریز بھاگ گئے تھے اس پر بھی بہادر افغانیوں نے قومی حمیت کے لحاظ سے میدان کو نہ چھوڑا اور جی توڑ کے لڑے اور روسیوں کی کثیر التعداد فوج کا مقابلہ کیا۔ بہت سے زخمی ہوئے اور بہتوں نے جان دی مگر افسوس ہے کہ رائفلوں کی خرابی کی وجہ سے وہ دشمن کے مقابلہ میں جنکی تعداد زیادہ تھی کوئی کار نمایاں نہ کر سکے اور بقیۃ السیف پس پا ہو کے ہرات بھاگ آئے۔

انگریزوں کی بدسلوکی افغانیوں کے دلوں پر ایک نقش ہے اور وہ انگریزوں کو جھوٹا اور دغاباز سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے لوگوں سے بہت کچھ کہا کہ اس زمانہ میں لبرل پارٹی میں مسٹر گلیڈ اسٹون کی موجودگی کی وجہ سے انگریزوں نے ایسی کمزور حکمت عملی سے کام لیا تھا ورنہ انگریز روسیوں کو انکی بداعمالی کا مزا چکھا دیتے۔ میرے لوگوں نے ان باتوں پر کچھ توجہ نہ کی اور یہ جواب دیا کہ آئندہ جب کبھی ہمیں لڑائی کا موقع ملے تو ہم کس طرح سمجھیں کہ اس زمانہ میں لبرل پارٹی کا حکم ہے یا کنزرویٹیو کا دور دورہ ہے۔ یا سوا اس کے اگر اسوقت لبرل پارٹی کی حکومت تھی تو شن کے آدمیوں نے اسی وقت یہ کیوں نہ کہدیا کہ ہم آخر کار بھاگ جائیں گے بقولے "سخی سے سوم بھلا ترت دے جواب" اگر ہمیں پہلے سے یہ بات معلوم ہو جاتی کہ انگریزوں کا ارادہ وعدہ ایفائی کا نہیں ہے تو ہم اور کوئی دوسرا انتظام کر لیتے۔ اگرچہ کابل سے ہرات کو فوج بھیجنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سی افغانی فوج ہرات

اور ترکستان میں موجود تھی۔ مگر تو بھی یہ آسان بات تھی کہ دسمبر کے مہینہ سے جب یہ جھگڑا ہوا تھا مہ مارچ تک افغانی فوجیں کابل سے پنجدہ کی حفاظت کے لئے ہرات پہنچ جائیں۔ غرضکہ روسی سپاہ نے ۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو زبردستی پنجدہ پر قبضہ کرلیا اور چونکہ کسی میں اُس سے پھر چھین لینے کی طاقت نہ ہوئی وہ ابھی تک اُن ہی کے پاس ہے۔

مجھے لارڈ ڈفرن سے بعض معاملات میں کچھ مشورہ کرنا تھا اس لئے میں اس موقع پر راولپنڈی تھا اور پنجدہ کے فتح ہو جانے کی خبر بھی مجھے لارڈ ڈفرن سے ملی تھی۔ لارڈ موصوف نے میرا بہت کچھ اطمینان کیا کہ اگر روسی لوگ افغانی عملداری میں قدم رکھیں گے تو انگریزی سلطنت ہر طرح سے مدد دے گی۔ میں ان آدمیوں میں سے نہ تھا جو بات بات پر بھڑک جاتے ہیں۔ مجھے آئندہ کے لئے سبق ہو گیا۔

اسی سال ۱۸۸۵ء میں میں نے کلمان کے آدمیوں کے مطیع اور سلطنت میں شامل ہونے کے لئے ہدایتیں جاری کیں کلماں صوبہ لمکان کے شمال و مشرق کی پہاڑیوں کی چوٹی پر واقع ہے میری ان ہدایتوں سے یہ غرض تھی کہ وہ میری ایک صلح پسند رعایا بن جائیں اور آزاد رہیں اس حکم کے اجرا کی خاص وجہ یہ تھی کہ ہر ایک آدمی جو جلال آباد کے گرد و نواح میں کوئی سنگین جرم یا قتل کا مرتکب ہوتا تھا وہ کلمان کی پہاڑیوں میں چھپ جاتا تھا اور ان پہاڑوں کی گھاٹیوں کا ایسا تنگ راستہ تھا کہ نہ کوئی توپ وہاں جاسکتی تھی نہ سوار۔ پا پیادہ جانے کے لئے جو راستے تھے وہ بھی ایسے تنگ تھے کہ صرف ایک آدمی ایک وقت میں وہاں سے گزر سکتا تھا۔ اور دو یا تین آدمی پہاڑ پر سے صرف پتھر پھینک پھینک کے ایک بڑی فوج کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایسے راستوں میں کتنی ہی فوج کیوں نہ ہو ایک ایک کرکے گزرتے اور وہ تمام ہو جاتے یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کی طاقت بڑی تھی اور کوئی بادشاہ اس سے قبل ان پر فتح نہ پا سکا۔

میرے فوج کے افسروں کے نام یہ ہیں۔ غلام حیدر خاں توخی سپاہ سالار۔ دوست محمد خاں چار جرنیل یہ افسر اس وقت نابینا ہو گیا ہے) میر سانا گل (اب یہ امیر کا ملازم ہے) محمد گل خاں جرنیل (یہ ۱۸۹۶ء میں بحالت قید مر گیا) اور محمد افضل جرنیل (اس افسر نے بھی انتقال کیا) ان افسروں کی ماتحتی میں دو قسم کے سپاہی تھے ایک باقاعدہ اور دوسرے ملیشیا جو پہاڑی خدمات کے واسطے نہایت مناسب تھے

جب رات ہوگئی میرے افسر رسیّوں کے ذریعہ سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اور جہاں سے یہ مفسد لوگ نقصان پہنچا سکتے تھے اس راستہ کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اس طرح تمام فوج کو پہاڑی پر چڑھا دیا کہ ان کو بالکل اس نقل و حرکت کی خبر نہ ہوئی۔ جب تمام فوج پہاڑی پر پہنچ گئی تو ان پر حملہ کر دیا دشمن کی فوج بہت نہ تھی صرف ۱۰۰۰ آدمی اس پہاڑی پر رہتے تھے۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد وہ مغلوب ہوگئے اور انہوں نے آئندہ کے واسطے میری رعایا ہونے کا وعدہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے وعدے اطاعت سے انحراف کرکے ۱۸۸۶ء میں دغابازی سے میرے ایک لفٹنٹ کرنیل کو جو وہاں رہتا تھا معہ ۲۰۰ سپاہیوں کے قتل کر ڈالا۔ اس مرتبہ سابق الذکر سپاہ سالار نے ان لوگوں پر حملہ کرکے پس پا کر دیا اور سب آدمیوں کو اس پہاڑی پر سے بھگا دیا کسی کو وہاں نہ رہنے دیا اور بجائے اس مقام کے ان کے رہنے کے لئے صوبہ ترشت ضمرت اور خوست میں جو ان کے اصلی مقام رہائش سے بہت دور تھا جگہ دیدی گئی۔ اور وہ لمکان اور دوسرے صوبہ کے آدمیوں سے علیحدہ کر دیئے گئے اور اس طرح اس پہاڑی کی صعوبات سے ہمیشہ کے واسطے نجات مل گئی۔

۱۸۶۸ء اور ۱۸۸۷ء کی عام بغاوتیں

میرے تخت سلطنت پر متمکن ہونے سے اس وقت تک جس قدر ملکی لڑائیاں ہوئیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا گیا ایسی تھیں کہ میری ذراسی توجہ اور تھوڑی سی فوج سے اُن کا خاتمہ ہوگیا اور مجھے ان لڑائیوں کی وجہ سے زیادہ مصیبت جھیلنی نہیں پڑی اور نہ ان سے کسی خاص قسم کا نتیجہ ظاہر ہوا مگر ان ہی لڑائیوں میں سے بعض ایسی بھی تھیں کہ جن سے سخت مشکلات کا سامنا ہوا اور مجھے بہت دنوں تک ان ہی لڑائیوں میں مشغول رہنا پڑا۔ ان لڑائیوں کا اثر ایسا خراب تھا کہ ملک میں عام بدعملی اور بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے تھے ان میں سے سب سے پہلی لڑائی ۱۸۸۱ء میں محمد ایوب سے قندہار میں ہوئی اور جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ جاہل ملاّؤں نے لوگوں کو میرے خلاف برانگیختہ کر دیا تھا اور وہ برابر اس کوشش میں رہے کہ لڑائی مذہبی جنگ کی صورت اختیار کرے مگر اُن کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ دوسری لڑائی غلزئی بغاوت کے فرو کرنے کے لئے ہوئی جس کو میں اس باب میں بیان کرونگا یہ لڑائی قریب دو سال کے جاری رہی ۱۸۸۸ء میں ترکستان میں محمد اسحاق نے بغاوت کی۔ اور یہ تیسری لڑائی تھی جو مجھے محمد اسحاق سے لڑنی پڑی ۱۸۹۱ء ۱۸۹۳ء ۱۸۹۲ء میں

حصار احبست کی عام بغاوت کے فرو کرنے کی غرض سے بھے جنگ کرنے کی ضرورت ہوئی اور یہ ان ہی خطرناک لڑائیوں میں سے چوتھی لڑائی تھی - آخر الذکر دو لڑائیوں کا بیان پھر کیا جائیگا - اس جگہ میں غلزئی[1] کی بغاوت بیان کرتا ہوں -

اس عام غدر کے اسباب اور ان سے جو نتیجہ پیدا ہوئے حسب ذیل ہیں -

پہلی وجہ جیسا میں کہیں لکھہ چکا ہوں یہ تھی کہ شیر علی اور ایوب کی کمزوریوں اور بدانتظامیوں سے ہر ایک مُلّا اور افسر اپنے کو خود مختار جانتا تھا - افسر اپنے کو شاہزادہ اور مُلّا اپنے کو پیغمبر سمجھتے تھے - مُلّا اور غلزئی کے پٹھان ایک بڑی تعداد سے اس گروہ میں شامل ہو گئے تھے - افغانستان کی قوم میں بہت بہادر اور جان باز سمجھا جاتا تھا اور ملک کے تین بڑے فرقوں دُرانی - ہزاری غلزئی میں سے ایک فرقہ تھا - ترکمانیوں کا فرقہ بھی افغانستانی سلطنت میں ایک بڑا فرقہ ہے - یہ افغانی جرگوں میں شریک کر لئے گئے ہیں اس وجہ سے کہ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور مثل ترکمانوں کے علیحدہ نہیں ہیں - اپنو فوجی آدمیوں کی طرح سے سردار اور خان اپنی رعیت پر سخت ظلم اور زیادتی کرتے تھے اور ان کی بے رحمیاں ان کے محدود اختیارات ان کے سخت محاصل اُن کی لوٹ مار اور غارت گری ان کا قافلوں پر حملہ کرنا ان کی باہمی جنگ وجدال اور عموماً

[1] - غلزئی دو لفظوں غل اور زئی سے مرکب ہے اور پشتو یا افغانی زبان میں غل کے معنی چور اور زئی کے معنے بچہ کے ہیں یعنی غلزئی کے معنی "چور کا بچہ" غلزئی کی وجہ تسمیہ کے متعلق افغانیوں میں یہ بات مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں افغانی بادشاہ کی لڑکی ایک شاہزادہ جس کا نام میر حسین تھا عاشق ہو گئی تھی اور اس شہزادہ نے اس سے بلا اطلاع اسکے باپ کے شادی کر لی تھی - ان دونوں سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور جب بادشاہ نے اس لڑکے کی نسبت شاہزادی سے دریافت کیا تو شاہزادی نے یہ جواب دیا کہ چونکہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ میرا شوہر ایک شاہزادہ ہے میں نے اس خوف سے کہ مبادا اب اُس سے میری شادی نہ کریں بلا اطلاع ان کے شادی کر لی تھی اور اسی شاہزادہ کا لڑکا ہے - باپ نے لڑکی سے یہ بات سنکر مذاق سے یہ کہا کہ اس لڑکے کو غلزئی یعنی "چوری کا بچہ" کہنا چاہئے - غلزئی اُسی لڑکے کی اولاد میں ہیں جو آجتک ملک میں بڑا زبردست اور بہادر فرقہ مانا جاتا ہے - ابتک اس فرقہ میں عورتیں خود اپنے لئے شوہر پسند کرتی ہیں اور پردہ کا رواج نہیں - شادی کی رسومات عجیب اور دلچسپ ہیں جنکو میں نے اپنی کتاب میں جو شادی اور افغانیوں کی طرز معاشرت پر لکھی ہے اور جو عنقریب شائع ہو جائیگی بیان کیا ہے -

انسانی خونریزی نہ صرف ان کے ملک میں بلکہ تمام دنیا میں مشہور تھی - اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جو ایسے بیہودہ باتوں سے دلی نفرت کرتا ہو نفرت کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ جہاں تک ممکن ہو میری سلطنت کو برباد کردیں۔

ازاں مار بر پائے راعی زند + کہ ترسد سرش را بکوبد بہ سنگ

دوسری وجہ یہ تھی کہ میں شیر خاں ٹوخی غلزئی کو معہ اس کے چند دوستوں اور ساتھیوں کے جنہوں نے ۱۸۸۱ء میں بغاوت کی تھی جس کا حال میں لکھ چکا ہوں قید کردیا تھا۔

تیسرے - عظمت اللہ خاں اور اس کے بعض غلزئی سردار شیر علی کے خاندان سے موافقت رکھنے کی وجہ سے میرے دشمنوں سے خط وکتابت رکھتے اور فرقوں میں سازش کیا کرتے تھے اس لئے میں نے اُسے ۱۸۸۲ء میں قید کردیا۔

چوتھے - مشہور مشک عالم (جہان کا خوشبودار کرنیوالا) جسکو میں موش عالم یعنی جہان کا چوہا کہتا تھا اور اس کا یہ نام پہلے نام سے بہت مناسب تھا کیونکہ اس کا چہرہ چوہے کی مانند تھا اور قریب قریب اس کے چال چلن بھی سب چوہوں کے مانند تھے) اس گروہ سے جا ملا جو لوٹ مار کرنے کی وجہ سے غازی کہلاتے تھے - یہ لوگ اپنے آپ کو مُلّا اور غازی زیادہ تر اس وجہ سے بھی کہتے تھے کہ آدمیوں اور دوسری رعایا میں ان کی وقعت اور منزلت ہو اور چونکہ میں نے ایسی تمام بیہودہ باتونکو موقوف کر رکھا تھا انہوں نے مجھکو تکلیف دینے کے واسطے غلزئی قوم کے جاہل آدمیوں کو جن میں وہ رہتے تھے میرے خلاف بھڑکانا شروع کردیا اور یہ سازشیں سال بھر تک جاری رہیں جس نے تمام ملک میں بغاوت کی آگ پھیلادی اور ایک ملکی جنگ شروع ہوگئی جو ہزاروں آدمیوں کی خونریزی اور تکلیف کا باعث ہوئی۔

خداوند تعالےٰ اپنے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ زمین پر انصاف اور امن سے رہو اور لڑائی اور خونریزی نہ کرو کیونکہ قادر مطلق ان سے محبت نہیں رکھتا جو زمین پر امن نہیں رکھتے!! خدا کا حکم یہ ہے مگر افسوس ہے کہ مُلّا اپنی مذہبی تعلیم کے خلاف کام کرتے ہیں۔

پانچویں - میں نے ملک کی بقایا مالگزاری وصول کرنے کا حکم دیا جس کو لوگ دینا نہیں چاہتے تھے -

چھٹے - افغانستان جیسے ملک میں جہاں کا خزانہ خالی تھا اور بہت سا روپیہ اندرونی اخراجات عمارتوں کی درستی اور سرحدی قلعوں کی مرمت کے لئے مطلوب تھا جہاں دول غیر ہر وقت موقع کی تاک میں لگی رہتی تہی - تقریبًا ملک کی نصف آمدنی مُلّانو - سیدوں اور درباریوں مصنوعی بزرگوں کو سابقہ گورنمنٹ نے نذر کر دی تہی -

زیادہ تر مصیبت یہ تہی ان پیر اور مُلّانوں نے ریاست کی بقیہ نصف مالگزاری لوگوں سے خود وصول کر لی - جس پر ان کا کوئی حق نہ تھا - یہ لوگ آدمیوں کو بیکار زندگی میں رہنے کی ترغیب دیتے تھے ان کا طریقہ عمل لوگوں کو یہ سکہاتا تھا کہ اپاہج آدمیوں کی طرح گورنمنٹ سے امداد لو اور ملک یا رعایا کے واسطے کچھ مت کرو -

میں نے اس خیرات کو جس کا بوجھہ سرکاری خزانہ پر تھا بالکل بند کر دیا - اور حکم جاری کر دیا کہ صرف ان لوگوں کو تنخواہ دی جائیگی جو اپنی لیاقت کے موافق سرکاری خدمات انجام دیتے ہیں اور ایسی تنخواہ پانے والوں کو امتحان دینا پڑے گا جن میں ان کو کامیابی حاصل کرنے پر تنخواہیں دیجائینگی - اس طریقہ سے تمام نذرانہ اور تنخواہیں جو ایسے خودغرضوں کو دیجاتی تہیں معہ خاندان متذکرہ "جہان کے چوہے" اور دیگر خاندانوں کی موقوف کر دی گئی - یہ روپیہ جو ایسے بیجا اخراجات کے بند کرنے سے جمع ہوا اس سے میں نے اپنے بہادر سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر کیں جو ایسے خودغرض اور نقصان رساں چوہوں کے قتل کرنے کے واسطے مقرر کئے گئے تھے - جس سے آئندہ ان لوگوں کے دستبرد سے رعایا اور آدمیوں کو نجات مل گئی - میری اس تدبیر نے ملّانوں اور مذہبی پیشواؤں اور ریاکار مُلّانوں میں ایک عظیم تہلکہ مچا دیا - اور یہ بغاوتیں جس کے فرو کرنے میں مجھے دقتیں پیش آئیں زیادہ تر اسی تدبیر کی وجہ سے ہوئیں - میری خوش نصیبی سے مجھے اس عام بغاوت کے فرو کرنے میں کامیابی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے ان چوہوں کو جو انسانی جامہ میں نظر آتے تھے نیست و نابود کر دیا گیا - ان لوگوں کی بغاوت کا حال پہلے پہل مجھے ۱۸۸۶ء میں معلوم ہوا جبکہ انہوں نے ملکہ معظمہ شہنشاہ انگلینڈ کے پاس بہ توسط سر اؤلیور سینٹ جان عرضداشت بہیجی تہی - جس کا مضمون یہ تھا "اگر تم ہمیشہ کے واسطے افغانیوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو تو اس موقع سے بہتر دوسرا موقع نہیں ملسکتا - تم کو بلا کسی پس و پیش کے ہماری مدد کرنی چاہیئے" میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چٹھی سلطنت

برطانیہ کے کسی شیر سلطنت کی نذر سے گزری یا نہیں مگر یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ اس چٹھی یا عرضداشت کا کوئی جواب ان شریروں کو نہیں دیا گیا۔ بعدازاں انہوں نے محمد ایوب کو شامل ہونے کے لئے مدعو کیا لیکن اسی ملک میں داخل ہونے میں ناکامیابی ہوئی۔ ان ہر دو تدابیر کے علاوہ جو تدبیریں ان مفسدوں نے کیں اُن سے مجھے آگاہی نہیں۔ بہرکیف جب وہ ہر طرف سے مایوس ہوگئے تو وہ خود ہی میرے مقابلہ میں شمشیر بکف ہوئے۔

۱۸۶۸ء میں لڑائی کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ میر احمد خاں کے لڑکے شیر خاں نے سردار گل محمد خاں نبیرہ سردار خوندل خاں والئے قندہار کے لڑکے کو قندہار اور کابل کے راستہ میں مقام ماسکی اور چہاردمہ پر قتل کرکے اس کے اہل وعیال مال ومتاع پر قبضہ کرلیا اور ان کو گرفتار کرکے لیگیا دوسرا اڈا کہ مقام ماسکی پر اندر اور میوتک کے غلزئی لوگوں کی جانب سے ہوا جنہوں نے دُرانی قوم کے ایک بٹالن فوج پر جو میرزا سید علی کی ماتحتی میں قندہار سے کابل آرہی تھی حملہ کردیا۔ چونکہ فوج کو اس ناگہانی آفت کی خبر نہ تھی نہ کسی لڑائی کا خیال تھا۔ فوج کے پاس سامان حرب بالکل ناکافی تھا۔ غلزئی لوگوں نے ۱۴۰ اونٹ ۸۰ جعبہ ۳۰۰۰۰ روپیہ چھین لئے فرقہ غلزئی کی جس میں مشک عالم شامل تھا یہ سرکشی دیکھ کے میں نے جنرل غلام حیدر خاں توخی حاجی گل محمد خاں کمانڈر (جو اب بریگیڈیر ہے) اور کرنیل محمد صادق خاں (جو اب قندہار میں بریگیڈیر ہے) کو دو بٹالن پیدل اور سواروں کے چار رجمنٹوں اور دو توپخانوں کے ساتھ غلزئی کی سرکوبی کیواسطے روانہ کیا۔ جب یہ فوج غزنی پہنچی تو اس سے باغیوں کے ساتھ مقام دہانی شیر و نانی پر ایک خفیف لڑائی ہوئی جس میں باغیوں کو پوری شکست ملی اور وہ بھاگ گئے۔

جاڑوں کے موسم میں یہ لوگ بالکل چپ چاپ رہے۔ غلزئیوں کو میرے خلاف خفیہ طور سے برانگیختہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ماہ مارچ کے شروع میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوکے انہوں نے ایک عام بغاوت شروع کردی۔ ملا عبدالکریم ولد مشک عالم نے مارچ ۱۸۸۷ء میں اس مضمون کا ایک اشتہار جاری کیا کہ میرے پاس ۱۲۰۰۰ جنگجو موجود ہیں اگر اور فرقوں نے میرا ساتھ دیا تو بلاشک وشبہہ ہماری فتح ہوگی۔

ہوتک کے آدمیوں کی بابت جو ۱۸۸۶ء میں ہوئی جملہ حالات ہدیہ ناظرین سوانح عمری

کئے جا چکے ہیں۔ اسی بغاوت کی وجہ سے میں نے اس موقع پر سکندر خاں (جسکا اب انتقال ہوگیا) والد جنرل غلام حیدر خاں کو حکم دیا کہ قندہار سے روانہ ہو کے صوبہ ہوتک کے تمام آدمیوں سے فی گھر ایک تلوار اور ایک رائفل بطور جرمانہ وصول کرلیوے جو میں سر بند سکندر خاں صوبہ ہوتک میں پہنچا اور لوگوں کو اس کے ارادہ سے آگاہی ہوئی ایک عام جوش ہوتک کے لوگوں میں جو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے پھیل گیا اور اندرا۔ ہوتک۔ تراخی اور غلزئی کے دوسرے فرقوں میں عام طور سے بغاوت شروع ہوگئی ان لوگوں نے اپنی اہل وعیال کو دزیری۔ وتہوپ اور ہزارہ جہاں جس کا ٹھکانا تھا بھیجدیا اور میری فوج سے لڑنے کو آمادہ ہوگئے غلزئی میں میرے پاس اس وقت زیادہ فوج نہیں تہی۔ اور نہ بڑے بڑے قصبوں مثل غزنی۔ قلات۔ غلزئی اور مار وف کی پوری پوری مورچہ بندی ہو رہی تہی۔ جنرل غلام حیدر خاں کے پاس صرف پیدلوں کی دو بٹالن اور تین رجمنٹیں تہیں۔ میں نے فوراً ۶۰۰ پیدل کرنل صوفی کی ماتحتی میں بماہ مارچ سکندر خاں کی مدد کے واسطے روانہ کردیئے۔ علاوہ اس کے کچھ ملیشیا پیدل دُرّانیوں کی جدید بٹالن کو سکندر خاں کی مدد کیواسطے بھیجدیا۔ مگر ان آخر الذکر آدمیوں نے کچھ اچھی خدمات انجام نہیں دیں۔ میں نے فوراً کابل سے غلام حیدر خاں کی مدد کیواسطے بہی فوج روانہ کردی۔

پہلے پہل باغیوں کو فتح ہوئی اور مار وف کے گورنر عیسےٰ خاں کو جو سکندر خاں کی مدد کے لئے جا رہا تھا شکست ملی۔ باغی جنہوں نے عیسےٰ خاں کو شکست دی شاہ خاں ہوتک کی ماتحتی میں لڑ رہے تہے۔ ۱۲ اپریل کو سکندر خاں نے باغیوں سے ایک انقطاعی جنگ شروع کی جس میں اولاً سکندر خاں کو شکست ہوئی۔ مگر بعد ازاں سکندر خاں نے باغیوں پر پوری پوری فتح پائی اور باغیوں کو مار کے بھگا دیا۔

اسی زمانہ میں شمال کی طرف بہی بڑے زور شور سے لڑائی ہو رہی تہی جہاں غلام حیدر خاں تارخی اور اندری کے غلزئیوں سے نہایت بہادرانہ مقابلہ کر رہا تھا جس نے بالآخر باغیوں کو بھگا دیا اور اپنے باپ سکندر خاں کی فوج سے جسے ہوتک کے آدمیوں سے شکست ہو چکی تہی جا ملا۔ ان فوجوں کا اتصال مئی کے مہینہ میں ہوا جس سے پیدلوں کی چار بٹالن۔ سواروں کی دو رجمنٹیں اور آٹھ توپوں کی تعداد ایک جگہ ہوگئی۔ علاوہ اس فوج کے بعض وفادار رعایا کے آدمی بہی ساتھ تہے

بہلول خاں سرکاری فوج کی امداد کے واسطے پہنچ گئے تھے۔ باغیوں کی فوج کی تعداد ۳۰۰۰۰ جنگجو آدمیوں کی تھی جنہوں نے شیر خاں ہوتک کو امیر کا خطاب دے رکھا تھا اور اسی کی ماتحتی میں لڑ رہے تھے۔ باغیوں کو ہر جانب سے مدد پہنچ رہی تھی۔ اور غلزئی کی سرکش رعایا اُن میں ملتی جاتی تھی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلطنت روسیہ ایوب خاں اور ہرات اور میمنہ کے لوگوں کے پاس مدد کیلئے درخواست کی تھی۔ ہرات اور میمنہ کے لوگوں نے صاف جواب دیدیا۔

ہرات میں میرے پاس جو فوج تھی اس میں غلزئی بہت تھے۔ جب انہوں نے یہ سُنا کہ ان کی قوم کے آدمی اور ان کے رشتہ دار مجھسے لڑ رہے ہیں وہ بھی مجھ سے علیحدہ ہونے لگے اور ۲ جون ۱۸۸۷ء ہزارہ کی فوج کے غلزئی لوگ جو ہرات میں تھے انہوں نے بغاوت شروع کردی اور میری فوج سے علیحدہ ہو گئے۔ ان باغی سپاہیوں کی تعداد ۸۰۰ تھی۔ اُنہوں نے تمام میگزین کو برباد کردیا اور میرے کمانڈر انچیف کو قلعہ میں قید کر کے اس کا محاصرہ کرلیا لیکن میرے اور سپاہی جو اس وقت تک وفادار رہے۔ انہوں نے ان باغیوں کا مقابلہ کیا جو تاب مقاومت نہ لا سکے اور ہرات سے آندر ابھاگ کے دوسرے باغیوں سے مل گئے۔ ان نمک حراموں میں سے بعض سپاہی باغیوں کی اس کثیر التعداد فوج میں شامل ہو ہو گئے۔ جو مرغاب میں جمع تھی اس سے میرے وفادار افسروں کو نہایت فکر اور تشویش ہوگئی۔ تشویش کا باعث زیادہ تر یہ تھا کہ بہت آدمی اس کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے کہ اگر باغیوں کی جماعت کا پلہ بھاری رہا تو ان سے جاملیں۔ علاوہ اس کے کہ میرے نمکحرام سپاہی باغیوں سے جاملے تھے یہ ایک اور مصیبت تھی کہ جاہل مُلّا نو اور میرے دشمنوں نے یہ مشہور کردیا تھا کہ ہرات پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا اور میمنہ اور ملک کے اور حصوں میں بھی بغاوت ہوگئی۔ میرے بہادر سپاہ سالار غلام حیدر خاں نے جہاں کہیں ان باغیوں کی جماعت دیکھی ان کو پس پا کر کے پریشان کردیا۔ اس موقعہ پر غلام حیدر خاں سپاہ سالار نے ہوتک کے باغیوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو مقام عطا گڈھ پر ایک بہت بھاری شکست دی۔ اور ان کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں پراگندہ کردیا۔ اس جماعت کو منتشر کرنیکے بعد غلام حیدر خاں اپنے باپ کو اس جگہ چھوڑ کے شمال کی جانب بڑھا جہاں اسے وندی آبا اشادہ کے مقام پر تراخی خانداں کے باغیوں سے ایک دوسری لڑائی لڑنی پڑی۔ اور وہ کامیابی کے ساتھ یہاں

سے مرغاب کی جانب روانہ ہوا جہاں فوج ہرات کے نمک حرام سپاہی باغیوں کے بڑے گروہ سے مل گئے تھے۔ میں نے فوراً ہی پیدلوں کی دو بٹالن اور ۴۰۰ سوار ماہ جون میں غلام حیدر خان کی مدد کے واسطے روانہ کر دیئے۔ اس فوج نے ۲۷ر جولائی باغیوں کی ایک جماعت کو جو مفسدوں میں شامل ہونے کے واسطے جا رہی تھی راستہ ہی میں لے لیا اس جماعت کو پراگندہ کرنے کے بعد غلام حیدر خاں اصل جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ باغیوں میں کمسریٹ اور ٹرانسپورٹ کا ایسا خراب انتظام تھا کہ یہ بھوک اور پیاس سے قریب مرگ ہو رہے تھے بالآخران باغیوں کی فوج کو پوری پوری شکست ہوئی اس کے بعد بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں مگر یہ لڑائیاں بالکل معمولی تھیں کیونکہ باغیوں کے گروہ بندی کے سلسلہ کے طریقہ کا شکستوں کی وجہ سے خاتمہ ہو چکا تھا۔

ملا عبدالکریم کورم بھاگ گیا۔ اس کا بھائی فضل خاں گرفتار ہو گیا جو قتل کیا گیا۔ تیمور شاہ غلزئی نے جو میری فوج میں ڈپٹی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر مامور تھا ۱۸۸۵ء کی لڑائی میں جو مقام پنجدہ پر ہوئی تھی۔ عدول حکمی کی تھی۔ جسے میں نے اس وقت معاف کر دیا تھا۔ لیکن جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ اس بغاوت میں وہ بھی شریک تھا میں نے اس کو قید کر کے کابل بلا لیا اور ۱۳ر جولائی کو اس نمک حرامی کی پاداش میں اسے سنگسار کرا دیا۔ اس سزا سے فوجی افسروں کو ایک خاص عبرت دلانی منظور تھی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ایک شخص جو ڈپٹی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ممتاز ہوا اور وہ اپنے آقا کے خلاف جس کا برسوں اس نے نمک کھایا ہو ہتیار اٹھائے تو اسے یہ سزا دی جاتی ہے۔

جب غلام حیدر خاں فتحیاب ہو کے کابل واپس آیا میں نے اس کو ڈپٹی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ممتاز کر دیا اور اس کی خدمات کے صلہ میں سنہری تمغہ عطا فرمایا۔ میں نے غلام حیدر خاں کے استقبال کے لئے جب وہ کابل سے ایک روز کے فاصلہ پر تھا اپنی خاص فوج زیر ماتحتی پرواز خاں کابل سے روانہ کی تاکہ اس کو بڑی عزت اور احترام سے کابل لا دیں۔ اس طرح غلزئیوں کی مشکلات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

ایوب خاں نے جب باغیوں کی شکست کا حال سنا وہ فوراً بلا اطلاع گورنمنٹ پرشیا سے

بھاگ گیا ہے مجھے ایوب خاں کے بھاگ جانے کی فوراً ہی خبر مل گئی کیونکہ میرے خفیہ پولس[1] کی مستعدی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ یہ ممکن نہ تھا کہ روس - پرشیا - افغانستان - ہندوستان میں کوئی مشہور آدمی نقل و حرکت کرے اور مجھے خبر نہ ہو۔

جب مجھے ایوب خاں کے بھاگنے کی خبر ملی میں نے سرحد پر آدمی مقرر کر دیئے کہ جب وہ میری حدود سلطنت میں داخل ہو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ ایوب خاں جب مقام گھوڑیان سرحد افغانستان میں پہنچا تو اس نے میرے آدمیوں کو سرحد پر مستعد پایا اور اب بجائے کابل کے

---

[1] دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا نکلے جہاں خفیہ پولس اور جاسوس کی تعداد افغانی سلطنت سے زیادہ ہو۔ افغانستان میں جاسوس اور مخبروں کے معاملہ میں ”دیوار ہم گوش دارد“ کی پرانی مثل بالکل صادق ہے عورتیں اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو جاسوس اور مخبر سمجھتا ہے - صدہا مثالیں ایسی مل جائیں گی جس میں باپ نے اپنے بیٹے کی اور بیٹے نے اپنے باپ کی مخبری کی - نمونہ کے طور سے سردار دالو اور ستری قطب کی بیوی کا قصہ کافی ہے جنہوں نے اپنے باپ اور اپنے شوہر کی مخبری کر دی - فی الحقیقت سال بھر میں سینکڑوں ایسے واقعات ہوتے ہیں جن میں دوستوں نے اپنے دوستوں کی اور شوہر نے اپنی بیوی کی اور زوجہ نے اپنے شوہر کی رشتہ داروں نے اپنے قریبی عزیز کی مخبری کی اور وہ مخبری ٹھیک ہوئی مجرم کو سزا ملی اور مخبر کو انعام عطا ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں عام طور سے لوگ کھٹکتے رہتے ہیں - کوئی ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کرتا اپنا راز دوسرے پر ظاہر کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے - افغانی رعایا کیواسطے اس قدر مخبروں کا ہونا درحقیقت ضروری ہے کیونکہ امیر حفظ ماتقدم کے لحاظ سے مجبور ہے اور اس کو اس قسم کی تدابیر کرنی لازمی ہیں - اس وجہ سے کہ پچھلے بادشاہوں کا قتل اور معزول ہونا افغانی رعایا کے جوڑ توڑ کا ہی نتیجہ ہوتا رہا ہے - جس کے وہ عادی ہیں اُن کا یہ کام ہے کہ ہمیشہ امیر یا بادشاہ کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو خفیہ خبریں دیتے رہیں اور وقتاً فوقتاً حاکم وقت کے معزول ہونے کی تدبیر سوچتے رہیں - اگر مخبری کی یہ کثرت نہ ہوتی تو امیر عبدالرحمٰن خاں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دوسرے بادشاہوں کا ہوا۔

مثلاً ہم اس موقعہ پر ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ناظرین کو خود معلوم ہو جائے گا کہ افغانستان میں ایسی تدابیر سے کام لینا کہاں تک ضروری ہے سنہ ۱۸۹۱ء میں جب تمام فوج کابل سے ہزارہ کے آدمیوں کے مقابلہ پر چلی گئی تھی - چند آدمیوں نے جو معمولی حیثیت کے نہ تھے بلکہ معزز اشخاص میں تھے (بقیہ دیکھو صفحہ ۲۰۵)

تخت لینے کے اس کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی اور مجبور خراسان کے جنگلوں کی طرف بھاگ کے بمشکل تمام میرے آدمیوں کے پنجہ سے جان بچائی جو اس کو تخت کابل دینے کیلئے منتظر بیٹھے تھے - بقول شاعر ؎ "ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد + ساعد سیمین خود را رنجہ کرد" بڑے جھگڑے اور مشکلوں میں ایوب خاں نے اپنے کو بطور ایک شاہی قیدی کے جنرل میکلن کے حوالہ کر دیا جو مشہد میں بطور والیسرائے اور ایجنٹ کے موجود تھا - بعد خط و کتابت کے لارڈ ڈفرن والیسرائے کی رائے کے موافق ایوب خاں کو پرشیا سے ہندوستان بھیجدیا گیا - جہاں وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) خفیہ سازشیں شروع کردیں اور ہزاروں آدمی اس سازش میں شریک ہوگئے - ایک رات ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس جیل خانہ میں جو شہر کے اندر ہے آگ لگادی جائے اس طرح سے تمام پولس شہر کی آگ بجھانے میں مصروف ہوجائے گی اور بادشاہ بالکل اکیلا رہجائیگا اس کو قتل کردیں گے جب بادشاہ قتل ہوجائے گا تو عام بغاوت پھیلانے اور شہر کو لوٹنے کا اچھا موقع ملے گا"

اس کارروائی کے شروع ہونے سے چند گھنٹے پہلے امیر کو مخبروں نے اس واقعہ کی خبر دیدی مفسدوں کو گرفتار کیا گیا تحقیقات سے جرم ثابت ہوا تمام باہمی خط و کتابت جو اس معاملہ میں ہوئی تھیں برآمد ہوئیں - اور اس طرح محض مخبروں کی وجہ سے شہر بربادی سے بچ گیا اگر مخبر نہ ہوتے تو شہر برباد ہوجاتا - اور بادشاہ کا خاتمہ لازمی تھا -

جو شخص امیر پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اپنی رعایا کا اعتبار نہیں کرتا اور اس نے مخبر لگا رکھے ہیں وہ غلطی پر ہیں - امیر مجبور ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو ایک دم کے واسطے وہ زندہ نہیں رہ سکتا ایک ساعت کے لئے اس کا تخت و سلطنت امن میں نہیں ہوسکتا اسے حفظ ماتقدم کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے کہ وہ مخبروں کا ایسا زبردست گروہ اپنی رعایا پر مقرر کرے جس سے ہر وقت رعایا کو "دیوار ہم گوش دارد" کا سبق یاد رہے مخبری میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے - بعض رشوت دے دلا کے اپنے دشمنوں کی مخبری کرادیتے ہیں اور اس طرح دشمنوں سے اپنا بدلا لیتے ہیں - مگر جب کبھی ایسی مخبری کی تحقیق ہوتی ہے تو مخبروں کو سزا بھی ایسی سخت دیجاتی ہے کہ آیندہ جھوٹی مخبری کرنا آسان کام نہیں رہتا ایک مرتبہ کا ذکر ہے ایک ملا نے جسکا نام کشمش تھا امیر کے لڑکے ہی کی مخبری کی تحقیقات جو کی گئی تو ملا کا بیان غلط ثابت ہوا - امیر نے ملا کو توپ سے اڑوادیا -

اب تک زندہ ہے اور میرے بہادر سپاہیوں کے پنجہ سے بچا ہوا ہے۔

(اسحاق کی بغاوت)

اب میں ۱۸۸۸ء کی ملکی لڑائی کے اسباب اور اس کے نتائج بیان کرتا ہوں۔ پہلے کسی جگہ بیان ہوچکا ہے کہ افغانستان روانہ ہونے سے پیشتر میں نے اپنے سرداروں کو جن کا نام قدس خاں سردار خاں اور اسحاق خاں تھا۔ میمنہ کی جانب روانہ کردیا تھا۔ سفر کی مفصل کیفیت ابواب سابقہ میں بیان کی گئی ہے مگر اس خاص بغاوت کے متعلق جو میرے نمکحرام اور دغاباز سردار اسحاق خاں کی سازش سے ہوئی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اسحاق خاں میرے چچا میر عظیم کا لڑکا تھا۔ اس کی ماں ارمنی عیسائی کی لڑکی تھی جو میرے چچا کی حرم تھی۔ اسحاق خاں اسی حرم کے بطن سے تھا۔

ناظرین سوانح عمری کو اُن حالات سے جو انہوں نے پچھلے بابوں میں پڑھے ہیں اسحاق خاں کے باپ کے چال چلن کی نسبت خوب آگاہی ہوگئی ہوگی۔ ناظرین کو یہ بھی یاد ہوگا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد اس کو کابل کی حکومت پر مامور کردیا تھا اور گو میرے والد بادشاہ تھے ان کے انتقال کے بعد مجھکو ہی تخت نشین ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اپنے چچا کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ میر عظیم کے مرتے دم تک جس قدر خدمات اور سلوک میں نے اُن کے ساتھ کئے اور جو مہربانیاں اُس کے بیٹے اسحاق اور اس کے بچوں پر کی گئیں اس جگہ اس کے دوہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پہلے کہیں لکھی جاچکی ہیں۔ ناظرین سوانح عمری اسحاق خاں کی ناشکرگزاری کا خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس نے میری تمام مہربانیوں اور احسانات کو فراموش کردیا۔ جس قدر خرابیاں ہمارے خاندان میں واقع ہوئیں وہ میر عظیم ہی کے کرتوت تھے اور میرے والد اور شیر علی کے درمیان دشمنی کرانا اسی کا کام تھا یہ فطری شرارت میر عظیم کے بیٹے اسحاق خاں میں بھی موجود تھی جو کم و بیش وقتاً فوقتاً اُس سے ظاہر ہوتی رہی۔

روس کو چھوڑتے وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے وفاداری اور اطاعت کا عہد و پیمان لیلیا تھا اور کابل میں بھی محمد اسحاق سے قرآن مجید پر دستخط اور مُہر کرالی تھی اور اس نے بخوشی نمک حلالی۔ وفاداری اور فرمانبردار رہنے کیلئے حلف اُٹھایا تھا۔ اور اس عہد و پیمان کے

خیال سے میں نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اسکو ترکستان کا ناظم بنا دیا کیونکہ مجھکو اس کی وفادار رہنے کی قسم پر کامل بھروسہ ہوگیا تھا تمام گورنروں فوجی افسروں کو جو کابل سے ترکستان بھیجے گئے ان کو خاص ہدایت ہوتی رہی کہ محمد اسحاق کو ہر وقت میرے لڑکے اور میرے بھائی کے برابر سمجھتے رہیں اسحاق خاں ہر ہفتہ ایک عرضی مجھکو بھیجتا تھا جس کے ہر لفظ سے فرمانبرداری اور وفاداری ٹپکتی تھی یہ تمام کاغذات اب تک میرے دفتر میں موجود ہیں۔ وہ خط میں ہمیشہ مجھکو ایسے القاب لکھتا تھا جیسے کہ سعادت مند بیٹا اپنے باپ گویا فرمانبردار ملازم اپنے آقا کو لکھتا ہے۔ اور خطوں پر اس کے دستخط کی عبارت یہ ہوتی تھی "آپکا غلام خاکسار ملازم محمد اسحاق" اس کی وفاواری دیکھ دیکھ کے میں بھی ہمیشہ اسکو "میرے پیارے بیٹے یا میرے پیارے بھائی" لکھا کرتا تھا۔ اس کی نمک حرامی کا ذرا بھی خیال نہ ہونے کی وجہ سے میں نے بہت سی عمدہ رائفلیں اور ہتیار ترکستان میں اس کی حفاظت میں رکھ چھوڑے تھے اس کی سرحد روس سے ملی ہوئی ہونے کی وجہ سے یہ مناسب سمجھتا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر اس کے پاس رہنا چاہئے۔ سامان جنگ کی طرح سامان رسد اس کے پاس ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اور اب تک یہ سلسلہ جاری تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ میرا روپیہ میرے ہی خلاف صرف ہوگا۔ اور برجلوڈر بندوقوں کی گولیاں اور رائفلیں جو میں نے خود اس کے سپرد کر رکھیں تھیں میرے ہی سینہ کو نشانہ بنائیں گی اور اسحاق ایسا ہی نالایق نکلے گا جیسا کہ اس کا باپ میر عظیم تھا۔ عین اس وقت جبکہ میں نے اس کو ترکستان کا حاکم بنایا اس نے مجھکو اطلاع دی کہ ملک کی آمدنی اس فوج کے خرچ کے لئے ناکافی ہے جو وہاں پر موجود ہے اس لئے میں اکثر دوسرے ملکوں کی آمدنی سے اس کے پاس روپیہ بھیجتا رہتا تھا تاکہ میرے سپاہیوں کو دیا جائے اس تمام زمانہ میں اسحاق روپیہ جمع کرنے میں اور میرے خلاف پوشیدہ تیاریاں کرنے میں لگا رہا۔ ترکستانیوں کے سامنے ایک علی درجہ کا ولی اور نیک نہاد بنا رہا ہر روز علی الصباح اُٹھ کے نماز پڑھتا تھا اور اس کی حالت بجنسہ اُن مُلّاؤں کی سی تھی جو بڑی بڑی نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں مگر ویسا اُن کا عمل نہیں ہوتا۔

عبداللہ انصاری کے قول کے موافق یہ جاہل ریاکار خدا پرست بزرگ مولوی کہلانے کے کبھی

سزاوار نہیں ہیں۔ عبداللہ انصاری کا مقولہ ہے کہ بہت روزے رکھنا خوراک کی بچت ہے اور بہت نمازیں پڑہنے کاہلوں کو کام کرنے سے چھٹکارا دلاتی ہیں سچی عبادت یہ ہی کہ دوسروں کی مدد کی جائے۔ اسی مقدس بزرگ کا ایک دوسرا مقولہ ہے کہ ہوا میں اڑنا کوئی کرامت نہیں ادنے اکہی کر سکتی ہے۔ دریا کو بغیر پل اور کشتی عبور کرنا کوئی معجزہ نہیں ایک ناپاک کتا اور گھانس کا تنکا بہی کر سکتا ہے۔ نیک آدمیوں کا معجزہ اور کرامت یہ ہے کہ وہ دوسروں کی مدد اور شکستہ دلوں کی خاطر کریں۔

اسحاق خاں نے دوسری دغابازی یہ کی کہ جاہل سلمانوں کو بہکانے کے لئے فرقہ نقشبندیہ[ل] میں شامل ہوگیا۔ یہ مشہور درویشوں کا فرقہ ہے جو نقشبندیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس فرقہ کی بنیاد تیمور کے زمانہ میں ایک مشہور درویش خواجہ بہاؤالدین نے ڈالی تہی۔

اس میں کچھہ شک نہیں کہ اس فرقہ کے بانی کی ہدایتیں نہایت مناسب مفید اور انسان کو کام کا بنانے والی ہیں لیکن اس فرقہ کے جھوٹے دعویدار جھوٹی تقلید کر کے اس کے بانی کو بدنام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا اصول یہ ہے کہ جس طرح ہو روپیہ حاصل کیا جائے اور بیکار زندگی میں بسر کیا جائے۔ ان کا طرز عمل ان کے پیر کی ہدایتوں کے خلاف اور رسول مقبول صلعم کے طرز

[ل] سلمان فقرا کے چار بڑے بڑے گروہ ہیں نقشبندیہ۔ دوم قادریہ شیر عبدالشیخ نے جس کا مزار بغداد میں ہے ایجاد کیا تھا۔ سوم چشتیہ اس کا بانی معین الدین ہے جس کا مزار اجمیر میں ہی۔ چہارم سہروردی اس فرقہ کا بانی شہاب الدین ہے۔ علاوہ ان چار بڑے بڑے گروہوں کے فقرا میں ۴۶ فرقے اور ہیں جن کے بانیوں کے مزار ہندوستان اور دیگر ممالک میں موجود ہیں۔ اس تاریخ میں ان تمام فرقوں کی مفصل کیفیت لکھنے کی گنجایش نہیں۔ لیکن فرقہ نقشبندیہ کی وجہ تسمیہ بیان کر دینی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔ فرقہ نقشبندیہ کی اس نام کے متعلق یہ نقل مشہور ہے کہ ایک دن شیر عبدالشیخ (اللہ ہو! کی) ضربیں لگا رہے تہے کہ ان کی کرامت سے ہر ایک ہانڈی پر جو اس وقت چولہے پر چڑھ رہی تہی،، اللہ،، کا لفظ نقش ہوگیا اس کرامت کی بنا، پر اس کے معتقدین نقشبندیہ کہلانے لگے۔ معتقدین کا اعتقاد ہے کہ جس طرح اُن ہانڈیوں پر خدائے پاک کا نام اس بزرگ کے نعرہ" اللہ،، سے نقش ہوگیا اسی طرح اسکا فیضان صحبت دلوں پر،، اللہ،، کا نام نقش کر دیتا ہے"

عمل کے بالکل برعکس ہے جو ہر ایک کام کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔

فرقہ نقشبندیہ کا یہی اصول ہے کہ صرف دل ہی سے خداوند تعالےٰ کی عبادت میں مصروف رہو۔ زندگی کو بیکار رہ کر مت گنواؤ۔ اس فرقہ کے اصول کے متعلق ایک فارسی نظم ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کا بانی بیکار زندگی کو ناپسند کرتا تھا۔ عبارت یہ ہے۔

،، اپنے ہاتھوں کو ہر وقت کام میں لگائے رہو لیکن دل کو خداوند تعالےٰ کی محبت سے منور رکھو۔ دُنیا کا ہر ایک کام کرو مگر اندرونی خیالات اور روحانی زندگی آخرت کے کاموں میں صرف کرو،،

چونکہ ترکستان کے لوگ بالعموم فرقہ نقشبندیہ میں سے ہیں اس لئے اسحاق خاں ان کو اپنا گرویدہ بنانے کی غرض سے اسی فرقہ میں شامل ہو گیا۔

اسحاق خاں کو اس فرقہ کے بعض چالاک پیروں نے یہ بہکا دیا کہ ہمیں الہام ہوا ہے کہ خواجہ نے تجھکو کابل کا تخت عنایت کیا ہے اسحاق خاں کو اس کا پورا یقین ہو گیا اور عام طور سے اپنے کو افغانستان کا امیر مشہور کر دیا یہ بات بھی بیان کرنے کے لایق ہے کہ اس بغاوت سے تیس برس پہلے مجھ کو اطلاع ہوئی تھی کہ اسحاق خاں نے اس مالگزاری سے جس کا حساب اس نے میرے پاس بھیجا تھا بہت زیادہ روپیہ وصول کیا ہے اور اس ملک کی آمدنی وہاں کے اخراجات کے واسطے کافی ہے اور زاید روپیہ جو مجھ سے طلب کیا گیا اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جب مجھے یہ معلوم ہو گیا تو میں نے ایک افسر کو اسحاق کے حساب کی جانچ کے واسطے بھیجا اور اُسے ہدایت کر دی کہ جو کچھ حال ہو بے کم و کاست تحریر کرو۔ بایں ہمہ مجھے اسحاق کے جملہ مکر و فریب سے آگاہی ہو گئی تھی میں نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اپنی رعیت کو اس کے خلاف سرگوشی کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی۔

دوسرے سال میں نے اُسے ملنے کے لئے بلایا اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی تحریر کیا کہ کل حساب بھیجدو لیکن اسحاق نے اپنی بیماری کا بہانہ کر کے معافی چاہی اور حساب اپنے نائب سے لکھوا کے بھجوا دیا اب میں نے سمجھ لیا کہ اسحاق خاں کے مکر و فریب حد سے زیادہ تجاوز کر گئے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا اسحاق خاں رعایا کے آدمیوں سے زبردستی اپنی اطاعت کا حلف لے رہا ہے اور جو شخص انکار کرتا ہے اس کو سخت سزا دی جاتی ہے۔

میں نے اسحاق خاں کی بیماری کا حال اُس کے خط سے معلوم کر کے اپنا خاص حکیم جس کا نام عبداللہ کو تھا اس کے علاج کے لئے بھیجدیا۔ اس عقلمند حکیم نے یہ خیال کر کے کہ ایسا نہ ہو کہ میری چٹھی اسحاق خاں کے آدمیوں کے ہاتھ لگ جائے میرے پاس اس مضمون کی رپورٹ بھیجی۔ کہ اسحاق کو زیادہ تر قلبی بیماری ہے۔ اس رپورٹ میں کنایتہً ظاہر کر دیا کہ بیماری کی اطلاع بالکل غلط تھی اسحاق کے دل میں امیر کی جانب سے کینہ بھرا ہوا ہے۔ لیکن باوجود ان تمام رپورٹوں اور خبروں کے جو مختلف ذرائع سے مجھے پہنچتی رہیں میں نے اسحاق کے خلاف کسی رپورٹ یا خبر کو ٹھیک نہیں سمجھا۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ مجھے نقرس کی بیماری سے نجات ملی تھی کہ جون ۱۸۸۸ء میں لمکان کی پہاڑی پر جو کابل سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے میں سخت بیمار ہو گیا اور اگست کے مہینہ تک برابر بیمار رہا اس عرصہ میں سوائے شاہی حکیم اور میرے مصاحبوں کے میرے پاس کوئی نہ آسکا کیونکہ حالت بیماری میں کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ میرے اس قدر بیمار رہنے اور کسی کو میرے پاس نہ آنے دینے نے رعایا میں ہل چل پیدا کر دی اور عام طور سے میرے مرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔

جب نمک حرام اسحاق نے میرے مرنے کی خبر سُنی تو اس نے میرے جانشین ہونے کا دعوےٰ کیا اور رعایا کو یہ کہہ کے دھوکا دیا کہ امیر مجھے اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے زیادہ چاہتا تھا پس ایسے وقت میں جبکہ کابل کا تخت بالکل خالی ہے اور خوف ہے کہ کہیں انگریز قابض نہ ہو جائیں۔ مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسحاق خاں کو اپنی اس چال میں کامیابی ہوئی اور وہ امیر بن گیا اور اپنے نام کا سکہ بھی ذیل کے کتبہ سے جاری کر دیا۔ (لاالہ الا اللہ امیر محمد اسحاق) یعنی خدا ایک ہے اور اسحاق اس کا امیر ہے جب میں نے یہ خبر سنی کہ اسحاق خاں نے ایسی بدمعاشی کی ہے تو جنرل غلام حیدر خاں اورک زئی اور جنرل وکیل خاں (جو اپنی بدچلنی کی وجہ سے اس نے جو امیر اسحاق کے مقابلہ میں ظاہر کی تھی برخاست کر دیا گیا) کمانڈنٹ عبدالحکیم خاں (جو لایق جنرل ابو احمد کا بیٹا عمر احمد خاں کا بھتیجہ۔ امیر کا فن جنگ میں اُستاد و اتالیق جنرل شہاب الدین کا پوتا افغانی فوجوں کا اُستاد ہے اور آجکل کابل میں ہاتھیوں کے توپخانہ کا انچارج ہے) بریگیڈیر فیض محمد خاں (جو اب امیر کے باڈی گارڈ کا افسر ہے) کرنل حاجی گل خاں۔ کرنل عبدالحیات خاں اور دوسرے سرداروں کو چار سواروں کی رجمنٹ اور تیرہ پیادہ کی پلٹنوں اور ۳۶ توپوں کے ساتھ براہ بامیاں اسحاق کے مقابلہ پر روانہ کیا۔

دوسری جانب سردار عبداللہ خان ٹوخی جو اسوقت کتغان اور بدخشان کا گورنر تھا (اب میر کا پرسنل اسسٹنٹ ہے) مشرق سے بلخ کی طرف روانہ ہوا - ۱۷ ستمبر جنرل غلام حیدر خاں کی فوج مقام ایبک میں پہنچی اور اسی مہینہ کی ۲۳ تاریخ کو سردار عبداللہ خاں کی فوج بھی جنرل غلام حیدر خاں کی فوج سے مل گئی - ۲۹ ستمبر غزنی گاک کی گھاٹی پر جو تاشکرغان کی جانب جنوب ۳ میل پر واقع ہے لڑائی ہوئی - لڑائی نہایت سخت تھی اسحاق خاں کے پاس بیس ہزار سے چونتیس ہزار تک فوج تھی اور وہ اور اس کا بیٹا سردار اسمعیل اس فوج کی خود کمان کر رہے تھے اور نہایت سرگرمی سے کوششیں کی جارہی تھیں کیونکہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ یہ لڑائی طرفین کی قسمت کا آخری فیصلہ ہے - علاوہ ازیں ناظرین سوانح عمری کو پچھلے بابوں کے پڑھنے سے معلوم ہو گیا ہے کہ سوائے سردار عبداللہ خاں کے میرا کوئی بھروسہ کا دوست نہیں تھا اور نہ سوائے جنرل غلام حیدر خاں کے کوئی تجربہ کار افسر - صرف یہ لوگ ایسے تھے جن کا مغلوب کرنا کچھ آسان بات نہ تھی - محمد اسحاق اپنے باپ کی طرح سے نہایت ڈرپوک تھا لیکن اس کے فوجی افسر منتخب تھے جن کو میں نے اس غرض سے کہ اگر روس سے لڑنے کا موقع ہو تو اچھی طرح کام دے سکیں - اسحاق کے پاس بھیجدیا تھا جنرل محمد حسین خاں اور کرنل فضل الدین خاں اور دیگر افسر انہیں چیدہ افسروں میں تھے جن کو میں نے انتخاب کر کے بھیجا تھا اور اس وقت وہ میرے مقابلہ پر اپنی فوجی قابلیت دکھا رہے تھے -

صبح سے رات گئے تک لڑائی بڑے زور شور سے ہوتی رہی اور طرفین کے سپاہی بڑی بے جگری سے لڑا کئے مقتولین اور زخمیوں کی تعداد بیشمار تھی - دوسرے دن لڑائی پھر اسی جوش و خروش سے ہوئی اور آخر کار میری فوج کے ایک کالم کو جو سردار احمد خاں - جنرل وکیل خاں اور کمانڈر محمد حسین اور عبدالحکیم کی ماتحتی میں لڑ رہا تھا محمد اسحاق کی فوج سے جو محمد حسین سکنہ ہزارا کی ماتحتی میں تھی بڑی بھاری شکست ہوئی دوسری طرف جبکہ غلام حیدر خاں اور دشمن کی فوج سے ایک خطرناک لڑائی ہو رہی تھی بعض نمک حرام سپاہی محمد حسین کی فوج سے جا ملے اور محمد اسحاق کے سامنے پیش ہونے کی غرض سے اس پہاڑی پر جہاں وہ بیٹھا ہوا لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا چڑھ گئے - محمد اسحاق نے ان آدمیوں کو آتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا کہ میری فوج کو شکست ہو گئی اور یہ لوگ مجھے پکڑنے کو آرہے ہیں فوراً بھاگ گیا - محمد اسحاق کی فوج آفتاب غروب ہونے کے بعد تک اسی جوش کے ساتھ جنرل غلام حیدر خاں سے لڑتی رہی - اور یہ فوج بیجگری سے لڑ رہی تھی - ادہر محمد اسحاق سے جس قدر جلد ممکن ہو سکا بھاگ کے بچنے کی کوشش میں سرگرم رہا جب فوج

نے یہ سنا کہ اُس کا سردار بھاگ گیا فوج کا جی چھوٹ گیا۔ اور بالآخر ۲۹ ستمبر جنرل غلام حیدر خاں کو اسحاق کی فوج پر پوری فتح حاصل ہوئی۔

جس طرح محمد اسحاق بھاگنے کے کام میں مشغول تھا ایسی ہی میری وہ فوج جس نے محمد حسین کے کالم سے شکست پائی تہی۔ بھاگوں بھاگ کابل پہنچی بہت لوگ خوف کے مارے راستہ ہی میں سے اپنے گھروں میں جا چھپے۔ فراریوں کی اس جماعت نے تمام ملک میں مشہور کردیا کہ جنرل غلام حیدر خاں قتل ہوگیا۔ تمام فوج کاٹ ڈالی گئی اور اب امیر کی سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔ میں اس خبر سے اس طرح پریشان نہیں ہوا جس طرح شیر علی خاں اور چچا اعظیم پریشان ہوجاتے تہے اور فوج کے شکست پاتے ہی بھاگ جاتے تہے میں نے نہایت صبر کے ساتھ اپنی آئندہ قسمت کا انتظار کیا۔ اس کے دوسرے دن جب یہ ہاری ہوئی فوج کابل پہنچی یہ خبر ملی کہ جنرل غلام حیدر خاں کو لڑائی میں فتح ہوئی اور دشمن کی تمام فوج پریشان ہوگئی اس واقعہ نے ثابت کردیا کہ فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میری فوج نے ابتدا میں شکست پائی۔ محمد اسحاق کے پاس فوج کی تعداد زیادہ تہی مگر اس پر بہی چونکہ خدا کو مجھے امیر رکھنا منظور تھا دشمن کی فوج نے بُری طرح زک پائی۔

اسحاق کے چند وفادار افسروں نے اسے بہی یہ مژدہ سنایا تھا کہ اس کی فوج نے فتح پائی مگر اس نے باور نہیں کیا اور ان افسروں کو یہ کہہ کے قتل کرادیا کہ تم دہوکا دیکے مجھے پکڑوانا چاہتے ہو۔

غلام حیدر خاں کی اس فتحیابی کے انعام میں میں نے دوسرا امتیازی نشان اُسے عطا فرمایا اور ترکستان کے کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ترقی عطا کی۔ جس عہدہ پر وہ اب تک مامور ہے۔

اسحاق کی شکست کے بعد بعض اسباب کی وجہ سے مجھے ترکستان جانا پڑا۔ میرے ترکستان جانے کی خاص وجہ یہ تہیں۔

اوّل۔ ملک کو باقاعدہ کرنیکی غرض تہی اور انتظامی معاملات مدِّنظر تہے جسکو عرصہ سے اسحاق انجام دیرہا تھا

دوّم۔ سلطان مراد جیسے نمک حرام افسروں کو جو اسحاق خاں کا مددگار تھا وہاں سے علیحدہ کرنا منظور تھا تاکہ آئندہ کسی شرارت اور مشکلات کا سامنا نہ ہو۔

سوم۔ مجھے اس بات کی اطلاع مل چکی تہی کہ ایک پڑوسی سلطنت ملک دبانے کے فکر میں ہے اور اسی کے اشتعال سے اسحاق نے بغاوت کی تہی۔

چہارم - مجھے یہ بیان کیا گیا تھا کہ بعض افسر جو ترکستان میں رہ گئے تھے اور اسحاق کے شریک نہیں ہوئے تھے حقیقت میں اُن کا لڑائی میں شامل نہ ہونا وفاداری کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اگر محمد اسحاق ڈرپوک نہ ہوتا تو ضرور شامل ہو جاتے ۔

اس معاملہ میں جہاں تک میں نے تحقیقات کی یہ خبر بالکل غلط نکلی - علاوہ ازیں میرا ایک قلعہ کی بنیاد ڈالنے کی غرض سے ہرات جانیکا ارادہ تھا جس سے روس کے حملہ کی کافی روک ہو جاتی مگر افسوس ہے کہ اس کام میں بوجہ روپیہ نہ ہونے کے ناکامیابی ہوئی - مجھے امید تھی کہ گورنمنٹ اس کام میں مجھے مدد دیگی - مگر چونکہ اس کا کوئی انتظام نہ ہو سکا میں نے ملک کی آمدنی سے جو کچھ بچا اس کام میں صرف کر دیا - اور ایک جدید قلعہ دیہہ وادی میں جو مزار شریف کے قریب ہے بنا دیا - یہ قلعہ میری سلطنت میں سب سے زیادہ مضبوط اور بڑا ہے - یہ قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے اور گھاٹیوں سے محفوظ ہے جہاں سے ایک خاص راستہ روسی سرحد کو ہے جو بلخ (پایۂ تخت ترکستان) سے جاتی ہے - میں کابل میں اپنے لڑکے حبیب اللہ خان کو چھوڑ کے ۱۸۸۸ء کے موسم بہار میں مزار شریف روانہ ہوا - اور جولائی تک وہاں رہا - اسی زمانہ میں میرے وفادار ملازم جنرل امیر احمد خاں کا جو ہندوستان کی سفارت پر مقرر تھا - انتقال ہو گیا اور اس کے انتقال کی خبر مجھے لارڈ ڈلینسڈون سے ملی جو بجائے لارڈ ڈفرن وایسرائے ہند ہو کے تشریف لائے تھے - وایسرائے نے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے مجھے اپنی بیش قیمت رائے سے مشکور کیا اور لکھا کہ افغان کے اندرونی معاملات کی خاص نگرانی ہونی چاہئے میں نے جن وجوہات سے وایسرائے کی رائے پر عمل درآمد نہیں کیا اُن کا بیان آیندہ کسی خاص موقع پر کیا جائیگا -

سلطان مراد ترکستان سے میرے آنے کی خبر سُن کے بھاگ گیا اور اب وہ روسی ترکستان میں رہتا ہے جس زمانہ میں میں مزار شریف میں موجود تھا بدخشاں کے لوگوں نے بھی سرکشی اختیار کرنی شروع کر دی تھی مگر میں نے کافی سزائیں دیں - جس کے بعد انہوں کسی قسم کی سرکشی نہیں کی -

میرے ترکستان کے زمانہ قیام میں ایک واقعہ اور درپیش آیا کہ باہ دسمبر ۱۸۸۸ء عجب مین بمقام مزار شریف اپنی فوج کا ملاحظہ کر رہا تھا ایک سپاہی نے مجھے گولی ماری - میں بال بال بچ گیا ورنہ اُس دن تو خاتمہ ہی ہو جاتا - جس قدر مجھے اپنے بچنے کا تعجب ہے اسی طرح اُن تمام آدمیوں کو تعجب ہوا جو وہاں پر موجود تھے کیونکہ سپاہی نے تاک کے گولی ماری تھی مگر خدا کی قدرت کہ گولی اُس کرسی ۔

میں بیٹھا تھا اس کے بالکل بیچ میں ہو کے نکل گئی اور بجائے اس کے کہ میں اس گولی کا نشانہ ہوتا ایک دوسرا شخص جو میرے پیچھے کھڑا تھا نشانہ بن گیا۔ میں نے اس کرسی کو اب تک اس واقعہ کی عجیب یادگار میں محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ یہ خیال کہ کرسی بڑی ہو گی اور اس وجہ سے گولی نے خطا کی بہت ہی ناواجب خیال ہو گا کیونکہ جیسا میں تنومند آدمی تھا ایسی کرسی بھی لمبی چوڑی تھی۔ مگر وہ اتنی ہی بڑی تھی جس پر مجھ جیسا شخص اچھی طرح بیٹھ سکتا تھا۔ سوائے خدا کے کوئی دوسرا بچانے والا نہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت کا مضمون کہ موت کا خاص وقت مقرر ہے جس سے ایک لحہ کم و بیش نہیں ہو سکتا بالکل ٹھیک ہے علاوہ اس کے چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے میں بچگیا۔ ان اسباب پر مجھے پورا پورا یقین ہے اور جس یقین کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے بہت اچھی طرح ہوتا ہے۔

بچپن میں یہ سنا تھا کہ بعض بزرگوں کے پاس ایسے تعویذ ہیں کہ جس کے پاس وہ ہوتے ہیں اُن پر کسی قسم کا حربہ اثر نہیں کرتا۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا اور خیال کیا کہ پرچہ کاغذ میں یہ اثر کس طرح ہو سکتا ہے آزمائش کے طور پر میں نے ایک بکری کے گلے میں وہ تعویذ باندھ دیا اور اُس پر گولی چلائی۔ میں نے بہتیری کوشش کی کہ گولی بکری کے لگے مگر ہر دفعہ گولی نے خطا کی اور بکری کو آنچ تک نہ آئی۔ اس واقعہ سے عملیات پر میرا پورا اعتقاد جم گیا۔ اور بچپن سے وہ تعویذ میرے بازوئے راست پر بندھا تھا اور اس وقت بھی وہی تعویذ تھا جس سے میں بچگیا ورنہ اس گولی سے ہرگز نہ بچ سکتا تھا۔ میرا اس تعویذ پر یہاں تک اعتقاد ہے کہ گولی اگر میرے جسم کے اندر سے بھی ہو کے گزر جاتی تو بھی مجھے اس گولی سے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

افسوس ہے کہ سپاہی کی جرأت کا سبب نہ معلوم ہوا کیونکہ میرے جنرل نے جو اس سپاہی کے قریب ہی تھا میرے منع کرتے کرتے اپنی تلوار سے اُس سپاہی کو ہلاک کر دیا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ سپاہی کی اس جرأت کا سبب کسی خاص اور زبردست دشمن کی سازش تھی۔

دوسرا واقعہ جو میرے زمانہ قیام ترکستان میں ہوا یہ تھا کہ ۱۵ ستمبر ۱۸۶۹ء کو میری دو بیویوں کے لڑکے پیدا ہوئے ایک ۱۵ ستمبر کو اور دوسرا اکتوبر کے مہینہ میں۔ پہلے لڑکے کا نام حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے نام پر محمد عمر رکھا گیا اور دوسرے کا نام حضرت علی کرم اللہ وجہ خلیفہ چہارم کے نام پر غلام علی رکھا۔ غلام علی آجکل ترکستان میں ہے جسے میرے آدمی بہت ہی عزیز رکھتے ہیں اور اُسے میری عدم موجودگی

یہ مثل میرے اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ محمد عمر غلام علی سے بہی ہوشیار ہے اور وہ کابل میں رہتا ہے اور اکثر اپنے بڑے بھائی حبیب اللہ کے دربار میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہوتا رہتا ہے اور دربار میں وہی آداب و قواعد ملحوظ رکھے جاتے ہیں جو میرے دربار میں ہونے چاہئیں۔

میں ترکستان سے ۲۴ جولائی کو کابل واپس آیا۔ کابل سے میری عدم موجودگی میں جملہ انتظام حبیب اللہ خان کے سپرد تھا اس نے اس خوبی عقلمندی اور میری مرضی کے موافق ملک پر حکمرانی کی کہ میں بہت ہی خوش ہوا اور میں نے خاص طور سے انتظام سلطنت اس کے سپرد کر دیا اور قندھار اور ہزارا کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے اسے حکم دیا۔ حبیب اللہ خاں نے اس موقع پر اپنی بہادری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ کہ وہ سپاہیوں میں تن تنہا چلا گیا اور ان کو یقین دلایا کہ ان پر ہر طرح اطمینان ہے اور وعدہ کیا کہ ان کی ہر ایک شکایت سنی جائے گی اور انصاف کیا جائے گا۔ ان تدابیر سے حبیب اللہ خاں نے بلا کسی فوجی امداد کے اس غدر کو فرو کر دیا۔ اسی طرح اس نے بغاوت کے دو اور موقعوں پر جو مقام حاجی اور جنگل پیدا ہوئی تھی اپنی انتظامی قابلیت سے کام لیکے بغاوت کو فرو کر دیا۔ اس وقت سے میں نے اس کو عام دربار کرنے کا اختیار دیدیا اور میں نے صرف سرحدی معاملات اور اندرونی خاص خاص کام اپنے ہاتھ میں رکھے اور باقی کل کاروبار سلطنت حبیب اللہ خاں کے سپرد کر دیا۔

(جنگ[1] ہزارا)

اُن چار ملکی لڑائیوں میں سے جو میرے زمانہ حکومت میں ہوئیں یہ آخری لڑائی تھی جس نے نہ صرف میرے روپیہ اور فوج کا ہی نقصان کیا بلکہ یہ لڑائی ملک کے لئے مخل امن ہوئی۔

---

[1] ہزارا کے لوگ صدیوں سے کابل کے بادشاہوں کے واسطے خطرناک ثابت ہو رہے تھے۔ یہانتک کہ نادر جیسا بادشاہ جس نے افغانستان۔ ہندوستان اور ایران کو فتح کیا وہ بھی ہزارا کے آدمیوں کو مطیع نہ کر سکا۔ ہزارا کے لوگ شمال۔ جنوب اور افغانستان کے مغربی صوبہ جات کو تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے اور ملک میں صرف اس وقت تک امن رہتا تھا جب یہ لوگ اپنی لوٹ مار کو ختم کر دیتے تہے۔ جو سلطنت افغانستان پر حملہ کرے سب سے پہلے ہزارا کے لوگ اس کو مدد دینے پر تیار ہو جاتے تھے کیونکہ وہ افغانیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ ہزارا کے باشندے شیعی مذہب رکھتے ہیں اور تمام لوگ جو افغانستان میں رہتے ہیں وہ سُنی المذہب ہیں۔ ہزارا کے لوگوں کی بابر بادشاہ جو سولہویں صدی میں سلطنت مغلیہ کا ایک عظیم الشان بادشاہ گزرا ہے (بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۲۱۶)

ہزارا کے لوگوں کے حال سے ناظرین کو مطلع کرنے کی غرض سے اس موقع پر کچھ انکا حال لکھے دیتا ہوں یہ لوگ افغانی علاقہ کے درمیان جگہ جگہ منتشر ہیں۔ گھاٹیوں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رہتے ہیں جس کا سلسلہ کابل سے غزنی۔ قلات۔ غلزی اور ہرات اور بلخ تک پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ اس کثرت آبادی کے جو ملک کے درمیان میں واقع ہے اور جس کا قیام نہایت زبردست مقام پر ہے ہزارا کے لوگ ملک کے ہر قصبہ اور گاؤں میں موجود ہیں۔

افغانستان میں ان لوگوں کے واسطے یہ بات مشہور ہے کہ وہ مثل گدہے کے محنتی ہیں اور وہ اپنا ہر ایک کام[5] خود کرتے ہیں۔

ہزارا کے آدمی مخلوط النسل ہیں۔ جو منگولیوں کے فوجی آدمیوں کی نسل سے ہیں۔ سولہ صدی میں ابوالفضل ان لوگوں کے متعلق یہ لکھتا ہے۔ کہ وہ میراں خاں چنگیز خاں کے پوتے کی بقیہ فوج کے آدمی ہیں۔

افغانیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ ہندوستان کے مغربی حملہ آوروں کا یہ دستور تھا کہ اپنے آدمیوں کو ہندوستان کے راہوں پر رکھتے تھے اور وہاں اُن کے رہنے کو مکان اور سواری کو گھوڑا اپنی طرف سے دیتے تھے تاکہ ملک غنیم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور یہی سبب ہے کہ منگولیوں نے ہزارا کو افغانستان کے اس سرے سے اُس سرے تک بسا دیا جو مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جس طرح وہ لوگ جو اب کافر کہلاتے ہیں سکندر اعظم کے بسائے ہوئے ہیں اور یہ لوگ سب شیعہ ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵۔ خود لکھتا ہے کہ میں کبھی ان لوگوں سے کھلے میدان میں جنگ نہ کرسکا۔ میں اس جگہ بابر کے وہ الفاظ جو اس نے تحریر کئے ہیں بجنسہ تحریر کئے دیتا ہوں۔

"میں نے ہزارا کے لوگوں سے اس حکمت سے میدان لیا کہ رات کے وقت ان پر چھاپا مار کے مقام مرغ پر قبضہ کرلیا اور صبح کو بعد از نماز اُن پر حملہ کردیا اور اس طرح اُن کو اپنے خواہش کے موافق سزا دی"

"سلطان بابر لکھتے ہیں کہ ہزارا کے لوگ لوٹ مار کے عادی ہیں کوئی قافلہ جب تک اس کے ساتھ ایک زبردست گارڈ نہ ہو۔ سفر نہیں کرسکتا"

حاشیہ صفحہ ۲۱۶۔ ۵ تمام سخت اور مشکل سے مشکل کام ہزارا کے محنتی لوگ کرتے ہیں اور مشکل سے کوئی گھر ہوگا جس میں ہزارا کا آدمی بہ حیثیت ایک ملازم۔ غلام یا سائیس کے موجود نہ ہو۔

ناظرین سوانح عمری کو ہزارا کے لوگوں کی اصلیت معلوم ہوگئی کہ وہ کون لوگ ہیں اور کس قدر بہادر اور کس چال چلن کے ہیں لہذا اب میں اس لڑائی کے اسباب بیان کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ لوگ راستوں کو لوٹتے اور مسافروں کو مار ڈالتے تھے لیکن صرف یہی وجہ کافی نہ تھی جس سے اُن کی سرکوبی کیواسطے تیاری کی جاتی علاوہ ازیں اُن کے بعض سردار میرے دوست تھے جن کے ساتھ مجھے بھی دوستانہ برتاؤ کرنا لازم تھا مگر ۱۸۸۸ء میں جبکہ میں ترکستان کی پیچیدگیوں میں مبتلا تھا۔ مزار شریف کو براہ ترکستان سفر کر رہا تھا کہ ہزارا کے ایک جرگہ نے شیخ علی کو جو مابین شمال و مغرب میں رہتا تھا میرے مقابلہ پر آمادہ کیا جس نے میرے سپاہیوں سے چارہ اور خوراک خریدنے کی مزاحمت کی۔

مجھے اس مزاحمت سے سفر میں نہایت تکلیف ہوئی۔ جب میں ۱۸۹۰ء میں پھر کابل واپس آیا میں نے سردار قدس خاں کو بامین کا گورنر مقرر کیا اور اُسے ہدایت کردی کہ وہ ہزارا کے سرداروں کو بلا کے اُن کی خاطر و مدارات کرتا رہے اور ان کو خلعت اور انعامات سے سرفراز کرے جس سے وہ صلح اور راستی پسند ہو جائیں ایک اور مشکل یہ پیش آئی کہ ہزارا کے شیخ علی کا فرقہ میر حسین اور بعض دیگر سرداروں کے مشورہ سے مسلح ہو کے کاروانوں کو لوٹا کرتا تھا۔ اب انہوں نے میرے ایک افغانی دستہ فوج پر بھی حملہ کردیا۔ اس لئے میں نے ان کے مقابلہ پر فوج بھیجی جس فوج سے وہ مغلوب ہوئے بعض بھاگ گئے بعض نے اطاعت قبول کرلی اور بہت سے قید ہو کے کابل لائے گئے۔ میں نے قیدیوں سے بہت اچھا برتاؤ کیا انہیں صلح پسند رعایا بنے رہنے کی قسمیں لیکے رہا کردیا۔

۱۸۹۱ء کے موسم بہار میں ہزارا کے چند جرگوں نے پھر قافلوں کو لوٹنا شروع کردیا جس پر میرے فوجی افسروں نے اُن کے پاس یہ لکھ کے بھیجا کہ ہمارے چاروں طرف غیر سلطنتیں آباد ہیں وہ جب لوٹ مار کی خبر سنینگے تو انہیں سلطنت کی کمزوری کا گمان پیدا ہوگا اور خیال کرینگے کہ افغانی رعا صلح پسند نہیں ہے اور یہ بات ہماری نیکنامی پر دھبہ لگانے والی ہے۔ تم کو چاہئے کہ ایسی حرکات سے باز آجاؤ اپنی سلطنت کی عزت کرو اور صلح پسندی اختیار کرو جس سے افغانی رعایا غیر سلطنتوں کی نظروں میں حقیر نہ ہو۔

ہزارا کے لوگ تین سو برس سے لوٹ مار کر رہے تھے اور کسی بادشاہ کو اُن پر کامیابی نہ ہوئی تھی اس وجہ سے وہ اپنے کو نہایت طاقتور سمجھتے تھے اور اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ان کو میرے فوجی افسروں کا یہ مراسلہ پہنچا۔ انہوں نے دو تین درجن سرداروں کی مُہر کرا کے یہ جواب لکھا۔

"اگر تم افغانی اپنے دنیاوی امیر پر مغرور ہو تو ہم اپنے امیر مالک ذوالفقار پر نازاں ہیں۔ ہمیں تمہاری نہ کچھ پروا ہے نہ خوف" اس خط سے ان کا یہ مطلب تھا کہ شیعی جو علی کو بعد از خدا سمجھتے ہیں مجھ سے زبردست ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی ہمارے روحانی پیشوا اور اصحاب رسُول مقبول سے ہیں۔ اُن کی روحانی مدد کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن حضرت علی کی مدد ایسے مفسدہ پردازوں اور شریر النفس لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ خط میں ہزارا کے لوگوں نے یہ بھی لکھا تھا" او تم افغانی فوجی افسر صرف چار سلطنتوں کو پڑوسی سلطنت کیوں تحریر کرتے ہو۔ کیوں پانچ سلطنتیں نہیں خیال کرتے جن پانچوں سلطنتوں میں ہماری سلطنت بھی شامل ہے ہم تمہارے فائدے کے لئے تمکو اطلاع دیتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے مزاحم نہ ہو۔

اس خط کے پہنچنے پر میں نے سردار عبدالقدس خاں کو بامیان سے جنرل شیر محمد خاں کو کابل سے اور برگیڈیر زبردست خاں کو ہرات سے معہ فوج ۱۸۹۱ء کے موسم بہار میں ہزارا کے باشندوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ان تینوں افسروں اور فوجوں کی کمان پر سردار قدس خاں کو مقرر کیا۔ ہزارا کے باشندوں پر قبضہ پانا بوجہ دشوار گزار پہاڑی راستوں کے نہایت ہی مشکل تھا۔ لیکن قدس خاں نے نہایت بہادری سے جنگ کی اور دشمن کو پس پا کر کے شہر اورزگان پر جو ہزارا کے لوگوں کا صدر مقام تھا قبضہ کر لیا۔ اس شکست کے بعد بہت سے سردار میرے مطیع ہو گئے۔ جن کو سردار قدس خاں نے میرے پاس بھیجدیا۔ میں نے اُن سرداروں کی جو قریب ایک سو کے تھے نہایت خاطر کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ صدیوں سے خود مختار ہیں اور ان کو رام کرنا سوائے نیک سلوک کے اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ میں نے بڑی بیش قیمت خلعتیں اُنہیں معہ ہزار دو دو ہزار نقد روپیہ کے عطا کیں۔ جس کو انہوں نے اس نقصان کا جو ان کے سرداروں کو لڑائی کی شرکت میں ہوا تھا۔ پورا معاوضہ سمجھ لیا۔ میں نے ان کو خلعت اور انعام دیکر اُن کے گھروں کو واپس بھیجدیا۔

جاڑے بھر ہزارا کے لوگ بالکل خاموش رہے لیکن ۱۸۹۱ء کے موسم بہار میں انہوں نے ایک سخت غدر مچا دیا۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ محمد عظیم خاں جس کو میں نے سردار کا خطاب عطا کیا تھا اور میں شاہی خاندان کی طرح اس کی عزت کرتا تھا اور ہزارا کا وایسرائے بنا رکھا تھا۔ دغابازی سے ہزارا کے مفسدہ پردازوں سے مل گیا۔ جس سے ہزارا کے سرداروں کو ایک بہت بھاری قوت ہو گئی۔

اس مشہور افسر نے جس کو میں نے مقرر کیا تھا ہزارا کے عام باشندوں میں ایک نہایت جوش پھیلا دیا۔ اور ہر طرف سے جوق جوق ہزارا کے لوگ میرے مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے اور یہ ہنگامہ یا غدر پہلے سے بھی اہم ہوگیا۔

دوسرا نمک حرام شخص جس کا نام قاضی اصغر تھا اور جسے میں نے ہزارا کا قاضی بنا رکھا تھا اس غدر میں عظیم کا شریک ہوگیا اور ان سب نے ملکے کابل۔ قندھار اور دوسرے ملکوں میں میری فوجی نقل و حرکت کا راستہ بند کردیا۔ میں نے جنرل میر عطا خاں کو جو اس موقع پر کابل میں موجود تھا ۸۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ غزنی کی جانب سے ان باغیوں پر حملہ آور ہونے کیلئے روانہ کیا اور محمد حسین سردار ہزارا کو جو میرا پرسنل اسسٹنٹ تھا معہ اسکی فوج کے سردار عظیم کے مقابلہ پر بھیجدیا۔ باغی لوگوں کو اس فوج نے پسپا کردیا اور عظیم معہ اپنے خاندان کے قید ہو کے میرے پاس لایا گیا۔ جہاں وہ قید میں ہی مرگیا۔

محمد حسین سکنہ ہزارا جب اس فتح سے لوٹ کے آیا میں نے اس پر نہایت درجہ کی مہربانیاں کیں اور امتیازی نشان عطا فرمایا اور کلاہ شہزادگی مرحمت فرما کے خضراجات کا گورنر مقرر کردیا۔ اور سردار عبدالقدس کو جو نہایت بیمار ہورہا تھا اپنے پاس بلالیا اور شاہی حکیم کو اس کا معالج مقرر کردیا۔

بدبخت محمد حسین نے جس پر ایسی عنایتیں کی گئی تھیں اور جس نے خضراجات کی لڑائی میں کارنمایاں دکھایا تھا۔ ہزارا کے ان لوگوں کو جو پچھلی لڑائی کے بعد مطیع ہوگئے تھے بھڑکانا شروع کیا۔ اس نے بہودا اور سرکھ سانگ کے ہزاریوں کو بھی جو غزنی کے شمال و مغرب میں رہتے تھے بغاوت پر آمادہ کردیا۔ اور انہوں نے تمام سرکاری میگزینوں کو جہاں اُن کا دست رس ہوا غارت کردیا۔

بغاوت کی یہ آگ ایسی پھیلی کہ تمام ہزاریوں کے جرگے اور نیز وہ لوگ جو میرے پاس کام کرتے تھے اور اپنا اعتبار بڑھا رکھا تھا اور ہزاری جو میری قید میں تھے۔ بھاگ بھاگ کے باغیوں سے جاملے۔ دیہہ فاشر اور ہزارا کے دوسرے گاؤں کے باشندے دشمن سے جاملے یہاں تک کہ اکثر افغانی رعایا بھی دشمنوں سے مل گئی اور سلطنت میں ایک عام بغاوت پھیل جانے کا اندیشہ غالب ہوگیا۔

یہ وقت عجیب انتشار کا تھا۔ ایک طرف باغیوں کی بغاوتیں روزمرہ زیادتی پر ہورہی تھیں دوسری طرف گورنمنٹ ہند لارڈ رابرٹ کی ماتحتی میں کثیر تعداد فوج کی ایک مشن افغانستان میں بھیجنے کیواسطے زور دیرہی تھی۔ جس کی غرض یہ تھی کہ باغیوں کی سرکوبی کرنے کے بعد ملک پر قبضہ کرلیا جائے۔ علاوہ ازیں

ایک اور مصیبت یہ تھی کہ میمنہ میں عمر خاں سکنہ باجور نے آفت برپا کر رکھی تھی وہ فوجوں کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اور میں اُسے گورنمنٹ ہند کی حمایت کی وجہ سے کوئی سزا نہ دے سکتا تھا۔
ان وجوہات سے میں نے مجبوراً اس عام بغاوت کے فرو کرنے کو ممکن الوقوع کوششیں کیں۔
میں نے غلام حیدر خاں کو حکم بھیجا کہ جس قدر فوج ہو سکے اُسے لیکے ترکستان سے روانہ ہو جائے۔ یہ فوج ہزاریوں کے مقابلہ کے لئے شمال و مغرب کی جانب سے روانہ ہوئی اور ایک دوسری فوج کو میں نے ہرات سے قاضی سعید الدین گورنر ہرات کی ماتحتی میں عقب سے روانہ کر دیا۔ میں نے سردار عبداللہ خاں کو قندھار سے اور بریگیڈیر امیر محمد خاں سکنہ تاغب کو کابل سے جنوب کی طرف روانہ کیا۔ اس طریقے سے میں نے یہ انتظام کر لیا کہ باغیوں پر ہر چہار جانب سے حملہ کیا جائے۔
افغانی سرداروں نے مجھے عرضیاں دی تھیں اور درخواست کی تھی کہ ہمیں اپنے خرچ سے فوج بھرتی کرنے کا حکم مل جائے تاکہ ہم ہزاریوں کے مقابلہ پر فوج تیار کر لیں۔ اُن کی درخواستوں کو قبل از وقت ہونے کی وجہ سے نامنظور کر دیا تھا مگر اب میں نے عام حکم جاری کر دیا کہ ہر شخص باغیوں کی سرکوبی میں امداد دے۔ اس حکم کے نافذ ہوتے ہی قریب ۳۰۰۰۰ ہزار والنٹر اور چالیس ہزار جنگجو آدمی ہزارا اور دوسرے ملکوں سے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں باغیوں سے لڑنے کو تیار ہو گئے مگر قبل اس کے کہ یہ والنٹر اور ملکی فوج لڑائی میں بھیجی جائے باغیوں کو کمانڈر انچیف سعید الدین خاں نے سردار عبداللہ خاں اور بریگیڈیر محمد خاں کی فوج کا ساتھ دیکر مقام اورزغان کے قریب بالکل پس پا کر دیا۔
بریگیڈیر محمد خاں نے نہایت بہادری سے جنگ کی اور بہت سے باغیوں کو قتل کیا اور باغیوں کی بڑی فوج کو شکست دیکے محمد حسین خاں سردار ہزارا۔ رسول خاں اور ہزارا کے چند سرغنوں کو تاج خان میر ہزارا اور محمد حسین سکنہ ہزارا کو جو اپنی بہادری کی وجہ سے سنگ خورد کے نام سے مشہور تھے مع چند اور مفسدوں کے گرفتار کر لیا۔ یہ تمام شریر کابل لائے گئے۔ ملک ایسی فتنہ پردازوں سے صاف ہو گیا اور اب امن چین اور صلح کی بنیاد مستحکم ہو کے بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو بغاوت پر لوگوں کو آمادہ کرے۔ کیونکہ خود بغاوت کرنا نہیں چاہتے تھے۔
بریگیڈیر امیر محمد خاں جب کابل واپس آیا میں نے اس کو درجہ اول کا فوجی جنرل بنا دیا۔ اور بطور افسر انچارج دار السلطنت کابل اور محافظ خاندان شاہی مقرر کیا۔ فوجی افسروں کے واسطے بمقابلہ اس کے کہ وہ

کابل سے باہر کمانڈر انچیف بنا کے بھیجدیئے جائیں یہ ایک ممتاز عہدہ خیال کیا جاتا ہے اور یہ بہادر افسر اس عہدہ کا اپنی بہادری کے صلہ میں مستحق تھا۔ تمام دیگر افسروں کو بھی جو اس لڑائی میں شریک تھے حسب حیثیت انعامات عطا کئے گئے۔ بعض ہزاریوں نے اپنے شہروں میں پھر آباد ہونے کی التجا کی مگر میں نے بمصداق "آتش کشتن واخگر او گزاشتن کار خردمندان نیست" انکی اس درخواست کو نامنظور کیا۔ اس لڑائی کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملکی لڑائیوں میں یہ لڑائی سب سے آخری لڑائی تھی کیونکہ اب مجھے اس بات کا پورا بھروسہ ہے کہ میری حکمت عملی نے امن کے خیالات عام کر دیئے ہیں اور کسی طرح ملک کے اندر فساد ہونے کی امید نہیں ہو سکتی۔

افغانی رعایا کو صلح سے رہنے اور بغاوت کرنے کے پورے نتائج معلوم ہو گئے ہیں اور میں نہایت وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری رعایا جس طرح اب صلح پسند ہے اسی طرح آئندہ بھی رہے گی۔

اس باب میں شنواریوں یا اور ڈاکوؤں سے جو جھگڑے ہوئے ان کے بیان کرنے سے طول ہوگا اس لئے کہ وہ کوئی خاص مہم نہ تھی۔ تاہم میں اس مقام پر دو یا تین جھگڑے جو میرے فوجی افسروں اور روسی افسروں میں ہوئے معہ پنجدہ کے جھگڑے کے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ۱۸۹۲ء کے موسم بہار میں کرنل یونف جس نے اگست ۱۸۹۱ء میں کپتان ہینگ ہسبینڈ کو گرفتار کیا تھا شغنان کی طرف بڑھا۔ اور جولائی میں افغانی دستہ فوج کے قریب جو شمس الدین خاں کی ماتحتی میں کام کر رہا تھا بمقام سوماتش خیمہ زن ہوا۔ اور شمس الدین کو کہلا بھیجا کہ یہ جگہ ہمارے لئے خالی کر دو۔ شمس الدین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میں امیر کا ملازم ہوں اور میں سوائے اپنے امیر کے روسی افسر کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ روسی کرنل نے اس جواب کے سنتے ہی میرے فوجی افسر شمس الدین کے ایک گھونسا مارا۔ افغانی جو اپنی فطری بہادری کے مقابلہ میں اس توہین کو کبھی گوارا نہیں کریں گے۔ شمس الدین نے روسی کرنل پر گولی چلائی مگر اتفاق سے گولی نے خطا کی اور کرنل کے ذرا سی لگتی ہوئی ایک دوسرے سپاہی کے جو کرنل کے قریب کھڑا ہوا تھا جا لگی۔ اس گولی کا لگنا تھا کہ لڑائی ٹھن گئی اور افغانی صرف دس یا بارہ کی تعداد اُدھر روسی کرنل کے پاس معقول فوج۔ بیچارے افغانی کیا کر سکتے تھے مگر تو بھی افغانیوں نے میدان کو نہ چھوڑا اور یہ قلیل تعداد افغانیوں کی معہ کپتان شمس الدین اسی مقام پر بڑی بہادری سے لڑ بھڑ کے مر گئے۔

حالانکہ روسیوں کی جانب سے ایسی زیادتی کی گئی مگر گورنمنٹ ہند نے جو از روئے معاہدہ ہمیں مدد دینے

کے پابند تھے کوئی دخل نہیں دیا۔ میں اس وجہ سے نہیں بولا کہ از روئے عہد نامہ مجھے روسیوں کے مقابلہ براہ راست معاملہ کرنے کا اختیار نہیں تھا اور یہ مقام بھی پنجدہ کی طرح جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے افغانی قبضہ سے نکل گیا۔

جس زمانہ میں ہزاریوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ ایک روسی سپاہ سالار نے براہِ راست افغانی سرحدوں کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا جو خلاف معاہدہ تھا لیکن جب اس نے افغانی سرداروں کو مستعد پایا تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

ستمبر ۱۸۹۳ء ایک روسی افسر نے یہ سُن کے کہ سر مارٹیمر ڈیورنڈ کی مشن کابل آ رہی ہے مقام مرغاب پر جو بدخشاں میں ایک افغانی قصبہ ہے اپنی فوج اُتار لایا اور میری فوج کو دھمکانا شروع کیا۔ میں نے جب یہ حال سنا فوراً سر مارٹیمر ڈیورنڈ کو جو جلال آباد میں مقیم تھے اطلاع دی جنہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ تم اپنے جنرل کو تنبیہ کر دو کہ وہ روسی فوج سے نہ لڑے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کا ارادہ روسی افسر سے جنگ کرنے کا ہو چکا ہے۔

جب میرے پاس یہ جواب پہنچا۔ میں سمجھ گیا کہ روسی افسر ایک قصبہ آج اور ایک کل اسی طرح تمام افغانی سرحدی صوبوں کو دبا بیٹھیں گے اور کوئی ان کے مقابلہ پر میری مدد نہیں کرے گا۔ بہر نوع خوش قسمتی سے افغانی سرداروں نے روسی افسر کو اچھا سبق دیا اور ان کو اپنی جگہ سے بڑھنے کا مزا چکھا دیا جنرل سعید خاں جو یہاں پر تعینات تھا اس نے روسیوں کی بندوقوں کا نہایت سرگرمی کے ساتھ جواب دیا۔ یہاں تک کہ روسی افسر مغلوب ہو کے واپس ہٹ گیا۔ اس فتحمندی نے افغانی سرحد کو روسیوں کے آیندہ دستبرد سے نجات دلوادی۔ اور اس وقت سے آج تک روسیوں کو کبھی ہمت نہیں ہوئی کہ کسی سرحدی ملک پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے ایک قدم بھی آگے بڑھا سکیں۔

عہد نامہ ڈیورنڈ کے بموجب جو ۱۸۹۳ء میں ہوا جو صوبے گورنمنٹ ہند اقتدار میں شامل ہو گئے تھے انہوں نے گورنمنٹ ہند کے مقابلہ میں سخت لڑائیاں شروع کر دیں۔ مگر خوش قسمتی سے وہ صوبے جو میری حدود ملک میں شمار تھے ان کے باشندے میرے فرمانبردار اور صلح پسند رعایا بنے رہے۔

صرف ایک قوم کافرستان نے میرے مقابلہ پر ہتیار اُٹھائے تھے۔

کافرستان کے ملک کو میں لڑائی کے ذریعہ سے لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ ڈیورنڈ کے عہد نامہ کے بموجب

یہ ملک افغانی سرحد شمار ہوچکا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس ملک کے باشندے میری عنایتوں اور مہربانیوں سے میرے مطیع ہوجائیں۔ اس غرض سے میں نے چند مرتبہ کافرستان کے سرداروں کو کابل بلایا اور انہیں انعام واکرام سے مالامال کرکے واپس کردیا۔ انعامات کی بخشش اس غرض سے تھی کہ یہ لوگ اپنے گھروں کو جاکے اپنے اپنے ساتھیوں سے میرے نیک سلوک کا ذکر کریں اور میری جانب سے عام محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوجائے۔ کافرستان کے لوگ ایسے وحشی ہیں کہ باوجود اس قدر انعامات کے جو میں نے ان کو دیئے وہ اپنے بیویوں کو مویشیوں کے بدلے میں بیچ ڈالتے تھے اور اس وجہ سے عورت اور مویشی کی قیمت کے بارہ میں اکثر اُن میں جھگڑے ہوتے رہے۔ یہ لوگ میرے عطیہ اور برخلاف میری امید کے میرے فرمانبردار نہ بنے بلکہ انہوں نے اسی روپیہ سے مجھسے لڑنے کے واسطے رائفلیں خریدکیں۔ اسی موقع پر روس پامیر پر قبضہ کرلینے کے بعد کافرستان کے چند موقعوں کے قریب آلگا اور آگے بڑہنا شروع کردیا۔ میں نے اس وقت زیادہ توقف کرنا نامناسب سمجھا اور مجھے بہ وجوہات ذیل کافرستان کے آدمیوں سے لڑنا پڑا۔

اولاً میں نے خیال کیا کہ اگر روسیوں کا قبضہ کافرستان پر ہوگیا تو وہ اس ملک کو ایک آزاد ملک قرار دیدیں گے۔ اور پھر روسیوں کے قبضہ سے کافرستان کا نکالنا ایک اہم کام ہوجائے گا۔

دوسرے چونکہ صوبہ جات پنج شیر۔ لغمان اور جلال آباد کے چند قصبوں کے باشندے عرصہ سے کافرستان کے باشندوں سے میل جول رکھتے تھے یعنی یہ خیال ہوا کہ روسی ضرور ان لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیں گے کہ وہ افغانستان کی رعایا ہونے سے انکار کریں اور اس طرح افغانی رعایا میں بدنظمی پھیل جانے کی وجہ سے روس کو مداخلت کرنے کا پورا بہانا مل جائے گا۔

تیسرے یہ جنگجو قوم جو افغانستانی سرحد کی شمال ومغرب سے جنوب ومغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلطنت کے واسطے ایک خوفناک قیسب تھی۔ اور مجھے پورا یقین تھا کہ اگر کسی وقت کسی دوسری سلطنت سے لڑائی ہوگئی تو یہ ضرور بغاوت پھیلادیں گے۔ علاوہ ازیں تجارت کے وسیع کرنیکے واسطے ان لوگوں کا مغلوب کرنا نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے جلال آباد۔ اوسمار اور کابل کے شمالی اور شمال ومغربی راستے نہایت خطرناک حالت میں تھے۔ آخری وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ اپنے پڑوسی افغانیوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور سینکڑوں خون طرفین سے ہوتے تھے۔ منیر خلافی کی رسم

نہایت ترقی پر تھی۔ یہ لوگ ایسے بہادر ہیں کہ ان لوگوں کے مغلوب کرنے سے میرا خیال تھا کہ بالآخر یہ میرے مطیع ہونے پر ایک بہادر فوج کا کام دیں گے۔

مفصلہ بالا وجوہات سے میں نے کافرستان کے فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اپنے ارادہ کی تکمیل کے واسطے مجھے حملہ کا طریقہ اور موسم جس میں حملہ کیا جائے سوچنا پڑا۔ اول الذکر یعنی طریقہ جنگ ایک قابل غور مسئلہ تھا۔ مگر دوسری تجویز یعنی موسم کا تعین نہایت غور طلب بات تھی۔ بعد نہایت غور و تامل کے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ لڑائی کے واسطے موسم سرما نہایت بہتر ہوگا۔ موسم سرما ذیل کی وجوہات سے تجویز کیا گیا تھا۔

اولاً مجھے اچھے طور سے معلوم تھا کہ کافرستان کے لوگ بہری شایستہ فوج سے کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے مگر البتہ وہ پہاڑیوں کی چوٹی سے حملہ آور ہو سکتے ہیں جہاں پر توپوں کا لیجانا نہایت دشوار تھا۔

دوسرے مجھے خیال تھا کہ اگر کافروں پر ایسے موسم میں حملہ کیا جائے گا جبکہ راستے کھلے ہوئے ہونگے تو وہ بھاگ کے روسی عملداری میں چلے جائیں گے اور پھر روسیوں کو مداخلت کرنے کا اچھا بہانا ہو جائیگا اور روسی مداخلت کر کے ان کا ملک انہیں واپس دلا دیں گے اور اس تصفیہ کرنے کے صلہ میں خود ہی ملک کا بہت سا حصہ ہضم کر لیں گے اور اس طرح سے میرے ملک کی شمالی حدود کا بہت بڑا حصہ روسیوں کے قبضہ میں آجائے گا۔

تیسری وجہ یہ تھی کافر لوگ نہایت بہادر ہیں۔ اگر لڑائی موسم گرما میں کی جاتی تو ایک سخت آفت کا سامنا کرنا پڑتا اور طرفین سے ہزار ہا جانوں کا نقصان ہوتا۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ان پر ایسے موسم میں حملہ کیا جائے جب وہ جاڑے کی وجہ سے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہوں۔ جس سے ان کو زیادہ لڑنے کا موقع نہ ملے۔

چوتھی۔ عیسائی پادریوں کا یہ عام دستور ہے کہ جہاں کہیں بھی انہیں موقع ملتا ہے مداخلت کرنے سے نہیں چوکتے۔ اسی سبب سے مجھے خیال تھا کہ یہ لوگ کافرستان کی فتح میں خواہ مخواہ کی پریشانی پیدا کر دیں گے۔ یہی وجہ تھی جو میں نے موسم سرما تجویز کیا کہ جس میں کوئی اطلاع باہر نہ جانے پائے اور کوئی باہر سے کافروں کے معاملہ میں دخل اندازی کر سکے۔ اس آخری وجہ یعنی پادریوں کی وجہ کی بابتہ

انگریزی اخبار میری شہادت دیں گے کہ میرا خیال نہیں تھا۔

اس طرح سوسم کے مسئلہ کو ہر پہلو سے جانچکر میں نے جنگی تیاریاں شروع کیں کہ موسم بہار میں ایک بڑی تعداد سپاہیوں۔ سامان حرب اور رسد کی جمع کی۔ فوجوں کے دستے مختلف افسروں کی ماتحتی میں دیدیئے اور تمام فوج پر محمد علی خاں کو افسر مقرر کردیا۔

یہ کالم پنجشیر سے کلم کی طرف روانہ کئے گئے اور ایک زبردست فوج براہ راست کافرستان کو پہنچ گئی تھی۔ ایک دوسری فوج کو جنرل غلام حیدر خاں کی ماتحتی میں اسمار اور چترال کی طرف روانہ کردیا۔ تیسرے حصہ فوج کو جنرل قتل خاں کی ماتحتی میں بدخشاں سے روانگی کا حکم دیا گیا۔ اور تھوڑی سی فوج گورنر نعمان اور فیض محمد خاں کی ماتحتی میں نعمان سے روانہ کی گئی۔ ان چاروں دستہ فوج کو حکم دیدیا گیا کہ بالکل تیار اور حکم کے منتظر رہیں۔ چونکہ یہ چاروں موقعے جہاں پر فوج کی نقل وحرکت تجویز کی گئی تھی حدود افغانستان پر واقع تھے ہر وقت ان موقعوں پر فوج رہتی تھی اور اس وجہ سے اس جدید تیاری پر کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ اس نقل وحرکت کی کوئی خاص وجہ ہے۔

حملہ کے وقت تک کسی کو اس کی اطلاع نہ ہوئی کہ فوجوں کی روانگی کافرستان پر حملہ کی غرض سے ہی ۱۸۹۵ء کے موسم سرما میں ایک ہی دن میں نے چاروں کالموں کو کافرستان پر حملہ کرنے کی غرض سے کوچ کا حکم دیدیا۔ میرے اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔ اور صرف چالیس روز میں تمام کافرستان فتح کرلیا گیا اور فوج ۱۸۹۶ء کے موسم بہار میں کابل واپس چلی آئی جب عیسائی پادریوں نے اس فتح کی خبر سُنی تو انہوں نے انگلینڈ میں بہت شور وغل مچایا کہ کافر لوگ عیسائی تھے۔ حالانکہ میں نے ان لوگوں میں سے ایک کو بھی عیسائی مذہب کا نہیں پایا۔ ان لوگوں کا مذہب جیسا میں کسی جگہ لکھ چکا ہوں ایک عجیب مذہب تھا وہ بتوں کو بھی پوجتے تھے اور اکثر اور خیالات کے بھی پابند تھے۔

میں نے ان کافروں کو جو میری فوج سے بڑی بے جگری سے لڑے تھے اور قید ہو کے میرے پاس آئے گئے تھے کافرستان سے جلاوطن کرکے صوبہ نعمان میں جو کابل کے قریب ہے اور جہاں کی آب وہوا کابل کی آب ہوا سے اچھی ہے بھیج دیا تاکہ وہ ایسے مقام پر آباد ہو جائیں۔ میں نے کافروں کی تعلیم کے واسطے چند مدرسے جاری کردیئے۔ مگر کافر لوگ بہت بہادر ہیں اس لئے قریب قریب تمام جوان آدمی فوج کیواسطے نہایت اچھے ہیں۔ کافرستان کی آبادی نہایت وسیع ہے جہاں مغرورین افغانی اور دوسرے

جنگجو افغانی آباد ہیں۔ میں نے کافرستان کے فتح کرنے کے بعد اس کا ارادہ کر لیا کہ حدود کافرستان پر ایک مضبوط قلعہ بنا دیا جائے تاکہ آیندہ کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے۔

جس زمانہ میں کہ لوگ خود مختارانہ زندگی بسر کر رہے تھے سرحدی حالت نہایت خطرناک اور غیر محفوظ تھی اس لئے روسی دستبرد سے نجات پانے کو قلعہ کی تیاری نہایت ضروری تھی۔ میں نے قلعہ کلم کو (جو کافرستان کے قلب میں واقع ہے اور ملک کے بڑے حصہ ہونے کی وجہ سے نہایت اچھا مقام ہے) اپنی فوج کے رہنے کے واسطے تجویز کیا تاکہ اس فوج سے شمالی حدود کی بخوبی نگرانی ہو سکے یہاں سامان رسد اور حرب زیادہ رکھا جائے گا۔

ناظرین اس بات کو پڑھ کے خوش ہوں گے کہ قلعہ کلم کے دروازہ پر مجھے ایک پتھر ملا جس پر ذیل کی عبارت کندہ تھی۔

"مغلوں کی سلطنت کا سب سے زبردست بادشاہ تیمور سب سے پہلا مسلمان ہے جس نے اس ملک کو فتح کیا مگر کلم جو نہایت زبردست مقام ہے فتح نہ کر سکا۔

میرے کمانڈنگ افسر کپتان محمد علی خاں نے اس پتھر پر یہ عبارت کندہ کرائی۔

"امیر عبدالرحمن کے ہاتھوں ۱۸۹۶ء میں یہ ملک مع مقام کلم فتح ہوا۔ اور یہاں کے باشندوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ اور قرآن کی یہ پیشین گوئی کہ "ایمانداری اور نیکی آنے والی ہے بے ایمانی اور دغابازی کا خاتمہ ہونے والا ہے"۔ پوری ہوئی۔

جس طرح ہزارا کی لڑائی میں میرے ملک کے سرداروں نے والنٹروں سے سلطنت کی خدمت کی تھی کافرستان کی لڑائی میں بھی میری مدد کی۔ یہ آخری لڑائی تھی جو افغانستان میں میرے زمانہ حکومت میں ہوئی۔

بارہواں باب

پناہ گزیں اور جلاوطن

دوسری بات جس کو میں نے اپنی حیات میں نہایت ضروری سمجھا اور جو بعد میرے، میرے لڑکے کے دعوی تخت نشینی کی معاون ہوگی یہ تھی کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے افغانی ریاستوں کے

سرداروں اور اُن لوگوں کو جو ہندوستان یا روس سے جلا وطن کر دیئے گئے تھے اپنے دربار میں جمع کیا اُن لوگوں میں سے بُہت سے میرے حکم سے میرے لڑکے کے پرسنل اسسٹنٹ ہیں اور ان کو اس طرز معاشرت نے میرے لڑکے کا نہایت خیر خواہ دوست بنا دیا۔ میرے لڑکے کو ان سپاہیوں سے نہ صرف ضرورت کے وقت مشورہ لینے کا فائدہ ہوگا بلکہ ان سرداروں کا بارسوخ ہونا آئندہ شاہی خاندان کے لئے ترقی کا زینہ سمجھا جائے گا۔ ناظرین سوانح عمری کے سمجھانے کی غرض سے ان سرداروں کو چار طبقہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اول طبقہ میں وہ سردار ہیں جو افغانی سرحدات کے شمال و مغرب میں حکمرانی کرتے تھے۔ مگر انکی ریاستوں کو روس نے ضبط کر لیا مجبوراً انہوں نے میرے دربار میں پناہ لی۔ اس طبقہ کے لوگوں میں میر سواز بیگ امیر کلاب اور اُس کا خاندان۔ محمود حکمران درواز اور اس کا خاندان۔ تارا ہ اسمٰعیل سکنہ روشن جو بخارا کے بادشاہ کا لڑکا تھا علاوہ انکے چند اور آدمی بھی اس طبقہ میں شامل ہیں۔

دوسرے طبقہ میں۔ میر علی کا خاندان۔ میر جہاندار۔ میر حکیم کا خاندان اور اس کے رشتہ دار جن کے ملک مَیں نے اپنی شروع حکومت میں اپنی سلطنت کے ساتھ شامل کر لئے تھے۔

تیسرے طبقہ میں۔ وہ لوگ ہیں جو سلطنت برطانیہ سے لڑے یا جنہوں نے سلطنت برطانیہ کی دوستی سے انکار کیا۔ مثل عمرا خاں۔ میر مراد علی۔ اور چند دیگر سرحدی قبایل کے سردار۔

چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو یا تو افغانستان سے جلا وطن کر دیئے گئے تھے یا جنہوں نے ہنگامہ اور فساد کے وقت میرے خاندان کی معاونت کی تھی۔ اس طبقہ کے لوگوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) وہ لوگ جو بذات خود علیحدہ پارٹی یا گروہ کے سردار تھے۔ مثلاً سردار نور علی خاں۔ شیر علی والئے قندہار کے لڑکے جنہوں نے ہندوستان کو چھوڑ کے میرا ساتھ اختیار کر لیا ہی۔ سردار محمد حسین خاں جو باغیوں سے لڑا (یہ شخص ہندوستان میں تھا مگر اب میرے ہمراہ ہی) سردار ابراہیم خاں ولد امیر شیر علی جو اب تک ہندوستان میں ہی (وہ میرا دوست ہے اور اُسے میں پنشن دیتا ہوں) سید احمد خاں سکنہ گنار جو اس زمانہ میں میرے ساتھ ہے۔ سردار علی محمد خاں اور میرے چچا کے اور دوسرے لڑکے سردار ولی محمد خاں وغیرہ۔

(ب) اس حصّہ میں وہ لوگ ہیں جو ایوب خان کے ساتھی یا مددگار تھے جس کے ساتھ میرے دشمنوں کا

بہت بڑا گروہ تھا۔ ان سب لوگوں کو نام بنام بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن البتہ صرف یہ بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ان لوگوں میں سے بہت تھوڑے آدمی اس کے دوست رہے ورنہ اس سے منحرف ہو کے بہت آدمی میرے دربار میں چلے آئے اور اب میرے مددگار ہیں۔

(ج) وہ لوگ جو یعقوب خاں یا سردار ہاشم خاں کے ساتھی تھے۔ یہ لوگ بھی یعقوب خاں اور ہاشم خاں سے علیحدہ ہو ہو کے میرے پاس چلے آئے جنہوں نے یا تو میری ملازمت اختیار کر لی یا بلا ملازمت خدمت کرنے کو موجود ہیں۔

(س) اس حصہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو بحالت جلاوطنی ہندوستان یا روسی ترکستان میں آباد تھے جن کی نہ کوئی جماعت تھی اور نہ وہ خود کسی جماعت میں شامل تھے۔ وہ یا تو افغانستان سے بھاگ گئے تھے یا کسی خاص وجہ سے ترک وطن اختیار کر لیا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جنکو میں نے خود انکی بدچلنی کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ آخرالذکر گروہ میں سے بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اپنے وطن میں آنے کی درخواست کی اور میں نے اس کو نامنظور کیا۔

(د) پانچویں گروہ میں وہ آدمی ہیں جو ۱۸۸۸ء میں اسحاق کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ اسحاق خاں کا بھائی اب میری ملازمت میں موجود ہے۔ اس کے بقیہ ساتھیوں پر پوری توجہ کی جاتی ہے جو اپنے اپنے گھروں پر واپس کر دیئے جائیں گے اور میری صلح پسند رعایا ہو جائیں گے۔

ان طریقوں سے جو اوپر بیان کئے گئے میں نے اپنے لڑکے کے لئے کابل کی تخت نشینی میں کوئی جھگڑا باقی نہیں رکھا یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بڑا بہادر آدمی بھی کسی بڑی سی بڑی سلطنت کی جانب سے افغانستان کے مقابلہ پر آیا تو وہ تن تنہا جبتک اُسکے پاس کافی فوج نہو کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لحاظ سے میں نے پناہ گزینوں کو اپنی عملداری میں آباد کرنے اور اُن پر عنایتیں کرنیکی حکمت عملی کو خوب سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ جب درخت کی جڑ کاٹ ڈالی جائے وہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اور جس مکان کی بنیادیں ہل گئیں وہ ضرور گر پڑے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرا لڑکا بھی اس حکمت عملی میں میری تقلید کریگا۔ اور ان تمام آدمیوں کو جو اسکی عملداری میں پناہ لینا چاہیں پناہ دے گا۔ کیونکہ ایسے آدمی ہمیشہ کام آتے ہیں۔

پہلی جلد تمام ہوئی

تزک امیری

(حصہ دوم)

(یعنی)

(سوانح عمری امیر عبدالرحمن خان غازی امیر کابل)

(مصنفہ)

ضیاء الملۃ والدین امیر المومنین امیر عبدالرحمن خان غازی والی کابل
دولت خداداد افغانستان و کافرستان وغیرہ دام سلطنتہ و حشمتہ

(مترجمہ)

(میرزا حیرت ایڈیٹر کرزن گزٹ)

کرزن پریس دہلی مین چھپی ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء

تزکِ امیری

حصہ دوم

باب اوّل

(ورثائے تخت کابل)

اس مسئلہ کے متعلق کہ میرے بعد میرا کون جانشین ہوگا بڑی بڑی خیالات پیدا ہو رہی ہیں اور لوگوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہو رہا ہے کہ میں کیوں علانیہ کسی شخص کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر دیتا۔ جانشین تخت کے متعلق یہ ہی نہیں کہ غیروں کو ہی اس کے حالات معلوم نہوں بلکہ میری خاص رعایا اور خاندان کے آدمی بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ میں کس کو ولیعہد مقرر کروں گا۔ بعض لوگ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اپنے بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کو جانشین بناؤں گا۔ بعض کا گمان ہے کہ نصر اللہ خاں تخت کا مالک ہوگا کیونکہ میں نے اپنی جانب سے ملکہ معظمہ قیصر ہند سے ملنے کے لئے اُسی کو بھیجا تھا اور اسی سے لوگوں کو پورا یقین ہے کہ اُسی کو میں ولیعہد بناؤں گا۔ اکثر لوگ میرے لڑکے حفیظ اللہ خاں کو جس کا انتقال ہو گیا اور جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا تخت کا وارث جانتے تھے۔ بہت لوگ محمد عمر کو جس کی والدہ میری بارسوخ بیویوں میں سے ہے جانشینی کا مستحق سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں پر میں نے بوجوہات ذیل اس راز کو ظاہر نہیں ہونے دیا البتہ ان لوگوں پر جو عقل رکھتے ہیں اور حکمتِ عملی کے نکات کو اچھی طرح جانتے ہیں میں نے اپنی طرزِ عمل سے ظاہر کر دیا ہے کہ کون میرا وارث ہوگا۔ وہ وجوہات جن سے میں نے اس بات کو پوشیدہ رکھ چھوڑا ہے یہ ہیں۔

(۱) زمانہ سابقہ میں اکثر واقعات ایسے ہو چکے ہیں کہ لوگوں نے وارث تخت کو ہلاک کر دیا ہے اور اسی وجہ سے میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب تک ممکن ہو ولیعہد کو عام لوگوں میں مشہور نہ کروں

(۲) وہ مشکلات جو میرے پیشرو شیر علی کو عبد اللہ خاں کے ولیعہد بنانے میں پیش آئیں میرے لئے ایک عمدہ مثال ہیں کہ شیر علی کے لڑکوں نے اس انتخاب پر بغاوت پھیلادی اور شیر علی کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

(۳) خدا نے بادشاہ کو ایک گڈریہ کی طرح بنایا ہے اور جس طرح گڈریہ بھیڑوں کی پاسبانی کرنے پر مقرر کیا جاتا ہے بادشاہ خدا کی مخلوق میں امن چین رکھنے اور انصاف کرنے کے واسطے پیدا کیا گیا ہے پس میں نے اس مسئلہ کو خدا کے سپرد کر دیا ہے وہی جس کو چاہے گا اور جسے اس کام کے لایق سمجھے گا اُسے میرے بعد کابل کا تخت عنایت کرے گا۔

(۴) وہ لوگ جو افغانستان کی تاریخ اور کارناموں سے واقف ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ افغانستان میں وہی بادشاہ ہوتا ہے جس کو لوگ انتخاب کرلیں اور یہ دیکھا گیا ہے کہ جو بادشاہ زبردستی اور لوگوں کے خلاف مرضی تخت پر بیٹھ گیا وہ نہ صرف تخت سلطنت سے علیحدہ کیا گیا بلکہ جان سے مار ڈالا گیا اس لئے میں اس کو مناسب خیال کرتا ہوں کہ لوگوں پر خلاف اُن کی مرضی کے اپنے لڑکے کی ولیعہدی پر زور نہ دوں۔ یہی مناسب ہے کہ جس کو میری رعایا پسند کرے وہی ولیعہد کر دیا جائے۔

(۵) تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ جب کبھی کسی بادشاہ نے اپنی زندگی میں اپنا ولیعہد مقرر کر دیا تو وہ ولیعہد کے ہاتھ سے قبل از وقت مار ڈالا گیا۔ ولیعہد نامزد ہونے کے بعد ہمیشہ جانشین کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ میں جلد حکمران بن جاؤں اور اسی آرزو کے پورا کرنے کے واسطے بہت سے بیٹوں نے اپنے اپنے باپ کو قتل کر ڈالا۔ اگرچہ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میرے لڑکے ایسے نہیں ہیں مگر مجھے یہ بخوبی معلوم ہے کہ افغانی لوگ بالطبع بھائی کو بھائی سے اور باپ کو بیٹے سے لڑانا چاہتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اسی کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

(۶) مجھے یہ منظور نہیں کہ ولیعہدی کے انتخاب سے میرے جیتے جی میرے خاندان میں جھگڑے اور شکر رنجیاں پیدا ہو جائیں۔ اگر وہ عقلمند ہیں تو خود میرے لڑکوں میں سے ایک کو انتخاب کریں گے اور اس وقت کسی فساد یا جھگڑے کا اندیشہ نہ رہیگا اور اگر انہوں نے آپس میں فساد کیا تو انکا وہی حشر ہوگا جو میری نصیحتوں پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

اس سے زیادہ اور وجوہات بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں کہ کیوں، عام طور سے میں نے اپنے

جانشین کا اظہار نہیں کیا۔ مگر یہاں میں صرف یہ بتائے دیتا ہوں کہ میں نے اپنی طرز عمل سے اپنے ملک کی رعایا اور دیگر غیر افغانیوں کو یہ بات جتادی ہے کہ میں اپنے لڑکوں میں سے کسے ولیعہد بنانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ بہر نوع مجھے مزید تامّل کی ضرورت نہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اُن لوگوں کے بیانات کی تردید کردوں جو خواہ جہالت سے یا لالچ کی وجہ سے میری بیویوں اور بچوں کو دھوکا دیرہے ہیں کہ فلاں شخص وارث تخت ہوگا۔ اس میں بہت سے خانگی تعلّقات وابستہ ہیں اس لئے پوری تفصیل بیان کرنا غیر ضروری ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو ایسے رازوں کا پوشیدہ رکھنا ہی مناسب ہے۔ مگر جو کچھ بھی ہو وہ لوگ بھی جو ایسی ایسی افواہیں اُڑاتے رہتے ہیں بالکلیہ میرے ارادہ سے ناواقف ہیں۔

وہ حکمتِ عملی جو میں نے اپنے جانشین مقرر کرنے کے مسئلہ میں اختیار کی ہو اس کے متعلّق اگرچہ میں نے اپنی سوانح عمری کے کسی حصّہ میں بوضاحت بیان کردیا ہے مگر اس موقع پر بھی بحوالہ تاریخ افغانستان بالاجمال بیان کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

دُرّانی نسل جس میں میں بھی شامل ہوں اُسکا پہلا بادشاہ احمد خاں تھا جو احمد شاہ دُرّانی یا ابدالی کے نام سے مشہور تھا اور ۱۷۴۷ء مطابق ۱۱۶۱ہجری نبوی میں تخت نشین ہوا۔ احمد شاہ دُرّانی کو خود سرداروں اور مختلف قبایل کے سرغناؤں نے ملک کی بدامنی سے تنگ آکے امن اور چین قائم کرنے کے واسطے مقرر کیا تھا۔ احمد شاہ بمشورہ سرداران قبایل سلطنت کا کام انجام دیتا تھا۔ ایک مشہور اور زبردست حکمراں تھا۔ احمد شاہ دُرّانی نے ہندوستان کو فتح کیا اور مشرقی ممالک کے بادشاہوں میں ایک عظیم الشان شہنشاہ ہوگیا۔ احمد شاہ دُرّانی کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں میں جھگڑے اور فساد برپا ہوگئے جس کے مفصّل بیان سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوے ہیں۔ اور اس طرح احمد شاہ دُرّانی کی عظیم الشان سلطنت میں زوال آگیا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ شاہ شجاع تھا جس کے بادشاہ تسلیم کرنے پر انگریزوں نے لوگوں کو مجبور کیا تھا اور یہی وجہ ہے وہ معہ اُن انگریزوں کے جو اس کی تائید کرتے تھے افغانیوں کے ہاتھ قتل کردیا گیا۔

میرے جدامجد دوست محمّد خاں کو خود اس بات کا تجربہ ہوگیا کہ کیوں احمد شاہ دُرّانی کی نسل برباد ہوگئی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اپنی زندگی میں مختلف صوبہ جات کا گورنر اپنے لڑکوں کو بنا دیا تھا۔ اُنکا

ہر ایک لڑکا جداگانہ مالگزاری وصول کرتا تھا اور ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ فوج رہتی تھی۔ بادشاہ تیمور کی ۱۷۹۳ء میں وفات ہو گئی تو آپس میں جھگڑے ہوئے اور اس طرح سلطنت کو تنزل ہو گیا مجھے اس موقع پر اس بات کو بالتفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ تیمور کے لڑکوں کے لڑائی جھگڑوں سے میرے دادا دوست محمد خاں نے کس طرح فائدہ اٹھایا اور کس طرح کابل کا تخت حاصل کیا میرے دادا نے بھی بادشاہ تیمور کی طرح اپنے لڑکوں میں اپنے جیتے جی سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ اور ہر ایک کو جداگانہ فوجیں دیدیں جس حکمتِ عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر ایک لڑکا بذات خود علیحدہ خود مختار بن گیا ہر ایک کی ایسی حالت ہو گئی کہ بلا امداد ایک دوسرے سے لڑ سکتا تھا۔ مثلاً میرے والد ترکستان کے وائسرائے تھے اور اُن کے قبضہ میں اتنی بڑی زبردست فوج تھی کہ سوائے بادشاہ کے دوسرے کے پاس اس سے زیادہ نہ تھی۔ میرے دادا نے شیر علی اپنے دوسرے بیٹے کو کل فوج کا سپاہ سالار بنا رکھا تھا جو ان کی وفات کے وقت ہرات میں موجود تھا۔ میرے چچا عظیم صوبہ جات کرم اور جاجی کے مالک تھے اور ان صوبہ جات کی تمام فوج ان کے قبضہ میں تھی۔ شیر علی کا بھائی امین قندھار میں تعینات تھا۔ اور تمام فوج جو قندھار میں رہتی تھی اس کے سپرد تھی۔ سردار اسلم خاں ہزارہ اور بامیان میں حکمرانی کرتا تھا۔ غرض اسی طرح میرے دادا نے تمام صوبے اپنے لڑکوں میں تقسیم کر رکھے تھے چنانچہ اسی وجہ سے جب میرے دادا کا انتقال ہو گیا تو ان کے لڑکوں میں فساد شروع ہوا۔ اور اس جھگڑے نے سلطنت کو بہت کمزور کر دیا اور سخت خونریزی ہونے کے بعد جھگڑوں کا خاتمہ ہوا۔

جب ایسی ایسی مثالیں میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور خود میں ان کے بُرے نتائج دیکھ چکا ہوں تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں بھی اپنے بزرگوں کے قدم بقدم چلکے اپنے خاندان میں لڑائی جھگڑے کی بنیاد قائم کروں۔ میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ میرے سب لڑکے کابل میں رہتے ہیں اور بڑے لڑکے کے ماتحت ہیں۔

پہلے پہل میں نے بہت تھوڑا سا کام اپنے بڑے لڑکے کے سپرد کیا تھا مگر رفتہ رفتہ میں نے اسکو زیادہ کام سونپ دیئے اور جب وہ عمر میں بھی بڑا ہوا اور تجربہ بھی وسیع ہو گیا اس وقت سلطنت کے انتظامی شعبے اس کے سپرد کئے گئے۔ اب یہاں تک اس کے اختیار وسیع کر دیئے گئے ہیں کہ میں خود عام دربار میں شامل نہیں ہوتا جس طرح افغانستان میں قاعدہ تھا کہ بادشاہ دربار عام کرے اور خود ہی

اس سے پہلے دربار عام آپ کیا کرتا تھا۔ اب میرے بجائے میرا بڑا لڑکا دربار عام کرتا ہے۔ میں نے نصر اللہ خاں کو (جو حبیب اللہ خاں کا سگا بھائی ہے) مہتمم خزانہ اور افسر مال مقرر کر رکھا ہے جو اپنے بڑے بھائی کی ماتحتی میں کل کام انجام دیتا ہے اور ان محکموں کے متعلق کوئی کام بلا حکم اپنے بڑے بھائی کے انجام نہیں دیتا بلکہ جس طرح اس کو ہدایت ہوتی ہے اسی پر عمل درآمد کرتا ہے۔ اسی طرح میں اپنے دوسرے لڑکوں امین اللہ۔ محمد عمر۔ غلام علی وغیرہ کو رفتہ رفتہ انتظامی عہدوں پر مامور کر دوں گا۔ جو اپنے بڑے بھائی حبیب اللہ خاں کے ماتحت رہیں گے۔

ہر ایک محکمہ خواہ وہ فوجی ہو یا مالی اس کے تمام افسروں کی رپورٹیں میرے بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کے پاس آتی ہیں اور تمام افسر دربار عام میں اسی طرح شریک ہوتے ہیں جس طرح میرے دربار میں۔ گورنران صوبہ و افسران فوج جو سلطنت کے مختلف مقامات میں تعینات ہیں اُنکے تمام ہدایتی احکامات میری منظوری کے بعد میرے بڑے لڑکے کے دستخط اور مُہر سے جاری ہوتے ہیں۔ ایسے احکامات جو بطور قواعد یا ضابطے کے ہوتے ہیں ان میں میری منظوری کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی البتّہ جس معاملہ میں میری منظوری کی ضرورت ہوتی ہے اس میں میرا بڑا لڑکا خود مجھ سے مشورہ لے لیتا ہے۔ لیکن میں نے ہر ایک افسر کو سخت ہدایت کر دی ہے کہ وہ میرے لڑکے کو ایسا ہی سمجھیں جیسا کہ اس شخص کو سمجھنا چاہیے جس کے احکام واجب التعمیل ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے ۱۸۹۷ء سے میں نے خزانہ بھی اپنے بڑے لڑکے کے سپرد کر دیا ہے جو اس سے قبل میری نگرانی میں تھا جس قدر رقومات خزانہ سے ادا کی جاتی ہیں ان پر اُسی کے دستخط ہوتے ہیں۔ اس کو سرکاری ملازمین کی تقرری اور برخاستگی کا اختیار ہے اور ہر شخص کی تنزلی اور اضافہ تنخواہ کا معاملہ بھی اسی کو سونپ دیا گیا ہے اگرچہ یہ جملہ اختیارات بلا میری منظوری کے عمل میں نہیں لائے جا سکتے مگر پھر بھی اس کے احکامات اس طریقہ سے نافذ ہوتے ہیں جس سے عام لوگوں کو یقین ہے کہ میں نے اسے بالکل با اختیار بنا رکھا ہے۔ تمام عدالتوں کے حکم کا اپیل اُسی کے اجلاس میں ہوتا ہے عدالت مال فوجداری غرض جملہ عدالتیں اس کے ماتحت ہیں سوائے میرے خاص دربار کے کوئی دوسری عدالت اس کی افسر نہیں۔

بعض مصنّفین کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ کابل کے تخت پر متمکن ہونا محض ماں کے اعلیٰ مرتبت پر منحصر ہے۔

اپنی تائید میں وہ شیر علی کی تخت نشینی کا واقعہ پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شیر علی کی ماں شاہی خاندان میں سے تھی اس لئے وہ بہ مقابلہ میرے والد امیر افضل کے تخت سلطنت کا زیادہ مستحق تھا یہ بات بالکل غلط ہے میری ماں بادشاہ طہماسپ کے شاہی خاندان میں سے تھی اور شیر علی کی والدہ سیلمزئی خاندان کی تھی جو پوپلزئیوں کی ایک شاخ ہے اور اس کے بزرگوں میں سے کوئی کسی تخت پر نہیں بیٹھا۔

امیر دوست محمدؐ کی ماں قزلباشوں میں سے تھی جو افغانیوں سے بالکل علیحدہ قوم ہے مگر اس پر بھی وہ کابل کے تخت پر بٹھائی گئی۔

علاوہ ان سب باتوں کے خدائے پاک کی کتاب قرآن حمید اور اُس کے نبی کی شریعت کے بموجب تقسیم ترکہ میں بچّوں کی ماؤں کے اعلیٰ خاندان ہونے کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ اگر ایک ادنےٰ درجہ کی لونڈی سے بھی کوئی اولاد ہو تو وہ باپ کے ترکہ میں سے وُہی حصّہ پائیگا جو خاندان شاہی کی عورت کا بچہ پاسکتا ہے۔ اسی طرح اُس بیوی کا حق جو ایک لونڈی ہے۔ خاص منکوحہ بیوی کے حقوق کی طرح رکھے گئے ہیں۔

شریعت اسلام میں کم ذات اور اعلیٰ ذات کے ہونے کا خیال تقسیم ترکہ میں کچھ نہیں۔ اس لئے یہ بات بالکل خلاف شرع ہے کہ بادشاہ کی ایک بیوی ملکہ یا بادشاہ بیگم کہلائے اور دوسری بیوی کسی نام کی مستحق نہ ہو اگر چند عورتوں کا خاوند بادشاہ ہے تو وہ سب ملکہ یا بادشاہ بیگم ہیں اور اگر وہ فقیر ہے تو سب فقیرنیاں ہیں شریعت اس کی کبھی اجازت نہیں دیتی کہ بادشاہ کی ایک بیوی ملکہ کہلائے اور دوسری بیویاں ملکہ یا بادشاہ بیگم نہ کہلائیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ بیویوں میں سے بعض سے زیادہ محبّت ہوتی ہے اور بعض سے کم مگر بادشاہ کو ملکی انتظام میں ایسی محبّت کا خیال رکھنا ناواجب ہے جس طرح شیر علی نے عبد اللہ خاں کی تخت نشینی میں اس رعایت کا خیال رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں جھگڑے ہوئے اور شیر علی کے خلاف اس کے لڑکوں نے بغاوت کی۔

مذہبی پہلو سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ افغانی قوم ایک جنگجو قوم ہے جو بادشاہ کو اس کی ماں کی فوقیت یا نسل کے لحاظ سے انتخاب کرنا کبھی پسند نہیں کرتی بلکہ جسکو وہ حکمرانی کے لایق سمجھتی ہے اسی کو بادشاہ بناتی ہے۔ مگر بادشاہ بنانے میں بادشاہ کے باپ کا بادشاہ ہونا بھی

مدّ نظر رکھا جاتا ہے۔

جانشینی کے مسئلہ کے متعلق مسٹر کرزن (جو اب لارڈ کرزن ہیں) سب سے پہلے انگریز ہیں جن سے میں نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ ۱۸۹۵ء میں جب مجھسے اور لارڈ موصوف سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پہلے تو بطور مذاق اس مسئلہ میں دریافت کیا مگر پھر نہایت پولٹیکل عنوان سے دریافت کیا کہ کس کو وارث تخت سوچ رکھا ہے۔ میں نے صاف صاف جو کچھ بھی اس مسئلہ کے متعلق میرا ارادہ تھا ان سے بیان کر دیا۔ اور یہ بھی اچھی بات ہوئی کہ گفتگو ایسے موقع پر ہوئی کہ جہان سوائے دو تین آدمیوں کے جنہوں نے اس گفتگو کو سنا اور کوئی نہ تہا اور اس لیئے کوئی شرارت نہیں ہونے پائی۔

مذہب اسلام کے بموجب اور نیز جیسا کہ افغانیوں میں دستور ہے بڑا لڑکا تخت کا مالک ہوتا ہے بشرطیکہ وہ جانشینی کے قابل ہو اور قوم اُسے انتخاب کرے۔ بیسیوں مثالیں ایسی ہیں کہ ماں کے اقتدار اور رسوخ ہونے پر جب بادشاہوں نے اپنے چھوٹے لڑکے کو جانشین مقرر کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگیوں سے ملک برباد اور تباہ ہوگیا۔ عمدہ حکمت عملی میری رائے میں یہ ہے جس کو میں کام میں لایا ہوں یعنی شاہی خاندان اور شاہزادوں پر اپنے بڑے لڑکے کو با اثر بنا دیا ہے میں نے اپنے بڑے لڑکے کو اپنی زندگی ہی میں یہاں تک با اختیار بنا دیا ہے اور انتظام سلطنت میں اسکا تجربہ اس قدر وسیع کر دیا ہے کہ بادشاہ کے لڑکے مشکل سے اس درجہ پر پہنچے ہوئے ملیں گے۔ اسکو میرے مرنے کے بعد کسی قسم کی انتظامی ضرورت پیش نہ آئے گی کیونکہ بعد میرے اُسکو وہی خدمات انجام دینی پڑیں گی جن کو وہ اس وقت میری ہدایت کے بموجب بطور مشق کے کر رہا ہے۔ اس کو لڑنے جہگڑنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی نہ اس کے بھائی اُس کا مقابلہ کر سکیں گے کیونکہ وہ مثل دوسرے افسروں کے اس کے ماتحت ہیں۔ وہ بلحاظ خون کے بھائی ہیں مگر بلحاظ خدمات اور انتظام سلطنت کے ملازم ہیں۔

میری رعایا کو ملکہ وکٹوریہ کی طرز عمل سے سبق حاصل کرنا چاہیئے جنہوں نے اپنے لڑکے ڈیوک آف کناٹ کو ہندوستان میں بطور ملازم بھیجدیا جو انگریزی جرنلوں کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں اور انکو کبھی اس بات کا خیال نہیں ہوا کہ میں اُن لوگوں کے ماتحت ہوں جو میری ماں کے ملازم ہیں۔

میرے خاندان کے دشمن بہت سے ایسے ہیں جو باہر موجود ہیں لیکن یہاں میں صرف اپنے لڑکوں ہی کے متعلق چند الفاظ اور بیان کرونگا جو تخت کابل کے دعویدار ہیں انکا کسی اور جگہ ذکر کیا جائیگا۔ یہ بڑی تعجب کی بات ہی کہ اس زمانہ کے افغانستان سے اعلیٰ درجہ کے باخبر اور ذمہ دار انگریز معاملات افغانستان پر ۲۰ سال گزشتہ کی روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے بالکل یہ معنی ہوں گے کہ مثلاً ایک شخص یہ کہنے لگے کہ انگریزی گورنمنٹ ایسی ظالم گورنمنٹ ہی کہ وہ ایک بھیڑ کی چوری کی سزا میں پھانسی دیتی ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ کسی زمانہ میں ایسے مجرم پھانسی دیئے جاتے تھے لیکن اس زمانہ میں جبکہ شائستگی پھیلتی جاتی ہے ایسے ایسے قانون مروج کئے گئے ہیں جو تمدن اور قومی معاشرت کے لحاظ سی باوقعت سمجھنے کے لائق ہیں۔ یہی حالت افغانستان کی ہے۔ ملک نے بیس برس میں ایسی ترقی کر لی ہے کہ دوسرے ملک ایسی ترقی پچاس برس میں بھی نہیں کر سکتے۔ پس ایسی حالت میں وہ لوگ جو اُن ترقی اور تغیرات کو جو میرے عہد سلطنت میں واقع ہوئیں جانچنے کی قابلیت نہیں رکھتے ان کو اپنے علم پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اُسی وقت وہ برٹش رعایا کو شرارت کے لئے دھوکا دینے سے بچ سکتے ہیں۔ بعض اوقات انگریزی اخبارات کے فتنہ انگیز مضامین میں وارث تخت ایسے شخص کو بنایا جاتا ہے جس کو مرے ہوئے عرصہ گزر گیا ہو یا جس کی موجودگی ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر وہ موجود بھی ہوتے تو اُن کو ایسی شرارت کا خیال بھی نہ آتا۔ مجھے امید ہے کہ میرے آدمی عقلمند ہیں اور وہ اچھی طرح میرے لڑکوں میں سے ایسے شخص کو انتخاب کر سکتے ہیں جو ہر طرح سے سلطنت کی ذمہ داریوں کی انجام وہی کے لائق ہو وہ کبھی غیروں کو اندرونی معاملات میں مداخلت سلطنت کرنے کا موقع نہ دیں گے۔

چونکہ تاج وتخت سلطنت خاصکر قومی پیشواؤں کے ہاتھ میں ہوتی ہی اس لئے میں نے سلطنت کے با اثر خاندانوں کا میل جول اپنے بڑے لڑکے سے کرا دیا ہے اور اپنے بڑے لڑکے کی شادیاں بھی ایسے خاندانوں کی لڑکیوں سے کی ہیں جن کا تمام ملک پر اثر ہے اور اسی طرح میں نے اپنے بڑے لڑکے کے بچوں کی شادیاں ایسے خاندانوں میں کی ہیں جن کی وجہ سے کوئی شخص آنکھ نہیں ملا سکتا۔ بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کی بعض شادیوں کا حال حسب ذیل ہے۔

حبیب اللہ خاں کی پہلی شادی محمد شاہ خاں سردار غلزئی کی لڑکی سے ہوئی ہے جو جنرل امیر محمد خاں کی (جو کابل کا سپاہ سالار ہے) بھتیجی ہے۔ اس شادی سے میرے لڑکے کا غلزئی قوم سے اعلیٰ درجہ کا

تعلق ہو گیا - تخت سلطنت حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ خطرہ فوجی کمزوری سے ہو سکتا ہے اور چونکہ کابل کی فوج ہمیشہ اپنے سردار کے حکم کے تابع ہوتی ہے پس میرے بڑے لڑکے کو جنرل امیر محمد خاں (جس کی بھتیجی اس کے عقد میں ہے) کی موجودگی میں کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ حبیب اللہ خاں کا بڑا لڑکا عنایت اللہ خاں اسی خاتون کے بطن سے ہے -

دوسری شادی حبیب اللہ خاں کی جو با اثر ہونے کے لحاظ سے پہلی شادی کے مقابلہ پر ہے قاضی سعید الدین خاں کی لڑکی سے ہوئی ہے جو ہرات میں افسر ہے - یہ خاتون عبد الرحیم خاں علوم (شیخ الاسلام) کی پوتی ہے - اس خاتون کے بطن سے بھی ایک لڑکا ہے - اس خاتون کے چچا اور بھتیجے کابل - جلال آباد - قندہار - ہرات اور بلخ کے محکمہ قضات کے اعلیٰ افسر ہیں -

تیسری شادی شغاسی سرور خاں کی لڑکی سے ہوئی ہے جو پہلے اسی عہدہ پر مامور تھا جس پر اب عبد القدوس خاں تعینات ہے - سرور خاں چچا اسحاق کی جگہ ترکستان کا وائسرائے اور گورنر جنرل بنایا گیا تھا - مگر بدقسمتی سے بیمار ہونے پر وہاں سے علیحدہ کر دیا گیا - چونکہ سرور خاں با اثر آدمی ہے اور اس وقت تک اس کے قوائے جسمانی اچھے ہیں یقین ہے کہ ضرورت کے وقت میرے بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کو اس سے بڑی مدد پہنچے گی - یہ خاتون شغاسی سرور خاں کی گیلزئی (وہ لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہو) لڑکی ہے اسکا اصلی باپ پہلے امیر شیر علی کے زمانہ میں کوئی نائب تھا - ایوب کے پاس اگر کچھ لوگ کام کے ہیں تو وہ اس خاتون کے بھائی ہیں - اس خاتون سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے -

چوتھی عورت جس سے حبیب اللہ خاں کی نسبت ہو گئی ہے بہت با اثر خواتین سے ہے - یہ خاتون بلحاظ خاندان ان تینوں خواتین سے جن کا پہلے بیان کیا گیا ہے زیادہ با اثر ہے وہ امیر شیر علی خاں کی پوتی اور شیر علی کے بڑے لڑکے ابراہیم خاں کی (جو اس وقت ہندوستان میں ہیں) بیٹی ہے - یہ ایسی شادی ہو گی جس سے دو شاہی خاندان کابل میں ایک جگہ ہو جائیں گے یعنی میرا اور شیر علی کا خاندان آپس میں مل جائے گا - اس شادی سے وہ تمام جھگڑے جو میرے اور امیر شیر علی خاں اور اُس کے ورثا کی شکر رنجیوں سے پیدا ہو رہے تھے دب جائیں گے -

میرے لڑکے کی پانچویں بیوی بھی ایک نہایت مشہور خاندان کی لڑکی ہے - اس شادی سے حبیب اللہ خاں کا اسبیک کے سرداروں سے میل جول ہو گیا - یہ خاتون میر صوبیگ سابق بادشاہ کلاب کی لڑکی ہے

اور ماں کی طرف سے سردار قدس خاں کی بھتیجی ہے۔

چھٹی شادی صوبہ جات تنگل اور خوست کے سردار کی لڑکی سے ہوئی ہے۔ اس خاتون کے بطن سے ایک لڑکا ہے جس کا نام حیات اللہ ہے۔

ساتویں بیوی لال پورہ کے مومند خانوں میں سے اکبر خاں کی لڑکی ہے۔ اس شادی سے مومندیوں کا ایک زبردست فرقہ جو سرحد ہندوستان پر آباد ہے۔ میرے لڑکے کا طرفدار ہو گیا۔

حبیب اللہ خاں کا بڑا لڑکا عنایت اللہ عمرا خاں سکنہ بیجوڑ کی لڑکی سے منسوب ہے اور اسی طرح اور لڑکے بھی مشہور خاندانوں میں منسوب کیے گئے ہیں۔

یہ بالکل صاف معاملہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ ایسے ایسے با اثر خاندانوں سے میرے لڑکے کا تعلق ہے اس کو اندرونی اور بیرونی مشکلات دونوں میں کامیابی ہوتی رہے گی۔

دوسرے لڑکے کی ذیل کے خاندان میں شادیاں ہوئی ہیں۔

اس کی پہلی بیوی میرے چچا سردار یوسف خاں کی لڑکی ہے جو کابل میں زندہ موجود ہیں۔ دوسری شادی سردار فیض محمد خاں برادر نور محمد خاں جو میرے باڈی گارڈ کا کرنل ہے اس کی لڑکی سے ہوئی ہے۔

نصر اللہ خاں کی تیسری بیوی میرے نہایت وفادار کمانڈر انچیف فرامرز خاں متعینہ ہرات کی لڑکی ہے۔ اسی طرح سے اور اور دوسرے طریقوں سے میں نے اپنے بڑے لڑکے اور اپنے خاندان کا تعلق مختلف فرقوں اور با اثر قومی پیشواؤں سے پیدا کر دیا ہے۔

دوسرا باب

وہ طریقہ جس سے تجارت۔ صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی

غیر ملکیوں کی افغانی خدمات

قانون قدرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سر بلا جسم کے۔ جسم بغیر سر کے ہتھیار بلا ہاتھوں کے اور ہاتھ انگلیوں کے بغیر کچھ کام نہیں دے سکتا اسی طرح نسل انسان میں ایک دوسرے کا محتاج ہی۔ کائنات عالم کی بنیاد اس طرح قائم کی گئی ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت

ہوتی رہتی ہو - بڑی بڑی سلطنتوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کو اپنی ماتحت سلطنتوں کی اسی طرح ضرورت ہو جس طرح کہ ان کو باورچی - جوتا بنانے والے یا درزی وغیرہ کی ہوتی رہتی ہے ان کو اس بات کا خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ خود بلا کسی دوسرے کی امداد کے ہر ایک کام آپ کر سکتے ہیں ان کو اس بات کو نظر انداز کرنا نہ چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ نے جس طرح توریت مقدس میں تحریر ہے دنیا کو چھ روز میں بنا کے ہمارے واسطے ایک مثال قائم کی ہو تاکہ ہم اپنے ہر ایک کام کے پورا ہونے میں صبر اور تحمل سے کام لیں - ہمکو نہ کسی کام میں جلدی کرنی چاہیئے اور کسی کام کے پورا نہونے کی وجہ سے ہمت ہارنی - چاہیئے -

سلطنت کی طاقت اور ترقی انہیں اسباب پر منحصر ہے جو اس سلطنت کی ترقی اور طاقت کے واسطے ضروری خیال کئے گئے ہیں نہایت قابل تجربہ کار روشن ضمیر اور مفید لوگ گورنمنٹ میں موجود ہیں اور زبردست گورنمنٹ کی ترقی اور تروتازگی کے لیئے بطور ایک ضمانت کے ہیں - اسی وجہ سے سلطنتیں ایسے قابل آدمیوں کی خدمات حاصل کرنے کے لیئے مجبور ہوتی ہیں - بادشاہ اپنی رعایا میں خدا کی جانب سے بطور ایک مختار کے مقرر ہو اور وہ خواہ بذریعہ اپنے اعمال کے یا بذات خود اپنی رعایا کی زندگی اور موت خوش نصیبی اور بدقسمتی کے منصب کو انجام دیتا ہو - مگر بادشاہوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قادر مطلق جو ان کا سب سے اعلیٰ افسر ہے اس کی خواہش یہ ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا پر بلا تمیز اس کے کہ وہ کالے گورے ہیں یا ہندو عیسائی بدھ - یہودی مسلمان ہیں - یکساں عنایت اور مہربانیاں قائم رکھے اور انصاف کرے کیونکہ خدا کے نزدیک اُس کی تمام مخلوق یکساں ہے -

اس بات کو ملحوظ خاطر رکھ کے بادشاہ کا یہ فرض ہو کہ وہ اپنی رعایا پر بلا کسی خصوصیت کے حکومت کرے اور ہر ایک کو جو اس کی خدمات انجام دیتا ہو یکساں حقوق اور رعایت بخشے - اور وہ لوگ جو اسکی خدمات انجام نہیں دیتے اور اسکی حدود سلطنت سے باہر زندگی بسر کرتے ہیں اُن کے مقابلہ میں بھی قومیت اور مذہب کی خصوصیت کو کام میں نہ لائے - کیونکہ خداوند تعالیٰ جسکی طرف سے وہ بندگان خدا پر حکومت کرتا ہے ہرگز ایسا پسند نہیں کرتا -

یہ ایک عجیب بات ہو کہ لوگ ایک دوسرے کے عیوب تلاش کرتے ہیں اور اپنے میں جو عیب ہیں اُنکا - خیال تک بھی اپنے دلوں میں نہیں آنے دیتے مختلف ملک اور سلطنت کا رہنے والا جس میں

غور اور فکر کا مادہ ہے اگر وہ چاہے تو غور کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ وہ طاقتیں جو شائستگی میں ضرب المثل ہیں بلا تمیز کالے گورے رنگ اور قومیت اور مذہب کے سب لوگوں کو یکساں حقوق اور منصب اور خدمات عطا کرتی رہتی ہیں۔

مجھکو اس بات کا فخر ہے کہ وہ لوگ جو میری خدمات انجام دیتے ہیں اُن میں اور اپنے قریبی رشتہ داروں میں میں نے کبھی فرق نہیں رکھا۔ میرے نوکروں میں سے بعض میر منشی (یعنی سکرٹری آف اسٹیٹ) بعض کوارٹر ماسٹر جنرل ہیں۔ بعض چنیسلر آف اکسچیکر اور فرسٹ لارڈ آف ریونیو کے عہدہ پر مامور ہیں ایسے ایسے عہدوں پر مقرر کرنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ میں نے ہمیشہ لیاقت اور قابلیت کو مدِنظر رکھا ہے اور عہدوں کی تقسیم میں رشتہ داری اور دوستانہ تعلقات کا خیال نہیں کیا۔

انشاء اللہ اگر میرے جانشین اور میرے لڑکے میری طرز عمل اور میری مثال پر کاربند ہونگے اور لایق اور قابل شخصوں کو بلا تمیز قومیت اور رشتہ داری کے افسر مقرر کریں گے تو ان کی سلطنت کو ہمیشہ ترقی ہوتی رہے گی۔ یہ بھی ضرورت نہیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو ایسے عہدوں پر مقرر کریں جن کی خدمات کی انجام دینے کی قابلیت اُن میں نہ ہو سلوک کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ ہر طرح سے اُن کے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں ان کے وظایف مقرر کر دیں ان کو دوسری خدمات پر مقرر کریں غرض مقصد یہ ہے کہ افسری اور ذمہ داریاں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑنی چاہئیں جو ہر طرح سے قابل ہوں۔

متذکرہ بالا مختصر الفاظ کے بیان کرنے کے بعد جن کو میں نے اپنے لڑکوں اور جانشینوں کی ہدایت کے لئے تحریر کیا ہے اب میں اپنے اصلی مدعا کی طرف رجوع ہوتا ہوں یعنی کس طرح میں نے مختلف اقوام میں سے قابل آدمیوں کو ملازم رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ میں نے غیروں کو ان کی پوری خدمات کا معاوضہ دیا۔ دوسرے ملکوں کے لایق اور ہوشیار آدمیوں کی خدمات کی وجہ سے میرے ملک اور قوم کے لوگوں کو محنت کرنے اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ ہوگی۔ دوسرے لوگوں سے میری قوم نے وہ ہنر جنہیں غیر لوگ خود کرتے تھے سیکھ لیا اور اب وہ ان کی طرح خود ہر ایک کام کر سکتے ہیں۔ میں نے انہیں اصول پر کام جاری کیا اور مجھے امید ہے کہ میرے جانشین بھی ایسا ہی کریں گے۔

یہ تو مشکل ہے کہ میں ان تمام آدمیوں کا نام گنواؤں جو میرے ملازم رہ چکے ہیں مگر ان میں سے بعض کا ذکر کئے دیتا ہوں جنہوں نے نہ صرف سلطنت کی ملازمت ہی کی بلکہ ملازمت ترک کرنے کے بعد اپنی نمایاں

ترقیوں کی یادگار ہی چھوڑ گئے جس سے گورنمنٹ کو اس وقت تک فائدہ پہنچ رہا ہے۔ بعضوں نے ملک میں نئے نئے محکموں کی بنیاد قائم کی بعضوں نے افغانیوں کو مختلف پیشہ اور ہنر کی تعلیم دی جو اس وقت ان کی تعلیم کے ذریعہ سے ایسے ہوشیار ہو گئے ہیں کہ وہ ہر ایک کام اپنے اُستادوں کی غیر حاضری میں خود انجام دے سکتے ہیں غیر ملکوں کے باشندوں میں سے جو میرے ملازم تھے یا اس وقت ملازمت کر رہے ہیں۔ بعضوں نے خود استعفا دیدیا اور بعضوں نے اپنے معاہدہ کی میعاد کے ختم ہو جانے پر علیحدگی اختیار کر لی بہت سے ایسے ہیں جو اس وقت تک میری ملازمت کر رہے ہیں۔ اکثر ایسے بھی ہیں جو اپنی غلطیوں اور بدچلنی کی وجہ سے برخاست کر دیئے گئے۔ میں ایسے لوگوں کا جنہیں میں نے برخاست کر دیا ہی اس لئے نام بتانا نہیں چاہتا کہ اُن کو نقصان پہنچے گا میرے نام بتانے سے اور لوگ بھی اُن کی خدمات قبول نہ کریں گے البتہ اگر دنیا نے خود ہی اُن کی بدچلنی کو جانچ لیا تو مجبوری ہے۔ میں اسکا ذمہ دار نہیں "اگر تم دوسروں کی عیب پوشی کروگے خداوند تعالیٰ تمہارے عیبوں کو چھپائے گا"

میری یہ حکمتِ عملی کہ میں غیروں کو ملازم رکھتا ہوں اکثر تعجب کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے لوگ خیال کرتے ہیں کہ بجائے دوسرے ملک کے اُستادوں کو یہاں بلانے کے خود افغانیوں کو یورپ میں سیکھنی کیواسطے کیوں نہیں بھیجدیا جاتا اس کی چند وجوہات ہیں جنکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اس سوال کا جواب کہ میں نے اپنے آدمیوں کو غیر ملکوں کی صنعت سیکھنے کے لئے کیوں نہ بھیجا یہ ہوگا کہ افغانی لوگ اس قابل نہ تھے کہ وہ اپنے بچوں کو غیر ملکوں میں اپنے خرچ سے بھیجتے اور نہ گورنمنٹ خود بلحاظ مالی حالت کے ایسی تھی کہ وہ ایسا خرچ برداشت کر سکتی۔

دوسرے میں نے اپنے آدمیوں اور کاریگروں سے اس بات کی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنے لڑکوں کو غیر ملکوں میں تعلیم فنوں کے واسطے سرکاری طور سے بھیجدیں مگر وہ رضامند نہ ہوئے۔

تیسرے میری قوم غیر ملکوں کی زبان سے بالکل ناواقف ہے اس لئے ان کو پیشتر اس کے کہ وہ کسی علم کو حاصل کرتے زبان کے سیکھنے میں بڑی بھاری وقت اور وقت صرف کرنا پڑتا۔ کیونکہ سب سے پہلے انہیں زبان سیکھنی پڑتی اور جب زبان سیکھ چکتے اُس وقت انہیں کسی ہنر کے سیکھنے کا موقع ہاتھ آسکتا تھا اسی لئے میں نے ایک مدرسہ زیر نگرانی منشی سلطان محمد خاں جاری کیا اور اسی کی معرفت تمام انگریزی کاریگر اور مختلف صنّاع ملازم رکھے گئے جس کی باقاعدہ رپوٹ میری سامنے پیش ہوتی تھی صنعت وحرفت

علم حساب - علم کیمیا وغیرہ کی جس قدر ضروری کتابیں تھیں اور وہ بہم پہنچ سکتی تہیں ان کا ترجمہ فارسی زبان میں کرالیا گیا تہا۔ دفتر ترجمان کی ایک شاخ ہندوستان میں بہی کہولی گئی - بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا اور بعض کتابیں میں نے اپنے خرچ سے چہپوالیں جن سے مدرسہ کے طلبہ کو بہت مدد ملی -

چوتہے میری رائے میں جس قدر طلبہ مغربی تعلیم کے لیئے باہر بہیجے جاتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اپنے ملک کے واسطے کوئی بیش قیمت نمونہ اپنی تعلیم کا پیش کریں وہ خود اپنے ملک میں کہیل کود اور ایسی ہی فضولیات کو جاری کر دیتے ہیں بعض تو اپنے مذہبی دائرہ سے بالکل ہی دور ہو جاتے ہیں اور مطلق مذہبی پابندی کا بوجہ اپنی گردن پر رکہنا پسند نہیں کرتے - اس لیئے میں نے یہی مناسب سمجہا کہ قوم کی نوجوانوں کو اپنی ہی نگرانی میں تعلیم دلائی جائے -

پانچویں - میری رائے میں کسی قسم کے سائینس جب تک اسی ملک کی زبان میں جہاں طالب علم رہتا ہے نہ سکہائے جائیں ملک کیواسطے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا -

چھٹے - خاص اپنے ملک میں مدرسہ قایم کرنے سے ایک یہ ہی فائدہ ہوا کہ میں قوم کی نوجوانوں کو ہمیشہ اس بات کی تنبیہہ کرتا رہتا ہوں کہ وہ بہت جلد تمام ہنر جن کی اُنہیں تعلیم دی جائے سیکہہ لیں اور وہ میرے دباؤ سے جتنی جلدی ان کے اُستاد اُن کو بتاتے ہیں اُتنی ہی جلدی وہ محنت کر کے ہر ایک کام کو سیکہہ لیتے ہیں اگر وہ غیر ملکوں میں ہوتے تو کبہی ایسی جلدی نہ سیکہہ سکتے وہ بالکل مطلق العنان ہوتے ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہوتا اور وہ مفت اپنا وقت ضائع کرتے - ہندوستان یا یورپ سے جن کاریگروں کو بلا گیا اُن سے اقرار نامے لے لیئے اور اقرار ناموں میں یہ بہی شرط لکہوائی گئی کہ جب تک میری قوم کے لوگ اُنکی تعلیم کے موافق خود علیحدہ بلا اُن کی مدد کے کام نہ کر سکیں گے وہ اپنے ملک کو نہیں جا سکتے چنانچہ اس شرط کی وجہ سے بہت سے کاریگر اس وقت تک کام کر رہے ہیں اور میں نہایت خوشی سے اس بات کو کہہ سکتا ہوں کہ میری قوم کے لوگوں نے تمام کام نہایت دلچسپی سے سیکہے اور اب کثرت سے ایسی مختلف شاخیں ہیں جہاں میرے ہی لوگ خود کام کرتے ہیں اور کسی غیر ملک کے کاریگر کی ضرورت نہیں ہے -

میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ یہ ایک نہایت بیوقوفی کا کام ہوگا اگر کوئی شخص ایک ہاتہی کو خریدے اور اس کے کہانے کے لیئے چارہ کا انتظام پہلے سے نہ کرے - اسی طرح میں اس بات کو بہی عقل کے خلاف جانتا ہوں کہ سامان حرب اور تجارت کی تیاری کے واسطے کلوں کو خرید لیا جائے اور اُنکے ضروری

سامان کا جن سے وہ کام میں لائے جاسکتے ہوں انتظام نہ کر لیا جائے - ان حالات پر نظر کرنے سے مجھے اس بات کی نہایت ضرورت تہی کہ جہاں تک ممکن ہو میرے ہی ملک میں اس قسم کی کان تلاش کیجائے جو کلوں اور کارخانہ کی دوسری شاخوں کے ضروری سامان کے واسطے کافی ہو - ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور کوئی بہوکا لذیذ کہانوں کے لئے صبر نہیں کر سکتا اگر اس کے پاس معمولی کہانا موجود ہو مجہکو ان لڑائیوں کے لئے جو برابر ہوتی رہتی تہیں اور نیز جن کا آیندہ اندیشہ لگا ہوا تہا - سامان حرب کی نہایت ضرورت تہی ان سامانوں کے بہم پہنچانے کے لئے ایسی کلوں کی ضرورت تہی جن سے لوہا - کوئلہ - تانبا سیسہ وغیرہ نکالا جاسکے اس لئے میری سب سے پہلے یہی خواہش ہوئی کہ ایسی کلیں خرید کی جائیں - مگر ان کلوں کے واسطے ایک رقم کثیر کی ضرورت تہی - یہ رقم ایسی تہی جو سلطنت کے دوسرے مصارف کے بعد خرچ کی جاسکتی تہی - اس لئے میں نے سب سے پہلے بندوقوں اور رائفلوں کے تیار کرنے کے لئے کلیں خریدیں اور کان کے کہودنے یا دوسرے اقسام کی مشینوں کی خریداری ملتوی کر دی - میری خواہش ہی کہ رفتہ رفتہ ایسی تمام کلیں منگائی جائیں اور جیسی جیسے ملک اور قوم کی ضرورت محسوس ہوتی جائے جدید کلوں اور سامانوں کے بہم پہنچانے میں کوشش کی جائے -

میں پہلے کہیں بیان کر آیا ہوں کہ جب میں بچہ تہا تو مجھے پڑہنے لکہنے سے نفرت تہی اور میں زیادہ تر کاریگروں اور اہل حرفہ کے پاس اپنا وقت صرف کیا کرتا تہا اس زمانہ میں میری دلی خواہش تہی کہ میں کسی طرح رائفلوں کا بنانا - بڑہئی اور لوہار کا کام اور دوسری صنعت میں دستگاہ حاصل کر لوں - اسی خواہش نے مجھے ان تمام کاموں میں ہوشیار بنا دیا - اور میں اکثر چیزیں اپنے ہاتہ سے اس طرح بنا سکتا تہا جیسے وہ لوگ جو برسوں سیکہنے کے بعد بنا سکتے ہیں - دو رائفلیں جن کو میں نے بلا کسی کی مدد کے بنائی ہیں اسوقت تک کابل میں موجود ہیں -

بالمختصر سوائے انجینری کے کوئی کام ایسا نہ تہا جسکو میں نہ کر سکتا تہا جس زمانہ میں میرا قیام روس میں تہا میں اپنا فرصت کا وقت صنعت و حرفت کے سیکہنے میں صرف کیا کرتا تہا اس زمانہ میں نے سنار مینا کاری ملمع سازی - چمڑا رنگنا ان تمام باتوں کو خوب سیکہہ لیا تہا - غلام ضمان اور نجف جو اس زمانہ میں میرے کارخانوں کی مختلف شاخوں میں تعلیم دیتے ہیں ان لوگوں سے مجھے ان کاموں کے سیکہنے میں بہت مدد ملی اور چند آدمی تہے جن سے میں نے مختلف کام سیکہے مگر انکا یہاں نام طوالت کی وجہ سے لکہنا پسند نہیں کیا جاتا -

تخت کابل پر مسلط ہونے کے بعد کچھ تو ہتھیاروں کی ضرورت کی وجہ سے اور کچھ میں صنعت و حرفت کا شوقین تھا۔ رائفلوں اور دوسری چیزوں کے بنانے کے لیے دستی کارخانہ جاری کر دیا گیا جسمیں سوائے ہاتھ کے کسی انجن سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔

میں مشینوں کے بے انتہا فائدہ سے خوب واقف تھا اور میں یہ جانتا تھا کہ سلطنت برطانیہ کی مالی اور تجارتی حالت میں انہیں کلوں کی وجہ سے بے انتہا ترقی ہوئی ہے۔ انگلستان ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں کسی قسم کی دھات کی کان مشکل سے مل سکتی ہے مگر اس پر بھی محض دخانی کلوں کے ذریعہ سے انگریزوں نے اپنی تجارت میں ایک حیرت انگیز ترقی کر لی ہے اور وہ لوگ اس تجارت کی ہی وجہ سے دنیا میں دوسری قوموں میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں۔

باوجودیکہ مجھے دخانی کلوں کے فوائد سے بے انتہا واقفیت تھی مگر اندرونی معاملات اور مالی مشکلات نے مجھے ۱۸۸۵ء تک جس زمانہ میں میں اپنے معزز دوست لارڈ ڈفرن سے جو اس وقت ہندوستان کے وایسرائے تھے راولپنڈی ملنے گیا مجھے کوئی موقع ان دخانی کلوں کے بہم پہنچانے کا نہ دیا۔

اسی زمانہ میں میرے ایک فرنچ انجنیر مسمی جیرم سے جو برقی روشنی کے انجنوں اور مشینوں کا سپرنٹنڈنٹ تھا ملاقات ہوئی اور جب میں نے اس کو ہر طرح سے اس کام میں قابل اور لایق معلوم کر لیا اور یہ دیکھ لیا کہ اسے انجن اور مشینوں کے کام میں پورا تجربہ ہے۔ میں نے اس کو اپنے ہاں اس ارادہ سے ملازم رکھ لیا کہ اس کے ذریعہ سے کابل میں یورپ کے طریقہ پر ایک کارخانہ کھلوایا جائے یہ شخص اپنے ساتھ ایک ہندوستانی آدمی کو بھی لایا تھا جس کا نام کریم بخش تھا۔ یہ شخص دخانی کلوں کے چلانے میں ہوشیار تھا اور اب تک کابل میں ملازم ہے۔

مسٹر جیرم پہلا انگریز تھا جس نے میری ملازمت اختیار کی۔ اس کے زمانہ ملازمت میں نے میں مختلف مشینوں کی فہرستوں کو ملاحظہ کیا اور آخر کار ان تمام فہرستوں کے دیکھ بھال نے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ۱۴۱۰۰۰ روپیوں میں کل مشینیں بہم پہنچ جائیں گی۔ میں نے اس رقم کا تخمینہ کر کے مسٹر جیرم کو مشینوں کی خریداری کے واسطے ہندوستان روانہ کر دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ ہندوستان سے کسی لایق انجنیر کو بھی جو کلوں کے چلانے کی قابلیت رکھتا ہو اور تمام مشینوں کو باقاعدہ نصب کر سکتا ہو اپنے ساتھ لے آئے مسٹر جیرم نے کلکتہ پہنچ کے ۲۲ ہندوستانی کاریگر یہ مستری اور انجن کے کام جاننے والوں کو معہ مطلوبہ کلوں کے

کابل روانہ کر دیا۔ کلین اور وہ تمام آدمی جن کو مسٹر جیبرَم نے کلکتہ سی بھیجا تھا کابل پہنچ گئے۔ مگر مسٹر جیبرَم کلکتہ سے کابل واپس نہ آیا اور مجھی اس وقت تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کہاں گیا اور اُسپر کیا گزری اور وہ کیوں کابل واپس نہیں آیا۔

جب تمام کلین کابل پُہنچ گئیں تو انجینر کے نہ ہونے کی وجہ سے عرصہ تک ناکارہ پڑی رہیں مجھے اس بات کا تو کچھ خیال نہ تھا کہ ان مشینوں کی خریداری میں میرا روپیہ صرف ہوا اور کلوں سے کوئی کام نہ نکلا مگر مجھے اپنے آدمیوں کی ہنسی اور مذاق اُڑانے پر افسوس اور رنج تھا۔ جو یہ خیال کر رہے تھے کہ یہہ کلین اب اسی طرح نکمّی پڑی رہیں گی۔ مگر میں کلام مجید اور فرقان حمید کی آیتہ مبارک "ان اللہ مع الصابرین"، پر خیال کر رہا تھا۔ اور اس کی ذات سی امید تھی کہ مجھی اپنی ارادوں میں ضرور کامیاب کریگا۔

میں ابتدا سے کسی مشکل میں نہ گھبراتا تھا اور جب میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا تھا تو ناکامیابیوں پر بھی اس کام کے پورا کرنے سے نہ چوکتا تھا۔ میں نے اپنے سفیر متعینہ ہندوستان کو تحریر کیا کہ ایک انجینر خواہ کسی تنخواہ پر بہی کیوں نہ ملے کابل بہیجدو جنرل امیر احمد خاں نے سلطان محمّد خاں کی معرفت جو اب میر منشی ہے مسٹر پائن انگریزی انجینر کو نوکر کر کے کابل روانہ کر دیا۔ مسٹر پائن اپریل ۱۸۸۷ء کے اوائل میں کابل پہنچ گیا اور چونکہ سلطان محمّد خاں کو میں نے اپنی حضوری میں رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا جنرل امیر احمد خاں کو اس کی جگہ دوسرا آدمی مقرر کرنے کے لئے حکم بہیجدیا۔

ان کلوں اور مشینوں کے نصب کرنے کے لئے مقام عالم گنج جو شہر سی فاصلہ پر تھا تجویز کیا گیا۔ مقام عالم گنج سے بہتر کابل میں دوسرا مقام ایسا نہ تھا جو شہر سے فاصلہ پر بہی ہو اور دہاں کلوں کے چلانے میں کسی قسم کی دقّت پیش نہ آئے یہ موقع نہایت ہی مناسب تھا۔ اس مقام میں انجنوں کی آب رسانی کے لئے ایک نہر بہی موجود ہے اور کابل کا ایک دریا بہی اس مقام کے بہت قریب جاری ہے۔ جس کے ذریعہ سے کارخانہ پانی کی نکاس بآسانی ہو سکتی ہے۔

میں نے اپنے میر منشی کو حکم دیا کہ مسٹر پائن کو وہ مقام دکھاوے اور بعد معائنہ میرے پاس رپورٹ بہیجدے کہ وہ زمین کارخانہ کے جاری کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ جب ہر طرح سے اس مقام کی جانچ کر لی گئی تو ۲۸ اپریل کو کارخانہ کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ اور اس خوشی کی تقریب میں بہوکوں اور غریبوں کو کہانا کہلایا گیا مٹھائی تقسیم کی گئی جب کارخانہ تیار ہو گیا۔ مسٹر پائن نے کانٹی ڈھالنے

اور دیگر قسم کی کلوں کو معہ اُن انجنوں اور دخانی کلوں کے جن کو مسٹر جیرم نے کلکتہ سے بھیجی تھیں- باقاعدہ نصب کر دیا۔ مسٹر پائن کلوں کو نصب کرنے اور کارخانہ کو جاری کرنے کے تین چار ماہ بعد بہ حصول رخصت انگلستان چلا گیا اور اس کی غیر حاضری میں کارخانہ کا کام ایک ہندوستانی کاریگر کے زیر نگرانی چلتا رہا۔ مسٹر پائن سترہ مہینے میں انگلستان سے واپس آیا مگر یہ نمک حلال ملازم اپنے ایام رخصت میں نئی نئی کلوں کو دریافت کرتا رہا جنہیں وہ اس قابل سمجھا کہ کابل کے کارخانہ کے لئے مناسب ہوں گی-

اسی زمانہ میں میں نے دو انگریزی انجنیر اور ملازم رکھ لئے تھے اور اسی سال سے میں نے مختلف طور سے انگریزی ملازم رکھنے شروع کر دیئے- اول اول تو میری رعایا کو جو قدرتاً انگریزوں سے بغض رکھتے تھے انگریزوں کی زیر نگرانی کام کرنا اور ان سے میل جول رکھنا نہایت شاق گزرا اور اسی وجہ سے مجھے انگریزوں اور اپنی قوم میں ملاپ قایم کرنے میں بہت دقت پیش آئی- میری یہ خواہش تھی کہ انگریز جس دلچسپی سے یورپ میں کام کرتے ہیں کابل میں بھی اسی دلچسپی سے کام کریں ان انگریز مردوں اور عورتوں کو جو کابل میں وقتاً فوقتاً آتی رہیں اور خاصکر اُن ملازموں کو جو میرے ہاں ملازم رہے میرے برتاؤ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں اور میری قوم کے لوگ صرف اُن انگریزوں کو قتل کرتی اور تکلیف دیتے ہیں جنہیں وہ اپنا دشمن سمجھ لیتے ہیں ورنہ جن سے کسی قسم کا تعلق ہے یا وہ میری قوم کے دشمن نہیں ہیں اُن سے نہایت اچھا اور دوستانہ برتاؤ کیا جاتا ہے اور ان کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا جاتا-

مسٹر اومیرا نامی دوسرا انگریز جو مسٹر پائن کے بعد کابل میں آیا ایک دنداں ساز تھا جسے میں نے اپنے دانت بنانے کو ہندوستان سے بلوایا تھا اور یہ دنداں ساز جب ۱۸۸۶ء کے اخیر میں کابل سے ہندوستان واپس آیا ہے تو اُس نے کابل کے جملہ حالات نہایت اطمینان بخش صورت میں اپنی قوم پر ظاہر کئے وہ کہتا ہے "سب سے زیادہ تعجب کی بات امیر کابل کا اپنے ملازموں کے ساتھ برتاؤ رکھنے کا طریقہ ہے جس سے نہ اس قدر سختی معلوم ہوتی ہے کہ ملازم بر داشتہ ہو جائیں نہ اس قدر نرمی کہ ملازم گستاخ بن جائیں - امیر ہر وقت غریبوں کی فریاد سننے کو تیار رہیں اور مظلوموں کی فریادیں سنکے اُنکی پوری داد رسی کرتے ہیں-

ایک دن کا ذکر ہے کہ امیر مقام باغبان کی طرف جا رہے تھے کہ ایک عورت نے ایک درخواست پیش کی اور دادرسی چاہی امیر صاحب نے بلا خیال اس کے کہ وہ اس وقت تفریح کی خاطر باہر نکلے تھے اس عورت کی درخواست لیکے اپنی سواری کو واپسی کا حکم دیا اور عورت سے کہا کہ وہ بھی امیر کے ساتھ چلے امیر صاحب نے اس کی تمام درخواست کو اول سے آخر تک پڑھا اور نہایت ملایم لفظوں میں اس عورت سے ضروری سوالات کئے اور اس عورت کی یہاں تک تسلی کردی کہ وہ بلا کسی اور درخواست کرنے کے مطمئن ہو کے چلی گئی —

ایک دن امیر صاحب مجھہ سے اپنی ملکی معاملات میں گفتگو کر رہے تھے اثنار گفتگو میں امیر صاحب نے مجھسے فرمایا کہ میرے ملک کی مالگزاری کا ایک چوتھائی حصہ میرے خزانہ میں آتا ہے اور ایک چوتھائی حصہ کے وصول کرنے کے لئے مجھکو نہایت سختی سے کام لینا پڑتا ہے باقی ماندہ تیسرا چوتھا حصہ ایسا ہے کہ جس میں سے ایک حصہ تو میرے آدمیوں کے پاس رہتا ہے اور دوسرے حصہ کی بابت میرے لوگ یہ نہیں جانتے کہ یہ روپیہ کس کام میں صرف ہوتا ہے —

مسٹر اوسمیرا کابل میں اپنی یادگار چھوڑ گیا - کیونکہ میں نے دانت بنانے کا کام سیکھنے کے لئے صوفی عبدالحق کو مسٹر اوسمیرا کے سپرد کر دیا تھا اور عبدالحق مذکور کو یہ حکم دیدیا تھا کہ اگر مسٹر اوسمیرا کی روانگی سے قبل اس نے دانت بنانے کا کام نہ سیکھہ لیا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی - صوفی مذکور نے کچھہ تو سزا کے خوف سے اور کچھہ مسٹر اوسمیرا کی مہربانی کی وجہ سے جو اپنے شاگرد کو سزا سے بچانے کی کوشش کرتا رہا - دانت بنانے کا کام بہت جلد سیکھہ لیا اور اس کام میں اسی اچھی طرح مہارت ہو گئی - صوفی عبدالحق کا دانت بنانے میں جلد ہوشیار ہو جانے کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ مسٹر اوسمیرا اس بات کو خوب جانتا تھا کہ جب تک عبدالحق کو دانت بنانا نہ آجائے گا میں کابل سے جا نہیں سکتا اور مسٹر اوسمیرا کو زیادہ دنوں تک کابل میں رہنا ناگوار تھا - صوفی عبدالحق نے دندان سازی کا ہنر دوسرے لوگوں کو بھی سکھا دیا اور اب میری قوم میں اکثر لوگ اس ہنر کو جانتے ہیں جس سے وہ پریشانی کہ دانت بنانے کے واسطے غیر ملک کا آدمی بلایا جائے یا خود غیر ملکوں میں سفر کیا جائے جاتی رہی —

مسٹر اوسمیرا کو کابل سے روانگی کے وقت میں نے علاوہ اور انعامات کے تمغہ امتیازی عطا فرمایا

اور اسے بہت اعزاز کے ساتھ کابل سے رخصت کیا۔

جس زمانہ میں مسٹر پائن انگلستان گئے ہوئے تھے ہندوستانی اور کابلیوں نے کارخانہ میں نہایت ہوشیاری سے کام کیا سال درسال کارخانہ کو ترقی ہوتی گئی اور جیسا موقع ہوا کلوں اور عمارت میں ایزادی کی گئی کارخانہ کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ رٹمنی۔ ہنری اور شینڈر رائفلوں کے بنانے اور کارتوس کی تیاری کے لئے کلیں خریدی گئیں۔ اپنے ہی کارخانہ میں ایک کل ارہ کشی اور بڑہئی کے کام کے متعلق اور دوسری ضروری کلوں کو تیار کیا گیا۔

میں نے کارخانہ کے لیے حسب ذیل مشینیں خریدیں جو اس وقت تک بعض میرے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے چل رہی ہیں۔ بعضوں پر انگریز ملازم ہیں اور بعض پر ہندوستانی کام کرتے ہیں کارتوس بنانے کی کل۔ مارٹنی۔ ہنری اور دیگر قسم کی رائفلوں کے بنانیکی کل۔ ہندوقیں بنانے کی کل سَتّو گھوڑوں کی طاقت کا انجن معہ بائلر کے۔ دُخانی استورہ معہ بائلر کے۔ بوٹ بنانے اور چمڑہ سینے کی کل۔ بارود بنانے کی کلیں۔ اسٹامپ اور سکّے تیار کرنے کی مشینیں۔ صابون اور بتیاں بنانے کی کل۔ چمڑے کی دباغت اور صاف کرنے والی کل۔ غلّہ دہنے اور صاف کرنے کی مشین۔ بڑی بڑی بندوقوں اور توپوں کے لئے دھات گلانے کی مشین۔ لوہار کے کام کی تمام کلیں۔ تلوار اور بندوق کی ٹوپیاں بنانے کی مشین۔ کارتوسوں کے بھرنے اور خالی کرنے کی کل۔ اور اسی طرح اور بہت سی کلیں میں نے اپنے کارخانہ میں بہم پہنچالیں ہیں۔

میں ہر سال مشنری کو بڑھاتا رہا اور ان تمام نو ایجاد کلوں کی خریداری میں جو میرے ملک اور قوم کی ضروریات کے واسطے مناسب تہیں کبھی پہلوتہی نہیں کی۔

اوّل اوّل مجھے کارخانہ کے جاری کرنے میں سخت مشکلات پیش آئیں ان تکالیف کا سامنا زیادہ تر اس وجہ سے ہوا کہ میرے آدمی کارخانہ کے فوائد سے بالکل ناواقف تھے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات جاگزیں ہو رہے تھے۔ تمثیلاً میں ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں جس سے ناظرین سوانح عمری خود سمجھہ جائیں گے کہ ایسے ناسمجھہ لوگوں سے مجھے کیسی کیسی تکلیفیں پہنچی ہوں گی ایک دفعہ کا ذکر ہی کہ میں بمقام راولپنڈی اپنی تصویر کھچوا رہا تھا جب تصویر کھینچنے والے نے فوٹو کا کمرہ میری جانب کیا تو میرا ایک افسر جو میرے ساتھ تھا اور جس کو کبھی باشی کا عہدہ تھا دوڑ کے کیمرے سے لپٹ گیا

اور اس کے مُنہ پر ہاتھہ رکھہ دیا جب اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی تو یہ جواب دیا کہ آپ نہیں سمجھتے یہ انگریزوں کی اُستادی ہے یہ جدید طرز کی بندوق ہے جس کو یہ شخص آپکی طرف بھانہ سے نشانہ کرنا چاہتا ہے۔ میں اس بات پر بہت ہنسا اور اس سے کہا کہ کم بخت یہ بندوق نہین ہے۔ یہ تصویر اُتارنے کا آلہ ہے۔ چھوڑ دے اور میری تصویر کھینچنے دے۔ میری قوم میں ایسی جہالت پھیلی ہوئی تہی یہ غریب یہ ہی نہیں جانتا تھا کہ فوٹوگرافر کا کیمرہ کیسا ہوتا ہے۔ پس اس قصّہ سے ظاہر ہے کہ مجھے اپنی قوم کے خیالات کے خلاف کہاں تک مقابلہ کرنا پڑا ہوگا۔ اور کارخانہ کے جاری کرنے میں کیا کیا دقّتیں پیش آئی ہوں گی۔

پہلے پہل جب میں نے کارخانہ جاری کیا ہے تو میرے لوگوں نے ہزاروں اعتراض کئے بعض نے کہا کہ امیر ہاتھہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی خوبیوں کو نہیں جانتا ورنہ کلوں کو نہ منگاتا۔ بعضوں نے ان افسروں کو جو کلیں خریدنے بھیجے گئے تھے مطعون کرنا شروع کیا ان لوگوں کا خیال تہا کہ انگریز ہمارے ملک سے روپیہ لینا چاہتے ہیں انہوں نے اس بہانہ سی روپیہ کھینچنا شروع کر دیا ہے اپنی قوم کو میں سمجھاتے سمجھاتے عاجز ہوگیا تہا مگر میں بہی ایسا شخص تہا کہ جو اپنے ارادوں میں اپنے لوگوں کی مخالفت پر بہی مستقل رہا اس لئے کہ میں یہ خوب جانتا تہا کہ ان لوگوں کے تمام توہمات ناداشتگی کی وجہ سے ہیں اور جب تک بندوقیں اور جنگی سامان کا بند و بست میرے ملک میں اچھی طرح نہ ہو جائے گا میں اور میری رعایا اور میرا خاندان کبھی چین سے نہین رہ سکتا اور ملک کو بیرونی حملوں سے کبھی پناہ نہیں مل سکتی۔

اس میں کچھہ شک نہیں کہ کلوں کے بہم پہنچانے میں بہت وقت صرف ہوا اور تمام روپیہ جو کلوں کی قیمت میں دیا گیا وہ خزانہ سی ادا ہوا اور کبھی برسوں تک اس کارخانہ اور کلوں سے کچھہ فائدہ نہیں پہنچا مگر اس پر بہی جتنی توفیر ہوتی تہی میں کلوں کی خریداری میں صرف کر دیتا تہا اور ہر سال کسی نہ کسی جدید کل کے منگا لینے سے میرے کارخانہ میں خوب ترقی ہوئی جس سے ملک کی تجارت اور محنت پہلے سے دوگنی اور چوگنی ہوگئی۔

خدا کا شکر ہے کہ مجھے ہمیشہ کلوں اور نو ایجاد مشینوں سے شوق تہا اور میں اچھی طرح ان کی قدر جانتا تہا میں اس بات کو خوب سمجھتا تھا کہ آج کل تمام سلطنت کے قبضہ میں جدید قسم کی توپیں بندوقیں

اور ہتھیار رہیں اور جب تک میرے پاس یہی اسی قسم کے ہتھیار نہیں ہونگے میں اپنی کسی دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا مجھے یقین تھا کہ یہ پرانی قسم کی بندوقیں اس زمانہ میں جب کہ نئے نئے قسم کے ہتھیار استعمال کیئے جا رہے ہیں کچھ کام نہ دیں گے۔ کوئی شخص جب تک وہ اپنے حریف کا ساز و ر باز و نہ رکھتا ہو کبھی مقابلہ میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ سہ

ہر کہ با فولاد باز و پنجہ کرد + ساعدِ سیمینِ خود را رنجہ کرد

میرے ملک میں نیا نیا کارخانہ کھولا گیا تھا تمام لوگ مخالفت پر تلے ہوئے تھے کاریگر ابھی تک بہم نہیں پہنچے تھے اس وجہ سے اکثر ان کاریگروں کو جو کارخانہ میں کام کرتے تھے نئے قسم کی ہتھیار بنانے میں سخت پریشانی اٹھانی پڑی۔ اور اُن کے عاجز ہونے پر میں نے اُن کو بنانے کی ترکیب بتائی۔ نمونے اور نقشے اُن کے سامنے رکھے تب وہ لوگ کچھ میرے بتانے سے کچھ اپنی عقل سے ہر قسم کے ہتھیار بنانے لگے۔ اُن تمام موقعوں کا جن میں میں نے کاریگروں کو مختلف ہتھیاروں کے بنانے کی تعلیم دی یہاں پر بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ صرف مثالاً دو تین موقعوں کا ذکر کیا جاتا ہے

۱۸۹۳ء میں جب لنسڈاون کی گورنمنٹ نے ہندوستان سے ہاچکس کی توپوں کا آنا بند کر دیا تو میرے کاریگروں نے یہ کہا کہ اس قسم کی توپیں جب تک سانچہ نہ ہو ہم لوگ تیار نہیں کر سکتے میں نے اپنے میر منشی کو حکم دیا کہ اس توپ کا طول و عرض موٹائی اور اس کی شکل و صورت کا انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کرکے میرے سامنے پیش کرے۔ جب میر منشی نے میرے سامنے نقشہ اور توپ کے ٹکڑوں کی شکلیں اور ان کی پیمائش کا فارسی میں ترجمہ کرکے پیش کیا۔ میں نے اسی نمونہ پر لکڑی کی توپ بنوائی اور اس کی آزمائش کی تو وہ ہر طرح سے ایسا ہی کام دیتی تھی جیسا اصلی توپ جب اس طرح سے لکڑی کی توپ کی آزمائش ہو چکی تو میں نے کاریگروں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ اس نمونہ کی توپ تیار کرو مگر وزن اور پیمائش میں فرق نہ ہونے پائے۔

کاریگروں نے جو کارخانہ میں کام کرتے تھے نہایت محنت سے نمونہ کے موافق توپ تیار کی اور اس کی جانچ کی گئی تو اس میں اور اصل میں کوئی فرق نہیں رہا۔ میں نے اپنے میر منشی اور کاریگروں کو بارہ ہزار روپیہ نقد علاوہ خلعت کے انعام دیا۔ اور جب مارٹیمر ڈیورنڈ کی مشن کابل میں پہنچی ہوا اور انہوں نے کابل کی توپ کو دیکھا تو تعجب سے یہ کہا کہ اس میں اور یورپ کی بنی ہوئی توپ میں کچھ فرق نہیں ہے

اسی طرح صرف کتابی نقشہ جات اور نمونوں سے میگسم۔ گارڈنر اور لٹلنگ قسم کی توپیں میں نے اپنے کارخانہ میں تیار کرائیں اور اُن میں بھی بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ اور نہ کسی قسم کی نمونے کی ضرورت پڑی اور نہ کوئی اُستاد بلایا گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس وقت میرے کارخانہ میں دس ہزار آدمی سڑکوں۔ عمارتوں۔ کارخانوں کان کھودنے اور دیگر مختلف کاموں پر مقرر رہیں۔ کارخانہ کے جاری ہونے سے میرے ملک میں بہت ترقی ہوگئی وہ لوگ جو پہلے مزدوری نہ ملنے کی وجہ سے چوری۔ ڈاکہ زنی اور قافلوں کی لوٹ مار کیا کرتے تھے اب مختلف شاخوں میں کام کرتے ہیں اور حلال روزی پیدا کرتے ہیں شیطان ان ہی پر غلبہ پاتا ہی جو سُست ہیں۔ رسول مقبول صلعم نے فرمایا ہی "الکسب حبیب اللہ یعنے جو کام کرکے روزی پیدا کرتا ہے خدا اس سے خوش ہے۔

میرے جانشینوں کو بھی یہ سمجھہ لینا چاہیئے کہ میرے ملک میں جسقدر ترقی ہوئی ہی صرف جنگی ہتھیاروں کے بنانے اور جدید نمونہ پر مختلف اقسام کی بندوقیں توپیں وغیرہ تیار کئے جانے سے ہوئی ہے۔ نہیں بلکہ میری ملک کی ترقی تجارت کے بڑہنے اور محنت و مزدوری میں ترقی ہونے سے ہوئی ہی۔ وہ روپیہ جو مختلف ذریعوں سے افغانستان سے دوسرے ملکوں میں جاتا تھا اب افغانستان میں ہی خرچ ہوتا ہی۔ اگر رعایا امیر ہے تو ملک کو بھی اسکی دولت مندی سے فائدہ پہنچ سکتا ہی جتنے جھگڑے اور جس قدر فساد ہوتے ہیں وہ روپیہ کے نہونیکی وجہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں امیر اور دولتمند کبھی جھگڑوں کو پسند نہیں کرتا۔ فطرۃً اسکی یہ خواہش رہتی ہی کہ جہانتک ہو لڑائی جھگڑوں سے نجات ملے اور روپیہ کی ترقی ہو وہ ہمیشہ اس خیال میں رہتے ہیں کہ لوٹ مار کرنے اور آپس کے لڑائی جھگڑے سے یہی بہتر ہے کہ روپیہ جمع کیا جائے۔

اور کئی قسم کی کلیں جو میرے کارخانہ میں مختلف کاموں میں استعمال کی جاتی تہیں مثلاً ایک چہوٹا سا انجن تہا اور ریلوے لائن بھی کئی میل تک بچھی ہوئی تھی ایک انجن بڑی بڑی توپوں کی گھسیٹنے کے واسطے تہا جس کو میں نے اپنے ہی کارخانہ میں تیار کرایا تہا۔

ٹیلیفوں اور برقی روشنی کا کام بھی جاری کیا گیا تہا اور سب سے پہلے ان کاموں پر ہندوستانی اور کابلی ملازم رکہے گئے جنہوں نے ہندوستان میں اس کام کو سیکہا تہا۔ بالآخر ۱۸۹۴ء میں مسٹر براون نے اس شاخ میں بہت بڑی ترقی پیدا کر دی اور برقی روشنی کے نتائج میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

دارالضرب

میرے زمانہ حکومت کے شروع شروع میں مختلف سکے ہاتھ سے بنائے جاتے تھے کوئی کل سکوں کے ڈھالنے کے واسطے نہیں تھی اور جس طرح صدیوں سے افغانی سکے ہاتھ سے بنائے ہوئے ملک میں جاری تھے میرے عہد حکومت کے شروع شروع میں عرصہ تک وہی طریقہ رائج رہا۔

روپیہ کے سکے پر ایک جانب عبارت "ضرب دارالسلطنت کابل" اور سنہ اجرا، دوسری جانب میرا نام "امیر عبدالرحمن" کندہ کیا جاتا تھا جب ۱۸۹۶ء میں میری قوم نے مجھے ضیاء الملت والدین (قوم اور مذہب کی روشنی) کا خطاب دیا اس وقت سے روپیہ کے ایک طرف یہ خطاب اور دوسری طرف شاہی نشان کندہ ہونے لگا۔ تانبے کے سکے جو استعمال کئے جاتے ہیں وہ ایک پینی اور دو پینی کے سکوں کے برابر ہیں چاندی کے سکوں میں روپیہ ہے۔ جو بارہ پنس کے برابر ہے ایک "سکہ قِران" ہے جو نصف روپیہ کی جگہ "اور ٹانگا" ¼ روپیہ کی جگہ کام دیتا ہے۔ مسٹر میکڈرمٹ جو کلکتہ کی دارالضرب میں کام کرتا تھا۔ سکوں کا بنانا افغانیوں نے اُسی سے سیکھا ہے مسٹر میکڈرمٹ نے کابل سے قطع تعلق کر لیا مگر اُس کے شاگرد اس کام میں ایسے ہوشیار ہو گئے ہیں کہ اب انہیں کسی نگران کی ضرورت نہیں ہے کابل کی دارالضرب میں اسّی ہزار سے ایک لاکھ تک سکے ایک روز میں تیار ہو سکتے ہیں۔ کابل میں نہ صرف سکے ہی ڈھالے جاسکتے ہیں بلکہ حسب قدر ٹھپے اور اسٹامپ ہیں وہ بھی تیار ہوتے ہیں اور سوائے اُن ٹھپوں اور اوزاروں کے جو ابتداً انگلستان سے منگائے گئے تھے دوبارہ کسی چیز کے باہر سے منگانے کی ضرورت نہیں ہوتی سب چیزیں کابل میں ہی تیار کر لی جاتی ہیں۔

مارٹن ہنری کارتوسوں کا بنانا

مثل سنیڈر رایفل کے کارتوسوں کی مارٹن ہنری قسم کے کارتوس ہیں میری کلیں منگانے سے پہلے ہاتھ سے ہی بنائے جاتے تھے۔ یہ کارتوس بہت کم مقدار میں تیار ہوتے تھے اور عمدہ قسم میں شمار کئے جانے کے لایق بھی نہ تھے۔ میں نے کارتوسوں کے بنانے کے لئے مسٹر مڈلٹن کو نوکر رکھا تھا۔ اس شخص نے اپنی خدمات کو نہایت عمدگی سے انجام دیا اور میرے آدمیوں کو بھی اپنے جدید کارتوسوں اور ان کے متعلق ضروری سامان کا بنانا تعلیم کیا اور اب میرے لوگ خود اس کام کو

بخوبی انجام دے سکتے ہیں اوسط درجہ کی قسموں کے کارتوس سخت ٹکڑوں کے بنائے جاتے ہیں اور انکو نہایت آسانی سے بھرا اور خالی کیا جا سکتا ہے۔ استعمال شدہ کارتوسوں کے خالی کرنے کے لئے کابل میں ہی اپنے کارخانہ میں ایک کل بنوائی گئی ہے۔ استعمال شدہ کارتوس اس کل دبانے سے اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں اور کارتوسوں پر جدید ٹوپی اور بارود لگا کے اُن کو از سرِ نو بھر لیا جاتا ہے۔ میرے کارخانہ میں روزانہ دس ہزار کارتوس تیار ہو سکتے ہیں اور ضرورت کے وقت یہ تعداد دگنی ہو سکتی ہے۔

سینڈر رایفل کے کارتوس

سینڈر رایفل کے کارتوس پہلے ہاتھ سے بنائے جاتے تھے جب میں نے ان کارتوسوں کے بنانے کی مشین خرید لی تو میں نے مسٹر ایڈورڈ کو نوکر رکھا اور اسی مسٹر مڈلٹن کی طرح ان کارتوسوں کا بنانا بھی میرے آدمیوں کو سکھا دیا اور اس قسم کے کارتوس بھی کابلی لوگ بلا کسی دوسرے کی مدد کے بنا لیتے ہیں سینڈر رایفل کے کارتوس روزانہ دس ہزار تیار ہوتے ہیں مگر ضرورت کے وقت اس تعداد سے دگنے بھی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ مسٹر ایڈورڈ نے بندوقوں گولیوں وغیرہ کے پیمانہ کا بنانا بھی میرے لوگوں کو سکھا دیا اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس قسم کے کارتوس مارٹنی ہنری رایفل میں استعمال ہوتے ہیں میگزین گیٹلنگ گن اور ہر قسم کی توپوں میں بھی کام دے سکتے ہیں کیونکہ بندوقوں کی نالیں خاص نمونہ کی تیار کرائی جاتی ہیں جن میں ایک ہی قسم اور پیمائش کے کارتوس استعمال ہو سکتے ہیں۔

مارٹنی ہنری رایفل اور دوسرے چھوٹے ہتھیاروں کے بنانے کی کلیں

کابل میں کلوں کے آنے سے پہلے رایفلیں ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں۔ مگر کارتوسوں کی طرح رایفلوں کے بنانے میں بھی بڑی دقت پیش آتی تھی۔ مثلاً جس قدر رایفلیں ہاتھ سے تیار ہوتی تھیں علاوہ معدودے چند کے جن کو نہایت ہوشیار کاریگروں نے بنایا ہے اور جن کی تعداد بھی نہایت ہی تھوڑی ہوتی تھی۔ تمام رایفلیں خراب اور نکمی بنتی تھیں۔ اسی لئے میں نے ان رایفلوں کے بنانے کے واسطے بھی کل خریدی اور مسٹر کیمرم کو جو ہندوستانی گورنمنٹ کے کارخانہ واقع دمدم میں ملازم تھا اس کام کے لئے نوکر رکھ لیا۔ اس شخص نے نہ صرف اپنا کام ہی ہوشیاری سے انجام دیا اور میرے لوگوں کو کام سکھایا بلکہ کارتوسوں۔ بندوقوں اور چھوٹے ہتھیاروں کے کارخانوں میں بڑی بھاری ترقی کی۔ میری رائے میں ان تمام ملازموں سے جو میرے ہاں نوکر ہوئے یہ شخص بندوقوں۔ رایفلوں۔ کارتوسوں اور

دیگر مختلف ہتیاروں کے بنانے کے کام میں نہایت لائق شخص تھا اور میرے ملک کو اُسکی خدمات سے بہت فائدہ پہنچا۔ مسٹر گیمرم نے کابلیوں کو ہر طرح کا کام نہایت دلچسپی سے سکھایا۔ اس نے اکثر ایسی کتابوں کی فہرست بھی مجھے دی جس میں مختلف ہتیاروں اور سامان جنگ کے استعمال کے قاعدے اور ہدایتیں تحریر تہیں یہ کتابیں عام دوکانوں پر نہ مل سکتی تہیں اس لئے میں نے اپنے سفیر ولی احمد خاں کی معرفت گورنمنٹ ہندوستان سے طلب فرمائیں اور کتابوں کے آجانے پر بعض کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرا لیا گیا۔

ان مشینوں سے روزانہ پندرہ مارٹنی رائفل تیار ہو سکتے ہیں اور اگر ضرورت ہو تو انہیں مشینوں سے اس تعداد سے دو چند رائفلیں بن سکتی ہیں ہرچند کہ یہ مشینیں ہنری رائفلوں کے ہی بنانے میں استعمال ہو سکتی ہیں مگر جس طرح سکوں کی مشین کے ذریعہ سے علاوہ سونے چاندی کے دوسرے ٹھپے اُتارے جا سکتے ہیں اور صرف ٹھپہ کے بدلنے اور خاص پرزوں کی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ایسی ایک مشین سے رمپٹر رائفل لی مینفورڈ اور دوسری قسم کی بندوقیں اور توپیں بن سکتی ہیں۔

انجنوں۔ بائیلروں۔ لُہاروں اور توپچیوں کا کام

جس طرح اوپر بیان کیا گیا کہ توپیں بھی ہاتھ سے ہی بنائی جاتی تہیں۔ اور وہ انجن جن کو میں نے اوّلاً خرید کئے تھے نہایت ہلکے تھے اور ان میں علیحدہ بائیلروں کی ضرورت نہ ہوتی تہی۔ چونکہ یہ انجن نہایت ہلکے تھے مجھے مجبوراً کام کو بڑے پیمانہ پر جاری کرنے کے لئے ایک سو گھوڑوں کی طاقت کا انجن معہ اس کے بائیلر کے خریدنا پڑا اور سکّوں کے بنانے کی کل کے ہمراہ دخانی ہتھوڑہ بھی معہ ایک بائیلر کے خرید ا گیا۔ ان کلوں کے ساتھ ہی موم بتّی۔ صابون بنانے کی کلیں بھی خریدی گئیں کیونکہ ان کلوں کا ہونا بائیلر کی موجودگی میں ضروری تہا توپوں کے ڈہالنے اور متفرق لُہار کے کام کرنے میں نے مسٹر اسٹورٹ کو جو ایک تجربہ کار انجنیر تہا ملازم رکھ لیا۔ مسٹر اسٹورٹ نہ صرف ایک تجربہ کار ہوشیار انجنیر ہی تہا بلکہ وہ نہایت محنتی۔ خیر خواہ اور اپنی دیرینہ سالی میں بھی بہت پھُرتیلا اور جلد کام کرنے والا آدمی تہا۔ اُسی نے مذکرۂ بالا تمام مشینیں نصب کیں اور ہندوستانیوں اور کابلیوں کو ان کا چلانا سکھایا۔ اور اس زمانہ میں مسٹر اسٹورٹ کے سکھائے ہوئے آدمی اطمینان کے لائق ہر ایک کام مثل تیاری انجن بائیلر۔ آتش دان وغیرہ خود بنا سکتے ہیں۔ اُسی کے سکھائے ہوئے

آدمیوں میں سے ایک کابلی نے جو سانچہ بنانے والے محکمہ میں فورمینی کا کام دیتا تھا بہ شمولیت چند اور آدمیوں کے لکڑی کا انجن بنایا ہے۔ انجن بالکل ولایتی ساخت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس انجن کی تیاری کے بعد جب اس کی آزمایش کی گئی تو وہ ہر طرح سے ٹھیک پایا گیا اور میں نے اس انجن کے بنانے کے صلہ میں ان تمام آدمیوں کی تنخواہ جنہوں نے اس انجن کے بنانے میں حصہ لیا تھا دُگنی کر دی۔ علاوہ تنخواہ دُگنی کرنے کے چھ ہزار روپیہ معہ خلعت کے نقد ان کو بطور انعام کے دیا گیا۔ اس انعام ملنے سے دوسرے کاریگروں کو بھی حوصلہ ہوا اور ایک دوسرے کاریگر قاسم نامی نے ایک دوسرا انجن تیار کیا۔ یہ انجن لکڑی کا نہیں تھا جیسا کہ متذکرہ بالا کاریگر نے بنایا تھا۔ اس کے تمام پرزے لوہے۔ فولاد اور تانبے کے بنے ہوئے تھے۔ میرے سامنے اس میں آگ دی گئی اور اس انجن نے بھی قابل اطمینان کام دیا۔ میں نے اس کاریگر کو انعام اور خلعت سے معزز کیا تا کہ اوروں کو بھی حوصلہ ہو۔ توپوں کی تمام بھٹیاں کارتوسوں اور سکوں کے لئے دھات گلانے کی مشینیں اور آہنگری کے متعلق تمام ضروری سامان کابلی مستری اور کاریگر خود اپنے ہاتھ سے بنا لیتے ہیں اس محکمہ میں مسٹر اسٹورٹ کی خدمات زیادہ تر قابل قدر ہیں۔

میں اس کے متعلق بھی کچھ تھوڑا سا بیان کر دوں گا کہ مسٹر پائین کی غیر حاضری میں جو سردی کی وجہ سے انگلستان چلا جایا کرتا تھا کابلیوں اور ہندوستانیوں نے کارخانہ کو کس طرح جاری رکھا۔ علاوہ کارخانہ کے مسٹر پائین نے اور اور خدمات بھی انجام دیں جس کا ذکر آیندہ کیا جائے گا۔

بعض لوگ اس بات پر تعجب کریں گے کہ کابل تک ریل نہیں بنی راستہ دشوار گزار ہے تو پھر کس طرح ایسے بڑے بڑے انجن مشینیں اور سامان انگلستان سے کابل منگایا گیا۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ بہت ٹھیک ہے کہ افغانستان کے راستے دشوار گزار ہیں۔ ریل نہیں ہے۔ مگر میں نے جو انتظام کیا تھا وہ ان تمام نقائص کے دور کرنے کے لئے کافی تھا۔

آبکاری

پارہ کا مصالح جو کارتوس کی ٹوپیوں کے لئے ضروری ہے اس میں اسپرٹ درکار ہے علاوہ اس کے اسپرٹ کی دوسرے کاموں میں بھی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ پہلے اسپرٹ بنانے کے لئے کوئی مشین نہیں تھی بلکہ ہاتھ سے بنائی جاتی تھی۔ اس لئے اسپرٹ بہت تھوڑی مقدار میں نکلتی تھی

چونکہ افغانستان میں انگور کشمش اور دوسرے میوے جن کی شراب بن سکتی تھی کثرت سے موجود ہیں اس لیے میں نے ایک فائدہ مند کام سمجھ کے شراب وغیرہ بنانیکے لیے ایک کارخانہ بڑے پیمانہ پر جاری کیا جس میں ۵۰۰ بوتلیں آٹھ گھنٹے میں تیار ہو سکتی ہیں اور اس کارخانہ کی لئے مشینیں منگائی ہیں۔ علاوہ اسپرٹ کے برانڈی اور دیگر اقسام کی تیاری کے لیے میں نے ایک علیحدہ کارخانہ جاری کیا۔ اس کارخانہ میں جس قدر شراب تیار ہوتی ہو اُس کا زیادہ حصہ تو باہر فروخت کے واسطے بھیجدیا جاتا ہے اور باقی افغانی رعایا جو مسلمان نہیں ہے خرید کرتی ہے۔

اس کارخانہ کے جاری ہونے سے پہلے بعض ارمنی عیسائی جو میرے ملک میں رہتے تھے وہ لوگ اپنے گھروں پر شراب بنالیا کرتے تھے اور ان کی دیکھا دیکھی اکثر اور لوگ بھی بنانے لگے تھے مگر چونکہ شراب کا بنانا نہ اُستاد جانتے تھے نہ وہ لوگ جنہوں نے اُن سے تعلیم پائی تھی اس لئے اس شراب کے استعمال سے لوگوں میں مختلف عوارض پیدا ہو گئے تھے اور عام تندرستی خراب ہو گئی تھی۔

شراب کا پینا شریعت اسلام میں حرام ہے اس لئے میں نے اُن تمام آدمیوں کو جو شراب بیچتے یا خریدتے تھے سخت سزائیں دیں اور اس طرح مسلمانوں کی شراب نوشی کی وہ خراب عادت جو ان میں شیر علی و عظیم خان کے زمانہ سے چلی آتی تھی جاتی رہی۔

کارخانہ کے جاری ہونے کے تھوڑے دنوں بعد میں نے چند کابلیوں کو ملازم رکھا جو پرانی طریقہ پر شراب کا بنانا جانتے تھے یہ لوگ جدید طریقہ شراب کشی سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے آرمنیوں کی ماتحتی میں کام کرتے تھے اور ایک ہندوستانی بھی جس کا نام رام سنگھ تھا ان کابلیوں کو سکھاتا تھا۔ یہ کام اب قطعاً میرے آدمیوں کے ہاتھوں سے چل رہا ہے جو بلا کسی امداد کے اچھی طرح کام کر سکتے ہیں۔

چمڑہ کا کارخانہ

اس زمانہ میں جبکہ میں مشینوں کے خریدنے اور بندوقوں۔ توپوں اور دیگر سامانِ حرب کے بہم پہنچانے میں مشغول تھا مجھے اس بات کا بھی خیال رہا کہ ایسے تمام سامان جن کی کارخانوں میں روزانہ ضرورت پڑتی رہتی ہے اپنے ہی ملک کے بنے ہوئے ہونے چاہئیں جن سے یہ وقت کہ ہر ضروری سامان غیر ملکوں سے منگایا جائے جاتی رہی اور اس طرح وہ تمام رقم جو ہر سال غیر ملکوں میں بھیجی جاتی ہی اپنے ہی ملک میں رہے اور بجائے دوسرے ملکوں کے باشندوں کو فائدہ پہنچنے کے اپنے ہی آدمی مالدار ہو جائیں میرا صرف یہ خیال ہی

خیال نہیں رہا بلکہ میں نے عملی طور سے اس خیال کی تائید کی اور کابل میں مختلف کام جاری کر دیئے جس سے
ہر ایک سامان جو کارخانوں کے لئے ضروری تھا کابل میں ہی تیار ہونے لگا اس خیال کے پیدا ہونے کی ایک
خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ ایک دفعہ ہندوستانی گورنمنٹ نے تمام سامان جو گولے اور ہتیاروں کے بنانے
کے لئے مطلوب تھا افغانستان میں داخل ہونا بند کر دیا تھا گورنمنٹ ہندوستان کے اس امتناعی حکم
نے مجھہ کو بہت اچھا سبق دیدیا اور یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی کہ کارخانوں کا بنانا اسوقت تک
بیکار ہے جب تک کارخانوں کی ضرورت کے سامان خود ملک میں بہم نہ پہنچ سکتے ہوں - اور ایسی حالت
میں کہ سامان خود اپنے ہی ملک میں پہنچتا ہو دوسری طاقتیں ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت فولاد -
لوہا - تانبا - پیتل کی درآمد بند کر دیں اور کارخانے بند ہو جائیں - اس خیال سے میں نے تمام ایسی مشینیں
جو کوئلہ - لوہا - سیسہ اور دوسری دہاتوں کے نکالنے کے واسطے مطلوب ہیں بہم پہنچالیں - اور اب روز
بروز اس کام میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس طرف مجھے بالکل اطمینان ہو گیا ہے -
خرچ کی سب سے بڑی مدد باغت دیئے ہوئے اور رنگے ہوئے چمڑے کی خریداری تھی جسے ہندوستان
یا یورپ سے منگانا پڑتا تھا - جوں جوں کارخانہ کو ترقی ہوتی گئی چمڑہ کا خرچ بھی بڑہتا گیا - بہت سے چرمی سامان
مثل بوٹ پیٹیاں - زین - ساز وغیرہ توپ خانوں کے لئے خرید کئے جاتے تھے اور ان کی خریداری دوسرے
ملکوں سے صرف اس وجہ سے ہوتی تھی کہ چمڑہ کی دباغت کا کام ابھی تک کابل میں جاری نہ ہوا تھا - اس
دقّت کے رفع کرنے کے لئے میں نے ایسی تمام کلیں جو چمڑہ کی دباغت اور رنگنے کے کام آتی ہیں خرید
کر لیں اور اب خدا کا لاکھہ لاکھہ شکر ہے کہ ہر قسم کا چمڑہ کابل میں تیار اور رنگا جاتا ہے اور مختلف قسم کے
چمڑے جیسے انگلستان - ہندوستان - فارس اور روس میں تیار ہوتے ہیں کابل میں بننے لگے غیر ملکیوں میں سے
جس شخص نے اس کام میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت ظاہر کی وہ مسٹر ماسکر تھا جو انگلستان کا رہنے والا اور
چمڑے کے کام کا ماہر تھا - دوسرا کاریگر مسٹر بٹھارٹن نامی نے غلام حیدر کو چمڑہ کا کل کام اچھی طرح تعلیم
دیا اور اب یہ کام نہایت عمدہ کابلی کاریگر خود تیار کرتے ہیں اور کسی غیر ملک کے کاریگر کی ضرورت نہیں ہوتی -
فارس کا چمڑہ بہت مشہور ہے اور خاصکر مقام ہمدان چمڑہ کی تجارت کے لحاظ سے نامور ہے میں نے فارسی
طرز کا چمڑہ تیار کرانے کے لئے مقام ہمدان کے دو کاریگروں کو اپنے کارخانہ میں ملازم رکہا تا کہ وہ میرے
آدمیوں کو چمڑہ کا کام سکھا دیں - لاہوری چمڑے کی طرز کے لئے بھی یہی عمل کیا گیا اور اس زمانہ میں کابلی ہر

قسم کا چمڑہ بخوبی تیار کر سکتے ہیں۔ روسی پیٹنٹ لیدر کا بنانا میں خود جانتا تھا اور اس قسم کا چمڑہ بنانا خود میں نے اپنے آدمیوں کو تعلیم کیا میں اُن آدمیوں سے جنہوں نے یہ کام میرے آدمیوں کو بڑی محنت اور تندہی سے سکھایا بہت خوش ہوں اور خاصکر مقام ہمدان کے کاریگر اس معاملہ میں زیادہ تعریف کے لائق ہیں۔

بوٹ اور مشینوں کے مال بنانا

حالانکہ چمڑہ میرے کارخانہ میں بنایا جاتا اور رنگا جاتا تھا مگر کوئی کاریگر ایسا موجود نہ تھا جو بوٹ اور کلوں کے لئے مال وغیرہ تیار کر سکتا ہو اس لئے میں نے احمد نامی روسی اور سبیگ کو کابلیوں کے سکھانے اور ایسے تمام سامانوں کی تعلیم دینے کے واسطے نوکر رکھا یہ شخص حج کے لئے مکہ کو جا رہا تھا اس لئے کابل کے قیام کو پسند نہ کرتا تھا۔ مگر جب میں نے اس کو سمجھایا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے یہ ثابت کیا کہ دوسروں کی مدد کرنا حج کرنے سے بہتر ہے اور عبداللہ کے اس قول کو کہ "بہت عبادت کرنا سست اور بیکار ہونے اور کام سے جی چرانے والوں کا کام ہے۔ بہت روزہ رکھنا کفایت شعاری اور خوراک کو بچانے کا نام ہے مگر سچی اور دلیرانہ عبادت یہ ہے کہ نوع انسان کی امداد کی جائے" اس کے سامنے بیان کیا جس سے وہ کابل میں بمجبوری ٹھیر گیا اور چمڑہ کی تجارت کی کابلیوں کو تعلیم کی۔

سردار کریم خان نے جو میرا چچازاد بھائی ہوتا تھا اپنی جلاوطنی کے زمانہ میں بمقام ہندوستان جوتے بنانے کا کام سیکھا تھا میں نے اس کو مجبور کیا کہ وہ اس کام کو کابل میں جاری کرے میں نے اس کو مدلل طور سے سمجھایا کہ شاہی خاندان کے لحاظ سے کام کرنا کوئی کسرِ شان نہیں ہے بلکہ بیکار رہنے میں شاہی خاندان کی توہین ہے میں نے اس کو یہ صلاح دی کہ ہزارہ کے جنگی قیدیوں کے ساتھ ہو کے بوٹ بنانے کا کارخانہ کھولا جائے۔ کریم خاں نے میرے مشورہ کو مان لیا اور ایک کارخانہ بوٹ بنانے کا ہزارہ کے جنگی قیدیوں کی شراکت میں جاری کر دیا۔ اور بہت سے کاریگر اُن کے ہمراہ کام کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اُن مشینوں کی وجہ سے جو بوٹ بنانے اور سینے کے لئے میں نے خریدیں تھیں ہزاروں بوٹ ہر روز خاص کابل کے کارخانہ میں تیار کئے جاتے ہیں اور اسی طرح اور قصبوں میں بھی بوٹ بنائے جاتے ہیں اور جس طرح میری فوج کے سپاہیوں کے کام میں آتے ہیں اسی طرح یہ بوٹ بازار میں بھی فروخت ہوتے ہیں جنہیں لوگ شوق سے خریدتے ہیں اور وہ روپیہ جو سالانہ بوٹوں۔ زینوں مشینوں کے مالوں اور دیگر سامان کے لئے دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا تھا اب میرے ملک میں ہی رہتا ہے جو ایک بدیہی فائدہ ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک گشتی حکم اس

مضمون کا جاری کر دوں کہ غیر ملکوں سے بوٹ یا دیگر چرمی سامان کابل میں نہ آنے پائے گا جو لوگ سامان خریدنا چاہیں وہ خاص کابل کے بنے ہوئے خریدیں - اس حکم کے جاری کرنے میں صرف یہ تامل ہے کہ میرے کارخانہ میں اتنے کاریگر اس کام کے جاننے والے ہو جائیں کہ ملک کی ضرورت کے لائق مال تیار ہونے لگے - یہ حکم تو جاری کر دیا گیا ہے کہ کچا چمڑہ جب تک افسران محکمہ سے پروانہ راہداری نہ مل جائے کابل سے باہر نہ جانے پائے اس حکم کے جاری کرنے کی نہایت ضرورت تھی کیونکہ جب کابل میں چمڑہ تیار ہو سکتا ہے تو کیوں چمڑہ کو کابل سے باہر بھیجا جائے جس کی قیمت ضروری ہے کہ غیر ملکوں میں رنگائی اور تیار کرانے کی حالت میں اصل سے چوگنی ہو جائے گی -

صابون اور بتیاں بنانا

اوّل اوّل یہ کام میں نے مختلف صوبہ جات میں ہاتھ سے بنوانا شروع کیا تھا - اس کام میں چربی کی ضرورت پڑتی ہے - کابل کے باشندے عام طور سے گوشت خوار ہیں اور نیز قدرتاً مویشی اور چوپائے سرد ملکوں میں گرم ملکوں کے چوپاؤں سے زیادہ موٹے ہوتے ہیں اور سرد ملکوں میں چربی گرم ملکوں کی طرح جلد خراب نہیں ہوتی - اس سے پہلے کہ میں نے صابون اور بتیوں کا کام شروع کیا منوں چربی ضائع کر دی جاتی تھی لیکن ہاتھ سے صابون اور بتیاں بنائے جانے کے زمانہ میں چربی میں کوئی چیز ایسی نہیں ڈالی جاتی تھی جس سے صابون اور بتیوں کی ساخت میں نمایاں عمدگی ہوتی - بہر نوع اس کام کے لئے مختلف تدابیر کام میں لائی گئیں اور اس محکمہ سے ملک کو معقول آمدنی ہو گئی مگر جس قدر ترقی کی خواہش تھی اس قدر ترقی ابتک نہیں ہوئی ہے - میرا ارادہ ہے کہ کابل کے خاص خاص قصبات میں صابون اور بتیوں کے کارخانے کھول دیئے جائیں جس سے اُن اخراجات میں تخفیف ہو جائے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ مال کے لیجانے اور لانے میں ہوتے رہتے ہیں اسی وجہ سے میں نے کارخانہ کی شاخیں ملک کے مختلف مقامات میں کھولیں تاکہ کارتوس وغیرہ کی آسانیت سے چکنائی دی جا سکے - ان تمام مقامات میں جہاں مشین نہیں ہیں اب تک ہاتھ سے ہی یہ کام ہوتا ہے - اس کام کے جاری ہونے سے بھی ملک کی وہ دولت جو غیر ملکوں کی نذر ہوتی تھی افغانستان میں ہی رہنے لگی -

کپڑے سینے اور سوت بنانے کا کارخانہ

اگلے زمانہ میں افغانستان کے تمام آدمی بادشاہ سے لیکر فوجی اور مالی افسر اور ملک کے عمائدین

بڑے لمبے اور چوڑے پاجامے استعمال کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک پاجامے کے واسطے پندرہ گز کپڑا صرف ہوتا تھا۔

پوشاک کا اس طرح بنایا جانا فضول خرچی کی حد تک پہنچ گیا تھا جو خداوند تعالیٰ کے فرمان کے خلاف ہے۔ باری تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے "لا یحب المسرفین" جس کے معنی ہیں کہ بالتحقیق خداوند تعالیٰ فضول خرچوں کو پیار نہیں کرتا۔

علاوہ فضول خرچی کے یہ پہناوا نہایت ہی واہیات تھا جس سے آدمی سست اور کاہل بن جاتا اور اس قسم کی جھابر جھلی پوشاک سے جو گزوں ادھر ادھر لٹکتی رہتی ہے اس سے چلنے میں سخت دشواری ہو جاتی ہے۔ اس ناپسندیدہ وضع کو دور کرنے کے لئے میں نے چند ہندوستانی درزی ملازم رکھے جو پہلے انگریزی فوج کی وردیاں تیار کرنے پر ہندوستان میں مامور رہ چکے تھے۔ میں نے ہر ایک سویلین اور فوجی ملازم کی وردیاں بنانے کو بہت سے درزیوں کو ان کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ اور وردیوں کی لاگت ہر ایک ملازم کی تنخواہ میں سے وضع کرنے کا حکم دیدیا۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ جو ملازم علاوہ اس وردی کے جو حکماً مقرر کی گئی ہے پرانی وضع کی پوشاک پہنکر آئے گا اُسپر چھ ماہ کی تنخواہ کا جرمانہ ہوگا۔ مجھے ان ہندوستانی وردیوں کے کپڑہ کی تراش پر بھی اطمینان نہ ہوا اور مجبوراً مجھے ایک انگریزی درزی مسٹر والٹر نامی کو ملازم رکھنا پڑا جس نے خیاطی کے کام کو بہت رونق دی۔ مسٹر والٹر کی مدد سے میر منشی نے ایک کتاب ترتیب دی جس میں مختلف وضع کی تراش اور سلائی کے نمونے جو انگلستان میں رائج تھے درج کئے گئے۔ اس کتاب میں سینے کے متعلق تمام ضروری قواعد مختلف درجہ کے سپاہیوں کی وردیوں کی پیمائش اور ہر قسم کا نمونہ درج تھا تاکہ کوئی درزی کپڑے کو نہ چرا سکے اور جانچ کنندہ ہر وقت یہ بات معلوم کر سکے کہ فلاں قسم کی وردی کے لئے اس قدر کپڑہ کی ضرورت ہے۔

میری حکومت کے سول اور فوجی افسر اپنی وردیوں سے پہچانے جا سکتے ہیں اور ان کا عہدہ اور درجہ ان کی پوشش سے دریافت ہو سکتا ہے۔ مثلاً تمام سویلین۔ سردار۔ گورنر۔ افسران مختلف محکموں کے اعلیٰ افسر۔ سکرٹری اور درباریوں کے پاس اسی قسم کی وردیاں ہیں جیسی اُن فوجی افسروں کے پاس ہیں جو بلحاظ رتبہ اور تنخواہ کے مساوی ہیں۔ اس طریقہ سے سویلینوں کی

وردی اُسی نمونہ کی ہے جیسے کمانڈر انچیف۔ جنرل۔ برگیڈیر۔ کرنل۔ کپتان۔ لفٹننٹ وغیرہ کی میرے دربار میں بھی ہر ایک ملازم کو اس کی تنخواہ اور عہدہ ملازمت کے لحاظ سے جگہ دیجاتی ہی ہر ایک رتبہ اور مراتب کے لئے درباری پوشش اور ان کی نشست کی جگہ کے متعلق بھی ایک کتاب مرتب کر دی گئی ہے اور یہ کتاب میرے لڑکے حبیب اللہ خاں کے پاس ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ کتاب کی ہدایتوں کے بموجب اپنے دربار میں یہ دیکھے کہ لوگ میرے دربار کی طرح اُس کے دربار میں بھی مجوزہ پوشاک پہن کے مقررہ جگہ پر بیٹھتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً ہر ایک سویلین جس کی پانچ ہزار روپیہ (کابلی) سالانہ تنخواہ ہے۔ فوجی کمانڈر انچیف کے پاس بیٹھ سکتا ہے جس کی تنخواہ آٹھ ہزار روپیہ ہے وہ درجہ میں ڈپٹی کمانڈر انچیف کے ہمراہ اور ۵۰۰۰ ہزار کا مشاہرہ اور برگیڈیر کے ساتھ اور ۴۰۰۰ روپیہ سالانہ پانے والا کرنیل کے قریب اور اسی طرح اور دیگر ملازمین بلحاظ مشاہرہ فوجی افسروں کے ساتھ جگہ پاتے ہیں۔

غالباً ایسے بھی آدمی بہت ہیں جو اپنی برائیاں نظر انداز کر کے دوسروں کے عیبوں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں ایسے لوگ مجھے کہتے ہیں کہ امیر بندۂ زر ہے جس کی اکثر پورٹیں متواتر میرے گوشگزار ہوتی ہیں اُن لوگوں کا بیان ہے کہ امیر ایک ایک پیسہ ہر ممکن الوقوع تدبیر سے خواہ جائز ہوں یا نا جائز جمع کرتا ہے۔ ایسی بیہودہ گوئی کے لئے میں صرف یہ ہی جواب دے سکتا ہوں کہ ان سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں نہ ایسی باتیں جواب دینے کے لائق ہیں۔

ملک کی حفاظت اور امن زیادہ تر جنگی سامان کے انتظام پر منحصر ہے اور کوئی سلطنت اُسوقت تک قوی نہیں ہو سکتی جب تک اُس کے پاس جنگی سامان ٹھیک نہ ہو۔ اور یہ انتظام بغیر روپیہ کے نہیں چل سکتا۔ یہ بات بہت درست ہے کہ میں نے ان حکمرانوں سے جو مجھ سے پہلے تختِ کابل پر جلوہ افروز تھے زیادہ محصول ملک سے وصول کیا ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ ہے کہ پہلے امیروں نے کبھی اس قدر تنخواہ سپاہیوں کو نہیں دی جتنی میں دے رہا ہوں۔ میں ایسے آدمیوں کو جو میری حکمتِ عملی پر ناحق نکتہ چینی کرتے ہیں ذیل کی نظم مصنفہ خواجہ آہرار ہراتی کا مضمون ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جو یہ ہے کہ "بیشک وہ شخص جو دولت دنیا سے محبت رکھتا ہے خدا سے محبت نہیں رکھ سکتا مگر جو شخص روپے سے خدا کے لئے محبت رکھے وہ خدا کا دوست ہے"

حاشیہ صفحہ ۲۴۳ - اس نظم کے متعلق امیر ایک حکایت تحریر کرتے ہیں جو شمالی صوفیائے نظموں کی کتاب میں درج ہے کہ ۴۰۰ برس گزرے ایشیا کے ممالک متوسط میں خواجہ آہرار ایک بہت بڑا ولی گزرا ہے جو بہت دولتمند تھا۔ ایک شخص دو ماہ کے سفر کی مسافت طے کر کے خواجہ کی زیارت کو آیا تھا۔ جب اس نے خواجہ کو دولت مند دیکھا تو اس کے دل میں یہ گمان ہوا کہ خواجہ بزرگ نہیں بلکہ بندہ زر ہے۔ ایک روز ایک بیوہ خواجہ کے پاس آئی اور بیان کیا کہ اُس کا بچہ سخت بیمار ہے اور حکما کے تشخیص کے بموجب اس کا صرف یہ ہی علاج ہے کہ عربی گھوڑے کا بُھنا ہوا کلیجہ جسمیں سفید داغ ہوں اس کو کھلایا جائے۔ یہ بات سُن کے خواجہ آہرار نے اپنا ایک عربی گھوڑا اس غریب بیوہ کو بلا قیمت دیدیا کیونکہ اُس میں ایسے گھوڑے کی قیمت دینے کی استطاعت نہیں تھی۔ مگر جب گھوڑے کو ذبح کیا گیا تو اتفاق سے اس گھوڑے کے کلیجہ پر سفید داغ جن کے علاج میں شرط تھی نہ تھے۔ خواجہ نے دوسرے گھوڑے کو ذبح کرنے کا حکم دیا مگر اسکے کلیجہ پر بھی سفید داغ نہ ملے یہاں تک کہ ۱۰۱ گھوڑے ذبح کرنے کے بعد ایسا کلیجہ ملا جس کلیجہ کی غریب بیوہ کو ضرورت تھی۔ یہ دیکھ کے وہ شخص جو خواجہ کی زیارت کو آیا تھا خواجہ کا معتقد ہو گیا اور اس کا خیال بالکل تبدیل ہو گیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ خواجہ کی یہ دولت صرف غریبوں کے کام آتی ہے اور خواجہ نے دولت کسی دُنیوی آسائش کے لیئے نہیں رکھ چھوڑی بلکہ روپیہ جمع کرنے سے خواجہ کا یہ ہی مطلب ہے کہ غریبوں کی امداد کی جائے۔ خواجہ نے اس سے وہ ساری باتیں بھی جو اس کے دل میں اول مرتبہ خواجہ سے بدظنی کی پیدا ہوئی تھیں بیان کردیں جس سے اُس شخص کا اعتقاد خواجہ کی طرف اور بھی زیادہ ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ خواجہ کامل اور عارف باللہ ہیں۔

پریس اور تعلیم

میرے تخت کابل پر بیٹھنے سے پہلے افغانستان میں کوئی پریس نہ تھا اور تعلیم کی طرف سے لوگ اس درجہ غافل تھے کہ جب میں تخت پر بیٹھا تو میں نے ۳۰ کلرکوں کے واسطے جو اپنی زبان میں لکھ پڑھ سکتے ہوں تلاش کئے اشتہار دیا مگر اتنی بڑی سلطنت میں ۳۰ آدمی نہ مل سکے صرف تین آدمی بہم پہنچے خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اِس زمانہ میں ہزاروں آدمی میری سلطنت میں پڑھے لکھے موجود ہیں۔

اور مختلف کتابیں جس میں مختلف مضامین پر بحث ہے کاغذات کے فارم - اسٹامپ - پرامیسری نوٹ وغیرہ خاص کابل کے پریس میں تیار ہوتے ہیں قصبات میں اسکول قایم ہیں - فوجوں میں تعلیم کا سلسلہ موجود ہے اور اگر خدا نے چاہا تو عنقریب کابل میں ایک کالج کا افتتاح ہو جائیگا - جسمیں انگلستان کے طریقہ تعلیم کے بموجب سائنس وغیرہ پڑہایا جائے گا - میں نے اپنے آدمیوں کو باہمی اتفاق قایم رکھنے اور ایک نیم سرکاری اخبار جاری کرنے کا حکم دیدیا ہے -

کابل میں پریس قایم کرنے کے متعلق جو زیادہ توصیف کے لایق ہے وہ منشی عبدالرزاق دہلوی ہیں منشی موصوف کا بعارضہ بخار انتقال ہوگیا - مگر چھاپنے کا کل کام منشی مذکور کے تعلیم کردہ افغانی انجام دیتے ہیں اور ان کی خدمات کی یادگار میں پوری تنخواہ عبدالرزاق متوفی کے بال بچوں کو دی جاتی ہے -

صنعت و حرفت

اگر میں ان تمام کاموں کو جو آجکل میری سلطنت میں جاری ہیں تحریر کروں تو ایک دفتر چاہیئے - صرف یہی کافی ہوگا کہ علاوہ ان کاموں کے جن کا ذکر ابواب سابقہ میں کیا جا چکا ہے - بعض کاموں کا اور ذکر کر دیا جائے جو اس وقت کابل میں کیے جاتے ہیں یا شروع ہونے والے ہیں - افغانستان میں علاوہ متذکرہ کاموں کے مشرقی اور مغربی طرز کی ٹوپیاں بنائی جاتی ہیں - دوربین اور توپخانوں کے لیے دور سے مسافت دریافت کرنے کی کلیں اور دیگر کام جو اس ہنر کے متعلق ہیں علاوہ اُن کے جو میرے زمانہ حکومت سے پہلے تیار ہوتے تھے اس وقت کابل میں تیار ہو سکتے ہیں اور کیئے جاتے ہیں - بارود - سنہری تار کھینچنے کے اوزار - سنہری لیس - ہندوستانی اور ایرانی قسم کی قالین - چوکیاں - میزیں - دستار بافی - خیمہ دوزی - ملمع سازی صیغہ جنگ کے متعلق ہر قسم کا سامان علاوہ اس کے جن کا ذکر ہو چکا - مثل تلوار کا بنانا - توپوں ریلوا بوروں کی تیاری - کاغذ کی تیاری - ایسڈ کے بنانے کی کلیں - جلد سازی - بسکٹ اور ڈبل روٹی بنانا - لیٹن سازی - گلاس - سوئیاں اور درزی کے کام کی مشینیں - چاندی تانبا - پیتل - فولاد اور لوہا گلانے کی بھٹیاں - اینٹیں اور چونہ پھونکنے کی بھٹی - معماروں اور بڑھیوں کے اوزار - سنگ تراشی اور پتھر کا فرش مغلئی طرز پر جیسا دہلی کی عمارتوں میں ہے

تیل نکالنے کی کلیں - بڑے بڑے پائپ بنانے کی مشین - فوجی باجوں کے اوزار یہ تمام چیزیں کابل ہی میں تیار ہو جاتی ہیں -

میں نے اس کا بھی انتظام کر دیا ہے کہ جنگی قیدیوں اور دیگر مجرمین سے کام لیا جاتا ہے اور وہ بلحاظ اپنی لیاقت کے اپنے پیشہ ور قیدیوں کے افسر مقرر رہتے ہیں اور پورے پورے اپنے کام سے واقف کار ہو جانے پر وہ رہا بھی کر دیئے جاتے ہیں اور ان کو اُن کی لیاقت کے موافق نوکریاں بھی دی جاتی ہیں - ان لوگوں کو بھی ایسی ہی اُجرت دی جاتی ہے جیسے دوسرے کاریگروں کو - اس قاعدے کے جاری کرنے سے میرا مدعا ہے کہ ملک میں بہت سے کاریگر ہو جائیں - کیونکہ میں اپنی رعایا پر کام سیکھنے کے لئے جبر کرنا پسند نہیں کرتا نہ اس بات پر زور دے سکتا ہوں کہ وہ مجبوراً میرے کارخانوں میں ملازمت اختیار کریں - قیدیوں کو اپنی رہائی کی زیادہ خواہش ہوتی ہے اور وہ اس دباؤ سے جلد کام سیکھ لیتے ہیں اور اپنی آزادی کے علاوہ انعام پاتے ہیں اور اس میں میرا یہ فائدہ ہے کہ میرے ملک میں کاریگر زیادہ ہوتے جاتے ہیں -

فوجی محکمہ

میری فوج میں توپ خانے - رسالے - پیادے - ملیشیا پولیس (جو خاصہ دار کہلاتے ہیں) خوانین سوار (ملیشیا رسالے میں وہ لوگ ہیں جو ملک کے اُن سرداروں کے متعلق ہوتے ہیں جنکا گورنمنٹ کو بعوض عطیہ اراضی یا کسی معاوضہ کے ایسے آدمیوں کا بہم پہنچانا فرض ہے) اور والنٹیر شامل ہیں والنٹیروں میں وہ تمام آدمی بھرتی کئے جاتے ہیں جنکی عمر سولہ اور ستر برس کی عمر کے درمیان ہوتی ہے -

والنٹیروں کا یہ قاعدہ ہے کہ میرے ملک کے آدمی خود آٹھ میں سے ایک آدمی گورنمنٹ کو دیتے ہیں اور ان کا خرچ بھی جب تک ان کو فوجی قواعد وغیرہ سے آگاہی نہ ہو جائے انہیں لوگوں کو دینا پڑتا ہے - جب یہ لوگ کام سیکھ لیتے ہیں وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور پھر اسی طرح دوسرے آٹھ آدمیوں میں سے ایک آدمی کے حساب سے ان لوگوں کی جگہ فوجی تعلیم کے مدرسہ میں بھرتی

ﮯ میری فوجوں میں بھی باجہ اسی نمونہ کا ہے جیسا عام طور سے برٹش گورنمنٹ کی افواج میں استعمال ہوتا ہے اور باجہ بجانے کی کتابیں جیسا انگریزی فوجوں میں مستعمل ہیں بجائے انگریزی کے فارسی زبان میں ترتیب دے لی گئی ہیں ہر ایک کو قبل کسی محکمہ یا فوج میں شامل ہونے کے امتحان دینا پڑتا ہے -

ہو جاتے ہیں۔ میں بذاتِ خود اس بات کا مخالف ہوں کہ کسی آدمی کو جبراً فوج میں بھرتی کیا جائے یا کسی کی مرضی کے خلاف اس کو ملازم رکھا جائے مگر یہ طریقہ خود لوگوں کی خواہش کے مطابق ۱۸۹۶ء سے جاری کیا گیا ہے۔

افغانی لوگ قدرتاً خود بڑے بہادر آدمی ہیں اور ہر ایک آدمی بذاتِ خود اعلیٰ درجہ کا سپاہی ہے مگر کتنا ہی جنگجو کیوں نہ ہو جب تک وہ باعدہ فوجی تعلیم نہ پائے موجودہ یورپی تعلیم یافتہ سپاہیوں سے ہرگز نہیں لڑ سکتا۔

میں اس بات سے نہایت خوش ہوں کہ اب میرے سپاہی اس طریقہ کے جاری ہونے سے باقاعدہ جنگ کر سکتے ہیں۔ اور میرے ملک میں روپیہ بھی اتنا ہو گیا ہے کہ فوج کے جملہ مصارف کے لئے کافی ہوگا۔ اور مجھے خدا سے امید ہے کہ افغانی اب ہر طرح سے بڑے سے بڑے دشمن کے حملہ کو باسانی دفع کر کے اپنے ملک اور اپنی جان و مال کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اب وہ افغانی نہیں ہے جو پہلے بے قاعدہ لڑنے کی وجہ سے اپنے مردانہ حوصلوں کو نہ نکال سکتے تھے اور دشمن کی باقاعدہ فوج سے کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالے جاتے تھے اب یہ باتیں افغانستان کے لئے خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتیں۔ افغانستان کی وہ حالت جو پہلے تھی ہمیشہ کے واسطے جاتی رہی وہ یورپ کی فوجوں کی طرح ایک باعدہ اور زبردست سپاہی بن گئے ہیں۔

افغانیوں کی موجودہ اور سابقہ طرزِ جنگ کا فرق دکھانے کے لئے میں ایک واقعہ کو جو روس کے ساتھ پیش آیا مختصراً ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ روسی ایک بڑی بھاری قلعہ شکن توپ آزمائش کے لئے لائے تھے۔ میں بھی اس توپ کے دیکھنے کے لئے گیا تو روسی افسروں نے مجھ سے یہ کہا کہ یہ توپ ہرات کے قلعہ کو توڑنے اور اس کو فتح کرنے کے لئے یہاں آئی ہے۔ یہ سن کے روسی افسروں کو میں نے جواب دیا کہ اگر خدا نے افغانستان کی سلطنت میری قسمت میں لکھدی ہے تو پہلا وہ مقام جہاں اس توپ کو ناکامیابی ہوگی۔ ہرات کا مقام ہوگا اور اگر خدا کو میرا بادشاہ بنانا منظور نہیں ہے تو پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیا ہوگا۔ روسیوں نے میرا یہ جواب سنکے نہایت دریدہ دہنی سے کہا "تم وہ دن تو یاد کرو جب ہماری گورنمنٹ تمہیں وظیفہ دیا کرتی تھی اور تم اس وظیفہ سے ہی اپنی پرورش کر سکتے تھے۔ میں نے روسیوں کی اس سخت

کلامی کے جواب میں کہا کہ میں نے جو وظیفہ روسیہ گورنمنٹ کا کھایا ہے اس کا بدلہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے ملک - قوم - مذہب اور حمیت کو خیرباد کہدوں - میں اُن آدمیوں میں سے نہیں ہوں کہ افغانستان کی بربادی کانوں سے سنوں اور جواب نہ دوں - اگر تم سچ سچ سُننا نہیں چاہتے تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس توپ کے متعلق تم کچھ مت کہو -

افغانی جو پیدائشی بہادر ہیں اور اپنی جوانی ہی سے لڑنے کے عادی ہوتے ہیں پہلے زمانہ میں ان کی لڑائی کا یہ دستور تھا کہ ہر ایک سردار - زمیندار - سید (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نسل جو اُن کی دختر جناب فاطمہؓ زہرا سیدالنساء العالمین کی اولاد سے ہیں) اور بڑے بڑے مُلّانوں کے پاس آدمی رہتے تھے جن کے پاس ایک جھنڈا اور ایک ڈھول اور سرائی رہا کرتی تھی - جب کبھی وہ لوگ ڈھول کو بجاتے اور سرائی کو پھونکتے تھے ہزاروں آدمی ان کے جھنڈے کے تلے لڑنے کے لئے جمع ہوجاتے تھے یہ ڈھول اور سرائی گویا ان لوگوں کے ہاتھ ہوتی تھی - اور جب کبھی ڈھول اور سرائی بجائی جاتی اور لوگ اُسے سُن پاتے تھے تو تمام مسلمانوں کا یہ فرض گنا جاتا تھا کہ ایک یا مختلف جھنڈوں کے تلے اکھٹے ہوجائیں - ڈھول یا سرائی میں سے بجز اللہ اکبر (خدا بڑا - بزرگ اور قوی ہے) یا چار یار (اصحاب رسول خدا) کے اور کوئی دوسری آواز نہ نکلتی تھی - ان کے ہتیاروں میں پیتل یا تانبے کی توپیں توڑے دار یا پُرانے نمونہ کی ریوالور فارسی یا گجرات کی بنی ہوئی تلواریں ہوتی تہیں - ہر ایک سپاہی غازی یا سچائی کا مرد کہلاتا تھا - یہاں تک کہ آجکل بھی ہر ایک سپاہی کی جب وہ پلنگ پر سونے جاتا ہے یہی دعا ہوتی ہے " خداوندا مجھے میدان جنگ میں ایک غازی کی موت عطا فرما - میرے دشمنوں کو بھی چارپائی پر پڑے پڑے مرنا نصیب نہ کر " میں اگر مروں تو شہید (جو اپنے مذہب کے لئے مارا جائے) ہوکے مروں - یہ ہمارا اعتقاد اور یقین ہے جو لوگ شہید ہوتے ہیں ان کو قیامت کے دن اپنے کاموں کی کوئی جواب وہی دینی نہ پڑے گی اور وہ بلا جواب دسوال داخل جنت ہونگے - جو لوگ غازی ہیں خدا کے نزدیک وہ معصوم سمجھے گئے ہیں -

لڑائی کا پُرانا طریقہ اس صدی تک جاری رہا میرے جدامجد کے زمانہ سے قبل کسی قسم کی فوجی ترتیب نہ تھی نہ توپ خانہ نہ رجمنٹ نہ بٹالین نہ سوار نہ پیدل کی باقاعدہ صف بندی تھی - بلکہ یہہ کہنا نا زیبا نہ ہوگا کہ اس زمانہ میں آدمیوں کا مجموعہ فوج کہلاتا تھا - مگر جب میرے جدامجد تخت نشین ہوئے

انہوں نے باقاعدہ توپخانوں - رسالوں - رجمنٹوں وغیرہ کی ترتیب دی - ان کو یورپی فوجی افسر مسٹر کیمپبل سے جس کا بیان آیندہ اس کتاب کے کسی حصہ میں کیا جائے گا بہت مدد ملی - علاوہ اس یورپی افسر کے بعض ہندوستانی اور مغل فوج کے افسروں سے بھی جو ایام غدر میں بھاگ کے میرے والد کی فوج میں شامل ہو گئے تھے - ترتیب فوج میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی جب امیر شیر علی خاں تخت نشین ہوئے تو انہوں نے بھی یہی قاعدہ جاری رکھا بلکہ اکثر کتابوں سے جن کا پشتو زبان میں ترجمہ کر لیا گیا تھا اور جو افواج برطانیہ میں مستعمل تھیں اس فوجی ترتیب میں بہت بڑی ترقی کر لی ان کی فوج میں اگر بے ترتیبی تھی تو صرف اس قدر کہ اول تو سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی تھی اور دوسرے ان کو خاص رعایتیں دی گئی تھیں جن سے وہ رعایا کو ستا کے روپیہ وصول کرتے تھے اور اس کی انہیں کسی قسم کی سزا نہ دی جاتی تھی - افسر سست تھے اور ہر طرح کے نشہ کی ان میں عادت پڑی ہوئی تھی افیون کا پینا - جوا کھیلنا وغیرہ وغیرہ بہت سی ایسی خراب عادتیں ان میں موجود تھیں جن کا اس کتاب میں ذکر کرنا ناظرین کو پریشان کر دے گا -

سب سے بڑی بات جو شیر علی کے زمانہ میں تھی زبردستی فوج میں بھرتی کرنا تھا جس سے عام ناراضگی پھیلی ہوئی تھی - مگر افسروں کی بیو زیادتی اور فوج میں زبردستی آدمیوں کا بھرتی کیا جانا ایسا نہ تھا کہ وہ لوگ انگریزی فوج کا اس قدر بھی مقابلہ نہ کر سکتے ہوں جتنا میرے معمولی افسر کر سکتے ہیں -

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری فوج یورپ کی طرز پر باقاعدہ مرتب ہے اور ہر ایک سپاہی کو ہر دوسرے مہینہ پر تنخواہ مل جاتی ہے - ہر ایک رسالہ - رجمنٹ - توپ خانوں کی بٹالین اپنے سامانوں مثلاً سفر مینا - کان کھودنے والے - کھائی کھودنے والے - انجینیر - بینڈس - خیمہ - طبی محکمہ جسمیں حکیم اور جرّاح شریک ہیں - مولوی - محاسب - کمسریٹ کے محکمہ اور اسی طرح سے دیگر سامانوں اور ضروریات سے مکمل ہے

میری فوج میں برج لوڈنگ توپیں پرانی قسم کی نارڈین فیلڈ ہاچکس اور کرب پیٹرن شدہ استعمال ہوتی ہیں اور اسی طرح انگریزی طرز پر پہاڑی توپیں خچّر پر لدنے والی توپیں میگسم گارڈنر گٹلنگ بھی میری فوج میں موجود ہیں - سپاہیوں کی باقی بندوقیں بھی اس نمونہ کی ہیں جیسے برٹش افواج میں کام آتی ہیں - لیمٹفورڈ - ربیٹر - مارٹینی ہنری - سنبڈر معہ ان برج لوڈنگ

توپوں کے جو زمانہ حال میں جرمنی فوجوں کو باسٹر کے پیٹرن شدہ دی گئی ہیں۔ میری فوج میں موجود ہیں۔

میرے سپاہیوں کے پاس اٹلی کے نمونہ کی ایک چھوٹی برج لوڈنگ قرابین بھی ہے اور بعض تفنگیں ایسی ہیں جو روس میں ابھی تجویز ہوئی ہیں۔ ضرورت اور زمانہ کی وجہ سے حال کے ایجاد شدہ ہتھیار کابل میں ان ہی کلوں کے ذریعہ سے بنائے جاتے ہیں جیسے انگلستان میں تیار ہوتے ہیں۔ بلاشبہہ جملہ ہتھیار اور سامان جنگ معہ گولوں وغیرہ کے اگر ضرورت ہو...... فوج کے لئے مہیا ہو سکتے ہیں۔ میں اس بات کی کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ میرے پاس دس لاکھ جنگجو ایسے ہو جائیں کہ جو جملہ سامان حرب سے بالکل آراستہ ہوں اور ان کی دو برس کی تنخواہ کے لئے بھی روپیہ جمع ہو جائے تاکہ اگر کوئی لڑائی چھڑ جائے تو اتنے آدمی میدان جنگ میں نظر آ سکیں۔ دس لاکھ جنگجو آدمیوں کا افغانستان میں جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر جنکو لڑائی کے متعلق کچھ تجربہ ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اتنی بڑی جماعت کو رسد۔ خوراک اور سامان جنگ کا بہم پہنچانا کس قدر مشکل ہے۔ بہر نوع میری سلطنت میں یہ بات بڑی خوبی کی ہی کہ رعایا کے ہر ایک مرد عورت کے پاس ایک ایک بندوق یا تلوار ضرور موجود ہے اور ملک میں کثرت سے ہتھیار ہیں۔ افغانستان کے بعض فرقوں میں تو یہ دستور ہے کہ لڑکی کو جہیز جو دیا جاتا ہے وہ سامان جنگ ہوتا ہے۔

ٹرانسپورٹ کے متعلق ہاتھی۔ اونٹ۔ گھوڑے۔ یابو۔ خچر وغیرہ موجود ہیں اور ملک اس قدر دولتمند ہے کہ اس کو خود اپنے ہی ذریعوں سے اس کی خوراک مل جاتی ہی۔ روپیہ ہی تمام ضرورتوں کا رفع کرنے والا ہی۔ میں روپیہ کو ہر ممکن الوقوع تدابیر سے شبانہ روز جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی تدبیروں میں بہت کچھ کامیاب ہو گیا۔ کوئی قومی قرضہ میرے ذمہ نہیں ہے۔ دو قومیں انگریز اور افغانی آپسمیں یکساں ضرورتیں رکھتی ہیں — انگریزوں کے پاس اگر روپیہ اور ہتھیار وافر ہیں۔ انہیں جنگجو آدمیوں کی ضرورت ہی افغانیوں کو روپیہ کی ضرورت ہے جس کا بہت سا حصہ انگریزوں کی وجہ سے رفع ہو جاتا ہے حالانکہ افغانستان میں ابھی کافی روپیہ نہیں ہوا مگر پھر بھی کوئی دولت افغانستان کے مقابلہ میں لاکھوں آدمی لا کے

ایک عرصہ دراز تک جنگ قایم رکھ سکے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا - بڑی بات جو افغانستان میں موجود ہے یہ ہے کہ وہ بڑے بہادر ہیں اور اپنے ملک میں ایسے ہی جلدی سفر کر سکتے ہیں جیسا کہ ایک گھوڑا آسانی سے سفر طے کر سکتا ہے - افغانی اتنے مضبوط ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو علاوہ کارتوسوں - رائفل اور ۳۰ روٹیوں [۵] کے جو انکو ایک ماہ کے لئے کافی ہونگی اپنی چھولداری بھی کندھے پر اٹھا کے منزل مقصود تک لیجا سکتے ہیں -

میں پھر اس بات کو کہتا ہوں کہ اگر افغانیوں کے پاس تھوڑی سی فوج کے لئے بھی کافی سامان رسد مہیّا رہے تو کسی طاقت کی مجال نہیں کہ وہ انہیں پس پا کر دے یا افغانستان میں داخل ہو سکے اسلحہ کے متعلق میرا یہ انتظام ہے کہ ہر توپ کے لئے پانسو گولے ہر وقت موجود رہتے ہیں اور ہر ایک رائفل کے واسطے ۵۰۰ [ہزار] کارتوس وہ تمام رائفلیں جن کو میں نے انگلستان اور جرمنی سے خرید کیا یا جنکو انگریزوں نے میرے پاس بھیجا اُن سب کے لئے پانچ پانچ ہزار کارتوس ہر وقت تیار رہتے ہیں - علاوہ اس سامان جنگ کے جن کو میں نے اپنے عہد حکومت میں خرید کیا یا دولت انگلشیہ سے وصول ہوا ایک کثیر مقدار میرے کارخانوں میں تیار ہو کے جمع ہوتی رہتی ہے اور یہ ذخیرہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے مثلاً ۲۰۳۴ ہاچکس - نارڈ نفیلڈ - بیچ لوڈنگ قسم کی توپیں ہر سال میرے کارخانہ سے معہ ان کے کل ضروری سامان جنگ کے تیار ہو کے ذخیرہ میں داخل ہوتی رہتی ہیں -

افغانستان کو اگر ضرورت ہے تو اس بات کی کہ لایق افسر دستیاب ہو جائیں اور سامان حرب جس کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے عمدہ قسم کا ہو جائے مگر میں امید کرتا ہوں کہ میری اس توجہ سے جو میں اس طرف کر رہا ہوں یہ نقص جلد رفع ہو جائے گا -

میں نے اپنے آدمیوں کو بہت کچھ سکھا دیا ہے اور امید ہے کہ بہت جلد انکو جس قدر سیکھنا باقی ہے

---

[۵] افغانی اپنی روٹیوں کے لئے خاص قسم کا سامان رکھتے ہیں جس قسم کا کھانا اُن کے پاس سال بھر تک قایم رہ سکتا ہے - افغانیوں میں خشک خوراک دو قسم کی مستعمل ہے ایک قسم لندی اور دوسری قسم کی تالکنان کہلاتی ہے - جو خشک شہتوت اور گیہوں کے آٹے سے بنائی جاتی ہے ایک قسم کی خشک غذا جو ستو کہلاتے ہیں شکرا اور گیہوں کے بھنے ہوئے آٹے سے بنائے جاتے ہیں - افغانی بعض اوقات مہینوں انہیں خوراکوں پر بسر کرتے ہیں -

اس کا تکملہ ہو جائے گا۔ سب سے پہلے میں نے اپنے آدمیوں کو فنون جنگ کے جملہ قواعد سکھائے فوجی امتحان مقرر کیے بندوقوں کا نشانہ لگانا اور دیگر فنون جنگ کی مشق کرائی۔ جس سے موجودہ حالت میں میرا ہر ایک سپاہی بندوق کے ہر ایک ٹکڑے سے کامل واقفیت رکھتا ہے ہر ایک قسم کی بندوقوں کو وہ کھول سکتے ہیں اور پھر جوڑ سکتے ہیں۔ نہ صرف سپاہی بلکہ افسر تک یہ کام بلا کسی کاریگر کے انجام دے لیتا ہے سپاہیوں کو بارود کے وزن اور ضروری ہدایت مثل وقت وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ انجینئری کے متعلق۔ سڑکیں۔ پل۔ پشتے بنانا سکھا دیا گیا ہے پیادوں کا کام اور توپچیوں کے فرایض ہر ایک کو معلوم ہو گئے ہیں۔

تعلیم افسر نگرانی کے لئے نہایت ضروری ہے اس لئے ہر ایک افسر اپنے فرایض کی انجام دہی کے لایق پوری قابلیت رکھتا ہے۔ یہ ہی نہیں کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو بلکہ میں نے ہر صیغہ کے لئے امتحان مقرر کر دیئے ہیں جن کی نہایت سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ بقول جامی۔ "فوجی قوت سامان جنگ کے کافی ہونے پر منحصر نہیں ہے سو لایق اور کارکردہ سپاہی ایک لاکھ نالایق اور غیر تعلیم یافتہ سپاہیوں سے اچھے ہیں"

جیسا میں کہیں پہلے بیان کر چکا ہوں میرا خیال ہے کہ فوجی نقل و حرکت کے لئے سوائے ریل کے اور کوئی اچھا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اور میں اپنے جانشینوں اور خاصکر اپنے لڑکے کو باصرار یہ بات جتانا چاہتا ہوں کہ انہیں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ فی زمانہ بڑی بڑی قوموں کی ترقی کا دار و مدار نہ صرف اُن کے حقوق کی وجہ سے ہے بلکہ ان کی کوششوں اور تدبیروں کا نتیجہ ہے اس لئے ایسی حالت میں افغانیوں کے پاس روپیہ نہیں ہے اُن کے لئے یہی بہتر ہے کہ تمام ملک میں ریل پھیلا دی جائے ریل کے ذریعہ محکمہ خبر رسانی سے کسی غنیم کی نقل و حرکت کی خبر ملتے ہی۔ ایک معقول تعداد فوج افغانیوں کی سرحد پر بھیجی جا سکتی ہے اور قبل اس کے کہ غنیم سرحد تک پہنچے ہماری فوج اس سے مقابلہ کے لئے تیار ملے گی۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے اور انگریزوں کے تعلقات اپنی اپنی غرض پر مبنی ہیں جو بہ نظر حالات نہایت مناسب اور درست ہیں مگر جس طرح حوادثات زمانہ اور ضرورتیں قوموں کے خیالات کو تبدیل کرتی رہتی ہیں میرے جانشینوں کو بھی اپنے فوائد اور نفع سے چشم پوشی نہ کرنا چاہئے

اور کبھی اپنی کوششوں کو معطل نہ رکھنا چاہیئے۔ میرے جانشینوں کو انگریزوں کی مدد یا اعانت پر کامل بھروسا نہ کرلینا چاہیئے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ خود ہی افغانستان کے لینے کی طرف توجہ کر بیٹھیں یا ایسے موقع پر جب افغانستان کو انگریزوں کی مدد کی ضرورت ہو انہیں کسی حکمتِ عملی کی بنا پر چشم پوشی کرنا پڑے۔ میرے جانشینوں کو مذہب اسلام کی اس سچی فلاسفی کو کہ خود ہر ایک تکلیف اور مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار رہو اور پھر خدا پر بھروسہ رکھو" ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ برطانیہ اعظم کے لیئے اس عہدنامہ سے انحراف کرنا جو میرے ملک کے تحفظ کے متعلق کیا گیا مشکل ہے مگر پھر بھی افغانستانی حکومت کی مضبوطی آزادانہ خودمختاری انگلستان ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے کیونکہ افغانستان۔ روس اور ہندوستان میں انگلستان کے لیئے بمنزلہ حدّ فاصل کے ہی۔

(ملکی یا سول)

ان محکموں کے علاوہ جن کا ذکر کیا گیا اور جس قدر محکمہ ہیں وہ سب اسی مد میں شامل ہیں اور اس کتاب کی گنجائش سے باہر ہے کہ مفصلاً ہر ایک محکمہ کا حال بیان کیا جائے۔ مگر اس پر بھی میں صرف چند مختلف محکموں کا تذکرہ کرتا ہوں۔

(خزانہ)

میرے ملک کی جس قدر آمدنی ہے وہ سب خزانہ میں داخل کی جاتی ہے اور جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ خزانہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔ خزانہ کے دو حصّے ہیں ایک خزانہ عامرہ (یا خزانہ عام) کہلاتا ہے۔ اور خزانہ خاص (خاص یا پرائیوٹ خزانہ) دوسری قسم کا خزانہ خاص میری نج کی آمدنی کا خزانہ ہے جس میں ایسی تمام آمدنی جو خاص میری جائداد یا تجارت سے ہوتی ہے داخل کی جاتی ہے۔ میں ریاست کے خزانہ سے سوائے خرچ خوراک اور کپڑے کے اور کسی قسم کے اپنے ذاتی خرچ کے لیئے روپیہ نہیں لیتا۔ ان ہر دو اقسام کے خزانہ کی میں نے جداگانہ دو دو شاخیں کر رکھی ہیں جس میں سے ایک خزانہ نقدی (جمیں سوائے نقد کے کچھ نہیں ہوتا) اور دوسرا خزانہ جنسی کہلاتا ہی (اس میں نقد کے علاوہ ہر چیز شامل ہے) یہ دونوں خزانے قلعہ کابل کے اندرونی حصّہ میں جو ارگ یا محل کہلاتا ہے بنے ہوئے ہیں۔ قلعہ کی اس عمارت کے بیرونی حصّہ میں تمام دفاتر ہیں اور دربار کا کمرہ بنا ہوا ہے اس محل میں ایک باغ ہے جو

اس قدر بڑا ہے کہ تمام کابل کے اطراف کے باغ ایک طرف اور یہ اکیلا باغ ایک طرف گو میری تخت نشینی سے پہلے نہ یہ باغ تھا نہ محل۔

خزانہ کی شاخیں قریب قریب ہر قصبہ اور افغانستان کے ہر صوبہ میں موجود ہیں۔ خزانہ کی شاخیں جو صوبوں اور بڑے بڑے شہروں میں واقع ہیں اُن کی آمدنی کا وہ تمام حصّہ جو وہاں کے سالانہ اخراجات سے زاید بچتا ہے سال کے ختم ہونے پر کابل کے خزانہ میں بھیجدیا جاتا ہے، اور اگر کسی صوبہ کے خزانہ میں آمدنی خرچ سے کم ہوتی ہے تو کابل کے خزانہ سے روپیہ بھیجدیا جاتا ہے، خزانہ کی آمدنی و خرچ کے معلوم رکھنے کا میں نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ ہر روز شام کو میرے پاس ایک خلاصہ نقشہ آمدنی و خرچ بھیجا جاتا ہے جس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آج اس قدر آمدنی ہوئی اور یہ خرچ ہوا اس نقشہ میں روزآنہ بقایا بھی دکھائی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے مجھے یہ بھی معلوم ہوتا رہتا ہے کہ میرے خزانہ میں آج اس قدر باقی ہے اور سال گزشتہ کے خرچ سے موجود خرچ کا مقابلہ بھی کر سکتا ہوں۔ صدر اور مفصلات کے خزانہ میں ایک ایک خزانچی رہتا ہے، اور کاونسلرس آف اکسچیکر اور افسروں کا فرض ہے کہ اپنا حساب کتاب اکاونٹنٹ جنرل کو دیدیا کریں۔ ان تمام رقومات کی بابت جو خزانہ سے برآمد ہوئی ہیں رسید داخل کرنی پڑتی ہی اور اسی طرح جو رقمیں خزانہ میں داخل ہوتی ہیں اُن کی وہ خود رسید لیتے ہیں رقم بلا میرے دستخط اور مُہر کے خزانہ سے برآمد نہیں ہوتی میرے دستخط یا مُہر کے بعد روپیہ کی برآمدگی کے لئے میرے بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کی مُہر کافی سمجھی جاتی ہے اور اُس افسر محکمہ کے دستخط بھی حکم برآمدگی روپیہ پر کرائے جاتے ہیں جس کے محکمہ کے خرچ کے لئے روپیہ خزانہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔

وہ ذریعہ جن سے روپیہ خزانہ کو وصول ہوتا ہے حسب ذیل ہیں۔ زمین۔ اور باغات کی مالگزاری درآمد و برآمد اشیار کا محصول۔ ڈاکخانہ جات کی آمدنی۔ مختلف قسم کے اسٹامپ اور پرامیسری نوٹ کی فروختگی۔ ٹھیکوں کے فارم۔ بل اور ہنڈیوں کی آمدنی۔ سرکاری تجارت کی آمدنی۔ اراضی مملوکہ گورنمنٹ کی آمدنی۔ سرکاری دوکانوں کے کرایئے۔ رعایا کے مکانات کا محصول جرمانے جو مختلف جرایم پر کئے جاتے ہیں۔ وہ آمدنی جو ضبطی جائداد کے ذریعہ سے ہوتی ہی۔ قریب آٹھ لاکھ روپے کی سالانہ آمدنی جو گورنمنٹ ہندوستان سے وصول ہوتی ہے۔ آخرالذکر آمدنی

یعنی وظیفہ جو گورنمنٹ ہندوستان سے ملتا ہے عموماً کلوں کے خریدنے اور جنگی سامان کے مہیّا کرنے میں صرف ہوتا ہی۔ اس قسم کی تمام رقومات اس طرح سے وصول کی جاتی ہیں کہ مختلف محکموں کے افسروں کے نام ایک حکم اس مضمون کا جاری کر دیا جاتا ہے کہ وہ اُن آدمیوں کو جن کے پاس سرکاری روپیہ باقتنی ہے اطلاع دیدیں کہ فلاں تاریخ کو روپیہ خزانہ میں داخل کریں یا اس روپیہ کے وصول کرنے کے واسطے کوئی افسر مقرر کر دیا جاتا ہے وہ روپیہ وصول کر کے خزانہ میں داخل کر دیتا ہے اور خزانہ سے اس کی رسید لیلیتا ہے یہ افسر جس نے روپیہ خزانہ میں داخل کیا ہے خزانہ کی رسید اس محکمہ کے افسر کو دکہاتا ہے جس کے اجلاس سے روپیہ وصول کرنے کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ اس رسید کی ایک نقل ایک خاص محکمہ کی کتابوں میں درج کی جاتی ہے اور اصل رسید داخل کنندہ کو واپس کی جاتی ہے تاکہ وہ بطور ثبوت ادخال روپیہ اپنے پاس رکھے۔

مختلف صوبوں میں جو فوجیں رہتی ہیں یا گورنمنٹ کے متعلق جو ٹرانسپورٹ کے جانور ہیں ان کیلئے گھانس کا ذخیرہ یا کمسریٹ کے محکمہ کے اور شاہی خاندان یا دیگر ضروریات کے واسطے جو اشیاء وصول کی جاتی ہیں اس کا یہ قاعدہ ہے کہ میری رعایا غلّہ۔ گھانس اور لکڑی افسران محکمہ کو دیکر اس کی رسید لے لیتی ہے۔ اور جب سالانہ مالگزاری ان سے وصول کی جاتی ہی تو ان اشیاء کی قیمت بازار کے بھاؤ سے کاٹ کر ان کی رقم واجب الادا سے منہا کر دی جاتی ہی۔

افغانستان میں پہلے دفتروں میں یہ طریقہ تھا کہ کسی قسم کے حساب کی کتاب موجود نہیں رہتی تھی بلکہ بجائے حساب کتاب کے کاغذ کے ٹکڑے جو آٹھہ انچ لمبے اور چھہ انچ چوڑے ہوا کرتے تھے استعمال ہوتے تھے یہ کاغذ ورقے کہلاتے تھے اور ان کاغذوں کے آدھے حصّے میں دفتر کا نام۔ تاریخ اور سنہ اور دیگر مختلف غیر ضروری یادداشتیں تحریر کی جاتی تھیں اور دوسرے نصف حصّے میں تین چار لفظ کہہ کے کاغذ کو ختم کر دیا جاتا تھا کتاب کے ایک ورقے میں جتنی عبارت لکھی جا سکتی ہے اس قدر عبارت ایسے سو ورقوں میں لکھی جاتی تھی۔ اس لئے اگر کسی رقم کے لئے حوالے کی ضرورت پڑتی تھی تو ایسے ہزارہا کاغذوں کو دیکھنا پڑتا تھا جسمیں ایک بہت بڑا وقت ضائع ہو جاتا تھا۔ اس طریقہ سے ہر ایک شخص افسر ہو یا محاسب اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائی یا سرکاری رقم کو غبن کر دی تو اس کے لئے آسان بات تھی کہ ایسے چند کاغذوں کو پہاڑ ڈالتا یا ان کے بجائے دوسرا لکھہ کر سب کو چاک

کر دتیا۔

میں نے ہر دفتر میں حساب رکھنے کے لیئے رجسٹر بنوا دیئے ہیں جن کے ہر صفحہ پر نمبر ڈالا گیا ہے اور جلد بندھے ہوئے رجسٹروں کے صفحوں پر میری مُہر ہوتی ہی جس سے کوئی شخص بلا میری مُہر کی علیحدہ کٹے ہوئے ورق کو رجسٹر میں سے جدا نہیں کر سکتا۔ ابتدا میں بعض آدمیوں نے چالاکی سے چند ورقوں کو چاک کر ڈالا تھا جس قصور میں ان کی انگلیاں کٹوا دی گئیں۔ اب ہر شخص کو جب اُسے کوئی رجسٹر دیا جاتا ہی تو اس سے لکھوا لیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ورقہ چاک ہو جائے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں گے۔

وہ لوگ جو سرکاری آمدنی اور خرچ کے حسابات کی نقل رکھتے ہیں اور اس کا انتظام ان کے سپرد ہے حسب ذیل ہیں اور ان کا تعلق خزانہ سے ہے۔ گورنر کا دفتر۔ محکمہ قضاۃ یا مذہبی دفتر۔ مونسپلٹی بورڈ صیغہ تجارت۔ کوتوالی یا دفاتر متعلقہ جرائم۔ قافلہ باشی یا دفتر کار رواں کا صدر دفتر۔ چبوترہ یا کسٹم ہوس۔ دفتر مال جو چار ہیں شمالی جنوبی۔ مغربی۔ مشرقی۔ ڈاک خانہ۔ سکوکت یا ہر قسم کے اسٹامپ کی فروختگی کا دفتر۔ دفتر جس میں سرکاری اخراجات کا روزانہ حساب رہتا ہے۔ دفتر جس میں سرکاری آمدنی روزانہ کا حساب رہتا ہی (جو تحویلدار کہلاتا ہے) محافظ خانہ اشلہ جہاں تمام سرکاری کاغذات رکھے جاتے ہیں (دفتر شاہ یا سرکاری دفاتر) راہداری یا دفتر پاسپورٹ روزنامچہ یعنی وہ دفتر جس میں جملہ احکامات متعلقہ آمدنی و خرچ خزانہ سرکاری کی نقل رکھی جاتی ہی "حساب گری" وہ دفتر جس میں جملہ حسابات کی جانچ ہوتی ہی (جس کو اکاونٹنٹ جنرل کا دفتر کہنا چاہیئے) ان تمام دفتروں کی نگرانی دو کاونسلوں کے سپرد ہے۔ ایک محاسب کاونسل ہی اور دوسری کونسل ثالث کے نام سے مشہور ہے۔ ان کاونسلوں کا کام حساب کی جانچ پڑتال کرنا ہی اور یہ دیکھنا ہی کہ حساب ٹھیک اور درست مرتب کیا گیا ہے یا نہیں۔

ان محکموں کے مفصلات کا معاملہ اپیل میں صدر عدالت واقع کابل میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں میرے بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کے حکم سے فیصلہ ہوتا ہے علاوہ ان کے اور محکمے بھی ہیں جو محکمہ جات بالا اور میرے درمیان میں رسل و رسائل کا کام دیتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ جملہ محکموں کے معاملات ان دفتروں کے ذریعہ سے مجھ تک پہنچتے ہیں۔ یہ محکمہ عدالت سکرٹری کہلاتا ہے اور چیف سکرٹری اس محکمہ کا اعلیٰ افسر مقرر ہے۔

علاوہ صیغہ مال ان محکموں کے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ فوجی سکرٹری کا دفتر۔ دفتر کمسریٹ دفتر نظارت (شاہی خاندان کے خانگی اخراجات کے متعلق) دفتر کارخانہ جات۔ محکمہ بارگماسٹری وغیرہ وغیرہ بھی موجود ہیں۔

عدالتیں

مثل دفاتر متذکرہ بالا کے ایک عدالت وہ بھی ہے جہاں مقدمات کا فیصلہ لیا جاتا ہی اور ان عدالتوں کا اپیل بھی اسی طرح ہوتا ہی جیسے میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس لئے مجھے اس کے متعلق دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں مگر ہاں صرف اتنا کہنا ضروری ہے کہ میرے تخت سلطنت کی متمکن ہونے سی پہلے کابل میں اس قسم کی کوئی عدالت نہیں تھی۔ بعض مقدمات میں میری منظوری کے بعد شریعت محمدی کی رو سے فیصلے ہوتے ہیں مگر اکثر مختلف معاملات میں رسم و رواج ملک کا بھی خیال کیا جاتا ہی اور حالتوں کے تغیرات کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ مثلاً میں کہیں بیان کر چکا ہوں کہ کابل میں پہلے ایک آدمی کا خون بہا۔ ۳۲ روپیہ مقرر تھا۔ مگر میں نے اس قانون کو بدل دیا اور یہ حکم دیدیا ہی کہ مقتول کی ورثا قاتل کو معافی دے سکتے ہیں۔ مگر ہر حالت میں گورنمنٹ کو اختیار رہے کہ ورثا کی معافی کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر مقتول کے ورثا قاتل کو معافی بھی دیدیں اور گورنمنٹ اس معافی کو منظور بھی کرلی تو بھی ۷... روپیہ قاتل کو بطور جرمانہ یا فدیہ داخل کرنے پڑیں گے اگر قاتل یہ رقم ادا نہ کرسکے تو اگر پسند کریں تو اس کے دوست اور رشتہ دار رقم ادا کر سکتے ہیں۔

افغانستان کی پرانی رسم کے موافق عورت صرف اپنے شوہر ہی کی ملکیت نہیں خیال کی جاتی بلکہ شوہر کے تمام خاندان کی ملکیت رہتی ہے اس لئے اگر کسی عورت کا خاوند مرجائے تو اسکا دیور عورت کی خلاف مرضی اس سے شادی کرنے کا استحقاق رکھتا ہی۔ یہ ملک کی رسم تھی جس سے ایک غریب عورت کسی خاندان سے علیحدہ نہیں ہوسکتی اور خاوند کے انتقال کے بعد اگر عورت اپنے میکے یا کسی دوسری جگہہ چلی جائے تو یہ بات اس کے خاوند کی خاندانی ذلت سمجھی جاتی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ رسم شرعی سمجھی جاتی تھی۔ بہر نوع یہ رسم شریعت اسلام کے بالکل خلاف ہی۔ میں نے یہ قانون جاری کردیا ہی کہ شوہر کے بعد عورت آزاد ہے کوئی شخص بلا اس کی مرضی کی اس سے شادی نہیں کرسکتا۔ نہ یہ ہی بلکہ میرا یہ بھی حکم ہے کہ اگر کسی لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی سنّ بلوغت سے پہلے کردیں تو لڑکی کو

اپنے سنّ بلوغ پر پہنچنے کے بعد اختیار ہے کہ وہ اس شادی کو قبول کریں یا نہ کریں اور اگر اس نے اس شادی کو قبول بھی کر لیا اور اُس کا شوہر اس پر ظلم کرتا ہی یا نان و نفقہ کی خبر گیری نہیں کرتا تو وہ شوہر کے خلاف اس بات کی نالش کر سکتی ہے کہ یا تو شوہر سے نان و نفقہ دلایا جائے یا طلاق جس طرح سے اوپر کی رسم بیان کی گئی۔ افغانستان میں بعض بعض بارسوخ خاندانوں میں یہ رسم بھی جاری تھی کہ لڑکیوں کا مہر اس قدر زیادہ باندھا جاتا تھا کہ اگر دولہ کا تمام خاندان بھی ملکے اس کی ادائیگی چاہے تو ناممکن تھی۔ مثلاً جس شخص کی آمدنی صرف دس شلنگ ہے اس سے پانچ لاکھ کا مہر قبول کرایا جاتا تھا اور اگر مہر نہ ادا کر سکے تو غریب مرد مثل غلاموں کے زندگی بسر کرتا تھا۔ میں نے اس رسم کو بالکل موقوف کر دیا اور شاہی اور معزز خاندان کے لئے ایکہزار سے تین ہزار تک مہر مقرر کر دیا ہے اور عام لوگوں کے لئے تین سو سے نو سو روپیہ تک مہر قایم کیا ہے البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے اندر خانہ اپنی زوجہ کو زیادہ دینا چاہیں تو وہ بالکل آزاد ہیں بہت سی ایسی اور فضول رسمیں ہیں جن کی میں نے ترمیم کی ہے اور جن کی بالتفصیل بیان کرنے کے واسطے ایک کتاب چاہیئے۔

شادی کے متعلق میں نے ایک طریقہ یہ بھی نکال رکھا ہے کہ ہر ایک عقد اور نکاح رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں اور اگر رجسٹر سے کوئی نکاح جعلی معلوم ہوتا ہے یا بلا مرضی کوئی نکاح کیا گیا ہی تو سزا دی جاتی ہے۔

صیغہ تعمیرات

افغانستان میں اس محکمہ پر کبھی اس قدر توجہ نہیں ہوئی تھی جیسے میرے زمانہ حکومت میں ہوئی ہے۔ پہلے تمام ملک میں ایک بھی پختہ عمارت جو پکّی ہوئی اینٹوں یا پتھروں سے بنی ہوئی ہو موجود نہ تھی تمام مکانات اور عمارتیں خام تھیں۔ بلخ اور غزنی میں اکثر پُرانی ٹوٹی ہوئی عمارتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک محل کابل کے بالاحصار کا پختہ ہے چند مقبرے اور قریب نصف درجن کے پختہ مسجدیں ہیں جو پہلے زمانہ کی یادگار موجود ہیں۔

میں بہت خوش ہوں کہ میرے زمانہ حکومت میں ملک کے ہر قصبہ اور خاص خاص مقامات میں عمدہ عمدہ پختہ عمارتیں تیار ہو گئیں اور تمام ملک میں سڑکیں بن گئی ہیں۔ ملک کی بڑی بڑی

سڑکیں کابل سے ہرات اور ہرات سے قندہار اور وہاں سے غزنی اور کابل کو جاتی ہیں۔ کابل سے حضراجت۔ جلال آباد سے اسمار اور کافرستان تک اور ایک سڑک کابل سے تنگ قاروں کو ہوتی ہوئی پشاور تک پہنچ گئی ہے۔ آخرالذکر سڑک دس برس میں تیار ہوئی ہے جس پر ہزارہا آدمی کام کرتے تھے۔ اس سڑک کی تیاری سے ان مسافروں کی تکلیفات رفع ہوگئیں جو جلال آباد اور کابل کے درمیان سفر کیا کرتے تھے اور انہیں پہاڑوں پر چڑھنے اور تنگ و تاریک راستوں میں گزرنے کی سخت زحمت اُٹھانی پڑتی تھی۔ سڑکوں اور پلوں کا سالانہ معائنہ ہوتا رہتا ہے اور اگر سڑک یا پُل قابل مرمّت ہو جاتے ہیں تو ان کی مرمّت کردی جاتی ہے سڑکوں پر درخت لگے ہوئے ہیں جس گاؤں یا قصبات میں سڑک ہو کے گزرتی ہے وہاں کے باشندے درختوں اور سڑکوں کی خرابی کے ذمّہ دار ہیں۔ مگر ان شخصوں کی ذمّہ داری اسی فصل کیواسطے ہے جہاں تک سڑک ان کی حد میں ہو کے گزرتی ہے جس طرح سے قصبات اور گاؤں کے آدمی جن کی حد میں سے سڑکیں گزرتی ہیں درختوں اور سڑک کے ذمّہ دار ہیں اسی طرح وہ مسافروں کے نقصانات کے بھی ذمّہ دار بنائے گئے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مسافر کسی سڑک پر مارا ڈالا جائے یا اُسکا مال لُٹ جائے تو اُس مقام کے لوگ جہاں پر مسافر مار ڈالا گیا یا لوٹا گیا ہے یا تو مجرم کا پتہ دیں گے یا وہ ایسی وارداتوں کے خود ذمّہ دار بنیں گے۔ اسی طرح اگر ملک میں کوئی بدچلن ہو جائے تو اس کو کسی جگہ پناہ نہیں مل سکتی جہاں جائے گا وہاں کے لوگ اس کی بدچلنی سے خوف کھا کے اپنے حلقہ سے نکال دیں گے یہ ہی وجہ ہے کہ میری تمام قلمرو میں حالانکہ ان پر مسافروں کی نگرانی کے لیے کوئی خاص شخص تعینات نہیں ہے تو بھی مسافر اور قافلے بے کھٹکے سڑکوں پر گزر جاتے ہیں ان سڑکوں کے متعلق محکمہ سراغ رسانی کو البتہ سختی کے ساتھ ہدایت کی گئی جس کا یہ اثر ہوا کہ اس محکمہ نے ان تمام خرابیوں کو دور کر دیا ہے اور اب سڑکوں پر مسافروں اور راہگیروں کو کسی قسم کا خطرہ باقی نہیں رہا۔

میں نے بڑے بڑے قصبوں میں خاص خاص مقامات پر قلعے بنوا دیئے ہیں۔ مثلاً ایک قلعہ وہیم وادی بلخ کے نزدیک بنوا دیا ہے یہ قلعہ اس سڑک کی حفاظت کے لیے جو روس سے بلخ کو جاتی ہے نہایت ہی مناسب ہے اور اتنا بڑا اور مضبوط قلعہ ہے کہ اس سے بہتر تمام افغانستان میں نہیں ہے

اینٹوں اور چونے کے بنانے کے لیے میں نے اکثر جگہہ پژاوے اور بھٹیاں بنوادی ہیں۔ ان افسروں کی خدمات جو مختلف کاموں کے نگران ہیں لایق تعریف ہے۔ ان افسروں میں سے بعض افسروں کے نام حسب ذیل ہیں۔ عبدالرحمن اور سیر۔ عبدالرحمن خاں اور سیر عبدالسبحان خان سرویر۔ میر مراد (افسر اعلی بارگ ماسٹری) منشی نذیر۔ منشی محمد بخش جو میری ملازمت سے پہلے پنجاب گورنمنٹ کے ہاں نقشہ نویس تہا اور جس نے کابل کے اکثر باشندوں کو میری ہدایت کے بموجب نقشہ کا کام سکھایا ہے۔

شفاخانے

اس محکمہ کی دو شاخیں ہیں ایک شاخ میں تو پُرانے طریقہ یونانی پر مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے اور دوسری شاخ میں یورپ کا جدید طریقہ ڈاکٹری کام میں لایا جاتا ہے۔ ہر ایک قصبہ میں سول اور ملٹری محکموں کی نگرانی ان ہر دو شاخوں کے ذمہ ہے۔ انگریزی دوائیوں کا پہلا شفاخانہ جو کابل میں جاری ہوا اسے ایک ہندوستانی ہاسپٹل اسسٹنٹ ڈاکٹر دایم خاں نامی نے کہولا تہا ڈاکٹر دایم خاں کے ہمراہ ڈاکٹر عبدالرحیم خاں بہی اسی شفا خانہ میں کام کرتا تہا یہ لوگ انگریزی ڈاکٹروں کی نگرانی میں جو میرے تخت نشین ہونے کے تہوڑے دنوں بعد میرے ملازم ہوگئے تہے کام کرتے تہے۔ یہ شفا خانے پہلے صرف بطور ایک محکمہ کے قایم تہے۔ اسپتالیں عرصہ تک نہیں کہولی گئیں تہیں۔ چھاونیوں میں مریضوں کو گورنمنٹ سے دوا کے ساتہہ خوراک بہی دی جاتی تہی۔ پہلے اسپتال ۱۸۹۴ع میں میرے کورٹ ڈاکٹر مس للینر ہملٹن ایم ڈی نے کہولی۔ اس اسپتال میں مس للینر ہملٹن کے ہمراہ چند ہندوستانی اور ایک تعلیم یافتہ انگریزی عورت مس ڈیلی جس کو وہ اپنے ہمراہ لائے تہے کام کرتی تہی جس طرح پہلے پہل یہ شفا خانہ انگریزی طرز پر کہولا گیا تہا مس للینر نے ٹیکہ کا کام بہی شروع کر دیا اور گائے سے ٹیکہ کا لمف حاصل کرنے کا طریقہ بہی جاری کر دیا۔ اس طریقہ سے بہت سے بچے جو چیچک میں ضایع ہو جاتے تہے اس مرض سے بچ گئے۔ چند ہندوستانی حکیموں کو بہی مس مذکور کی ماتحتی میں اس نئے کام کرنے کی ہدایت کی گئی تاکہ وہ ٹیکہ کا کام سیکہہ لیں۔ میں نے اسی مضمون کا ایک پمفلٹ اپنی رعایا کے نام تحریر کیا اور اسکی نقلیں تمام ملک میں تقسیم کرا دیں۔ میں نے اپنی سلطنت کے دور دورہ مقامات سے حکیموں کو بہی

کام سیکھنے کے لئے بلا لیا تھا۔

مسٹر پاک جو میرا تجارتی ایجنٹ تھا ایک مرتبہ کابل میں بیمار ہو گیا تھا مس ہملٹن کے علاج سے اچھا ہونے کے شکریہ میں اس نے اپنے خرچ سے ایک عارضی شفاخانہ کابل میں جاری کیا مجھے امید ہے کہ میرے پہلے شفاخانہ سے ملک پر بڑا اچھا اثر پڑا ہے اور تمام ملک میں شفاخانوں کا رواج ہوتا جاتا ہے اور جب تک کافی طور سے مریضوں کے رہنے کے لئے مقام اور اچھے ڈاکٹر مہیّا ہو جائینگے یہ ترقی برابر جاری رہیگی مس ہملٹن نے نہ صرف اسپتال کا ہی افتتاح کیا بلکہ اس کی اور خدمات بھی قابل قدر ہیں چنانچہ وہ ۱۸۹۵ء میں میرے لڑکے نصر اللہ خاں کے ہمراہ بطور طبّی مشیر کے ولایت گئی تھی اور اس موقع پر اسکو ملکہ معظمہ قیصر ہند کی حضوری کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔

معدنیات

دنیا کے کسی دولتمند شہر میں جس قدر کانیں موجود ہونی چاہئیں اسقدر کانیں کابل میں موجود ہیں مگر بقول شخصے جو جوہری نہیں ہے اس کے نزدیک جواہر اور پتھر ایک ہی۔ افغانستان کے کسی بادشاہ یا ملک کے کسی آدمی نے کبھی اس فائدہ بخش کام کی طرف توجہ نہیں کی۔ میرے عہد حکومت میں یاقوت سونا۔ چاندی۔ سیسہ۔ لوہا۔ تانبا۔ کوئیلہ۔ پتھر۔ نمک وغیرہ کی چند کانیں کھودی گئی ہیں۔ میں نے ان تمام کانوں پر کام کرنے کے لئے مختلف کلیں منگائی ہیں جن سے بہت بڑی مدد ملتی رہتی ہے مسٹر مڈلٹن جو ایک انگریزی کانوں کا انجنیر ہے اس کی خدمات قابل توصیف ہیں اس نے بمقام جلال آباد یاقوت کی کان پر اور بمقام گھوربند سیسہ کی کان پر نہایت مستعدی سے کام انجام دیا ہے میں اپنے جانشینوں کو نہایت سختی سے اس بات کی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ملک کی کانوں پر کسی غیر کو دخل نہ لینے دیں یہاں تک کہ کسی غیر کمپنی کو بھی کانوں کا اجارہ نہ دیا جائے ورنہ وہ طرح طرح کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور بالآخر رفتہ رفتہ غیر قوموں کو ان کے ملک میں دست اندازی کا موقع مل جائے گا اور غیر قوموں کا دخل ان کی حالت کے بدلنے میں نہایت مضر ثابت ہو گا۔ اس معاملہ میں مجھے زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں جسمیں ایک چھوٹی سلطنت سے بڑی سلطنت نے محض اپنی قوم کی حمایت کے بہانہ سے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جنگ شروع کر دی ہے۔ ان باتوں میں میرا ایک اشارہ کافی ہے۔

جس سے میرے جانشینوں کو خود سمجھ لینا چاہئے۔ میرے جانشینوں کو کسی قوم سے غیر متعلق مسئلہ پر بحث نہ کرنی چاہئے۔ اپنے ملک میں کسی غیر کمپنی کو کسی قسم کا ٹھیکہ یا اجارہ لینے کی اجازت نہ دینی چاہئے بالخصوص میرے جانشین اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ان کے ملک میں کوئی یورپین مستقل بود و باش نہ کرنے پائے۔ جو یورپین کسی کام پر تعینات ہو یا کسی محکمہ میں ملازم ہو تو جس وقت اسکی خدمات پوری ہو جائیں یا وہ اپنا کام سکھا دے اسے فوراً اپنے ملک کو واپس کر دینا چاہئے۔ کبھی اپنے ملک میں اسکی مستقل سکونت کبھی کی اجازت نہ دینی چاہئے۔

محکمہ کمسریٹ اور گھوڑوں کے اصطبل

کرایہ پر گھوڑے اور باربرداری کے جانور افغانستان میں ہر وقت بکثرت مل سکتے ہیں۔ مگر تو بھی اس خیال سے کہ ضرورت کے وقت زیادہ خرچ کرنا پڑے گا اور پھر ممکن ہے کہ اس وقت گھوڑے یا باربرداری کے جانور دستیاب نہ ہو سکیں۔ میں نے چوبیس ہزار گھوڑے سواری اور باربرداری کے لئے جمع کر رکھے ہیں۔ علاوہ گھوڑوں کے ہاتھی۔ خچر۔ اور اونٹ بھی موجود ہیں۔ ہاتھی صرف بڑی بڑی توپوں یا سڑک کے کوٹنے کے انجن کو گھسیٹنے یا ایسی بڑی کلوں کو لے جانے میں جنہیں دوسرے جانور نہیں گھسیٹ سکتے۔ کام آتے ہیں۔ ترقی نسل اسپاں کے لئے میں نے ۲۰۰ گھوڑیاں پال رکھی ہیں اور ۸۴ گھوڑے جن میں سے بعض انگریزی اصطبل کے ہیں۔ اکثر شاہزادہ ویلز کے اصطبل کے ہیں۔ بعض عربی النسل اور بعض ویلر۔ ترکمان۔ ہندوستانی اور دیگر مختلف عمدہ نسلوں کے ہیں۔ گھوڑوں کے علاج معالجہ اور ان کی تندرستی بحال رکھنے کے لئے سرکاری اصطبل میں چند وٹنری سرجن ملازم ہیں اصطبل سرکاری میں ہندوستانی وٹنری سرجن بھی نوکر ہیں مگر یہ لوگ انگریزی طریقہ مروجہ حال پر عملدرآمد نہیں کر سکتے۔ انگریزی علاج کی غرض سے میں نے مسٹر کلیمٹ کو ملازم رکھا جسنے نہ صرف گھوڑوں کا علاج کیا اور ان کی خوراک اور مصالحہ کی نگرانی کی بلکہ بیس افغانیوں کو بھی یہ کام سکھا دیا۔ مسٹر کلیمٹ اپنے ہمراہ چند انگریزی بھیڑیں بھی لایا تھا۔ میں نے ان بھیڑوں میں آسٹریلیا کی بھیڑوں کی ایک کثیر تعداد شامل کر کے ان کی نگہداشت کا خاص انتظام کر دیا ہے تاکہ افغانی تجارت میں ترقی ہو جائے جس سے ملک کو بہت روپیہ حاصل ہو سکتا ہے۔

تعلیم

میں نے اپنے ملک میں مختلف قسم کے مدرسے جاری کر رکھے ہیں جن میں شاہی خاندان کے آدمی اور ان لوگوں کے بچّے جن سے میرا خاص تعلق ہے تعلیم پاتے ہیں۔ بعض اسکولوں میں جنگی قیدیوں کو تعلیم دیجاتی ہے۔ بعض میں فوجی تعلیم ہوتی ہے۔ بعضوں میں بڑے افسروں کے بچّے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور بعض اسکولوں میں رعایا کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ علاوہ سرکاری اسکولوں کے میری رعایا کے آدمیوں نے خود بھی اکثر مدرسے جاری کر رکھے ہیں جن میں بچّے تعلیم پاتے ہیں۔ ہر ایک افسر کو خواہ اس کے فرائض کچھ ہی کیوں نہ ہوں امتحان دینا پڑتا ہے۔ مولوی۔ قاضی۔ امام یا اور مذہبی پیشوا تک کسی جگہ پر مقرر نہیں کیا جاتا جب تک وہ امتحان میں کامیابی حاصل نہ کرے۔ جسمیں کامیابی کے بعد کا دستخل ممتحان سے اُسے سند دی جاتی ہے۔ چونکہ میں اکثر جگہ میں تعلیم کی ضرورتوں کو بیان کر چکا ہوں اس جگہ پھر اسکا اعادہ کرنا فضول ہے۔ میرا بڑا لڑکا انگریزی زبان۔ تاریخ۔ جغرافیہ میں پوری لیاقت رکھتا ہے اور نقشہ کشی۔ پیمائش اور علم ہیئت سے بھی خوب واقف ہے۔

تجارت

اس صیغہ میں بالخصوص اور ملک کے ذریعہ تجارت کے دیگر شقوں کی طرف بالعموم مینے خاص توجہ کر رکھی ہے اور متواتر تجارت کی ترقی میں کوشش کرتا رہتا ہوں کیونکہ میں یہ بخوبی سمجھتا ہوں کہ ملک کی آمدنی بڑھانے کے لئے اس سے زیادہ کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

میں یہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے زمانہ حکومت سے قبل سینکڑوں قسم کا مال دوسرے ملکوں سے افغانستان میں آتا تھا۔ اب وہی مال جو غیر جگہ سے آتا تھا خاص کابل میں تیار ہوتا ہے اور اس طرح ملک کا روپیہ اُلٹ پلٹ کے ملک ہی میں رہتا ہے منجملہ دیگر اشیار کے نمک بھی ہے جو کثیر مقدار میں باہر سے آتا تھا اس لئے میں نے حکم دیدیا ہے کہ باہر سے نمک نہ منگایا جائے اور سب آدمی اس کان سے جو کابل میں زیر نگرانی باشندگان کابل کھودی جا رہی ہے نمک خریدا کریں جس طرح اکثر چیزوں کی درآمد کی ممانعت سے ملک کو بہت بڑا فائدہ پہنچا اسی طرح سونا چاندی استرخان کے چمڑہ وغیرہ کی برآمد سے ملک میں بہت روپیہ جمع ہو گیا۔

صیغہ زراعت میں بھی میرے عہد حکومت میں نمایاں ترقی ہو گئی ہے۔ پہلے افغانستان میں مشکل سے

کوئی ترکاری مل سکتی تہی۔ مگر اب ہر طرح کے پہل اور ترکاریاں کابل میں کثرت سے مل جاتی ہیں۔ میں نے قندہار اور لغمان کے صوبوں میں نیشکر کی کاشت بہی جاری کرادی ہے اور نارنگی اور اننّاس وغیرہ کے درخت بہی ہندوستان سے منگالئے ہیں۔

وہ تہوڑی بہت تجارت جو پہلے افغانستان میں ہوتی تہی وہ بہی زیادہ تر ہندوستانی مسلمانوں یا ہندؤوں کے ہاتہہ میں تہی اس تجارت سے ملک مالدار ہونے کے بجائے اور غریب ہورہا تہا کیونکہ وہ لوگ جتنا روپیہ تجارت کے ذریعہ سے افغانستان میں بہیجتے تہے اُس سے زیادہ وصول کرلیتے تہے ان حالتوں کو غور کرکے میں نے اپنے ملک کے آدمیوں کو خود تجارت کرنے کی ترغیب دی اور ان کے حوصلے سرکاری خزانہ سے مالی امداد کرکے بڑہادیئے۔ جو روپیہ میں نے اپنے ملک کے تاجروں کو دیا اس پر کسی قسم کا منافعہ نہیں ٹہیرایا۔ میں ان آدمیوں میں تو نہیں تہا کہ ملک اور سرکاری روپیہ بلاکسی منافعہ کے دوسروں کو دیدیتا مگر ہاں نفع حاصل کرنے کا دوسرا پہلو ضرور اختیار کیا وہ یہ کہ مال کی درآمد برآمد پر ڈہائی روپیہ سینکڑہ چنگی کا محصول لگادیا۔ جو ایک ہی مال پر چند مرتبہ اس کی آمد برآمد کے لحاظ سے وصول ہوتا رہتا ہے اور اسی طرح اس منافع سے جو مجہے کسی تاجر کو روپیہ پر حسب قرارداد وصول ہوتا بیسوں گُنا زیادہ وصول ہو رہا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بہی اس روپیہ کے منافع میں ہی سمجہنی چاہئے کہ میرے آدمی اپنی تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور اسیطرح ملک ان کی شرارت سے جو وہ بیکاری کے زمانہ میں کرتے تہے بچا ہوا ہے۔

حالانکہ میں اپنی سلطنت کے بڑے بڑے انتظامات کی طرف متوجہ رہتا تہا مگر یہ بات نہ تہی کہ بڑے کاموں کی دلچسپی کی وجہ سے چہوٹے چہوٹے کاموں کی طرف خیال ہی نکرتا۔ میں نے بڑی بڑی انتظامات کے دوران ہی میں ایک انگریز سے پیانو باجے کو بجانا بہی سیکہہ لیا اور اُسے دوسروں کو بجانا سکہا دیا اسی طرح میں نے ایک خاص قسم کی سندھ کی مرغیاں مرغے منگاکے اس سے اوّل اوّل بچے نکلوائے اور بعد میں اوروں کو بہی اس کا پالنا .... اور پرورش کرنا بتادیا۔

میں نے سینکڑوں قسم کے اسٹامپ۔ ٹہیکوں کے فارم۔ پرامیسری نوٹ وغیرہ اپنے ملک میں جاری کیئے جن سے ملک کو آمدنی ہونے لگی۔ یہ فارم جنہیں میں نے جاری کیا ہے میری حکومت سے پہلے کبہی خواب میں بہی افغانیوں کو نظر نہ آئے تہے۔ بہر نوع گورنمنٹ کے لیئے سب سے زیادہ نفع بخش ذریعہ

کارخانہ صنعت وحرفت اور کانوں پر کام کرنے کا طریقہ ہے جسکو میں نے جاری کر رکھا ہے فوجی کاروبار سے فرصت پانے کے بعد میں اپنے وقت کو زیادہ تر تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی میں صرف کرتا رہتا ہوں۔

میرے اکثر افسر جو اپنے کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں مجھے یہ رائے دیتے رہتے ہیں کہ ریل اور تار برقی کے کام میں جس قدر فائدہ ہے وہ کانوں کے کھودنے یا کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے لڑکوں اور اپنے جانشینوں کو پھر نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی باتوں کو کبھی نہ ماننا چاہئیے میں یہ خود اچھی طرح جانتا ہوں کہ ریل اور تار برقی سے ملک کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر یہ لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس ریل اور تار کے پھیل جانے سے ملک غیر محفوظ ہو جائیگا۔ اور غیر ملک کے لوگ اسی ریل کے ذریعہ سے ہمارے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے افغانستان کی بہت بڑی حفاظت اس کی ناقابل گزر حالت پر منحصر ہے۔ خداوند تعالےٰ نے پہاڑوں کی بلند بلند چوٹیاں ہماری حفاظت کے لئے ہمیں دیدی ہیں اسی لئے غیر قومیں اس وقت تک یہ جانتی ہیں کہ افغانی پیدایشی بہادر ہیں اور جب تک ان کو پہاڑیوں کی گھاٹیوں اور چوٹیوں پر پناہ ملے وہ جنگ ہمیشہ ہمیشہ جاری رکھیں گے۔ لیکن میدان میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں ریل اور تار افغانستان کے لئے نعمت متصور ہونے لگے گی مگر یہ وقت وہ زمانہ ہو سکتا ہے جب ہمارے پاس اتنی کافی فوج ہو جائے کہ ہم اپنے حریف کا بآسانی مقابلہ کر سکیں۔ ہم کو ایسا بیوقوف نہ ہو جانا چاہئیے۔ جیسا کہ ایک شخص نے اپنی ایک ہنس کو جو سونے کے انڈے دیا کرتی تھی اس امید پر مار ڈالا کہ ایک ہی دفعہ میں بہت سے سونے کے انڈے مل جائیں گے۔

ڈاک خانہ جات

میری حکومت سے پہلے یہ محکمہ افغانستان میں برائے نام جاری تھا صرف ایک سڑک کابل سے پشاور تک ڈاک خانہ کے لئے کھلی ہوئی تھی جس سے خط پہنچنے میں بہت وقت ہوتی اور وقت صرف ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں اس محکمہ پر پوری توجہ کی جا رہی ہے اور بہت بڑا انتظام ہے۔ میری حکومت کے زمانہ میں چھوٹے چھوٹے ڈاک خانے موجود ہیں۔ ڈاک کی آمد و شد اسقدر جلدی ہوتی ہے کہ ہندوستان سے کابل تک خط پہنچنے میں صرف ۶ ۳ گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ یہی نہیں کہ صرف

ہندوستان اور کابل کے درمیان ہے بلکہ میرے قریب جو سلطنتیں مثل روس - فارس چین وغیرہ ہیں سب ملکوں سے ڈاک آتی جاتی ہے - خطوں کی رجسٹری - اور ان کی رسید حاصل کرنا - نوٹس کا دیا جانا - پارسلوں کی روانگی - ڈاک خانوں کے احکام کی تعمیل وغیرہ وغیرہ - یہ سب باتیں افغانی ڈاک خانوں میں بھی ہی عمدگی سے انجام پاتی ہیں جس طرح ہندوستان کے ڈاک خانہ جات ہیں - ان ڈاک خانوں سے ان کے اخراجات کے لئے کافی آمدنی ہو جاتی ہے -

چوتھا باب

میری روزانہ زندگی چند تفصیلی حالات

بچپن سے اس وقت تک میری طرز زندگی ایشیائی بادشاہوں اور اُمرا کی زندگی کے بالکل خلاف رہی ہے - عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ امیر اور بادشاہ اپنی زندگی سُستی اور عیش میں صرف کرنا بہت پسند کرتے ہیں اور یہ شاید بہت ہی کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی شاہزادہ - بادشاہ امیر اپنے ہاتھ کچھ کام کرتا ہو یا بلا سواری کہیں آتا جاتا ہو - برخلاف اس کے میں اپنے حساب جسم اور دل کو نکما بنا رکھنا یا بے فائدہ تضیع اوقات کرنا گناہ سمجھتا ہوں - اور درحقیقت بیکار پڑا رہنا اور اپنے قوا اور دماغی قوتوں کو معطل کرنا خدا کی بڑی ناشکری کرنا ہے -

ناظرین میرے سوانح عمری پڑھ کے خود اس بات کو جانچ سکتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں کس قدر جفاکش اور لگاتار محنت کرنے والا ہوں - میں دن اور رات برابر کام کرنا پسند کرتا ہوں صرف چند گھنٹے سونے میں صرف ہوتے ہیں - چونکہ عادت ہی ایک فطرت ثانی بن جاتی ہے میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر میں سخت بیمار بھی ہو جاؤں تو بھی بغیر کام کئے ہوئے نہیں رہ سکتا - اگر میں بیماری میں اپنے بستر پر ہل جُل سکتا ہوں تو مجھے بلا اس کے کہ کوئی کتاب دیکھوں - کوئی حکم تحریر کراؤں یا سلطنت کے دیگر کاغذات کو ملاحظہ کروں چین نہیں پڑتا - میں ایسی حالت میں بھی درخواستوں اور شکایتوں کے سننے سے کبھی گریز نہیں کرتا جنہوں نے مجھے دیکھا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ میں کس قدر محنتی آدمی ہوں اکثر بارہا میری زبان سے یہ لفظ سُنے ہوں گے کہ اگر میرے ہاتھ پیر بھی نہ ہیں اور صرف زبان یارا دے تو میں اسکو بھی بیکار نہیں رکھنا چاہتا - کم سے کم حکم دینے اور اپنی خواہشوں کے اظہار میں ہی زبان کو

کام میں لاتا رہوں گا۔ میں محنت کرنے کا ایسا عادی ہوگیا ہوں اور لگاتار کام کرنے سے کچھ ایسی دلچسپی ہوگئی ہے کہ خواہ کتنا ہی کام کیوں نہ ہو مجھے کبھی تکان معلوم نہیں ہوتی۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک شخص کا ایک خاص مذاق ہوا کرتا ہے اسی طرح میرا یہ مذاق ہے۔ میں جس قدر کام کرتا ہوں اُس سے میری سلطنت کا استحکام ہوتا ہے۔ اور میری دلچسپی کا بڑا سبب یہی ہے۔ بقولے۔ اگر معشوق عاشق کی ڈھارس نہ باندھے اور اس کا دل نہ رکھے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا اور معشوق تک پہنچ نہیں سکتا۔ میرا ہر ایک کام میں دلچسپی ظاہر کرنا غالباً خدا کی طرف سے ہے۔ میرے نزدیک میرا مقصد جناب خداوند تعالیٰ کی مخلوق کو جس نے اُسے میرے سُپرد کیا ہے نگرانی کرنا ہے اور یہ میری دلی خواہش ہے کہ میں اس فرض داری کے کام کو جہاں تک مجھسے ہوسکے نہایت عمدگی سے انجام دوں۔ قرآن مجید میں لکھا ہے۔ جب خدا کسی سے کوئی کام کرانا چاہتا ہے وہ اس کے تمام ضروری سامان بہم پہنچا دیتا ہے "

خداوند تعالیٰ کی جب یہ مرضی ہوئی کہ افغانستان کو بیرونی حملوں اور اندرونی جھگڑوں سے مخلصی عنایت فرمائے اس نے اپنے ایک ذلیل بندے کو یعنی مجھے ایسے بڑے کام کے لئے چُن لیا اور میری دماغ میں قوم کی بہبودی اور ترقی کے خیالات پیدا کردیئے اور میرے دل میں یہاں تک قوم کی درستی کے خیالات بھر دیئے کہ میں اپنی جان تک کو بھی اپنی قوم اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر فدا کرنا ثواب دارین سمجھتا ہوں۔

میں جب مختلف اقوام کے لوگوں کو ترقی کے میدان میں دوڑ لگاتے ہوئے دیکھتا تھا تو مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ اس وسیع میدان کا بہت بڑا حصّہ طے کرچکے اور طے کرتے جاتے ہیں اور میری قوم اب تک بالکل سو رہی ہے۔ میرا تمام دن اور رات اسی فکر میں گزر جاتی تھی۔ بقولے "بلّی کے خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں" میں رات کو اگر کوئی خواب بھی دیکھتا تھا تو یہ بھی خواب نظر آتے تھے۔ اور اس وقت بھی میرا خیال یہ ہی رہتا تھا کہ قوم کی ترقی کی کیا سبیل کرنی چاہئے۔ خواب میں بھی میں یہی سوچا کرتا تھا کہ افغانستان بالکل ایک ایسی بھیڑ کی طرح ہے کہ جس کے ایک طرف شیر اور دوسری طرف ریچھ تاک لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور دونوں یہ ہی چاہتے ہوں کہ کب موقع ملے اور اس غریب بھیڑ کو ہضم کر جائیں اور ایسی کونسی تدبیر کرنی چاہئے جس سے یہ غریب بھیڑ افغانستان ایسی خطرناک حالت سے نجات پاجائے میرے درباری اس بات سے خوب واقف ہیں کہ افغانستان کی حدبندی کا مسئلہ بھی میری ایک نخواہ

کی تعبیر ہے جو عام طور سے افغانستان میں مشہور ہوگئی ہے اور جسکا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے ایک رات خواب میں یہ دیکھا کہ مجھے افغانستان کے گرد کنوئیں کھودنے چاہئیں تاکہ افغانستان محدود ہو جائے خواب کی تعبیر دینے والوں نے اس خواب کو سنکے یہی کہا کہ افغانستان کے گرد حد قایم کر دینی چاہئے جس سے دوسری سلطنتوں کو دخل اندازی کا موقع نہ رہے اور دول یورپ کے آگے بڑھنے کی حکمت عملی میں ایک خاص رُکاوٹ پیدا ہو جائے۔ ایسے ایسے اور بہت سے خواب میں نے دیکھے اور بالآخر سب خوابوں کی تعبیر یہی ہوئی کہ افغانستان کی حد بندی ہوگئی اور میں اب تک ان لوگوں کو رنج پہنچانے کے لیئے زندہ ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ان خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ امیر مر جائیگا اور بعض نے میرے مرنے کی خبر ہی ہفتوں پیشتر اُڑا دی تھی۔ اور شاید کوئی آدمی ایسا ہو جو اتنی مرتبہ مر چکا ہو جتنی دفعہ لوگوں نے میرے مرنے کی خبر اُڑا دی ہے۔

مجھے اس بات کا تعجب ہے کہ میں جس قدر زیادہ کام کرتا ہوں اُتنا ہی مجھے کام کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیئے جو میری زندگی کے حالات سننا چاہتے ہیں میں یہ بیان کرتا ہوں کہ میرے لیئے کوئی وقت سونے اور کھانے کا نہیں ہے۔ بعض وقت میرا کھانا دستر خوان پر میری سامنے گھنٹوں رکھا رہتا ہے اور مجھے اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ کھانا کھالوں۔ میں اسقدر اپنے دھیان میں غلطان پیچاں رہتا ہوں کہ مجھے کھانے کا خیال ہی نہیں آتا۔ میں بعض وقت اپنے ملک کی ترقی کے خیال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی میرے سامنے سے ہی نکل جائے تو مجھے اس کی خبر نہیں ہوتی ہے مجھے اکثر ساری ساری رات تک خطوں کے جوابات لکھنے میں گزر جاتی ہے اور میں اس وقت تک سر نہیں اُٹھاتا جب تک رات ختم ہو جائے یا دن نہ نکل آئے۔

میرا قصہ بالکل لیلیٰ اور مجنوں کے قصہ کی مثال ہے جسکی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ لیلیٰ کے عشق میں اس قدر محو تھا کہ ایک دن لیلیٰ کے کُتے کو دیکھ کے اس کے پیچھے ہو لیا اور مسجد میں نمازیوں کے سروں سے گزرتا ہوا کُتے کے پیچھے چلا گیا اور اس کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ میں کہاں اور کس طرف جا رہا ہوں اور یہ نمازی ہیں یا نماز پڑھی جا رہی ہے۔ اور جب مسجد کے مہتموں نے اس سے جواب طلب کیا تو اس نے صاف کہدیا کہ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ آپ مسجد میں تھے اور نماز بھی پڑھی جا رہی تھی۔ میں تو لیلیٰ کے کُتے کے پیچھے جا رہا تھا مجھے خبر نہیں۔ اور افسوس ہے کہ تم نے نماز کے وقت میری

آمد و رفت کو جانچ لیا - اور تعجب ہے کہ مجھے لیلیٰ کے کُتّے کے خیال میں تم لوگوں کی خبر تک نہوئی اور تم کو خدا کے سامنے بندگی کے وقت میری خبر ہو گئی -

میرے ڈاکٹروں نے اکثر مجھسے کہا کہ آپ اس قدر محنت کرنے اور کہانے کے وقت بیوقت کہانے سے بیمار ہو جائیں گے مگر میں ہمیشہ انہیں یہی جواب دیتا رہا کہ حکمت اور محنت میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا - اور چونکہ میں اپنی قوم کی ترقی کے عشق میں مبتلا ہوں مجھے وہ تکلیف جو مجھہ پر پڑتی ہے ہرگز ہرگز محسوس نہیں ہوتی - بر خلاف اس کے جو تکلیف قوم کو ہوتی ہے اس کا احساس بہت جلد ہو جاتا ہے - جو شخص محنت میں مبتلا نہیں ہوا وہ ہرگز اس کی قدر نہیں جان سکتا -

ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے "کہ عاشق کو اپنے خیال میں مستغرق رہنا اس کے لئے پوری خوشی ہے اور اس کو اس طرح کوئی تکلیف نہیں پہنچتی جیسے کسی بھیڑیئے کی آنکھوں کو جو ایک بکری کا بچہ پاکر بلا ہو بکری کے کھُروں کی خاک کچھہ نقصان نہیں دیتی - میں افغانی نسل کی ترقی کے خیال میں محو ہوں اور جو تجویز یا کسی قسم کا نشانِ ترقی مجھے نظر آجاتا ہے میرا دل اسی طرف راغب ہو جاتا ہے اور جس طرح کسی مسافر کو اپنی منزل مقصود کے نشانات ملنے سے خوشی ہو جاتی ہے اور اس کو اپنی منزل تک پہنچنے کا شوق ستاتا ہے اسی طرح میرا بھی حال ہے - اور "وعدہ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد" کی مثال ہے - جہاں کوئی بہبودی کا خیال میرے دل میں آیا میں بیتاب ہو جاتا ہوں اور اس وقت یہی آرزو ہوتی ہے کہ یہ ترقی بہت جلد میری آنکھوں کے سامنے آجائے - میں خدا سے جس نے اس کام کے لئے مجھے منتخب کیا ہے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے میری کوشش اور ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے -

بعض موقعوں پر مجھے اپنے آدمیوں کے حالات پر غور کرنے سے جو ہمیشہ لڑائی جھگڑا اور آپس میں جھوٹی رپورٹیں دینے کے عادی ہیں بالکل مایوسی ہو جاتی ہے - کیونکہ اس طرح جھوٹ سے سچائی جدا کرنے کے لئے میرا بہت بڑا وقت ضائع ہو جاتا تہا اور میرا وہ بیش قیمت اور گراں بہا وقت جسے میں کسی ترقی کے تجویز سوچنے میں صرف کرتا تو یوں رائیگاں اور برباد ہو جاتا تہا جو ترقی کے لئے خاص روکاوٹ تہا - بعض وقت مایوسی کی حالت میں مجھے اس بات کا پورا یقین ہو جاتا تہا کہ افغانیوں کی حالت کا بدلنا ایک امر محال ہے - افغانستان کبھی ترقی نہیں کر سکتا - اور

یہ امر بالکل خلاف امید ہے کہ میری قوم اپنی ہمعصر قوموں کی طرح ترقی کر سکے یا موجودہ حالت میں ہی کوئی فرق ہو جائے۔ مجھے ایسی باتوں کی حالت میں یہ سوجھتی تھی کہ ایسی تشویش اور تفکر کی زندگی بسر کرنے سے یہ مناسب ہوگا کہ کہیں دوسری جگہ سکونت اختیار کر لی جائے اور قوم کو اسکی حالت پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ آپس میں لڑ بھڑ کے بالکل برباد ہو جائے میں یہ ضرور کرتا مگر مجھے ہمیشہ خیال مجبور کرتا رہا کہ خداوند توانا و بزرگ نے مجھے ایک سلطنت دی ہے اور اپنی مخلوق کا نگران مقرر کیا ہے پس اُس کی نافرمانی اور ناشکری ہوگی اگر اُس کے بندوں کی سرپرستی سے منہ موڑ لیا جائے مجھے یقین تھا کہ عاشق کبھی اپنے معشوق کی جفاؤں اور ستم و جور کی پروا نہیں کر سکتا عاشق کے لئے معشوق کی کوئی تکلیف ناگوار نہیں اور وہ اُس کی ہر ایک جفا اور ظلم کو بڑی خوشی سے برداشت کرتا ہے بلکہ عاشق کو معشوق کی جانب سے تکلیف پہنچتی ہے تو مزا آتا ہے جس طرح عشق میں تکلیفوں کا اٹھانا محبت کی زیادتی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح ایک مصلح قوم کے لئے قوم کی بے باکیاں اس کے خیال کے میدان کو وسیع کرنے والی بن جاتی ہیں۔

تمام دن اور رات میں میرے کام کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں اور نہ کوئی خاص پروگرام ہی اُسکے متعلق دیا جاتا ہے۔ مزدور کی طرح صبح سے شام اور شام سے صبح کام کرتے گزر جاتی ہے مجھے جب بھوک معلوم ہوتی ہے اُس وقت کھا لیتا ہوں اور بعض دفعہ ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ میں کام کے شغل میں کھانا تک بھول جاتا ہوں اور جب کام سے فراغت پاتا ہوں تو مجھے اپنے درباریوں سے پوچھنا پڑتا ہے کہ میں نے کھانا بھی آج کھایا یا نہیں۔ اسی طرح جب مجھے نیند آتی ہے تو میں اکثر اُسی کرسی پر جسپر میں کام کر رہا ہوں سو جاتا ہوں اور مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ بچھونا بچھایا جائے اس وقت سوؤں۔ مجھے کسی خاص کمرہ کی ضرورت نہیں ہوئی اور نہ میں نے اپنے لئے کوئی خاص ضیافت یا ملاقات کا کمرہ تجویز کر رکھا ہے۔

میرے محل میں ایسے کمرے بیشمار ہیں مگر مجھے اس قدر فرصت ہی نہیں ملتی کہ میں ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں چلا جاؤں۔ مجھے اس بات کا شوق ہے کہ شام کے وقت میں اپنے حرم میں جاؤں جہاں تمام دن کی کلفت دور ہو جاتی ہے اور متعلقین کی تھوڑی دیر کی صحبت سے دل خوش ہو جاتا ہے مگر ایسا ہی اکثر اتفاق ہو جاتا ہے کہ میں حرم ہی میں نہیں جاتا۔ بلکہ میں جانے کے لئے بھی مجبور خاص طور سے

وقت نکالنا پڑتا ہے۔

جتنا میں بیان کر چکا ہوں کہ میرے کھانے اور دیگر ضروریات کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہاں میں بیان کئے دیتا ہوں کہ معمولاً میں پانچ چھہ بجے صبح کو بستر پر لیٹ جاتا ہوں اور دو بجے سہ پہر کو اُٹھتا ہوں۔ جو وقت میرا پلنگ پر کٹتا ہے وہ بھی عجیب طریقہ سے۔ میں سوتا تو ہوں مگر برابر ایسی ہی تدبیریں سوچتا ہوں جس سے میری قوم اور پبلک کی حالت کو ترقی ہو۔ سوتے سوتے کبھی اپنے خیال میں جاگ اُٹھتا ہوں اور پھر نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ جاتی ہے۔ غرض کہ میرا تمام وقت اسی طرح سے گزرتا ہے کہ کبھی جاگ اُٹھا تو کبھی سو گیا۔ سونے کے بعد جب میں دو تین بجے سہ پہر کو اُٹھتا ہوں تو سب سے پہلا کام میرا یہ ہوتا ہے کہ میں حکیموں سے یہ دریافت کر لیتا ہوں کہ مجھے کسی دوائی کی تو ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد درزی چند جوڑے کپڑے جو انگریزی وضع کے ہوتے ہیں میرے روبرو پیش کرتا ہے۔ جن میں سے میں ایک جوڑا پسند کر لیتا ہوں اس کے بعد میں نہا کے اور کپڑے پہن کے چاء اور کچھ ناشتا کرتا ہوں۔ اس تمام وقت میں کہ حکیم میرے پاس آتا اور درزی کپڑے لاتا اور میرے نہانے اور ناشتا کرنے میں جو وقت صرف ہوا۔ اُوشیر۔ سکرٹری۔ ناظر اور ایک یا دو افسر اپنے دل میں یہ ہی کہتے رہتے ہیں کہ میں جلد تمام کاموں سے فراغت پا جاؤں۔ اور وہ برابر مجھے اسی امید سے دیکھتے رہتے ہیں مجھے اُن کا اس طرح منتظر رہنا ناگوار نہیں گزرتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سکرٹری کو نمبر وار ڈاک کے خطوط کا جواب مجھسے دریافت کرنا ہوتا ہے۔ ناظر کو دستخط کرانے کی جلدی ہوتی ہے اور ان تمام حکموں پر جو اخراجات کے متعلق ہوتے ہیں مُہر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان حکموں کے خطوط پیش کرنے پڑتے ہیں جو میرے سوتے میں موصول ہوتے ہیں۔ اُوشیر کو اُن آدمیوں سے جو اپنے مقدمہ کی وجہ سے یا اُن لوگوں سے جو مختلف خدمات کی رپوٹیں دینی چاہتے ہیں ملاقات کرانے کی جلدی ہوتی ہے۔ غرض کہ اسی طرح ہر شخص اپنے اپنے کام کے سرانجام دینے کے لئے میرے فراغت ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ مگر جوں ہی نہا دھو کے اور ناشتا کر کے کام میں مشغول ہوتا ہوں فوراً افسروں ہیٹوں اور خانگی ملازموں کو مختلف احکام دیدیئے جاتے ہیں۔ چپڑاسی جو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ محکمہ نگرانی کے لوگ میرے اجلاس کرتے ہی مستغیثوں کی عرضیاں ہاتھوں میں لئے ہوئے اندر آ جاتے ہیں اسی طرح میرے چاروں طرف آدمی ہی آدمی ہو جاتے ہیں جن سے ہر-

ایک یہی چاہتا ہے کہ میرا کام پہلے ہو جائے۔ میرے ملک کے کسی آدمی کے پاس میرے کام کا دسواں حصّہ بھی نہیں ہے۔ شام کے دو تین بجے سے صُبح کے پانچ چھہ بجے تک میں برابر کام کرتا رہتا ہوں اور اس کے بعد کھانا کھا کے سو جاتا ہوں۔ مگر اس درمیان میں بھی میرے درباری مُجھ سے کُچھ نہ کُچھ دریافت ہی کرتے رہتے ہیں۔ سچ ہے گنہگاروں کے لئے آرام نہیں ہے۔

۱۸۹۱ء جب سے میں نے اپنے بڑے لڑکے حبیب اللہ خاں کو عام دربار کرنے کا حکم دیدیا ہی میرے پاس حسب ذیل کام باقی ہیں فارن آفس۔ محکمہ خبر رسانی۔ پولٹیکل ورک۔ خزانہ۔ مقدمات فوجداری۔ بڑے بڑے جرایم کے ملزم۔ اُن مقدمات کے اپیلوں کا سننا جن کا فیصلہ میرے بڑے لڑکے کے اجلاس سے ہوا ہو یا دیگر چھوٹے چھوٹے گورنروں کے اجلاس سے۔ تمام جنگی اور کارخانہ جات کے سامان کی خریداری اور تیاری عدالت اور اختراعات کے متعلق قانون اور قواعد کا بنانا۔ حبیب اللہ خاں اور دیگر حکام کے نام ہدایتی احکام۔ اپنے اور اُن افسروں اور شاہزادوں کے خانگی معاملات جو میری نگرانی میں ہیں۔ مہمانوں۔ افسروں اور خدام کے متعلق انتظام۔ درباری حسب ذیل آدمی جب تک میں سو نہ جاؤں حاضر رہتے ہیں۔

کورٹ سکرٹری۔ اسٹاک اکاسی (اوشیر) ناظر (محافظ مہر)۔ افسر اعلیٰ محکمہ۔ داروغہ مطبخ اس کا یہ کام ہے کہ تمام درخواستیں مستغیثوں سے لیکے میرے سامنے پیش کر دے۔ اس کے سوائے اور کوئی کام اس کے سُپرد نہیں۔ اسوقت یہ کام جس کے سُپرد ہے اس کا نام سفر خاں ہے۔ برٹش ایجنٹ کے خطوط سے امیر تک اسی کے ذریعہ سے بھیجے جاتے ہیں۔ ایک حکیم ایک ڈاکٹر ایک جراح۔ ایک قاسم دو تین افسر باڈی گارڈ کے۔ جو بحیثیت فوجی باڈی گارڈ کے کمانڈر ہونے کے عارضی طور سے اپنے دربار کی حاضری کے موقع پر پہانسی دینے کا بھی کام دیتے ہیں۔ چند خانساماں بھی ہیں (ایسے ادنےٰ درجہ کے ملازم جو کمرہ کے گرد و غبار روشنائی قلم وغیرہ کو صاف کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں) چند پیش خدمت (کھانا کھلانے والا) میوہ بردار (وہ شخص دربار کے افسروں کو میوہ دیتا ہی) چہرے بردار (وہ شخص جو امیر اور درباریوں کو چاہ پلاتا ہے) آب بردار (پانی پلانے والا) سقاب (جو پانی چشموں سے لاتا ہے) غلام بچّہ شاطر (جو گھوڑا ہتھیار لیئے ہوئے حاضر رہتا ہے تاکہ ساتھ ساتھ گھوڑے کے پیچھے جاوے اور جسوقت سوار گھوڑے سے اُترے گھوڑے کو تھام لے) ذاتی خزنہ کا

خزانچی - ذاتی اسلحہ خانہ کا داروغہ - چلم بردار (حقّہ پلانے والا) فراشی (قالین غالیچہ اور دیگر خانگی اسباب کے نگراں) چند درزی - محافظ کتب خانہ - چند دربان - ایک نجومی - عرض بیگی (جو مستغیث کے بیان کو جو وہ کہتا ہے بلند آواز سے دوہرا دیتا ہے) عملہ تاشی (جو حاضرین کو اطلاع دیتا ہے) میر آخور (داروغہ اصطبل) -

علاوہ ان آدمیوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا منتخب شطرنج باز - چوسر کھیلنے والے چند خاص احباب ایک کتاب سنانے والا جو رات کو مجھے کتاب پڑھ کے سناتا ہے - ایک قصّہ گو - دربار کے کمرہ کے قریب حاضر رہتے ہیں تاکہ جس وقت ان کی ضرورت ہو فوراً حاضر ہو جائیں -

علاوہ ان کے بعض ایسے افسر بھی جو دن کو رپورٹ دینے آتے ہیں ر شام کے جلسہ میں اپنے کام ختم کرنے کے بعد شریک ہونے کے لئے ٹھہرائے جاتے ہیں -

رات کے وقت کابل کے روسا اور اُمرا بھی میری ملاقات کے لئے آتے رہتے ہیں جب میں اپنے کاموں سے فارغ ہو جاتا ہوں تو وہ لوگ جنہیں اپنے جلسہ میں شریک کرنا چاہتا ہوں ٹھہرائے جاتے ہیں اور باقیوں کو رخصت کر دیا جاتا ہے -

گانے ناچنے والے - ہندوستانی - پارسی - افغانی - مختلف اقوام کے رات کے وقت دربار میں حاضر رہتے ہیں اور مجھے کاموں سے فرصت ہو جاتی ہے اُن کو گانے بجانے کی اجازت دی جاتی ہے - اس کام کے لئے اُن کو تنخواہ دی جاتی ہے - ہر چند کہ مجھے کسی وقت بھی فرصت نہیں ہوتی مگر درباری اس جلسہ سے خوش ہو جاتے ہیں اور میں بھی ان کی خوشی سے فائدہ اٹھاتا ہوں - متذکرہ بالا اشخاص صرف رات کے لئے ملازم رکھے گئے ہیں -

ذاتی ملازمین تیسرا گروہ وہ ہے جو میرے سونے کے کمرہ کے قریب اور جب میں دورہ میں ہوتا ہوں میرے خیمہ کے قریب اس لئے حاضر رہتے ہیں کہ اگر ضرورتاً انہیں بلایا جائے تو فوراً حاضر ہو جائیں اور ان میں گاڑی کا کوچوان - ڈولی بردار - مالی - حجّام (بال سنوارنے والا) خاک روب - فوٹوگرافر نقشہ نویس - سرو بر (سرنگ لگانے والے اور کان کھودنے والے) حکما کا گروہ - انجینیر و نکالستان سوار پیغامبر شامل ہیں - ذاتی ملازمین - ڈاک کا محکمہ - مجتہد - امام مکتب - غلام بچوں کی تعلیم کے لئے - باجے کا ایک بینڈ - نقارہ بجانے والا - چھاتہ بردار - اور جھنڈے والے بھی ہیں -

جب میں کہیں جاتا ہوں تو یہ کل لوگ میرے ساتھ ہو لیتے ہیں اور ساتھ ہی رسالہ۔ پیادے توپخانہ غرض کل باڈی گارڈ ہوتا ہے۔ جو میرے مصاحب میرے ساتھ گھوڑوں پر نکلتے ہیں ان کا زرّیں زین ولجام اور زرق برق پاکھریں دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب سارا جلوس میرے ساتھ ہوتا ہے تو اس وقت کا نظارہ قابل دید اور شاندار ہے۔ میں قلب جلوس میں ہوتا ہوں تمام مصاحب اور امراء کے لڑکے گھوڑوں پر سوار مجھے گھیرے رہتے ہیں۔ شاطر چپراسی ہرکارے آگے پیچھے دوڑتے ہوئے کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ جلو کے اندرونی دائرہ کی یہ صورت ہوتی ہے۔ اور بیرونی دائرہ کی ساخت دوسرے درجہ کے ملازمین سے پیدا ہوتی ہے۔ تیسرا دائرہ باڈی گارڈ سے صورت پذیر ہوتا ہے۔ چوتھا دائرہ رسالہ سے بنتا ہے۔ رہا توپخانہ وہ موقع موقع نصب کیا جاتا ہے اور اس کی کوئی خاص جگہ مقرّر نہیں ہے۔

میرا خاص باڈی گارڈ اور میری بی بیوں اور بچّوں کے باڈی گارڈوں میں توبت کا فرق ہے میرے باڈی گارڈ کا نام رسالہ شاہی قندہاری ہے جس میں قندہاری اور دُرّانی ہوتے ہیں دوسرے گارڈ کو رسالہ شاہی کابلی کہتے ہیں جس میں افغانستانی پہاڑیوں کے سرداروں کے بچّے ملازم رکھے جاتے ہیں۔ ایک شاہی کابلی بٹالن بھی میں نے ترتیب دی ہے اسمیں بھی سرداران کابل کے بچے نوکر رکھے گئے ہیں۔ میں نے اس قندہاری اور کابلی باڈی گارڈ میں ایک تیسرا باڈی گارڈ شامل کیا ہے جس میں ترکمانیوں کے بچّے رکھے گئے ہیں۔ توپ خانہ میں چُن چُن کے افغانی سردار اور اُن کے بچے بھرتی کئے گئے ہیں اور ان پر مجھے بہت بھروسہ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے والد کے وقت میں اپنی وفاداری اور نمک حلالی کا پورا ثبوت دیدیا ہے اور یہ ہمیشہ سے ہمارے خیر خواہ رہتے ہیں۔

میرے باڈی گارڈ کے سپاہیوں کی تنخواہیں بہ نسبت معمولی سپاہیوں کے بہت کم ہیں اُن کے پاس میگزین توپیں۔ گارڈنیز توپیں اور پہاڑی توپ خانہ اور ایک دو لائٹ بیٹری ہر وقت تیار رہتی ہے اور یہ ایسے تیار رہتے ہیں کہ ایک ہی حکم سے ہر مقام پر دھاوا کر سکتے ہیں۔ میں ہمیشہ ایک جنگجو سپاہی کی طرح میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار رہتا ہوں اور اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو آناً فاناً میں بڑھ سکتا ہوں۔ میرے کوٹ کی اور پتلونوں کی جیبوں میں ہر وقت بھرے

ہوئے پستول رہتے ہیں اور ایک دن کی خوراک بھی تیار رکھتا ہوں - یہ پکی ہوئی روٹی جو خاص حکمت سے پکائی جاتی ہے روز مرّہ تبدیل ہوتی رہتی ہے - بہت سی بندوقیں اور تلواریں خوابگاہ میں لٹکی رہتی ہیں اور میرے بستر یا کرسی سے اتنی دور ہوتی ہیں کہ بوقت ضرورت ہاتھ سے لے سکوں - کئی کسنائے گھوڑے ہر وقت دروازہ پر تیار کھڑے رہتے ہیں یہ گھوڑے صرف میرے ہی لئے نہیں بلکہ میرے مصاحبین اور خُدّام کے لئے بھی تیار رکھے جاتے ہیں - مینے یہ بھی حکم دے رکھا ہے کہ ایک معقول تعداد اشرفیوں کی ہر وقت خرجی میں بھری رہے - یہ ساری باتیں افغانستان جیسے جنگجو شہر میں مجھے مصلحةً کرنی پڑتی ہیں کیونکہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہاں اسکی حکومت ہو سکتی ہے جو شاہ بھی ہو اور سپاہی بھی ہو - اور ہمیشہ تیار رہے جیسے سپاہی میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہوتا ہے -

جب دوسرے لوگ موجودین کی جگہ آتے ہیں تو میرے ملازم جا کے سو جاتے ہیں - مثلاً گارڈ معہ اپنے افسروں کے - چائے بردار وغیرہ وغیرہ -

جو لڑکے میری خدمت میں رہتے ہیں وہ کوئی معمولی آدمیوں کے بچّے نہیں ہیں بلکہ شاہی خاندان امرا اور سرداران افغانستان کے بچّے ہیں ان بچّوں کے ساتھ میں اپنے غلاموں کا بھی ذکر ضرور کروں گا جو کافری نسغنانی - چترالی - بدخشی - ہزاری اور مختلف جرگوں میں سے ہیں - ہاں بہ نسبت دوسرے ملازمین کے میں ان بچّوں کی نگرانی زیادہ کرتا ہوں انہیں تعلیم بھی دیتا ہوں اور ان کی اتالیقی بھی کرتا ہوں - وہ مخمل و زربفت کے کپڑے مثل شہزادوں کے زیب تن کرتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں ان کی خدمت کے لئے خاص ملازم اور پیش خدمت مقرر ہیں انہیں گورنمنٹ کی صرف سے کپاس اور سواری اور جیب خرچ کے لئے معقول وظیفہ دیا جاتا ہے اور جب یہ میری تعلیم میں بڑے ہو جاتے ہیں اور میں انہیں پورا قابل پا لیتا ہوں تو اپنی سلطنت میں اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر انہیں مامور کرتا ہوں - مثلاً فرامرز خاں چترالی غلام میرے نہایت لایق سپاہ سالاروں میں ہرات کی کل فوج کا سپاہ سالار ہے - نذیر محمد سفر خاں دوسرا چترالی غلام میرے دربار کے نہایت با بھروسہ افسروں میں ہے اس کے پاس میری مُہر سلطنت رہتی ہے اور یہی سلطنت کے متعلق کل دستاویزیں اور معاہدے رکھتا ہے -

غرض کہ مجھے اس شخص کی ذات پر بہت بڑا بھروسہ ہے اور اسی لئے میں نے نہ صرف اپنی سلطنت اُس کی مٹھی میں دیدی ہے بلکہ اپنی جان بھی اس کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ پروانہ خاں سابق ڈپٹی کمانڈر انچیف اور جان محمد خاں سابق وزیر خزانہ دونوں میرے غلام تھے

اب آپ سے یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ لفظ غلام افغانستان میں محض ایک نام ہے اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ملازم جن پر تمام سلطنت میں سب سے زیادہ بھروسہ ہو سکے۔ جب وہ جوان ہوتے ہیں اور شادی کے قابل ہو جاتے ہیں تو میں اُن کی شادیاں بڑے بڑے امیروں اور سردار خاندانوں میں کرا دیتا ہوں۔ میں شہزادوں سے بدرجہا بہتر انہیں سواری کے لئے گھوڑے اور اثاث البیت دیتا ہوں جس طرح کہ گورنمنٹ کے اعلیٰ ملازمین کی بی بیاں علیحدہ علیحدہ تنخواہیں پاتی ہیں اسی طرح میں اُن کی بی بیوں کو بھی تنخواہیں دیتا ہوں اس صورت سے میں نے بردہ فروشی جیسی ظالم رسم کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ کے پھینکدی ہے۔ غلام کا لفظ قدیم زمانہ کا بقیہ چلا آتا ہے ورنہ دراصل اصلی غلامی کا دُھندلا سایہ بھی افغانستان میں نہیں ہے۔ میں نے قانوناً غلاموں کی خرید و فروخت قطعی بند کر دی ہے۔ اور جن سرداروں کے ہاں مُدت سے لونڈی غلام چلے آتے ہیں اُنہیں میں نے حکم دیدیا ہے۔ کہ تم مثل اپنے بال بچّوں کے ان سے برتاؤ کرو۔ لونڈی غلاموں کے بچّوں کو ہمارے ہاں خانہ زاد کہتے ہیں اور ان سے وہ لوگ مثل اپنے بچّوں کے محبّت کرتے ہیں اور کوئی شخص اُن کے رحیمانہ برتاؤ سے یہ نہیں پہچان سکیگا کہ یہ خانہ زاد ہیں یا اصلی بچّے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مار ڈالتا ہے اُسے سزائے موت دی جاتی ہے حالانکہ قدیم زمانہ میں غلام کا قتل کر ڈالنا کوئی بات ہی نہ تھی۔

جب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آقا اپنے لونڈی غلاموں پر ظلم کرتا ہے تو میں فوراً اپنے حکم سے انہیں آزاد کرا دیتا ہوں کیونکہ بنی آدم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور خداوند تعالےٰ نے سب کے حقوق مساوی رکھے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ کیوں ایک شخص دوسرے پر ظلم کرے۔

عام طور پر افغانستان میں جو لونڈی غلام ہیں کیا تو جنگی قیدیوں کے بال بچّے ہیں یا اُن مقتولین جنگ کے بچّے ہیں کہ جن کے ورثا کے قتل ہونے کے بعد انکا کوئی پرورش کرنے والا نہیں رہا اور کھاتے پیتے آدمیوں نے انہیں پرورش کرنے کے لئے اپنے ہاں رکھ لیا۔ ان لونڈی غلاموں کی جس طریقہ سے

پرورش ہوتی ہے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور جب یہ بڑے ہو جاتے ہیں امرا اپنے بچّوں کی طرح اُن کی شادیاں کر دیتے ہیں اور پھر اِدھر اُدھر ان کو اس طرح کام پر لگا دیا جاتا ہے جو ان کے والدین بھی ان کے لئے ایسے عمدہ ذرائع معاش کے نہ نکال سکتے۔ اس طرح وُہ اپنی قابلیتوں اور تعلیم کے لحاظ سے بڑھتے بڑھتے بہت اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں اور اچھے اچھے امیرزادوں سے بعض اوقات بازی لیجاتے ہیں۔

جب میں نے ۱۸۵۶ء میں کافرستان فتح کیا ہے تو حکم دیدیا تھا کہ کافروں کے بچّے غلام بنا کے نہ بکنے پائیں اور کوئی شخص زبردستی ایک کافر عورت سے شادی نکرنے پائے۔ اچھا جو لوگ بطور جنگی قیدیوں کے گرفتار ہو کے آتے تھے تو میں نے اپنی جیب سے روپیہ دیکے اُن سب کو چھوڑا لیا اور انہیں آزاد کر دیا کہ وہ اپنے گھر واپس چلے جائیں۔

خوراک۔ اصل میں ہم صرف زندگی قایم رکھنے کے لئے کھاتے ہیں مگر اس کے خلاف بہت مشرقی امرا کا یہ وطیرہ ہے کہ آدمی محض کھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سعدی نے کیا سچ کہا ہے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

میں نے مینحواری کو قانوناً منع کر دیا ہے اور شراب خوار کی بڑی سخت سزا مقرر کی ہے۔ مجھے خود شراب سے بہت پرہیز ہے اور نہ میرے مصاحبین اور درباریوں میں سے کوئی شراب پیتا ہے ہاں بیماری کی حالت میں دی جاتی ہے جب ڈاکٹر تجویز کرے۔ جن ملازمین کا میں نے اوپر بیان کیا ہے انہیں سرکاری مطبخ سے پکا ہوا کھانا ملتا ہے میری بی بیوں اور پوتوں کے ہاں بھی پکّے ہوئے کھانے کے خوان لگ کے بھیجے جاتے ہیں۔ آٹھویں روز میرا بیٹا حبیب اللہ خاں دربار عمومی کرتا ہے اور اس دن تمام جنگی اور ملکی عہدے داروں کی دعوت کی جاتی ہے۔ بڑے محل سلام خانہ میں تمام سلطنتی تقریبیں اور جشن منائے جاتے ہیں۔ ان درباروں میں قریب قریب پندرہ سو افسر جمع ہوتے ہیں چونکہ اب میرا بیٹا دربار عمومی کرتا ہے اس لئے ۱۸۹۱ء سے میں نے عمومی کرنا چھوڑ دیا ہے۔

کچھ مطبخ کا سلسلہ کابل ہی میں نہیں ہے بلکہ کل گورنروں کو حکم ہے کہ وہ دربار کرتے رہیں اور افسروں کو دعوت دیتے رہیں اور سرکاری مطبخوں سے اُن کو کھانا پہنچتا رہے ان کل مطبخوں کا خرچ سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے۔ مہماں نوازی کی یہ رسم ہمیشہ سے افغانستان میں جاری ہے اگرچہ

شک نہیں کہ اس میں خرچ زیادہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی ایک رسم قدیم سمجھ کے اُسے قائم رکھا ہے۔

وہ کھانا جو میرے لئے اور میرے عہدہ داروں اور شاہی خاندان کے لوگوں کے لئے پکتا ہے کابلی ہندوستانی اور انگریزی تینوں قسم کا ہوتا ہے کابلی کھانے میں جزو اعظم پلاؤ اور کباب ہیں ہر اجازت دیدی جاتی ہے کہ جس کا جی چاہے جونسا کھانا کھائے۔ تناول کے اوقات حسب ذیل ہیں صبح کو ناشتہ جس میں چاء۔ میوہ۔ بسکٹ۔ مکھن اور کیک وغیرہ ہوتے ہیں اور دو تین بجے دوپہر کے درمیان کھانا کھایا جاتا ہے اور شام کو پھر چاء پی جاتی ہے اور پھر شب کو دس اور بارہ کے درمیان خاصہ چنا جاتا ہے اگرچہ میں خود تو سارے دن ایک ہی دفعہ خوب پیٹ بھر کے کھالیتا ہوں ہاں اور وقت میں کبھی کبھی تھوڑا سا میوہ چکھ لیتا ہوں باقی کھانا تو ایک ہی وقت کھایا جاتا ہے۔

میرے ساتھ دسترخوان پر جس طرح میری بی بیاں اور بچے بیٹھ کے کھاتے ہیں اسی طرح میرے اعلیٰ افسر بھی بیٹھ کے کھاتے ہیں۔ لیکن کم درجہ کے ملازموں کو علیحدہ کھانا دیدیا جاتا ہے جو وہ الگ الگ کمروں میں کھاتے ہیں۔ بعض کے مکانوں ہی پر سرکاری طور سے چاء اور میوے بھجدیئے جاتے ہیں اور جب سب کھاچکتے ہیں اور کھانا بچ رہتا ہے تو فرّاشوں اور پیش خدمتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

کھانا اس طرح دسترخوان یا میز پر چنا جاتا ہے پہلے میز پر رکابیاں رکھی جاتی ہیں اور میز اتنی بڑی ہوتی ہے کہ جتنے مہمان مدعو کئے گئے ہیں وہ آسانی سے بیٹھ سکیں۔ پھر پیش خدمت چلمچی آفتابہ گرم پانی کا بھرا ہوا ہاتھ دھلوانے کے لئے لاتے ہیں اور کل عہدے دار باری باری ہاتھ دھوتے ہیں اور جب کھانا میز پر چن دیا جاتا ہے تو دوبارہ پیش خدمت ہاتھ دھلوانے کے لئے آتے ہیں کیونکہ پہلے میوہ کھایا جاتا ہے اور پھر کھانے پر ہاتھ بڑھایا جاتا ہے۔ میوہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ پیش خدمت میز کے ہی پاس چلمچی آفتابہ لاکے دُھلا دیتا ہے اس لئے اُنہیں اُٹھ کے دوسرے کمرہ میں ہاتھ دھونے نہیں جانا پڑتا۔

میری خوابگاہ اور نشست کے کمروں میں اور اسی طرح میری بی بیوں۔ بیٹیوں اور بیٹوں کے کمروں میں قسم قسم کے پھولوں کے گملے۔ پودے۔ تمام قسم کے موسیقی باجے۔ تصاویر چین۔ ایرانی اور ہر زینت کی اشیاء اور غالیچے آراستہ رہتے ہیں خوش الحان جانوروں کے جڑاؤ پنجرے اور مبل

ہزارہ و استان کے چھپے جان و روح کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ غرض اِس قسم کے تکلف سے میں نے اپنے لواحقین اور رفقار کے گھروں کو آراستہ کیا ہے۔ اگر کوئی سیاح اِدھر آنکلتا ہے اور میرے ہاں مہمان ہوتا ہے تو میں اُسے بڑی خوشی سے اپنے پاس بٹھا کے کھانا کھلاتا ہوں بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اور اگر مہمان مسلمان نہیں ہے تو وہ کیا علیحدہ میز پر کھاتا ہے یا دوسرے کمرہ میں۔

میرے چند معزز مہمان یورپیوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں کابلی کھانوں کے آگے یورپی کھانے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ اب یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہ اوپری تعریف کرتے ہیں یا دل سے بھی کابلی کھانوں کو ایسا ہی خیال کرتے ہیں اگر واقعی اُن کی تعریف فرضی نہیں ہے تو مجھے اس سے بہت خوشی ہے لیکن ہاں یہ بات تو میں نے عام طور پر دیکھی ہے کہ بہ نسبت انگریزی کھانوں کے وہ کابلی کھانے کہیں زیادہ کھاتے ہیں اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچ بولتے ہوں گے کیونکہ کوئی شخص جب تک ایک چیز کو پسند نکرے گا اُسے زیادہ کسی طرح کھا ہی نہیں سکتا۔

بی بیوں۔ لڑکیوں۔ اپنے بیٹوں اور بہوؤں۔ پوتوں اور اُن کے ملازموں کے کھانے کپڑے سواری شکاری اور مکانات کے اخراجات کی تنخواہیں ماہ بماہ خزانہ شاہی سے حسب مراتب دی جاتی ہیں۔

میرے دونوں بیٹوں حبیب اللہ اور نصراللہ کو جیب خرچ کے لئے بیس ہزار روپیہ مہینہ دیا جاتا ہے۔ اُن کی بی بیوں اور ملازموں کی تنخواہیں علیحدہ ہیں۔ میری ان ہی دو بی بیوں کی جو میر حکیم خاں اور میر جہاں دار شاہ کی بیٹیاں ہیں اور حبیب اللہ۔ نصراللہ ان ہی دونوں کے بطن سے ہیں اور محمد عمر جان کی ماں۔ امین اللہ جان کی ماں۔ غلام علی کی ماں۔ مرحوم حفیظ اللہ اور اسد اللہ کی ماں اور فاطمہ جان کی ماں غرض ان سب کی تین ہزار روپیہ مہینے سے لیکے آٹھ ہزار روپے ماہوار تک علیحدہ علیحدہ جیب خرچ کی تنخواہیں ملتی ہیں۔ اُن کے لباس اُن کے مکانات اور ضروریات کے لئے علیحدہ روپیہ دیا جاتا ہے۔ میری بی بیوں کا لباس نئی نئی قسم کا ہے بعض مشرقی لباس پہنتی ہیں اور بعض میموں کا سا زیب تن کرتی ہیں۔

میرے چھوٹے بچوں اور پوتوں کو بھی ان کے لباس اور کھانے وغیرہ کے اخراجات کی علیحدہ تنخواہیں ملتی ہیں۔

عید بقر عید اور جشن نوروز میں میری بی بیوں کو فاخرہ لباس اور جواہرات ہدیتہً دیئے جاتے ہیں

جس طرح بڑے دن میں عیسائیوں کے ہاں قاعدہ ہے میں نہ صرف اپنی بی بیوں اور بچوں کو دیتا ہوں بلکہ کل درباریوں اور اُن کے بچوں اور ملازموں کو بھی خلعتیں دیتا ہوں۔

میرے بیٹے جو سارے دن بڑی محنت سے کام کرتے رہتے ہیں شب کو حرمسرائی میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوشی مناتے ہیں مگر میں ابتدائے عمر میں صرف ہفتہ میں دو بار حرم میں جایا کرتا تھا لیکن جب میں بڑا ہوا اور کاموں نے چار طرف سے ہجوم کیا تو بجائے ہفتہ کے دو بار جانے کے مہینہ دو دو مہینے میں ایک بار جانے لگا لیکن اب جو کام اس قدر بڑھ گیا ہے کہ مہینے کیسے شاید سال میں ایک آدھ دفعہ اپنی بی بیوں کے محلات میں جاتا ہوں گا۔ باقی کل سال سوائے کام کام کے چاروں طرف اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ لیکن سال میں دس بارہ دفعہ گھنٹہ پون گھنٹہ کے لئے میری بی بیاں باقاعدہ خود میرے پاس مجھ سے ملنے آتی ہیں۔

خداوند تعالے نے مجھے اپنی قوم کی خدمت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اس نے ہدایت کی ہے کہ میں ذاتی تعیش میں اپنا وقت نہ برباد کروں میری بڑی خوشی اسی میں ہے کہ میں اپنے فرایض کی انجام دہی نہایت مستعدی سے کرتا رہوں۔

میرے دو نو بیٹے حبیب اللہ اور نصراللہ دن میں ایک دفعہ یا دو دفعہ میرے پاس ہدایتیں حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں اور اسی طرح وہ اپنے کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔ میرے چھوٹے بچے اور پوتے ہفتہ میں صرف ایک بار چند منٹ کے لئے میرے پاس آتے ہیں کیونکہ کام میں مجھے مطلق فرصت نہیں ہوتی کہ میں زیادہ دیر اپنے پاس ٹھیرنے دوں۔ وہ چند منٹ کے لئے بیٹھ کے کھیلنے لگتے ہیں کبھی آپس میں کھلاڑیاں کرتے ہیں اور کبھی مجھسے کھیلتے ہیں اور پھر میں اُنہیں گھر بھجوا دیتا ہوں۔

میرے بچوں اور پوتوں کی اس صورت سے پرورش ہوتی ہے کہ پیدا ہوتے ہی وہ انّاؤں کی حوالہ کردئے جاتے ہیں جو اُنہیں دودھ پلاتی ہیں اور صرف دن میں ایک بار یا دو بار انّائیں اُن کی ماؤں کے پاس لاتی ہیں۔ اور کبھی میرے پاس آجاتے ہیں۔ روز پیدائش ہی سے ایک معلّم ایک اتالیق ایک باڈی گارڈ۔ مکانات اور باغیچے اُن کے لئے علیحدہ علیحدہ نامزد کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ مکانات ان بچوں کی ماؤں اور خود میرے محل سے فاصلہ پر ہوتے ہیں کہ بچّے ہمیشہ اپنی انّاؤں معلّم اور اتالیق کی نگرانی میں پرورش پائیں۔ یہ لوگ جو نگران مقرّر کیئے جاتے ہیں تجربہ کار اور گورنمنٹ کے

پنشن یافتہ ملازم ہوتے ہیں اور اگر یہ بچے ماؤں کی نگرانی میں رکھے جائیں تو شریر اور بدمعاش اُٹھیں اس لئے یہ بہتر خیال کیا گیا ہے کہ لایق اتالیقوں کی نگرانی میں پرورش پائیں تاکہ بڑے ہو کے شایستہ اور مہذّب بنجائیں - چنانچہ بحسب مراد نہایت تعلیم یافتہ اور شایستہ اُٹھتے ہیں - میں ہمیشہ ان بچّوں کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھتا ہوں اور ان کی معاشرت اور تعلیم کی ہر پہلو کو جانچتا رہتا ہوں جب وہ پورے جوان ہو جاتے ہیں تو اُن کی شادیاں ہو جاتی ہیں اور پھر اپنے گھروں کے آپ مالک بنجاتے ہیں پھر وہ مقرّرہ گھنٹوں میں اپنی ماؤں سے اور مجھ سے ملنے آیا کرتے ہیں مگر اس وقت جب اپنا روزانہ کام کر چکتے ہوں - اُنہیں یہ بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ اپنے بوڑھے رشتہ داروں کے خبرگیراں ہوں اور دیکھتے رہیں کہ انھیں کسی شے کی ضرورت تو نہیں ہے - اُنہیں حکم ہے کہ نوشت و خواند کا سلسلہ جاری رکھیں - کثرت کریں اور ہواخوری کیا کریں اور شکار بھی کھیلا کریں تاکہ اُن کی صحت بھی اچھی رہے اور وہ سست بھی نہ ہوں -

میں نے اپنی بی بیوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ گھوڑوں اور گاڑیوں پر سوار ہو کے ہواخوری کو جایا کریں اُن کے محلات موجودہ فن تعمیر پر بنائے گئے ہیں کل محلوں میں باغات موجود ہیں اور شہر کے باہر بنے ہوئے ہیں - میرے بچّوں اور اُن کی بی بیوں کے لئے باڈی گارڈ متعیّن ہیں کہ جب وہ ہواخوری کرنے جائیں تو وہ اُن کے جلو میں چلیں - بی بیوں کے فرائض سوا اس کے کچھ نہیں کہ وہ صرف گھر کے انتظامات کی نگرانی کریں اور میرے بیٹوں کے یہ فرض ہیں کہ وہ میری طرح ملک کی پوری خبرداری رکھیں - اپنے بیٹوں کے فرائض جو میں نے مقرّر کر رکھے ہیں حسب ذیل ہیں -

حبیب اللہ خاں کی مثل میرے سوائے چند محکموں کے سب پر افسری اور نگرانی ہے اور تمام سلطنت کے کام انجام دیتے ہیں مگر محکمہ خارجہ کا تعلق براہ راست مجھ سے ہے - حبیب اللہ کے کاموں کا روزانہ پروگرام یہ ہے - وہ دس بجے صبح کو دربار میں آتے ہیں اور چار پانچ بجے سہپہر کو دربار برخاست کر دیتے ہیں پیر اور جمعرات کو درباری معتمد اس کے آگے کل عرضیاں اور خطوط جو ہرات - قندہار - بلخ - غزنی - جلال آباد - ہندوستان اور سلطنت کے دوسرے حصّوں سے آتے ہیں پیش کرتے ہیں پھر حبیب اللہ مختلف محکمہ جات کے روزانہ اخراجات کے لئے خزانہ شاہی کے نام احکام جاری کرتا ہے اور محکمہ تعمیرات مالگزاری - میگزین اور دوسرے محکموں کی رپورٹوں پر احکام لکھتا ہے

اور کل کاغذوں پر اسکی مہر ثبت کیجاتی ہے۔ جب یہ کام پورا کر چکتا ہی تو اگر فرصت ہوئی سوار ہو کے
تھوڑی دیر کیلیئے ہوا کہانے چلا گیا ورنہیں اگر کوئی غیر معمولی کام آگیا تو اسی کے پورا کرنے میں مصروف
ہوگیا شب کو خوابگاہ میں جانے سے پہلے وہ میرے پاس چند منٹ کیلیئے آتا ہی اور اگر ضرورت ہوئی تو علی الصباح
آٹھہ بجے بہی چلا آتا ہے منگل کو وہ جنگی دربار منعقد کرتا ہی اور اس روز کل جنگی افسر اسکے ساتھہ کہانا کہاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ
فوج میں رنگروٹ بہی بھرتی کرتا رہتا ہی اور پہر جنگی محکمہ کو خود جا کے جانچ پڑتال کرتا رہتا ہی۔ بدھ کو وہ ملکی افسروں کا
دربار کرتا ہے اور جو مقدمات کہ اس کے پاس آئے ہوتے ہیں ان عہدے داروں کے سامنے اُنکا فیصلہ کرتا ہے۔
بروز شمبنہ مجبروں کے قید اور رہائی کا حکم دیتا ہے۔ کوتوالی اور پہر محکموں سے جو مقدمات فوجداری چالان کیئے
جاتے ہیں انکا فیصلہ کرتا ہے اور اپیل بہی سنتا ہے۔ اتوار کو تمام میگزینوں اور جنگی کارخانوں کا معائنہ کرتا ہے
کاریگروںکی درخواستوں پر غور کرتا ہے اور انہیں رخصت۔ ترقی اور پنشن عطا کرتا ہی غرض جسکی قابلیت ہوتی ہے
اس کے موافق اُسے دیا جاتا ہے۔ جمعہ اسکے لئے یوم الراحتہ ہے میرے ساتھہ شکار وغیرہ کرنے میں گزار دیتا ہے
نماز جماعتہ مسجد میں پڑہتا ہے اور اپنی والدہ اور رشتہ داروں سے ملتا ہے۔
میرے تمام صوبوں میں مقدمات بہت آسانی سے طے ہو جاتے ہیں خود میری عدالت کی یہی کیفیت ہے ہر شخص کو
حکم ہے کہ وہ خود میرے دربار میں حاضر ہو کے اپنا عرض حال کرے نہ اسے کسی سفارش کی ضرورت ہے
اور نہ کسی کو ساتھہ لانی کی، میں ہوا یا میرا بیٹا غیر طرفدارانہ طور پر اور بغیر کسی رعایت کے ثبوت اور شہادت پر فیصلہ
کر دیتا ہے۔ بعض ایسے مقدمات ہوتے ہیں کہ ایک شخص علانیہ اپنا عرض حال کرنا نہیں چاہتا تو اسے حکم دیدیا جاتا ہی کہ لکھہ
کر داخل کرے مگر ان طولانی اور ماندہ تحریروں کے دیکھنے میں جنمیں بہت ہی کم مطلب کی بات ہوتی ہے وقت
زیادہ صرف ہوتا ہے مگر لوگ کچھہ ایسے سست ہیں کہ زبان سے تو چند کلمے بہی مشکل سے کہیں گے اور تحریریں ایسی انتہا
طولانی لکھہ کے دماغ تہکا دیں گی اس لیئے ناچار میں نے حکم دیدیا ہے کہ جو شخص کوئی عرضی لکھنا چاہے وہ
اسٹامپ کے کاغذ پر جو تین روپیہ کو آتا ہی لکھہ کے دے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ تحریروں کا طول جاتا رہا کیونکہ
اسٹامپ کے کاغذ میں جتنی جگہ ہوگی اس سے زیادہ کوئی لکھہ ہی نہ سکیگا۔ ان عرضیونکا بہی معتمد دربار (کورٹ
سکرٹری) دو لفظوں میں خلاصہ کر کے پیش کر دیتا ہے اور میں آناً فاناً میں اُن عرضیونکے مطلب سمجھہ لیتا ہوں۔ مستغیث
لکڑی کے کٹہرہ میں میرے بیٹے کی عدالت میں کہڑے رہتے ہیں اور نمبروار پیش کیئے جاتے ہیں اور اگر کوئی ضعیف مرد
یا ضعیفہ عورت ہوئی یا ایسے اشخاص جو خود نہیں کہسکتے تو دوسرے لوگ انکا عرض حال کہدیتے ہیں اور پہر میرا بیٹا انصاف سے

فیصلہ کر دیتا ہے۔ عدالت میں نہ امیر کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ غریب سے بے پروائی برتی جاتی ہے۔ غرض عدالت میں امیر غریب اور فقیر سب برابر ہیں۔ اگر ایک شہزادہ اور ایک فقیر مدعی اور مدعا علیہ ہو تو وہ بالکل برابر سمجھے جائیں گے جب تک مقدمہ کا فیصلہ نہو گا وہ میری عدالت میں یا میرے بیٹے کی عدالت میں ایک ہی جگہ بازو بہ بازو کھڑے کئے جائیں گے اب افغانستان کا وہ ظالمانہ طریقہ نہیں رہا کہ دولتمند اور زبردست لوگ سفارشوں سے فائدہ اُٹھاتے تھے اور کمبخت غریب کی حق تلفی ہوتی تھی بعض سنگین مقدموں میں جن میں زیادہ توجہ اور نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے میرا بیٹا حبیب اللہ خان قاضیوں سے مدد لیتا ہے اور ان مقدمات کی کل مثلیں مرتب کرکے قاضیوں کے پاس بھیج دیتا ہے اور انکی دوبارہ تحقیقات کا حکم دیتا ہے خواہ وہ مقدمہ فوجداری کے ہوں یا محاصل مالگزاری کے یا تجارتی پھر وہ مقدمات فیصلہ کرنے کے لئے میرے پاس بھیج دیئے جاتے ہیں۔

حبیب اللہ خاں کا چھوٹا بھائی نصر اللہ خاں دفتر حساب گیری کا اعلیٰ افسر ہے وہ بھی اس وقت اپنی مہر مقدمات کے کاغذوں پر کرتا ہے جب اچھی طرح خوب سمجھ بوجھ لیتا ہے۔ اور اگر فریقین نگرانی کی درخواست دیں تو پھر دوبارہ اُس مقدمہ کو چھانا جاتا ہے مگر وہ مقدمات جو نصر اللہ کے اختیارات سے باہر ہوتے ہیں انہیں وہ حبیب اللہ کے یا میرے پاس بھیج دیتا ہے۔

میرے دوسرے بیٹے ابھی بچے ہی ہیں اس لئے وہ ملکی خدمات انجام دینے کے قابل نہیں ہیں۔

۱۸۹۱ء سے میں نے حبیب اللہ خاں کو مذکورہ بالا محکموں کا چونکہ اعلیٰ افسر مقرر کر دیا ہے اس لئے کسی خاص کام کے کرنے کا میرے پاس کوئی وقت نہیں رہا۔ اب تو یہ بات ہے کہ صبح کو اٹھنا اور بستر پر جانے تک کام میں لگا رہا۔ غرض صبح سے رات تک مجھے آنکھ اُٹھانے کی فرصت نہیں ہوتی۔

شہر میں ایک محتسب مقرر رہتا ہے جو پانچوں وقت جماعت سے نماز ادا کرتا اور رمضان میں روزے رکھوتا اور اگر سمجھانے پر بھی کوئی نہیں مانتا تو کوڑے سے خبر لیتا ہے کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو قوم مذہبی نہیں ہے اس کی اخلاقی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی اور پھر وہ تنزل کرتے کرتے برباد ہو جاتی ہے اور بدچلنی سے دنیا و عاقبت دونوں خراب ہوتی ہیں۔

میرے ملک کے دوسرے مذہب کے لوگوں کو بالکل آزادی ہے۔ انہیں گورنمنٹ میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس قانون کے جو انگلستان میں رائج ہے۔ بالکل خلاف ہے کہ بڑا عہدہ

اس شخص کو نہیں دیا جاسکتا جس کا چرچ آف انگلینڈ سے تعلق نہ ہو۔ خیال تو کیجیے کہ میں سنّی ہوں اور پھر ہندو اور شیعہ میرے ہاں بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

جس شخص کا جی چاہے مجھ سے اس طرح مل سکتا ہے۔ پہلے وہ محل کے دروازہ پر آئے اور کہے کہ میں امیر سے ملنا چاہتا ہوں میں سنتے ہی اُسے بلوا لیتا ہوں اور اس کی ہر شکایت کو خواہ وہ خود کہے یا ناظر کے ذریعہ سے کہوائے یا تحریری دے بغور سنتا ہوں اور اگر وہ خود نہ آئے اور ڈاک خانہ کے ذریعہ سے بھیجدے تو بھی اس پر کامل غور کی جاتی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ لفافہ پر یہ لکھدے کہ "سوائے امیر کے اس لفافہ کو کوئی نہ کھولے" میں ان خطوط کو اپنے ہاتھ سے کھولتا ہوں اور اگر ضرورت ہوئی تو ان کے جوابات اپنے ہاتھ سے لکھتا ہوں۔ اور جس صورت سے خطوط آتے ہیں اُن ہی ذرائع سے بھیجدیتا ہوں۔ اور اگر کوئی شخص ان تمام آسانیوں پر بھی مجھ تک نہ پہنچ سکے تو مخبر میرے شہر میں بکثرت موجود ہیں جو مجھے ان امور کی اطلاع دیدیتے ہیں اظہار حال پر میں ان لوگوں کو جن کے سپرد یہ خدمت ہے سخت سزائیں دیتا ہوں۔

غرض یہ بات افغانستان میں مشہور ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے پاس دستخط ہوں اور کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں میرا مخبر نہ ہو مگر میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کام ذرا مبالغہ سے لیا گیا ہے۔

میرے رہنے کے محلات نہایت عمدہ موقع پر بنے ہوئے ہیں صاف ہوا خوش منظر چاروں طرف خوبصورت میدان ہی میدان نظر آتا ہے چاروں طرف باغات اور خوشبودار پھولوں کی لپٹیں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور میں نے تمام محلات کو اس طرز پر بنایا ہے کہ جاڑوں میں کمرے گرم ہو جائیں اور جب گرمیوں میں برانڈہ کی اونچی اونچی کھڑکیاں کھول دی جائیں تو کمرے برف ہو جائیں۔ مگر جس وقت جاڑے کے دنوں میں برف پڑتی ہے اور برف پڑنے کے بعد صاف چاند نکل آتا ہے بس اس وقت کی کیفیت کچھ نہ پوچھو میں شہر کے باہر گرمی میں ڈیروں میں رہتا ہوں میں خود سمجھتا ہوں کہ غنچوں کے چٹکنے اور پھولوں کی مہک سے اس قدر جان کو تر و تازگی حاصل ہوتی ہے۔ مجھے دلکش منظر سے خداداد تعشق ہے زنگار رنگ کے پھول سبز مخملی گھاس موسیقی تصویریں غرض تمام فطری خوبیوں کا میں دلدادہ ہوں۔

میرے روزمرّہ کے لباس بہت سادے ہیں کل کپڑے میں یورپی تراش کے پہنتا ہوں لیکن جب کبھی

کوئی بڑی تقریبیں ہوتی ہیں تو میں قومی یا شاہی لباس زیب تن کرتا ہوں شب کو جب کام کر چکتا ہوں تو جاپانی اور چینی رشین سے ترکمانی اور منگولی طرز کی پہنتا ہوں ایک مختصر سی ٹوپی پہین کے چھوٹی سی ریشمی پگڑی سر پر رکھ لیتا ہوں اس کے اتارنے اور پہننے میں زیادہ آرام ہوتا ہے اور خاصکر جب میں بیمار ہوتا ہوں تو یہ ٹوپی اور پگڑی ضرور استعمال کرتا ہوں۔

جب میں سفر کرتا ہوں یا وطن میں ہوتا ہوں ہمیشہ میرے لے پالک لڑکوں کے لیئے ایک مدرسہ ضرور رہتا ہے جس میں وہ انہیں مذہبی قواعد۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ ریاضی موجودہ زبانوں اور بندوق کے چھوڑنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیم کے وقت لڑکوں کا ایک حصّہ میرے پاس حاضر رہتا ہی اور ایک حصّو تعلیم پاتا ہے جب وہ تعلیم پا چکتا ہے تو دوسرا چلا جاتا ہے جب تعلیم پا کے فارغ ہو جاتے ہیں تو ان کو معقول عہدے مل جاتے ہیں۔

جنگی خدمت میں ایک بچیہ پلٹن ہے جسکا نام خانہ آبادی رکھا ہے ملک کے کل سرداروں اور جنگی افسروں کے بچّے ہوتے ہیں انہیں جنگی طرز پر قواعد سکھائی جاتی ہے اور جب وہ قواعد سیکھہ جاتے ہیں تو مختلف رجمنٹوں اور پلٹنوں میں انہیں مقرر کر دیا جاتا ہے۔

میں اور میرے بہت سے افسر سگرٹ پیتے ہیں لیکن اور لوگ حُقّہ۔

میری روزانہ معاشرت بہت سیدہی سادی ہے کام کے وقت چند منٹ کے لیئے مصاحبوں اور افسروں سے ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنا دل خوش کر لیتا ہوں چوسر شطرنج وغیرہ لوگ کھیلتے رہتے ہیں کبھی میں دیکھتا ہوں کبھی اُن کے ساتھ کھیلنے لگتا ہوں۔ گویّے گاتے رہتے ہیں میں تو بہت کم متوجہ ہوتا ہوں مگر اور لوگ میرے پاس کے بیٹھنے والے بہت شوق سے سنتے ہیں مگر میں ہی کبھی کبھی منٹ دو منٹ کے لیئے ان کے گانے پر توجہ کر لیتا ہوں مجھے گانے سے قدرتی مذاق ہے اور میرے محلوں میں سب قسموں کے باجے ستار سارنگیاں اور رباب وغیرہ رکھی رہتے ہیں مجھے رباب بجانے کا بہت شوق ہے یہ تمام عیش و آرام کا سامان میں نے اپنے افسروں کے لیئے رکھہ چھوڑا ہے مجھسے زیادہ وہ خوش ہوتے رہتے ہیں جو لوگ مجھپر جان فدا کرتے ہیں اور ایمانداری کے ساتھہ برتاؤ کرتے ہیں اور واقعی میرے سچے جانباز اور وفادار ہیں میں انہیں اپنا ذاتی دوست سمجھتا ہوں اُن ہی سے میں مذاق کرتا ہوں وہ میرے مذاق کا جواب مذاق میں

دیتے ہیں مگر جو لوگ میرے مخالف ہیں اور میرے ساتھ نمک حرامی کرتے ہیں اُنکا میں جانی دشمن ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہوتا ہے انہیں سخت سزائیں دینے میں کبھی گریز نہیں کرتا کیونکہ شیخ سعدی نے کہا ہے

کہ نکی با بداں کردن چنان است　　که بد کردن بجائے نیک مرداں

یہ نہیں ہوتا کہ میں گیا اور بستر پر سو رہا جب میں بچھونے پر لیٹ جاتا ہوں تو ایک شخص میرے پاس آبیٹھتا ہے اور تاریخ جغرافیہ یا بڑے بڑے مصلح قوم اور مدبرین عالم کے سوانح عمری پڑھ کے سناتا ہے سوتے وقت تک میں یہ سنتا رہتا ہوں پھر ایک قصّہ گو اس کی جگہ پر آجاتا ہے اور قصّہ شروع کر دیتا ہے صُبح تک برابر قصّہ شروع رہتا ہے۔ قصّہ گو کی آواز مجھے سُلانے کے لیئے وہ کام دیتی ہے جیسے بچوّں کے لیئے لوری

میں نے خود بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جو کابل کے چھاپہ خانہ میں چھپ چکی ہیں۔ کتابوں کے پڑھنے میں خود مجھے بہت فائدہ ہوا اور اسی سے میں نے کچھ علم حاصل کیا اور اسی سے مجھے کچھ ترقی ہوئی ہے کیسا ہی علمی مضمون ہو اگر وہ کہانی کے طور پر بیان کیا جائے تو سننے والوں کو بہت جلد یاد ہو جاتا ہے اگرچہ قصوں میں مبالغہ اور مافوق الفطرۃ باتوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا مگر ان قصوں سے پُرانی باتیں اور پُرانے طریقوں کا علم مجھے حاصل ہوتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ پُرانے زمانہ میں لوگوں کے کیسے خیال تھے۔ دوسرے کہانی کی آواز سے نیند کے آجانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس لیئے طبیعت شور و غل میں اس بات کی عادی ہو جاتی ہے کہ نیند فوراً آجائے۔

میں مفصل ذیل زبانیں پڑھتا اور بول سکتا ہوں۔ پشتو۔ فارسی۔ جو میرے دربار کی زبان ہی۔ ترکی جو میری ترکمانی رعایا کی زبان ہے۔ رُوسی۔ عربی۔ اُردو خوب بولتا ہوں مگر عربی اور ہندوستانی میں مجھے زیادہ مہارت نہیں ہے ہاں سمجھ خوب لیتا ہوں۔ مجھے کچھ قدرتی شوق ہے کہ ہر قسم کے مضمون سے مجھے واقفیت ہو جائے۔ جب کبھی کچھ موقع ہوتا ہے میں نئی چیز حاصل کرنے میں کبھی نہیں چوکتا جب ممالک خارجہ کے سیاح میرے ہاں آکے مہمان رہتے ہیں تو میں ان سے مختلف سوال کرتا ہوں تاکہ میری واقفیت اور علم بڑھے۔

تہوار اور چھٹیاں

افغانستان میں پانچ تہوار منائے جاتے ہیں ایک عید الفطر ایک بقر عید جو عید الفطر کے دو مہینے دس روز

بعد ہوتا ہے تیسرا آبرات چوتھا نوروز جو ۲۱ مارچ کو ہوا واقع ہوتا ہے۔ ان کل تہواروں میں میں اپنے افسروں۔ کنبہ والوں اور رشتہ داروں کو تحفے اور خلعتیں دیتا ہوں اور عید کے دن جو سوداگر میرے آگے تحفے پیش کرتے ہیں میں انہیں انعامات دیتا ہوں۔

نوروز کے دن تمام اس جنگی سامان کا ملاحظہ کرتا ہوں جو سال بھر کابل کے کارخانوں میں بنتی رہتی ہیں میں ان صناعوں کو جنہوں نے نہایت کاریگری سے ان ہتیاروں کو بنایا ہی انعام واکرام دیتا ہوں اور آیندہ سال کام کرنے کی ہدایتیں کر دیتا ہوں اور جو فرد گزاشتیں ہیں وہ جتا دیتا ہوں۔ جو توپیں اور رفل یا کارتوس بنتے ہیں انکا میں اپنے سامنے امتحان کرا لیتا ہوں اور جب وہ سب طرح امتحان میں پوری اُترتی ہیں تو گورنمنٹ کے اسلح خانہ میں رکھنے کا حکم دیدیتا ہوں۔ اور جو ہتیار ناکارہ ثابت ہوتے ہیں انہیں مرمت کے لئے دوبارہ کارخانوں میں بہیج دیتا ہوں۔

پانچویں تقریب یا تہوار اس خطاب کی یادگار ہی جو میری قوم نے مجھے دیا ہے یعنی ضیاء الملۃ والدین امیر المومنین ۲۵ مئی ۱۸۹۶ء بروز عید بہرام میرے آگے یہ خطاب پیش کیا گیا مینے اسے بخوشی قبول کر لیا اور اب میں اس کی یادگار میں ۲۴ رسد جشن منایا کرتا ہوں۔

مفصلہ ذیل تمغے ایسے موقعوں پر میں اپنے افسروں کو دیتا ہوں۔ تمغہ حرمت۔ عزت۔ شجاعت۔ امانت صداقت۔ خلوص یاد۔ خیر خواہ اسلام یہ آخری تمغہ امتیازیہ ہے اور خاص خاص آدمیوں کو ملتا ہی میں یہ تمغہ اپنے میر منشی سلطان محمد خاں کو دیچکا ہوں جب سر مارٹمر ڈیورنیڈ کابل آئے تھے اور معاہدہ کی ترتیب ہوئی اور اس پر دستخط ہوئے ہیں تو اس وقت میں نے یہ تمغہ دیا تھا۔ میرے کل تمغے سونے کے ہوتے ہیں اور بعض تمغوں میں جواہرات جڑے جاتے ہیں۔ چاندی کے تمغے کسی مہم کی فتح پر سپاہیوں کو دیئے جاتے ہیں۔ جہاں اور جس مقام پر فتح ہوتی ہے اس کا نام اس تمغہ میں کندہ ہوتا ہے۔

اگرچہ اس بات کا مجھے یقین نہیں ہی کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ہو کہ اپنی بی بیوں کو گھروں میں بند کر کے رکھو لیکن بات یہ ہی کہ اس ملک کا یہ طریقہ ہی کہ گھروں میں عورتیں رکھی جائیں امرا کی بہو بیٹیاں حرم میں رہتی ہیں ان مستورات کے لئے جو حرم سے باہر نہیں نکلتیں یہ ضرور ہی کہ باہر کی دنیا سے کچھہ سلسلہ آمد و رفت انکا قایم ہو۔ میری حرموں کے کئی کئی غلام ہیں اور بہت سی

خادمہ ہیں۔ تمام حرمسراؤں میں ایک عورت سردار ہوتی ہے جو مردانہ لباس میں رہتی ہے یہی لوگ باہر سے نامہ و پیام رکھتے ہیں خطوں کا لیجانا لانا یہ ان کے ہاتھ ہوتا ہی مینے خواجہ سراؤں کا قدیم طریقہ موقوف کر دیا جو حرمسرائے میں رکھے جاتے ہیں۔ علاوہ مذکورۂ بالا آدمیوں کے بیبی بیوں کے ذاتی ملازم بھی ہوتے ہیں مثلاً۔ دربان۔ پوشیر۔ خزانچی۔ میراخور۔ میر تقریبات وغیرہ وغیرہ جب۔ میری بی بیاں چاہتی ہیں خواہ گاڑیوں میں خواہ گھوڑوں پر سوار ہو کے ہواخوری کو جاسکتی ہیں۔ صرف ہواخوری کے لئے ایک نقاب اُن کے چہرے پر پڑی رہتی ہے۔

پانچواں باب۵

انگریزی افغانی تعلقات

اپنی قسموں اور وعدوں کو سچّائی سے پورا کرو (قرآن)

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

مضمون کی سرخی سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ میں ابتدا سے کل خط کتابت اور معاملات کا جو انگلستان اور گورنمنٹ افغانستان میں ہوئے ذکر کروں اور پھر آیندہ کے تعلقات کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کروں مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آیندہ حکمت عملی اور حدود افغانستان کی دو علیحدہ علیحدہ سرخیوں سے مطلب بالا کا اظہار کروں مگر اس باب میں تو میں صرف ان بڑی بڑی باتوں کا ذکر کروں گا جو مجھ میں یعنی میری گورنمنٹ اور گورنمنٹ انگلستاں میں واقع ہوئیں جہاں تک ممکن ہوگا میں نہایت اختصار سے ہر واقعہ کو بیان کروں گا کیونکہ زیادہ طول دینے سے لطف جاتا رہتا ہی۔ اب رہا میری تخت نشینی کا معاملہ جس کی بابت انگریز کچھ کہتے ہیں اور افغانی کچھ کہتے ہیں ان میں باہم ابھی تک اسکا کچھ فیصلہ نہیں ہوا اس کی بابت میں یہی مناسب جانتا ہوں کہ دونوں کے خیالات کا اظہار کروں اور اپنی کچھ رائے نہ دوں۔

جھگڑا یہ ہے کہ بہت سے انگریزی اخبارات اور انگریز یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تخت کابل امیر عبدالرحمن خاں کو بخشا ہے اور وہ ہمارا تنخواہ دار ملازم ہے۔ اسکے جواب میں افغاں کہتے ہیں ‘‘نہ انگریزوں نے روسیہ سے امیر عبدالرحمن خاں کو بلایا اور نہ اُسے تخت کابل بخشا۔ نہ انگریزوں نے امیر کو روسیہ کی

نظربندی سے چُھٹا یا اور نہ انگریزوں نے روسیہ سے کہا کہ آپ امیر کو آنے کی اجازت دیں کہ وہ آکے تخت کابل پر متمکن ہوں" یہ بھی محض غلط ہے کہ انگریزوں نے امیر کو روسیہ میں لکھا ہو کہ آپ آیئے تخت کابل آپ کے لئے حاضر ہے اور آپ اس کے جایز وارث ہیں۔ یہ محض غلط ہے کہ انگریزوں نے ایسے موقع پر امیر کو اخراجات سفر یا کسی اور قسم سے کوئی مدد دی ہو لاحول ولاقوۃ۔

افغانیوں کا بیان ہے "جب امیر کابل کی سرحدات پر پہنچے ہیں تو میر سلطان مراد بیگ اور کتغان اور ترکستان کے دوسرے میروں نے امیر کو آگے بڑھنے سے روک دیا محض اس بنا پر کہ انگریزی حُکّام سمجھ رہے تھے کہ عبدالرحمٰن روسیہ کا بھیجا ہوا آیا ہے اور انگریزی حُکّام کے اشارہ سے میروں نے وعدہ کیا تھا کہ امیر کو کابل نہ جانے دینگے۔ انگریزوں نے تخت کابل موسیٰ جان اور دوسرے امیدواران سلطنت کے آگے پیش کر دیا تھا مگر اُن بیچاروں میں اتنا بوُتا نہ تھا کہ ایسے جنگ جو ملک کو قابو میں لاسکتے۔ اور روسیہ اور انگلستان کے بیچ میں قایم رہ سکتے۔ جب عبدالرحمٰن نے یہ دیکھا کہ میر نہیں مانتے اور کابل جانے سے مزاحم ہوتے ہیں اس نے خداوند تعالیٰ کی مدد اور اپنے ساتھیوں کے قوتِ بازو سے میروں پر حملہ کیا انہیں شکست دیکے کل ترکستان کو فتح کر لیا اور کنندر میں داخل ہوا یہاں اس کے ساتھ ٹڈی دَل غازی شریک ہو گئے جب موسیٰ جان نے یہ رنگ دیکھا اس نے صاف انکار کر دیا کہ مجھے تخت کابل منظور نہیں ہے اور میں انگریزوں کے ہاتھ سے تخت لینا نہیں چاہتا۔ اسی طرح اور دعویداران سلطنت نے بھی انکار کر دیا۔ اب سارے ملک میں جنگ کی روح پُھک گئی ہزاروں غازی آآ کے جمع ہونے لگے اور اب انگریزوں کی مخالفت کی تمام ملک میں آگ بھڑکنی شروع ہوئی۔ اس وقت ایوب خاں قندہار میں انگریزوں پر حملہ کرنے کی غرض سے ہرات سے روانہ ہو چکا تھا اور اب انگریزوں نے مجبوراً امیر عبدالرحمٰن خاں سے نامہ و پیام شروع کیا تاکہ اس سے دوستی پیدا کریں اور اس کے ذریعہ سے جان بچا کے ہندوستان چلے جائیں ہم قوم افغان ہیں جنہوں نے امیر عبدالرحمٰن کو روسیہ سے تخت کابل کے لئے بلایا ہے ہم ہی نے بلانے کے لئے امیر کے پاس اپنے وکلا اور سفارتیں بھیجی تھیں۔ وہ ہماری مرضی سے روسیہ سے آکے تخت کابل پر متمکن ہوا ہے جو شخص اس خط کتابت کو جو امیر عبدالرحمٰن اور سر لیپل گریفن میں ہوئی ہے غور سے پڑھے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ صاحب مذکور کو امیر نے صاف لکھ دیا تھا کہ میں تمہارے

بلانے سے نہ آؤں گا اور نہ تمہارے ہاتھ سے تخت کابل لوں گا ہم ہی نے چرنیکار میں اسے اپنا بادشاہ بنایا ابھی وہ کابل میں آیا ہی نہیں تھا اور نہ اُسکی سر لیپل گریفن سے ملاقات ہوئی تھی کہ ہمارا بادشاہ پہلے ہی سے بن چکا تھا۔

جب ہم امیر عبد الرحمن کو بادشاہ بنا چکے تو ان انگریزی افسروں نے جو کابل میں موجود تھے خواہ نخواہ عبد الرحمن کو امیر کابل تسلیم کرلیا اور اب اس سے اتحاد قایم کرنے کے لئے سلسلہ جنبانی کرنے لگے۔ امیر نے وعدہ کرلیا کہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچیگا اور امیر اپنے وعدہ پر آخر تک قایم رہا یعنی اس نے کُل انگریزی سپاہ کو جس کی حالت ۱۸۷۹ء سے ہی زیادہ نازک ہوگئی تھی بحفاظت افغانستان سے روانہ کردیا یہ وقت انگریزوں کے لئے بہت ہی نازک تھا کیونکہ قندہار پر انہیں فاش شکست ہوچکی تھی اور ان کا لشکر برباد ہوچکا تھا۔

رہا ماہواری وظیفہ جو امیر کو دیا جاتا ہے اس میں امیر پر کچھہ احسان نہیں ہے کیونکہ گورنمنٹ انڈیا محض اپنے فائدہ کو مدنظر رکھہ کے امیر کو یہ وظیفہ دیتی ہے۔ اور امیر یہ کل روپیہ بلکہ اس کے ساتھہ اور روپیہ بھی ملاکے ہتیاروں کی خریداری میں صرف کردیتا ہے تاکہ اس سے ہندوستان کی بخوبی حفاظت کرسکے۔

امیر بعض مقامات پر دعوائے کرنے اور بعض دول خارجہ سے نامہ و پیام کرنے سے محترز رہی اور جب ایسا کوئی معاملہ آجاتا ہے تو گورنمنٹ انڈیا سے مشورہ کرلیتا ہے۔ اور چونکہ امیر نے عہد کرلیا ہے اس لئے گورنمنٹ انڈیا کے دشمنوں سے تعلق پیدا نہیں کرتا۔ انگلستان نے افغانستان کی دوستی کو اس لئے بہت ہی غنیمت سمجھہ لیا ہے کیونکہ اگر وہ غنیمت نہ سمجھتا تو کاہیکو امیر کو بیش قرار وظیفہ دیتا وجہ کیا کہ گورنمنٹ انڈیا ہندوستان کے اور نوابوں اور راجاؤں کو وظایف نہیں دیتی کیوں نہیں نظام حیدرآباد کو جس کی سلطنت افغانستان سے کہیں بڑی ہے وظیفہ دیتی۔ امیر کے دادا کے وقت سے یہ وظیفہ کابل کے حکمرانوں کو دیا جاتا ہے محض اس وجہ سے کہ کابل کی حفاظت درحقیقت ہندوستان کی حفاظت ہے اور افغانستان ہی ایک ایسا ملک ہے جسکی وجہ سے کوئی غیر سلطنت ہندوستان پر حملہ نہیں کرسکتی۔

مجھے عام آدمیوں کے اقوال پر کچھہ زیادہ توجہ نہیں ہے میں نے اس معاملہ کو فیصلہ کرنے کے لئے

دونوں فریق کو چھوڑ دیا ہے وہ خود ہی اس کے متعلق فیصلہ کرلیں گے اصل میں انگلستان اور افغانستان کا بڑا فائدہ دوستی میں ہے میں اپنے جانشینوں اور بیٹوں اور ملکہ معظمہ کے جانشینوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے آپس میں دوستی بڑھائیں کیونکہ ہندوستان اور افغانستان کی حفاظت باہمی اتحاد پر موقوف ہے دونوں کے ملے رہنے سے دونوں کو قوت ہو گی اور دونوں کی نااتفاقی سے دونوں کی کمزوری متصور ہے۔

صرف اتنی بات کہنی چاہتا ہوں کہ سر لیپل گریفن اور انگریزی افسروں نے کابل میں صرف میرے لوگوں کی جنہوں نے مجھے امیر بنایا تصدیق کی اور جو کچھ سر لیپل گریفن نے کیا اس میں انگریزوں اور افغانیوں کا فائدہ تھا جس طرح روبرٹ لارڈ آف قندہار کے لقب سے مشہور ہے اسی طرح یہی لقب لارڈ آف کابل سر لیپل گریفن کو دینا چاہیئے۔

حضرت علی کا قول ہے کہ قول کو نہ دیکھو بلکہ فعل کو دیکھو اس لئے اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے کہ میں اس بات کو ظاہر کرنے بیٹھ جاؤں کہ پلڑا کس طرف جھکتا ہے قصّہ مختصر یہ ہے کہ دونوں قوموں کے مقاصد باہمی ملے رہنے سے برآمد ہوں گے۔

یہ بات خیال کر کے میں اپنے شروع زمانہ حکومت سے اس دوستی کو جزو سلطنت سمجھتا ہوں میں مارکوئس آف رپن کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے زمانہ ویسرائی میں مجھے انگریزی دوستی کا ہر طرح اطمینان دیا۔ ان ہی کی رائے سے میں نے سب سے پہلے جنرل امیر محمدؐ خاں کو اپنا سفیر ہندوستان بنا کے بھیجا۔ اس شخص پر مجھے بہت بھروسہ تھا اور بچپن سے میں اسے عزیز سمجھتا تھا اور ساتھ ہی نہایت تجربہ کار اور دور اندیش مدبّر تھا۔ اسی طرح انگریزوں نے اپنا ایک سفیر میرے دربار میں مقرر کیا تاکہ سلسلہ اتحاد کا اور بھی مضبوط ہو۔ ۱۶ رجون ۱۸۸۳ءمیں مارکوئس آف رپن نے مجھے یہ لکھ کے بھیجا تھا کہ بارہ لاکھ روپیہ سال قلعوں کے بنانے اور فوجی قوت کو زبردست کرنے کے لئے آپ کو دیا جائے گا۔

میں اس ویسرائے کی روشنضمیری اور رواداری کی نسبت کچھ تحریر نہیں کر سکتا کہ کیسا آزاد خیال شخص تھا جس کے پاس مذہبی تعصّب آ کے ہی نہیں پھٹکا تھا۔ اس نے رنگ اور قوم کا فرق ہی اُڑا دیا تھا اور اس کا یہ اصول تھا کہ خدا کی نظر میں اُس کے سب بندے برابر ہیں۔ اور سب کو اپنے

نیک و بد اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی - مارکوئس آف رپن ہی نے ملکہ معظمہ کی ہندوستانی رعایا کو وہ حقوق دیئے جو گوری چمڑی والوں کو حاصل تھے - اگرچہ اس سے گورے سخت ناراض ہو گئے لیکن ان کی ناراضی کیا چلتی روز بروز لارڈ رپن کی محبت ہندوستانیوں کے دل میں بڑھتی رہی اور اس محبت سے ہندوستانی اس روشن دماغ ویسرائے کے حلقہ بگوش ہو گئے جب تک رپن ویسرائے رہے میرے اور ان کے اتحادی تعلقات روز بروز ترقی کرتے رہے -

یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ جس چیز کے پھیلانے میں عرصہ لگتا ہے اُس چیز کی سمیٹنے میں بھی اسی قدر عرصہ درکار ہوتا ہے - پچاس سال سے جو مخاصمانہ خیالات انگریزوں اور افغانوں میں پیدا ہو گئے تھے انہوں نے ایک دوسرے سے بدظن کر دیا تھا - رفتہ رفتہ سب دور ہو گئے - دونوں قوموں نے کتابیں تحریر کی ہیں اور ان میں گزشتہ واقعات قلمبند کئے ہیں ان کتابوں میں سوا اس کے اور کچھ نہیں رکھا کہ ایک نے دوسرے کی بدعہدی - بے ایمانی اور دغا بازی بیان کی ہو یہ بات ہو تو اصل میں بہت مشکل کہ ان دونوں قوموں کے دلوں سے ایک دوسرے کی طرف سے بُری خیالات نکال ڈالے جائیں لیکن پھر بھی یہ بات ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گزشتہ باتوں کو بھلا دینا چاہئے اور آئندہ سے دوستی اور اتحاد کے نئے خیالات پیدا ہونے ضروری ہیں -

انگریزی گورنمنٹ جو مجھے مدد دیتی ہے کچھ اس پر حق نہیں ہے کہ وہ مجھے اتنی مدد بھی دے اور سالانہ مدد دینے کا بھی وعدہ کرے کیونکہ میرے وعدوں اور وفادارانہ قول و قرار پر انگریزوں کو بھروسہ نہیں ہے - اب رہی میری کیفیت وہ یہ ہے کہ عام طور پر انگریزی دوستی کا اظہار نہیں کر سکتا - کیونکہ میری رعایا مذہبی جوش میں مجنون ہے وہ میری نسبت بدگمانی کرنے لگے کیونکہ جہاں انہوں نے دیکھا کہ میرا رُجحان انگریزوں کی طرف ہے وہ برملا مجھے کافر بناتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں میرے خلاف جہاد پر آمادہ نہ ہو جائیں - میں نے بہتیری کوشش کی کہ اس قسم کے متعصبانہ خیالات لوگوں کے دماغ سے نکال ڈالوں مگر ممکن نہ ہوا اور سب باتوں کی اصلاح تو ہو گئی ہی لیکن ان خیالات کی اصلاح نہیں ہوتی پر نہیں ہوتی یہی - وجہ ہے کہ میں اپنی پوری دوستی کا اظہار گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ نہیں کر سکتا - میں یعقوب خاں کی طرح نادان نہیں ہوں جس نے اپنی رعایا کی مرضی کے خلاف سر لوئس کاوگنری کی سفارت کو دعوت دیدی تاکہ اپنی دوستی کا اظہار کرے - اسکا نتیجہ یہ ہوا

کہ سر لوئیس قتل کر ڈالا گیا ہزاروں آدمی مار ڈالے گئے اور خود یعقوب خاں معزول کر دیا گیا اور گرفتار ہو کے ہندوستان بھیجدیا گیا۔

انگریزی گورنمنٹ نے مجھسے یہ معاہدہ کیا ہے کہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں کبھی دست اندازی نہیں کی جائے گی اگر میری رعایا میرے خلاف جہاد کریں تو بھی میں گورنمنٹ انڈیا سے طالب مدد نہیں ہو سکتا اور نہ گورنمنٹ مجھے مدد دیسکتی ہے

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ میں ایسے الفاظ گورنمنٹ انڈیا کی نسبت خوشامدانہ نہیں کہنا چاہتا جس سے خواہ مخواہ میرا نام خوشامدیوں کی فہرست میں درج ہو جائے کیونکہ خوشامد کرنا بُزدلوں کا کام ہوتا ہے۔ میں نے اپنے زمانہ حکومت میں اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ خود دارانہ غرور جو وراثتاً مجھے ملا ہے اس کو ایک لمحہ کے لیئے میں نے ہاتھ سے نہیں دیا خواہ میں کیسی ہی مشکل میں کیوں نہ پھنس گیا ہوں لیکن اپنی وضعداری اور خود داری کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

ہاں اس کے ساتھ ہی اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ خدا نکردہ کبھی انگریزوں اور افغانیوں میں جنگ ہو کیونکہ اس سے دونوں قوموں کی بربادی متصور ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے لگیں اور باہم شیر و شکر ہو جائیں۔

میری تو لگاتار یہی کوشش ہے لیکن انگریزی گورنمنٹ ابھی تک مذبذبین میں ہے اور بار بار اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتے ہیں آیا افغانستان کی دوستی مفید ہے یا نہیں اور آیا افغان اس قابل ہیں کہ انہیں دوست بنایا جائے اور ان پر بھروسہ کیا جائے۔ اور اگر فی الواقع انہیں دوست ہی تسلیم کر لیا جائے تو وہ کہاں تک حفاظت کر سکتے ہیں؟ اگر ان سوالات کے جواب اطمینان کے قابل مل جائیں تو پھر ایک سوال ابھی اور بھی باقی رہتا ہے اور وہ یہ ہے؟ آیا پارلیمنٹ لندن ہندوستانی حکّام کو اجازت بھی دے گی کہ وہ اپنی تجویز کردہ باتوں پر عملدرآمد کریں۔ اگر پارلیمنٹ راضی نہ ہوئی اور اس نے یہی مناسب سمجھا کہ روسیوں سے بھڑ جایا جائے تو آیا یہ بات ممکن بھی ہوگی یا نہیں اور جب دوسرے گروہ کی سلطنت ہوگی تو وہ اس تجویز کو بحال رکھے گا یا نہیں۔ غرض عجب گومگو کا معاملہ ہے انگریزی گورنمنٹ کی فلاسفی مثل اس بیدل خادم کے ہے جس کا آقا بیمار ہوا اور اس حالت میں اپنے بیدل خادم کو بیمار آقا حکم دیتا ہے تو طبیب کے پاس جا کے اسی بلا لا۔ خادم صاحب کو جواب

دیتے ہیں شاید اسوقت طبیب مکان پر نہ ملے۔ آقا کہتا ہے نہیں اسوقت مکان پر ہونگے ضرور ملینگے

خادم۔ اگر وہ گھر پر مل ہی جائیں تو خبر نہیں وہ یہاں آئیں یا نہ آئیں۔

آقا۔ نہیں وہ ضرور آئے گا۔

خادم۔ شاید آپ کے دینے کے لئے اس کے پاس دوائی نہ ہو۔

آقا۔ نہیں اس کے پاس دوائی موجود ہے۔

خادم۔ حضرت سنئے یہ آپ جانتے ہیں کہ موت یقینی ہے اور اسی لئے اگر موت آگئی تو دوائی آپ کو کچھ اثر نہیں دیسکتی پھر اتنی پریشانی اُٹھانے سے کیا فائدہ اگر آپ کی قسمت میں مرنا ہے تو آپ مر جائینگے اور زندہ رہنا ہے تو جیتے رہینگے۔

میں ہندوستانی گورنمنٹ پر کوئی الزام نہیں رکھتا کیونکہ اب تک اس نے افغانی دوستی سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کیا ہے ایک دوسرے کی نادانی سے بڑی بڑی خونریز جنگیں ہوئیں لیکن حاصل کچھ بھی نہوا وہی ڈھاک کے تین پات۔ چونکہ امیر شیر علی اور یعقوب خاں سے ان کا سابقہ پڑ چکا ہی اس لئے حکّام ہند کسی امیر پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتے۔

علاوہ ان شبہات کے اور بہی بہت سے موانع ہیں جو ہمیں ایک دوسرے کو سچّے دوست نہیں بننے دیتے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مشرقی خیالات۔ معاشرت اور طریقے معاملات پر غور کرنیکے مغربی دماغوں سے بالکل مختلف ہیں اور ان میں بعد المشرقین ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں مارکس آف رپن سر آلفرڈ لائل معتمد خارجہ سر ڈونلڈ اسٹوارٹ کمانڈر انچیف سر لیپل گریفن اور اسی طرح سے دوسرے انگریزی افسر ایسے روشن دماغ ہیں جنہوں نے بہت کچھ معاملہ کو سلجھایا اِدھر میں خود روسیہ کے ان وعدوں کو جو اس نے شیر علی سے کئے تھے اور پھر شیر علی اور یعقوب کی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس لئے میں ان لوگوں کے جو باہم لڑائی کرانا چاہتے تھے دم جانسوں میں نہیں آیا۔

امیر شیر علی خاں اس کا خاندان اس کے دوست اور اسکے شریک اور بہت سے دوسرے افغانی آدمی جو ہندوستان میں جلاوطن کئے گئے تھے اس بات کی بہت کوشش کرتی تھی کہ کسی طرح گورنمنٹ کے انگریزی افسروں کو میرے خلاف اُبھاریں اور ساتھ ہی وہ افغان سردار جن کی عادت ملک میں لوٹ مار اور

لڑنے کی تھی اور جنہیں میں نے ان کی بدچلنی کی وجہ سے سزا دی تھی انہوں نے ہندوستان میں جاکر گورنمنٹ کے افسروں سے یہ کہنا شروع کیا کہ امیر اور جو لوگ انگریزوں کے خیر خواہ ہیں سب قتل کردا دیے گئے اور کابل میں پریشانی پیدا ہو رہی ہے یہ خبریں ایسی تھیں کہ قدرتی طور پر انکا اثر انگریزی حکّام کے دماغوں پر ضرور پڑنا چاہیئے تھا اگرچہ مارکوئیس آف رپن ان کے مشیر اور میں خود ہمیشہ اسبات کی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ان غلط فہمیوں کا کوئی اثر ہم پر نہ پڑے اس بنا پر میں نے اسے ضروری سمجھا کہ ہندوستان کے ویسرائے سے میں خود ملوں اور ان تمام شبہات کو رفع کروں اور جو باتیں تحریر سے طے نہیں ہو سکتیں اُنہیں زبانی طے کر لوں مگر ملاقات کا یہ موقع مارکوئس آف رپن کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد لارڈ ڈفرن کے زمانہ میں ہوا۔

اسی اثناء میں کچھ ایسے نئے واقعات کا ظہور ہوا کہ ویسرائے ہند سے میں بہت جلدی مل لوں نہ صرف اس لئے کہ میں اُنہیں اپنی دوستی کا یقین دلاؤں بلکہ بہت سے نازک معاملات جن کا اس وقت ظہور ہوا ہے اُنہیں طے کر لوں ان میں سے جن معاملات کے طے کرنے کی ضرورت تھی وہ حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ روسی اخبارات یہ مضامین لکھ رہے تھے کہ انگریز کابل سے امیر عبدالرحمٰن خاں کو دوست بنا کے نہیں گئے ہیں وہ خوف کے مارے بھاگ گئے اس لئے میری یہ خواہش ہوئی کہ میں خود ہندوستان جاؤں اور دوستانہ طور پر ویسرائے سے ملوں تا کہ عام طور پر اسباب کا اظہار ہو جائے کہ روسیوں کی اُڑائی ہوئی خبریں بالکل غلط ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ دونوں قومیں کیسی دوست ہیں اور ایک دوسرے پر کیسا بھروسہ کرتی ہیں کہ امیر افغانستان باوجودیکہ خود مختار حکمران ہے پھر بھی ایک مختصر باڈی گارڈ کے ساتھ ملکہ معظمہ کے قایم مقام اور بیٹے سے ملنے ہندوستان گیا ہے اس سے کل جھوٹی افواہیں غلط ثابت ہو جائیں گی اور اس بات کا پورا ثبوت ہو جائیگا کہ انگریزوں اور افغانیوں میں کیسی دوستی ہے کیونکہ ہندوستان کی حفاظت اور قوت بہت کچھ افغانستان کی دوستی پر موقوف ہے۔

دوسرے۔ اس سال پہلے ۱۸۸۵ء میں چار بڑی بڑی مزاحمتیں تھیں جن سے روسیہ ہندوستان پر حملہ کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا یعنی صحرائے خیوا۔ بخارا۔ پامیر۔ ایران اور ہرات۔ چونکہ میں

روسیوں کی چالوں سے خوب واقف تھا اور ان کی طرز و انداز کو جانتا تھا کیونکہ سالہا سال اُن میں رہنے کا اتفاق ہو چکا تھا میں نے ہندوستانی گورنمنٹ کو آگاہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد خبردار ہونا چاہئے اور ممکن تدابیر سے روسیکے اس ارادہ پر خاک ڈالنی لازمی ہے میں نے لکھا کہ افغانستان شمال مغربی حدود کو جہاں تک جلدی ہو بہت مضبوط کرنا چاہئے اور ساتھ ہی ہرات کی قلعبندی بھی درست ہو مگر افسوس ہے کہ اس خبرداری پر بھی کسی کے کان پر جُوں نہیں چلی مگر بعد از اں چند انگریزی افسر میری اس تحریر پر برشتہ ہوئے اس لئے کہ انہیں روسیوں کے عہد و پیمان پر کامل بھروسہ تھا۔ اسی اثنا میں روسیوں نے صحرائے خیوا کو عبور کر کے مرو اور سرخ پر قبضہ کرلیا اور اس طرح ترکستان اور سینٹ پیٹرسبرگ میں سلسلہ خط کتابت اور آمد و رفت جاری ہو گیا۔ اور پھر وہ جیحوں پر چابکدستی دکھانے لگے۔

اس زمانہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی کیونکہ انگریزوں نے برہما اور مصر پر قبضہ کرلیا تھا اس لئے افغانستان پر بڑھنے کا روسیوں نے بہت اچھا موقع تاکا۔

جب یہ کیفیت ہوئی تو سرحدات افغانستان کو روسیوں کے مقابلہ پر مضبوط کرنے کا میرا مصمم ارادہ ہو گیا اور میں نے خیال کیا کہ تحریری نامہ و پیام کا وقت نہیں رہا ہے اب جہاں تک ہو سکے وائسرائے ہند سے زبانی فیصلہ کرلیا جائے۔ باوجودیکہ میں خبردار کرتا رہا اس پر بھی کوئی خیال نہیں کیا گیا اور آخر روسیوں نے پنجدہ پر قبضہ کرلیا جو میری سلطنت کا ایک حصہ تھا۔

یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ روسیوں کے حملہ کرنے کی حکمت عملی سُست تو ضرور ہے لیکن نہایت زبردست اور استوار ہے اور پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی جب وہ کسی بات کے کرنیکا ارادہ کرلیتے ہیں تو پھر انہیں اس بات سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور نہ اُنکی حکمت عملی بدلتی ہے مثل دیگر اقوام کے یہاں میں نہیں ہے کہ آج ایک سیاسی گروہ کو روز ہوا اس نے اپنے سابق گروہ کی کل رائے کو تبدیل کر دیا۔ اُن کے آگے بڑھنے کی حالت بالکل ہاتھی سے مطابقت کھاتی ہے کہ وہ آگے قدم رکھنے سے پہلے زمین کا امتحان کر لیتا ہے اور جب قدم ڈال دیتا ہے پھر پیچھے سرکانا نہیں جانتا۔ اور کبھی جلدی میں آگے نہیں بڑھتا جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا پہلا پیر اچھی طرح جم گیا تو پھر بڑی مستعدی سے دوسرا پیر ڈالتا ہے۔ اسی طرح روسی ہیں جب وہ کسی مقام پر قبضہ کرتے ہیں تو اُسے

خوب مضبوط بناتے ہیں قلعے تعمیر کرتے ہیں راستے صاف کرتے ہیں اور جب ہر طرح سے مضبوط ہو لیتے ہیں تو قدم آگے اٹھاتے ہیں۔

اب مجھے اس کے لکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ روسی نہ اپنے عہد و پیمان پر قایم رہتے ہیں نہ ان کی قسموں کا کچھ اعتبار ہے بلکہ ان کے ہاں کی ضرب المثل لکھدینی کافی ہے اور وہ یہ ہے "عہد و پیمان توڑنے ہی کے لئے بندھتے ہیں"

جب کوئی قوم عہد شکنی کرنا چاہتی ہے تو اسے کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا دعویٰ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا انصاف سے کیا کمزور سلطنت کے ساتھ عہد و پیمان رکھنا حرام ہے۔ اس پر مجھے احکایت یاد آئی جس کو میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ (حکایت)

ایک ریچھ ایک بھیڑ کی پاسبانی کے لئے مقرر کیا گیا کہ اور درندے جانوروں سے اسکی نگرانی کرے۔ ریچھ نے وعدہ کیا کہ میں اس بھیڑ کو کوئی مضرت نہیں پہنچاؤں گا۔ ریچھ نے جنگل کے تمام جانوروں کو کھا لیا صرف ایک یہ بچاری بھیڑ رہگئی تھی۔ ایک دن ریچھ نے غصہ سے بھیڑ کی طرف مخاطب ہو کے یہ کہا "میں ضرور تجھے کھاوں گا کیونکہ تو نے میری توہین کی۔ اس لئے مجھپر لازم ہے کہ میں اپنے عہد و پیمان کو توڑ ڈالوں" غریب بھیڑ ڈرگئی اور ریچھ کی طرف خوف سے نظریں اٹھا کے عرض کرنے لگی "اے میرے آقا بھلا مجھے حضور کی توہین کرنیکی جرأت ہو کیونکر سکتی ہے" ریچھ نے کہا "تیرے باپ نے میرے باپ کی توہین کی تھی" بھیڑ نے خوفزدہ لہجہ میں کہا "جناب عالی اسکی شہادت کیونکر ہو سکتی ہے اس لئے کہ میرا باپ اور حضور کا باپ دونوں مر چکے ہیں۔ ریچھ نے جواب دیا۔ مجھے بعض میرے دوستوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس پر بھیڑ بولی "انہوں نے تم سے جھوٹ بولا" یہ سنتے ہی ریچھ تند و تیز ہو کے بولا "اس سے زیادہ اور کیا توہین ہو سکتی ہے کہ تو نے میرے دوستوں کو میرے آگے جھوٹا کہا یہ کہتے ہی غریب بھیڑ پر جھپٹ پڑا اور دم بھر میں اس کا لقمہ خام کر گیا۔

تیسری بات جس سے میں راولپنڈی آیا یہ ہے۔ میں نے گورنمنٹ انڈیا سے وعدہ کر لیا تھا کہ بغیر تمہاری رائے کے میں روسیہ یا کسی خارجہ دولت سے نامہ و پیام نہیں کرونگا اسپر گورنمنٹ انگریزی نے مجھسے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی نے تمہارے ملک پر حملہ کیا تو ہم اس کی حفاظت کرینگے یہی وجہ ہے جس سے یک لخت میں نے روسیوں سے خط و کتابت بندی کر دی وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا احسان

امیر پر بہت ہے کیونکہ اس نے ہمارا نمک کھایا ہے اور مدّت تک ہم میں رہا ہے اور ہم نے ہی اسے افغانستان جانے کی اجازت دی تھی - اور ہماری ہی وجہ سے وہ تخت کابل پر بیٹھا ہے - بے شک روسیوں نے مجھے تخت کابل پر بیٹھنے کے لئے بھیجا اور مجھ پر بہت احسان کئے - ناشکری کرنا حقیقت میں بڑا گناہ ہے تو بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ محض اس احسان کے صلہ میں جو میری ذات کے لئے تھا میں اپنا ملک اور قوم روسیوں کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا - خداوند تعالیٰ قوم اور ملک کو میری نگرانی میں سونپا ہے اور میں ان پر اس طرح نگران مقرر ہوں جیسا گوالا بھیڑوں پر - یہ نہایت بد اور بے عزّتی کی بات ہوگی کہ اگر ایک شخص اس چیز کو جس پر وہ نگران مقرر کیا گیا ہے اپنے دوست کے حوالہ کر دے یہ کبھی نہیں ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ روسیہ انگریزوں کی دوستی پر مجھے ملزم گردانتا ہے - معاہدوں اور وعدوں پر صرف خوف خدا قایم رکھتا ہے اور اگر خوف خدا نہیں ہے تو معاہدوں کا توڑ دینا کچھ بات ہی نہیں ہے جب یہ بات ہے تو زبانی اور تحریری معاہدہ کوئی چیز نہیں ہے دونوں کا پابند انسان اسی طرح ہو سکتا ہے - مثلاً ۶ ر جولائی ۱۸۸۰ء کو سر لیپل گریفن نے مجھ سے زبانی وعدے وعید کئے تھے کہ ہم ہر خارجی حملہ پر تمہارے سینہ سپر ہوں گے لیکن بعض افغانی افسروں نے اس زبانی وعدہ پر شک ظاہر کیا کہ جب تک معاہدہ کے صورت کی کوئی دستاویز نہ ہو ہمیں یقین نہیں ہو سکتا - اسی طرح سنہ ۱۸۸۵ء میں مارکوئیس رپن سے میرا عہد و پیمان ہوا تھا میں چاہتا تھا کہ جو معاہدے مجھ سے ہو چکے ہیں میں موجودہ ویسرائے کی زبانی عین جلسے میں کھلوا لوں اور پورے طور پر اطمینان کر لوں اسی لئے میں راولپنڈی آیا تھا -

روسیوں کی کبھی افغانیوں کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی اور ان دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے قتل کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا اسی لئے ان میں کچھ طبعی دشمنی ہی نہیں ہے - جب یہ بات ہے تو خیال نہیں تھا کہ روسیہ افغانستان پر کبھی حملہ کرے گا اور افغانی معاملات میں مداخلت روا رکھے گا ہاں اگر یہ بہانہ کرے کہ چونکہ افغانستان انگریزوں کا دوست ہے اس لئے حملہ کرتا ہوں تو یہ بات ہی اور ہے - مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ افغانستان کا روسیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے افغانستان تو روسیہ اور ہندوستان میں ایک حدِ فاصل ہے - اب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ اگر روسیہ افغانستان پر حملہ کرے گا تو محض اس بنا پر کہ افغانستان انگریزوں کا دوست ہے اس لئے کل عہد ناموں

وغیرہ کو بالائے طاق رکھ کے اگر انصاف سے دیکھا جائے تو انگلستان پر افغانستان کا بچانا ہر حالت میں فرض عین ہے۔ اور اس لئے ان دونوں قوموں کو دوش بدوش حملہ آور سے مقابلہ کرنا چاہئے کہ اگر وہ شکست ہی پائیں تو دونوں ایک جگہ فتح پائیں تو دونوں ملکے۔ مشکلات کے وقت انگلستان افغانستان کو بچائے اور جب موقع آپڑے تو اگر مگر کو راستہ نہ دے۔

لارڈ ڈفرن نے بھی جو اعلیٰ درجہ کے مُدبّر سلطنت تھے اس ملاقات کو بہت ہی غنیمت سمجھا چنانچہ انہوں نے شہر راولپنڈی کو اس ملاقات کے لئے منتخب کر کے مجھے دعوت دی میں تو یہ چاہتا ہی تھا دعوت کا خط پہنچتے ہی جلد ہندوستان روانہ ہو گیا۔ میں مارچ کے آخر راولپنڈی پہنچا۔ میرا بڑی گرمجوشی سے استقبال ہوا۔ ویسرائے۔ لیڈی ڈفرن۔ ڈیوک اور ڈچز آف کیناٹ نے معہ اعلیٰ اعلیٰ افسروں اور ہندوستانی رئیسوں کے میرا استقبال کیا۔ ملاقات سے بہت ہی کامیابی ہوئی اور کل باتوں کی تکمیل ہو گئی میں ۱۲ اپریل کو راولپنڈی سے کل معاملات کو طے کر کے کابل روانہ ہو گیا ویسرائے میں اور مجھ میں جو گفتگو ہوئی تھی اپنی رعایا کو اطلاع دینے کے لئے میں نے بصورت رسالہ شائع کرادی اس لئے مجھے یہاں ان باتوں کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں بعض کی نسبت اشارۃً کچھ بیان کرتا ہوں۔ اس ملاقات سے تمام شبہات رفع ہو گئے اور نئے سرے سے اتحاد مضبوطی کے ساتھ قایم ہو گیا۔ تمام جھوٹی باتیں جو گورنمنٹ ہند سے میرے خلاف بیان کی گئی تھیں دُھل دُھلا گئیں اور دو قوموں کی دوستی کا عام طور پر دنیا کو اعلان دیا گیا۔ جو باتیں تحریر سے کبھی فیصلہ نہ پا سکتی تھیں زبانی فیصلہ پا گئیں مثلاً افغانستان کی شمال مغربی سرحد کا آسانی سے فیصلہ ہو گیا۔ ویسرائے نے مجھے ایک زبردست توپخانہ۔ رئفل اور زرِ نقد دیا اور وعدہ کیا کہ اور بھی مدد آپ کو دی جائے گی۔

اس طرح آیندہ روسیوں کے بڑھنے کی پوری روک ہو گئی۔ میں نے ویسرائے سے کہا دیکھئے میں نے جو پیشین گوئیاں کی تھیں وہی ہوا یا نہیں۔ روسیوں نے چار مزاحمتوں پر فتح حاصل کر لی یعنی خیوا اور بخارا کے صحراؤں کو عبور کر لیا اور پھر مرو اور سرخ کو فتح کر لیا۔ نہ صرف یہ مقامات بلکہ وہ تو پنجدہ پر بھی قابض ہو گئے۔ یہ مقام میرا تھا اور یہ حادثہ جبھی اس وقت گزرا جب میں آپ کے کیمپ میں مہمان تھا۔ دوسری بات یہ ہو گی کہ وہ ہامیرے ہیں گے تیسری یہ ہو گی کہ وہ ایران کو۔

اپنے اثر میں کریں گے۔ اور چوتھی بات یہ ہوگی کہ وہ ہرات اور افغانی شہروں پر حملہ کریں گے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اُن کے قبضہ کرنے سے پہلے ہم پامیر کو لیلیں۔ مگر ہائے افسوس اس کا انتظام کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ اور آج روسیوں نے پامیر ہی لیلیا۔ لارڈ ڈفرن نے جواب دیا کہ ہرات اور افغانی شہروں کے حملہ کی نسبت جو آپ نے کہا آپ مطمئن رہیں کہ روپے پیسے۔ جنگی سامان اور انجنیر وغیرہ سے ہم آپ کو کافی مدد دیں گے اور اگر روسیہ نے ہرات پر حملہ کیا تو گورنمنٹ اس مشکل میں پڑنے کے لئے ہر طرح تیار ہے۔ ہم نے اس کے لئے پوری تیاری کرلی ہے۔ اس کے علاوہ ہز اکسلنسی نے صاف الفاظ میں وعدہ کیا کہ اگر کسی دوسری سلطنت نے افغانستان پر حملہ کیا تو ہم ہر طرح سے آپ کی پشت پناہی کے لئے حاضر ہیں۔ محال ہے کوئی آنکھ بھر کے بھی دیکھ لے۔

میں نے شکریہ کے ساتھ انجنیروں اور انگریزی افسروں کی مدد سے انکار کردیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرے آدمی سرگرمی سے اس مدد کو قبول نہیں کرنے کے۔ میں نے اس کے مقابلہ میں یہ کہا کہ جب تک انگریز اپنے اس وعدہ پر قایم رہیں گے وہ مجھے بھی سچا پائیں گے۔

۸ر اپریل کو دربار عام منعقد ہوا میری ایک جانب ملکہ معظمہ کا قایم مقام یعنی لارڈ ڈفرن کھڑا ہوا تھا اور میری طرف ملکہ معظمہ کا فرزند دلبند ڈیوک آف کنناٹ۔ میں نے اہل دربار سے انگریزوں کا وعدہ مکرر بیان کیا کہ یہ حفاظت افغانستان کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہمیشہ ہر حملہ کا جو افغانستان پر ہوگا بزور شمشیر دفعیہ کریں گے اس مقابلہ میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں انگریزوں کی دوستی میں ثابت قدم رہوں گا۔

۹ر اپریل انگریزی سپاہ کی قواعد مجھے دکھائی گئی۔ اور میں بحیثیت ایک سپاہی ہونے کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ انگریزی فوج بڑی شاندار اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جس قوم کے پاس ایسی شایستہ فوج ہو وہ بھلا کسی سے کیا ڈرے گی۔ اسی شب کو دعوت میں ویسرائے نے میرا جام صحت تجویز کیا جس کا میں نے یہ جواب دیا میں دُعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ ملکہ معظمہ آپ کے خاندان اور خیر خواہوں کو سلامت رکھے کیونکہ آپ افغانستان کی حفاظت کی ذمہ دار ہیں۔

میں بار بار یہی پیشین گوئی کرتا رہا دیکھو کسی نہ کسی دن روسیہ قطعی پامیر لے لیگا اور یہی بات میں نے اس وقت بتائی تھی جب ۱۸۸۶ء میں افغانستان کی شمال مغربی سرحد اور روسیہ کی حدود پر

داغ بیل پڑ رہی تھی۔ میں جب ہی سے کھٹک رہا تھا کہ یہ داغ بیل خواجہ سالار۔ پامیر اور چترال تک قطعی بڑھ کے رہے گی مگر افسوس ہے کہ یہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی اور روسیہ پامیر دبا بیٹھا۔ اب اس وقت میری تیسری پیشین گوئی پوری ہو گئی یعنی روسیوں نے ایران کو بالکل اپنے اثر میں لے لیا اور اس کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ وہ شاہ ایران سے ریل بنانے کا معاہدہ کر کے صحرائے سیستان سے قندھار اور کوئٹہ ٹھیک تک ریل بنا کے خلیج فارس پر قدم جمانے کی تدبیر کریں گے۔

۱۸۸۹ء میں جب میں ترکستان تھا لارڈ لینڈ ڈاؤن کو لکھا (آج کل یہی ویسرائے ہند تھے) کہ افغانستان کی شمالی مغربی سرحد پر قلعہ بندی کرنے اور قلعہ جات بنانے کا یہ بہت اچھا موقع ہے اس وقت روسیہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا میرے پاس عذر موجود ہے کہ میرے ملک کی بہت ہی غیر قابل اطمینان حالت ہے اور اسی لئے میں بھی یہاں آیا ہوا ہوں۔ مثل معمول کے میرے آگاہ کرنے پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور اب بات کو اتنا عرصہ ہو گیا کہ روسیہ کہنے لگا ہے "تم اپنی سرحد پر اتنی فوجیں کیوں جمع کر رہے ہو۔ اس سے مجھے بہت رنج ہے کہ میری تنبیہوں پر کچھ توجہ نہیں کی جاتی حالانکہ مجھ جیسا شخص جو روسیوں کے دل کے بھیدوں سے واقف ہے اور اس کی ساری تدبیریں اور مکاریاں جانتا ہے یوں منہ تکتا کا تکتا رہ جائے۔ میں کچھ نہیں سکتا کہ آیا انگریزی افسر اصل واقعات سے بےخبر ہیں یا انہیں احتیاط نے گم صم بنا رکھا ہے۔

میں لیڈی ڈفرن اور ڈیوک اور ڈچز آف کیناٹ سے مل کے بہت ہی خوش ہوا۔ لیڈی ڈفرن جیسی روشن ضمیر اور قابل عورت میں نے نہیں دیکھی۔ اور ڈیوک آف کیناٹ نہایت نرم دل۔ مہربان۔ ایمان دار۔ راستباز سپاہی ہیں فوج کو لازم ہے کہ ایسے افسر کی پرستش کرے۔ ایک افسوسناک واقعہ کا جو اس ملاقات میں ہوا میں ضرور ذکر کروں گا جس نے مجھ پر ایک غمگین اثر چھوڑ دیا اور مجھے بہت ہی اندوہگیں کیا۔ یہ غمناک حالت پنجاب کے راجاؤں اور نوابوں کی دیکھی۔ یہ غریب مثل عورتوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ان کے گلوں میں جواہرات وغیرہ کا وہ زیور پڑا ہوا تھا جو عورتیں پہنا کرتی ہیں۔ ان کے ازابند بھی جڑاؤ تھے جو ان کے پیروں پر لٹک رہے تھے۔ صورت سے گندہ نا تراش۔ سست اور عیش پسند معلوم ہوتے تھے اور انہیں کیا معلوم تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں پیدل چلنے میں بھی بہت دشواری ہوتی تھی کیونکہ بیچاروں کو پیدل چلنے کی عادت

بالکل جاتی رہی تھی - یہ لوگ اپنا وقت شرابخواری اور افیون نوشی میں بسر کرتے ہیں مجھے ہندوستان کے ان رئیسوں پر بہت رحم آیا اور ساتھ ہی ان کی رعایا پر بھی رحم کہ وہ ان کمزور دماغوں سے انصاف اور انتظام کی کیا امید رکھتی ہوگی -

میں نے اس ملاقات سے ایک اور فائدہ بھی اُٹھایا وہ یہ کہ میرے بیٹے اور افسر انگریزی افسروں سے مل لیے اور دونوں نے ایک دوسرے کی بہت تعریف کی اور باہم صفائی ہوگئی - اس ملاقات سے یہہ فائدہ بہت بڑا ہوا کہ جو بُرے خیالات طرفین کے دلوں میں کسی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے وہ سب جاتے رہے -

میں نے چاہا کہ میں خود انگلستان کا سفر کروں اور افغانستان میں انگریزوں اور ہیموں کو ملازم رکھوں اور ایسا سلسلہ قایم کروں کہ کابل اور لندن میں پورا آمد و رفت کا طریقہ نکل آئے - اس سے اور بھی زیادہ اتحاد کی امید ہے مگر حیف صد حیف میں نے تو بہتیرا چاہا کہ کابل اور لندن کو بالکل قریب کردوں لیکن بعض انگریزی افسر دونوں میں حدِ فاصل قایم کرتے گئے -

لارڈ ڈفرن کے آخری زمانہ گورنری میں کچھہ باتیں پیدا ہوگئیں جن کے فیصلہ کرنے کے لئے کابل میں سفارت بھیجی جانی تجویز ہوئی تاکہ وہ سفارت میرے ساتھہ بیٹھہ کے ان کل امور کا فیصلہ کر دے مگر موقع ہی نہیں آیا - نومبر ۱۸۸۸ء میں لارڈ ڈفرن وییسرائی سے سبکدوش ہو گئے اور ہندوستان کے خیر خواہوں نے ایسے روشن دماغ مدبّر اعظم کے چلے جانے کا بہت ہی غم کیا - لیڈی ڈفرن کی شہرت بھی اپنے خاوند سے ہندوستان میں کم نہ تھی کیونکہ اسی روشن ضمیر خاتون نے سب سے پہلے ہندوستانی مستورات کے لئے زمانہ اسپتال بنائے اور کاموں کو جانے دو صرف اسی ایک کام سے اس کا نام ہمیشہ ہندوستان کی تاریخ میں درخشاں رہے گا -

لارڈ ڈفرن کی جگہ لارڈ لینسڈون گورنر جنرل ہندوستان مقرر ہوئے - بس اسی زمانہ سے افغانستان اور حکومت انگلشیہ میں پیچیدگیاں اور غلط فہمیاں بڑھنی شروع ہوئیں جن باتوں سے کشش بڑھی انہیں میں اس کتاب میں درج کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اول تو اس کتاب میں گنجایش نہیں ہے دوسرے مناسب بھی نہیں ہے کہ ایسی باتیں عام طور پر بیان کی جائیں صرف اسی قدر کہدینا کافی ہے کہ اس وقت وہ لوگ جو امن و صلح کے عاشق زار تھے - مثلاً مسٹر ڈونیلڈ اسٹوارٹ کمانڈر انچیف

اور اسی طرح دوسرے افسر جن کا نام میں یہاں نہیں لکھتا کیونکہ لوگ مجھے خوشامدی کہیں گے ہندوستان سے چلے گئے تھے - میرا جنرل احمد خاں جس نے تین ویسراؤں کے زمانہ میں دوستی بڑھانے میں بہت کوشش کی تھی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا تھا - ادھر لارڈ رابرٹ کمنڈر انچیف ہند ہو گئے جو وہ آگے بڑھنے کی حکمتِ عملی کے بڑے موئد تھے -

ہندوستانی حکومت نے افغانستان کے سرحدی سرداروں کے معاملے میں دست اندازی شروع کی اور فوجک پہاڑی میں ایک راستہ بنا کے جدید چمن کی طرف ریل بڑھائی جو افغانستان کی داہنی طرف آباد ہے اور اپنی فوجوں کو افغانستان کے سرحدات کے قریب پہنچا دیا اور ہر موقع پر قلعے بنانے شروع کر دیئے جس سے عام جاہل افغان یہ سمجھنے لگے کہ یہ ساری تیاریاں کابل پر حملہ کرنیکی غرض سے کی جا رہی ہیں انگریز اپنی ریل قندھار میں لے جائیں گے اور اس کے بعد کابل پر چڑھائی کرینگے اس لیئے افغانوں نے اس بات کی ضرورت سمجھی کہ وہ سب عام جہاد کے لئے تیار ہو جائیں - اسی اثنا میں لارڈ لینسڈون کا خط میرے پاس اس طرز تحریر میں پہنچا جس کے دیکھنے اور سننے کا میں عادی نہیں تھا - اس خط میں نہایت سخت الفاظ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تم اپنی اندرونی حکمتِ عملی اور انتظام سلطنت کو درست کرو تم بہت سختی سے اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ کرتے ہو یہ تحریر دیکھ کے مجھے تعجب ہوا کہ حکومت ہند کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ میرے اندرونی معاملات میں دخل دیتی ہے حالانکہ عہد نامہ ہو چکا ہے کہ حکومت ہند کبھی میرے معاملات میں دست اندازی نہیں کرنے کی -

اس وقت میں آہن و آدی کے قلعہ کو بنا رہا تھا جس سے ان راستوں پر قابو ہو سکتا ہے جو اس سے ترکستان کو جاتے ہیں اور ساتھ ہی میں شمال مغربی سرحد کے مقامات کو مضبوط کر رہا تھا میرا یہ بھی ارادہ تھا کہ میں ہرات جا کے وہاں کی قلعہ بندیوں کو دیکھوں اور دُرّانی اور غلزئی جرگوں میں سے جو ہرات اور قندھار کے بیچ میں پڑے ہوئے ہیں رنگروٹ بھرتی کروں میرے پاس کابل اور قندھار سے اس مضمون کے خط آئے انگریز اپنی ریل کو داہنی طرف افغانستان کی سرحد میں بڑھا رہے ہیں اور سرحدات پر کثیر تعداد فوجیں جمع کر رہے ہیں - خطوں میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ افغانی سردار جو مدت سے خود مختار چلے آئے ہیں اس معاملا میں دست اندازی

کرنا چاہتے ہیں بعض لوگوں کا یہاں تک خیال ہو گیا کہ انگریز کابل اور قندہار پر قبضہ کر لینے کا ارادہ رکھتے ہیں چونکہ مجھے شمال مغربی سرحدات پر اشد ضروری کام تھا اور میرا وہاں رہنا اس موقع پر بہت ضروری تھا تو بھی ان افواہوں کی بنا پر اور لارڈ لینسڈ ون کی ایسی سخت تحریروں پر میں بھاگا ہوا کابل آیا اور موسم گرما ۱۸۹۰ء کابل پہنچا۔ کابل پہنچتے ہی میں نے سردار محمد خان اپنے گورنر قندہار کو صرف اس جرم میں موقوف کر کے کابل واپس بلا لیا کہ اس نے کیوں نہیں انگریزوں کی ریل میں جب وہ کابل کی سرحد میں .... آ گئی تھی مخالفت کی اور کیا وجہ ہے کہ اس نے اس کے متعلق مجھے کوئی اطلاع ہی نہیں دی۔

لارڈ لینسڈون کی گورنمنٹ نے صرف اس پر قناعت نہیں کی اور اس ناپسندیدہ پریشانی کے بڑھانے پر مطمئن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اور بھی قدم آگے بڑھایا اور ان توپوں کو جو میں نے اپنے ذاتی روپے سے خریدی تھیں کابل آنے سے روک دیا اس کے علاوہ مجھے اپنے ملک کے سوداگروں سے یہ بھی خبریں پہنچیں کہ انگریزی سرحدی افسروں نے انگریزی تاجروں کا ذاتی مال لوہا۔ فولاد اور تانبے وغیرہ کو افغانستان میں آنے سے روک دیا اور یہ بہانہ کیا چونکہ اس سے سامان حرب تیار ہو سکتا ہے اس لئے یہ سامان افغانستان میں نہیں جانے پائے گا اس سے زیادہ میری توہین نہیں ہو سکتی تھی میں اپنی رعایا کی آنکھوں میں خفیف ہو گیا کہ میری ذاتی توپیں ہندوستان میں روک دی گئیں اور میرے سوداگروں کا ذاتی مال و اسباب افغانستان میں آنا بند کر دیا گیا۔

دنیا کی شائستہ اقوام کی تاریخ میں ہر مقام پر تجارت کی آزادی بخشی گئی ہے یہ پہلی نظیر تھی اگر میں جلد باز اور ناتجربہ کار ہوتا تو مثل شیر علی کے کیا تو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا اور یا روس میں مدد لینے کو چلا جاتا جس سے میری بربادی لازمی تھی اور حکومت ہند کی مشکلات بے انتہا بڑھ جاتیں میں حکومت ہند کو یہ خط لکھ سکتا تھا کہ تمہاری اس کارروائی کا نتیجہ آخر میں سوائے جنگ کے اور کچھ نہیں ہے تو بھی میں نے یہ نہیں کیا اور میں ایسی چال چلا کہ حکومت ہند کو مجھ پر حملہ کرنے کا خفیف بہانہ بھی ہاتھ نہ آیا میری اس خاموشی پر حکومت ہند کو اور بھی جرأت ہوئی اور اس نے ایسے نازک موقع پر جب کہ میں ہزارہ کی بغاوت کے فرو کرنے میں مشغول تھا قدم آگے بڑھایا ہزارہ کی بغاوت ایسی بڑھ گئی تھی جس نے تمام افغانستان پر اپنا

ڈالا تھا یہاں تک کہ میرے ذاتی ملازم مجھ سے باغی ہو کے مفسدوں سے مل گئے تھے۔ کابل اور وہ مزان کے بہت سے آدمی روزمرہ مفسدوں سے ملتے جاتے تھے اور تمام ملک میں ہزاریوں نے میرے خلاف ہتیار اُٹھائے تھے اور مجھے خوف تھا مبادا کل سلطنت میں عام بغاوت پیدا نہ ہو جائے۔

ایسے نازک وقت میں اگر مجھے گورنمنٹ انڈیا سے کوئی مدد ملی تو صرف یہ ملی کہ مجھے الٹیمیٹم دیدیا گیا اور یہ لکھا کہ میرے وعدہ وعید پر گورنمنٹ انتظار نہیں کرنا چاہتی جو سفارت کے متعلق کئے جاتے ہیں ناچار لارڈ رابرٹ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک زبردست فوج کے ساتھ کابل روانہ ہوں اب مجھے خیال ہونے لگا کہ لارڈ رابرٹ پوری دس ہزار فوج کیساتھ آتے ہیں اب ان سے کیونکر نبٹے گی اور میں اس کثیر تعداد فوج کے ساتھ انہیں کیونکر مہمان بناؤں گا۔ آخر میں نے اس دس ہزار فوج کی استقبال کے واسطے ایک لاکھ سپاہ تیار کی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہندوستانی حکومت مشکلات پیدا کرنی چاہتی ہے اس پر جو کچھ میرا خیال تھا سوائے میرے سکرٹیری کے دربار کا کوئی افسر نہیں جانتا تھا۔ میں نے ایک خط لارڈ سالسبری کو لکھا جو اس وقت وزیر انگلستان تھے اور اپنے ایک دوست کی معرفت انہیں لندن روانہ کیا اس وقت سرجان گورست انڈر سیکرٹیری تھے اور لارڈ کراس وزیر ہند تھے۔ غرض میرا خط لارڈ سالسبری کے پاس پہنچ گیا اگرچہ میری تمام درخواستیں منظور نہیں کی گئیں لیکن جنگ کی بلا اوپر کی اوپر ٹل گئی۔ اور خدا نے بال بال بچا لیا۔ جب تک لارڈ رابرٹ ہندوستان سے نہ چلے گئے وہ غلط فہمیاں مطلق دور نہیں ہوئیں جو میری اور لارڈ لینسڈون کی گورنمنٹ میں پیدا ہو گئی تھیں ان کے چلے جانے پر جنرل سرجارج وائٹ کمانڈر انچیف ہند بن کے آئے اور ۹۳ء میں سر مارٹیمر ڈیورنڈ کی سفارت کابل میں داخل ہوئی۔ اس کے بعد پھر سوائے دوستانہ تعلقات کے مجھ میں اور لارڈ لینسڈون میں کسی قسم کی کشش نہیں رہی جس کا اظہار میں خوشی سے کرتا ہوں۔

افغانستان کی گزشتہ تاریخ کا خیال کر کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر ویسرائے کو اسقدر آزادی دی گئی ہے کہ اگر وہ افغانستان سے جنگ کرنا چاہے تو آزادی سے لڑ سکتا ہے اور چونکہ لندن کی پارلیمنٹ میں ایک ہی قسم کی کہانی پہنچتی ہے اس لئے اُسے مجبوراً وایسرائے کی تائید کرنی پڑتی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمران افغانستان کا کوئی ایلچی لندن میں نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے افغانستانی حکومت انگلینڈ میں اطلاع دے سکے۔ اس لئے اس کا مجھے بہت خیال تھا کہ ایک تو دربار وایسرائے میں میرا سفیر رہے اور دوسرے گورنمنٹ لندن سے نامہ و پیام کرنے کے ذرائع مجھے حاصل ہو جائیں۔

اور یہ ضرورت مجھے اس لئے اور بھی ہوئی کہ لارڈ لینسڈ ون کی گورنمنٹ نے مجھ سے کیسا خراب برتاؤ کیا تھا جس سے سوائے جنگ کے چارہ نہ رہا تھا۔ اگر امیر شیر علی اس موقع پر ہوتا تو وہ روسیہ پاس چلا جاتا جس سے اس کی بالکلیہ بربادی منصوّر تھی یا مثل یعقوب کے انگریزوں سے ایسے وعدے وعید کرتا جو کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اور ایسے وعدوں سے بھی سوائے بربادی کے اور کیا رکھا تھا۔ یہ کل گزشتہ واقعات میرے لئے پورے سبق تھے میرے پیشرؤں نے ایسی غلطیاں کر کے مجھے فائدہ پہنچایا۔ ایسا خیال کرنا مجھے پسندیدہ نہ تھا کہ افغانستان ایک حد تک اس وایسرائے کا تابع ہوگا جو ہندوستان میں وقتاً فوقتاً آتا رہے گا اور میں بحیثیت امیر ہونے کے وایسرائے کے ہاتھ کا ایک آلہ بنا رہوں گا کہ جس طرح چاہے گا نچائے گا جس طرح بٹھائے گا بیٹھوں گا اور جس گل اٹھائیگا اٹھوں گا۔ مجھے اب بھی یہ خیال رہتا ہے کہ اس دائمی پریشانی سے افغانستان کو ہمیشہ کے لئے بالکل آزادی دیدوں کیونکہ افغانستان ایک خود مختار سلطنت ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس سلطنت سے ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جو خود مختار سلطنتوں سے کیا جاتا ہے۔

لندن میں ایلچی مقرر کرنے سے میری یہ غرض بھی ہے کہ افغانی انگریزوں کے اخلاق۔ نیک دلی اور ان کی یورپی قوت سے آگاہ ہو جائیں اور جب میرا ایلچی معہ بہت سے افغانیوں کے لندن میں رہے تو انگریزوں اور افغانیوں میں دوستانہ تعلقات بھی ترقی کر جائیں گے اور روز بروز یہ دونوں قومیں دوستی میں مضبوط ہوتی جائیں گی۔

اس مقصد کو مدِّ نظر رکھ کے اور دیگر وجوہات سے میں نے اسے ضروری سمجھا کہ میں اس خاتون اعظم سے جس سے بہتر کوئی خاتون آج تک دنیا میں تخت سلطنت پر نہیں بیٹھی خود انگلستان ملنے جاؤں مجھے اس بات کا پورا علم تھا کہ اگر میں خود ملنے جاؤں گا تو مجھے انگریزی قوم سے بذات خود راہ و رسم پیدا کرنے پر بہت کچھ فائدے حاصل ہوں گے۔

مجھے زیادہ خوشی اس سے ہوئی کہ موسم بہار ۱۸۹۴ء میں جب سر مارٹمر ڈیورنیڈ کابل سے انگلستان واپس چلے گئے تو ایک دعوتی خط میرے پاس پہنچا یہ خط سر ہنری فاؤلر صاحب کا تھا جو اس زمانہ میں وزیر ہند تھے۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ہر مجسٹی نہایت مہربانی سے آپ کو یہاں آنیکی دعوت دیتی ہیں خواہ آپ خود آئیں یا اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھیجدیں ساتھہ ہی پرنس آف ویلز اور شہزادہ کیناٹ کے بھی خطوط میرے پاس پہنچے اور برٹن اعظم کے دوسرے بڑے بڑے عہدہ داروں کی بھی بہت سی چٹھیاں میرے پاس آئیں جن میں مجھے دعوت دی گئی تھی۔ بدقسمتی سے میں یکایک بیمار ہوگیا اور میری بیماری نے اس قدر طول کھینچا کہ مجھے اپنے بچنے کی اُمید جاتی رہی میرے تمام درباری طبیب اور مس ہملٹن میری اس بیماری سے بہت پریشان ہوئے۔

ان دعوتی خطوط کے جواب دینے سے پہلے میرے پاس مسٹر کرزن کا (جو اب لارڈ کرزن ہیں) ایک خط آیا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ میں اس وقت پامیرا اور چترال میں سفر کر رہا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو آپ سے ملنے کابل آؤں میں نے انہیں فوراً بلانے کا خط بھیجدیا وہ کابل میں چلے آئے اور چند روز تک میرے ہاں مہمان رہے ہم میں بہت کچھہ دوستانہ باتیں ہوتی رہیں اگرچہ وہ نہ فارسی سمجھتے تھے اور نہ میں انگریزی جانتا تھا تو بھی میر منشی کے ذریعہ سے ہم باہم باتیں کرتے رہے ان باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ مسٹر کرزن بڑے مختنی۔ ہوشیار تجربہ کار اور عام واقفیت کے شخص ہیں اور ایک اولو العزم نوجوان ہیں ان کی باتیں ایسی مزے کی ہیں کہ میں سنکے بہت خوش ہوتا تھا۔ اگرچہ مسٹر کرزن کی ملاقات نج کے طور پر تھی اور معاملات سیاہی سے ان کا کچھہ تعلق نہ تھا پھر بھی بہت سی باتیں اور بحثیں معاملات ملکی کی نسبت ان سے ہوئیں انہوں نے مجھسے میرے جانشین کے بارے میں سوال کیا اور افغانستان کے شمال مغربی سرحد پر اکثر گفتگو کی میرے بیٹوں حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے بھی اپنے اپنے مکان میں مسٹر کرزن کی دعوت کی اور باہم بہت شوق سے ملے میں اس ملاقات سے اتنا خوش ہوا کہ میری اور میرے بیٹوں کی آرزو ہوئی کہ انگریزی قوم کے اور اعلیٰ افسروں سے بھی ملنا چاہیئے۔

مگر افسوس ہے کہ بیماری کی وجہ سے میں یہ خوشی حاصل نہ کر سکا اور نہ اپنے بڑے بیٹے حبیب اللہ خاں کو جو اس بات کے لئے نہایت موزون تھا کیونکہ وہ انگریزی بھی خوب جانتا ہے ولایت بھیج سکا

ڈر یہ تھا کہ اگر کوئی حادثہ پیش آیا تو سلطنت کو کون سنبھالے گا اور تمام انتظامات کیونکر ہوں گے اب سوائے نصراللہ خاں کے جو حبیب اللہ خاں کا سگا بھائی ہے اور کوئی لڑکا انگلستان میں بھیجنے کے قابل نہ تھا چنانچہ میں نے اسی کو اپنی طرف سے انگلستان روانہ کیا۔

علاوہ ان خطوط کے جو میں نے ملکہ معظمہ شہزادوں اور دیگر افسروں کے نام اُسے دیئے تھے اور ہدایتوں کی ایک کتاب بھی اسے دی تھی اور اس سے کہدیا تھا کہ اپنے سفر بھر اس کتاب کی پوری ہدایتوں پر عمل کیجو۔

چنانچہ میرا بیٹا بماہ اپریل ۱۸۹۵ء میں کابل سے روانہ ہوا اور مئی میں لندن پہنچا اور بماہ اگست لندن سے روانہ ہوکے کراچی اور قندہار کے راستے سے کابل آگیا۔

مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ مفت کا خرچ بھی دونوں سلطنتوں کو کرنا پڑا اس جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

یہ ایک رسم ہے کہ صاحب حکومت قوم میں تو خیر ہم لوگوں میں جو لوگ غریب ہیں وہ اپنے مہمان کو اگرچہ ان کا دشمن ہی کیوں نہ ہو کسی صورت سے مایوس نہیں واپس کرتے اور یہ بات ممکن خیال کی گئی ہے کہ جو مہمان کسی شخص کے گھر کے دروازہ میں داخل ہوا اور وہ یہ نہ سمجھے کہ مجھ پر مہربانی نہ کی جائے گی۔لیکن میرا بیٹا جو خود ایک بادشاہ کا بیٹا ہوا اور ایک اولوالعزم شاہ کے ہاں مہمان ہو وہ بالکل مایوس ہو کے واپس چلا آئے۔

میں نے صرف یہ درخواست کی تھی کہ میرا ایک سفیر لندن میں رہے یا مجھے اجازت دی جائے کہ میں جس طرح معاملات ملکی کے بارے میں ہندوستان کی گورنمنٹ سے خط وکتابت کرتا ہوں اسی طرح انگلستان سے خط وکتابت کیا کروں میری یہ درخواست نامنظور کی گئی۔میں یہ کہتا ہوں کہ اگر پارلیمنٹ کے آگے میری درخواست اس کی اصلی صورت میں پیش کیجاتی تو ضرور مجھے کامیابی ہو جاتی کیونکہ اس درخواست کے قبول کرنے سے ایک بہت بڑا اتحاد دونوں ملکوں میں قایم ہو جاتا میں اپنے گزشتہ باب میں آیندہ حکمت عملی کی سُرخی کے تحت میں اس کے متعلق پورے طور پر لکھہ آیا ہوں اس لئے یہاں اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ اسوقت ہندوستان اور افغانستان میں جو کچھہ سلسلہ خط وکتابت ہے وہ اس پُرانے طریقہ پر ہے جو پہلے سے رائج ہے

یعنی ایک مسلمان وکیل کے ذریعہ سے جو گورنمنٹ ہند کا افغانستان میں رہتا ہی اور میرے وکیل کے ذریعہ سے جو ہندوستان میں مقیم ہے کل خط وکتابت ہوتی ہی اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام دُنیا ترقی کرتی چلی جائے کُل ملکوں کی حالتیں تبدیل ہوتی رہیں لیکن خط وکتابت کے قدیم سلسلہ میں کوئی تبدیلی نہ واقع ہو۔

میں ایک دو لفظوں میں ملکہ معظمہ شاہی خاندان امرا انگلستان کی عامہ خلایق کی اس مہربانی کا جو اس نے میرے بیٹے اور قایم مقام کے ساتھہ کی شکریہ ادا کرتا ہوں اگرچہ بعض افسروں نے میرے بیٹے سے سرد دلی کا برتاؤ کیا ہے لیکن میں اس سے عام مہربانی کو نہیں بھلادوں گا۔ میں ملکہ معظمہ کی اُن مہربانیوں کا تہ دل سے مشکور رہوں کہ انہوں نے میرے دو بیٹوں یعنے نصراللہ خاں اور حبیب اللہ خاں کو جی۔سی۔ایم۔جی کا خطاب عنایت فرمایا۔

میرے بیٹے نے اپنا ایک سفرنامہ تحریر کیا ہے جس میں انگریزی معاشرت کا مختصر حال درج ہے اور یہ سفرنامہ کابل کے چھاپہ خانہ میں چھپ کے تیار ہوگیا ہے مگر میں نے اس کی عام اشاعت دینی مناسب نہیں خیال کی۔ ڈاکٹر مس ہملٹن صاحبہ نے اس کتاب کے بعض حصّوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور ساتھہ ہی ان ہدایتوں کا بھی ترجمہ کیا ہے جو میں نے بطور رہبر سفر نصراللہ خاں کو لکھہ کے دی تہیں۔

چھٹا باب

حدود افغانستان اور سفارت ڈیورینڈ

اس وقت میری کتاب کے پڑھنے والے اس بات کو سمجھہ لیں گے کہ میں نے افغانستان کی سلطنت کیونکر بنائی جو اس سے پہلے مختلف حصّوں میں تقسیم تھی اور ان پر مختلف سردار حکومت کرتے تھے اور سب اپنی اپنی جگہ خود مختار تھے اور میں نے اپنی سلطنت کو کیونکر وسیع کیا جو میرے تخت نشینی کی زمانہ میں صرف کابل۔ جلال آباد اور اسی طرح چند دوسرے مقامات میں محدود تھی پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ میں قندہار اور ہرات کے صوبوں کا (۱۸۸۱ء میں) کیونکر مالک بن بیٹھا اور اسی طرح روشن اور شغنان کو (۱۸۸۳ء میں) کیونکر اپنے قبضہ میں کرلیا اس سال میں میں نے

واخان کا گورنر بجائے علی مردان کے غفار خاں کرگز کو بنا کے بھیجا کا خان شغنان کی جنوبی جانب ایک پہاڑی ریاست ہے اور واخان کے جنوب میں چترال واقع ہے۔ میری کتاب کے پڑھنے والے اس بات کو دریافت کریں گے کہ میں نے ۱۸۸۵ء میں مینا پر کیونکر قبضہ کر لیا اسی طرح ۱۸۹۳ء میں ہزارہ جات اور ۱۸۹۵ء میں کافرستان کو کس طرح اپنے قبضہ اقتدار میں لیلیا اگرچہ آخر الذکر مقام کافرستان ڈیورنڈ صاحب کی سفارت کے بعد میرے قبضہ میں آیا کیونکہ معاہدہ ڈیورنڈ کے بموجب کافرستان میری عملداری میں قرار دیا گیا تھا۔

اسی اثنا میں جب میں اپنے ملک کی خود سرانہ اور طوائف الملوکانہ حالت مٹا رہا تھا مجھے یہی خیال لگا ہوا تھا کہ اپنے ہمسایہ ممالک سے اپنے ملک کی سرحدوں کو محدود کرلوں مجھے اسکی اشد ضرورت تھی کہ سرحدات پر نشانات کر دیئے جائیں اور خط کھینچ دیئے جائیں اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ روز مرہ کے جھگڑوں سے نجات ملے گی اور کوئی ہمسایہ آگے بڑھنے نہ پائے گا۔

میں جانتا تھا کہ اس تہذیب اور شائستگی کے زمانہ میں یہ ہوا چل رہی ہے کہ اپنے غریب ہمسایہ کی عملداری میں سے طاقتور سلطنت ہمیشہ کچھ نہ کچھ اُچکتی رہتی ہے اور مختلف تدابیر اور تجاویز پیش کر کے اپنے ملک میں کمزور ہمسایہ کی حدود ملاتی رہتی ہے۔ غریب کے ساتھ انصاف کوئی نہیں کرتا امیر کے سو بسوے مجھے اس موقع پر ایک کہانی یاد آئی کہ ایک چور نے ایک غریب شخص کی گٹھری چرالی تھی۔ ناچار بیچارہ غریب چوروں کے سرداروں کے پاس گیا جو اس قسم کے مقدمات فیصل کیا کرتا تھا۔ اور اپنا نام مجسٹریٹ رکھ چھوڑا تھا۔ غرض جب اس سردار نے ساری کیفیت سُنی تو کہا میں تمہاری گٹھری تمہیں واپس نہیں دلا سکتا لیکن یہ بتاؤ کہ اگر وہ واپس ہی آگئی تو مجھے اس میں سے کیا حصہ دلواؤ گے اور کچھ نہیں تو آپ مجھے زنجیر تو ضرور دیجئے گا۔ چنانچہ زنجیر انہوں نے ہتیالی۔ ناچار وہ شخص اس سے بڑے سردار کے پاس گیا اس نے انگوٹھی کا مطالبہ کیا اور لے لی۔ اب بیچارے غریب شخص نے خیال کیا کہ اگر میں اس سے بھی اعلیٰ سردار کے پاس جاتا ہوں تو وہ تن کے کپڑے بھی اُتر والیگا اب بہتر یہ ہے کہ گھر چلو کپڑے ہی بچے سہی۔ یہ سوچ کے وہ بیچارہ چپ چپاتے گھر آبیٹھا۔

میں یقین کرتا ہوں اگر میری کتاب کے ناظر موجودہ حالت چین پر غور کر کے اُس کا اس کہانی سے

قطابق کریں گے تو مجھے کچھ غلطی پر نہ پائیں گے۔ دوسرا طریقہ دول عظام میں جنگ زرگری کا ہے اور اخیر ان کی جنگ زرگری محض اس پر ختم ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے مال کی باہم تقسیم کر لیں اور اس بات کا سمجھوتہ کر لیں کہ اچھا یہ تم لیا وہ یہ ہمیں دیدو کہ ہم تمہارے معاملہ میں دخل نہ دیں گے نہ تم ہمارے معاملہ میں دخل دینا چلو چھٹی ہوئی۔

تیسرا طریقہ ملکوں کے دبا لینے کا ان مہذب دول نے یہ نکال رکھا ہے کہ جب یہ حد بندی کرتے ہیں تو چند صوبے اَدھر چھوڑ دیتی ہیں اور جن کو اپنی اصطلاح میں نیوٹرل کہتی ہیں اور فیصلہ کر دیتی ہیں کہ یہ صوبے آزاد ہیں ان میں دخل نہ دیا جائے یہ اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ کمزور ہمسایہ کا ان سے کوئی تعلق نہ رہے۔ پھر اس نیوٹرل صوبے کے حکمران کو کچھ پرانا لباس کچھ بندوقیں اور کچھ روپیہ دیا جاتا ہے اور اس بیچارہ کو یقین دلایا جاتا ہے کہ دیکھنا ہم تمہارے دوست ہیں اگر تم پر تمہارا زبردست ہمسایہ حملہ کرے گا تو ہم تمہارے سینہ سپر ہونے کے لئے بالکل تیار ہیں تم ہمارے دوست بنے رہو۔ یہ غریب خیال کرتا ہے کہ دوست بنے رہنے میں نقصان ہی کیا ہے وہاں اور بھی کچھ مادہ پکتا رہتا ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کی جاتی ہے کہ کوئی دوسرا اُس پر حملہ نہ کرے لیکن کچھ عرصہ کے بعد بہت سے پہلو ایسے نکال لئے جاتے ہیں جن سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس کمزور ریاست نے یہ عہد شکنیاں کیں اور اس نے وفادارانہ برتاؤ نہیں کیا۔ یا یہ بہانہ کیا جاتا ہے کہ یہ ریاست اپنی رعایا پر بہت ظلم کرتی ہے اور اس کی رعایا نے ہم سے اپیل کی ہے کہ آؤ اور اس ظالم کے ظلم سے ہمیں نجات دو بس پھر یہ ہوتا ہے کہ اس غریب پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اس کے ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگر ہمسایہ طاقت اعتراض کرتی ہے کہ جب اسے نیوٹرل قرار دیا تھا تو اس پر قبضہ کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے "ہاں یہ تو سچ ہے کہ یہ ریاست نیوٹریل قرار پائی لیکن چونکہ رئیس نے ہم سے بعد ازاں علیحدہ معاہدہ کیا تھا اور اپنے کو ہماری حفاظت میں کر دیا تھا اور ہمیں اس ریاست کے اندرونی معاملہ میں دست اندازی کرنے کا مجاز تھا اس لئے تم کو اس معاملہ میں دست اندازی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے" اس جواب سے معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

اسی صورت سے روسی حکومت نے بخارا اور حدود افغانستان پر جیحون کے شمال مغربی ممالک پر

قبضہ کر لیا۔ پہلے ان ممالک کو اپنے اثر اور سرپرستی میں لیا تھا اور بالآخر ان کا لقمہ تمام کر ڈالا۔ اس کے مقابلہ میں حکومت ہند نے افغانستان کے شمال مشرق اور جنوب مشرق میں جتنے صوبے تھے سب پر قبضہ کر لیا جو ابتدا میں افغانستان کے تھے اسی کی حفاظت اور اثر میں سمجھے جاتے تھے۔ ان صوبوں کا نام پہلے آزاد رکھا گیا اور ان کو افغانستان اور ہندوستان کے درمیان نیوٹریل قرار دیا اور وقتاً فوقتاً ان کو قابو میں کرتے کرتے آخر ان پر قبضہ کر لیا۔ ان حدود کے سردار موسم گرما میں کابل چلے آتے تھے اور کابل کے امیر انہیں خلعتوں سے سرفراز کرتے اور روپیہ دیتے اور یہ بھی جتا دیتے کہ ہم تمہارے دوست ہیں اسی طرح یہ سردار جاڑے میں ہندوستان حکّام کے پاس جاتے وہاں سے بھی خوب ملتا اور ان کو بھی دوستی کا یقین دیا جاتا۔ اس کارروائی سے دونوں ملک یہ سمجھتے کہ یہ سرحدی صوبے ہمارے زیر اثر ہیں اصل میں تو یہ کسی کے بھی زیر اثر نہ تھے بلکہ چند خلعتوں اور روپے کے زیر اثر انہیں سمجھنا چاہئے۔

نہ تو امیر بخارا اور نہ امیر کابل روسیوں اور انگریزوں سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے جو ان خودمختار صوبوں کو دبا لیا ہے مہربانی کر کے ان سے اپنا قبضہ اُٹھائیے نہ انگلستان روسیہ پر اور نہ روسیہ انگلستان پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ تم نے اس ملک پر کیوں قبضہ کر لیا اور تم نے اس صوبہ کو کیوں لیلیا۔ اور اگر کوئی ایک دوسرے پر اعتراض بھی کرے گا تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا "تم دخل دینے والے کون جبکہ یہ صوبے ہماری حفاظت اور اثر میں تھے۔ ہمارا ان پر قبضہ بھی ہو گیا"

جب میں نے یہ دیکھا کہ اس قسم کی حکمتِ عملی زیادہ فائدہ مند ہے میں نے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کئے پہلے اُن صوبوں سے جو آزاد تھے دوستی پیدا کی اور اپنی حفاظت میں لیکے ان پر قبضہ کر لیا۔ گو اصل میں یہ صوبے جن پر میں نے قبضہ کیا ہے پہلے افغانستان ہی کے تحت میں تھے۔ اسی اثنا میں میں نے اپنی سرحدات کی حدبندی بھی کرنی چاہی تاکہ ہمسایہ سلطنتوں کے آگے بڑھنے کا خیال ہی جاتا رہے۔

ایران اور چین کے ساتھ حدبندی کرنے میں تو کچھ وقت نہیں پڑی کیونکہ اول تو یہ دونوں کمزور سلطنتیں ہیں دوسرے ان بیچاروں کو آگے بڑھنے اور افغانستان کا کوئی حصہ اُچک لینے کا

خیال ہی نہیں ہے۔ اس سئے حد بندی میں نہ کوئی جھگڑا ہوا اور نہ کوئی جھک جھک ہوئی اور معاملہ ٹھنڈے پیٹوں طے ہو گیا۔ افغانستان اور ایران میں اس صورت سے حد بندی ہوئی کہ کوہ ملک سیاہ سے ذوالفقار کے نزدیک ایک خط کھینچا گیا اور اسی طرح افغانستان کے گوشہ واخان اور روشن کے پاس سے دوسرا خط کھینچا گیا جو چینی عملداری سے جا کے ملتا ہے اس کا فیصلہ بھی بغیر کسی ٹکا فضیحتی کے ہو گیا۔

(روس اور افغانستان میں حد بندی)

نہایت ہی اہم اور مشکل بات میری گورنمنٹ اور میرے دو زبردست ہمسایہ گورنمنٹوں میں حد بندی کا ہونا تھا۔ انگلستان اور روسیہ اگرچہ تمام دنیا میں نہیں لیکن ایشیا میں بڑی زبردست سلطنتیں ہیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں ہوائے ملک گیری اول درجہ کی ہے اور قریب قریب شرقی ممالک سب انہوں نے دبا لیے ہیں جن کے لوگ ہمیشہ قحطوں سے مرا کرتے ہیں قحط کے اسباب تو وہ خود جانتی ہوں گی کہ کیا ہیں لیکن اس وسیع عملداری پر بھی ان کی ہوس جہانگیری کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی اور وہ بھی کہے جاتی ہیں بڑھو اور کچھ زیادہ اچکو۔ میرا ملک مثل بکری کے ہے جس پر ایک طرف سے شیر اور دوسری طرف سے ریچھ تاک لگائے بیٹھا ہے کچھ خداوند تعالیٰ ہی کا فضل شامل حال ہے کہ اس نے مجھے ابھی تک ان دونوں سے بچا رکھا ہے۔

اول میں نے چاہا کہ انگریزوں کو درمیان دیکے روسیہ سے شمال مغربی سرحدات کا فیصلہ کر لوں پہلے ہندوستانی حکومت سے خط کتابت ہوئی اور پھر ایک مشتملہ کمیشن ہندی حکومت کے افسروں اور میرے افسروں کی بماہ جولائی ۱۸۸۴ء حد بندی کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر ہوئی۔ انگریزی افسروں کے سردار جنرل سر پیٹر لمسڈن تھے اور روسی کمیشن کا افسر اعلیٰ جنرل زیلیناہی تھا۔

اسی اثنا میں میرے پاس ایک انگریزی جنرل کا خط آیا جس کا جواب میں نے یہ دیا کہ جس زمانہ میں میں روسیہ میں تھا میں نے اپنے ملک کے کسی چھوٹے سے بھی حصہ دینے کا روسیہ سے ہرگز وعدہ نہیں کیا تھا اس لئے مجھے روسیہ سے کچھ بھی خوف نہیں ہے اور جب تک مجھ میں دم میں دم باقی ہے اور میں تخت حکومت پر ہوں ایک انچ بھی روسیہ کو اپنی عملداری میں سے نہیں لینے دوں گا۔ اس لئے میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم نہایت دلیری سے میری اور روسیہ کی سلطنت میں حد بندی کا خط کھینچ دینا

میرے اس حدبندی کے خیال سے روسی چکرائے کیونکہ ہمیشہ کے لیئے وہ آگے بڑہنے سے روکے جاتے تھے دوسرے بڑی پریشانی انہیں یہ تھی کہ میں نے انگریزوں کو اس کام کے بیچ میں ڈالدیا تھا جب انہوں نے یہ دیکھا تو اندھا دھند میری حدود کی طرف بڑہنے لگے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پنجدہ ہاتھ سے میں نے پنجدہ اپنی سپاہ بھیجنے کے لیئے بہتیری گورنمنٹ ہندوستان سے اجازت چاہی اور کہا کہ یہ تو کوئی اعتراض کی بات نہ ہوگی کہ میری عملداری میں میری فوجیں جمع ہوں لیکن انگریزی گورنمنٹ نے ایک نہ سنی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی جانیں الگ ضائع ہوئیں اور روسیہ نے جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں ۱۸۸۵ء میں پنجدہ علیحدہ لیلیا۔

بماہ مئی ۱۸۸۵ء میں وسیرائے نے مجھے لکھ کے بھیجا کہ روسیہ اس بات پر راضی ہے کہ بجائے پنجدہ کے ذوالفقار کو خالی کر کے حوالہ کردے جسکی سرحد گلران اور مرد چاک کے شمال تک چلی گئی ہے۔ میں نے بھی وسیبوں کے اس فیصلہ کو منظور کر لیا اور وایسرائے کو جواب دیا آپ ایک نقل بھی روسیہ کے فیصلہ کی بھیجدیں۔

۹ مئی ۱۸۸۵ء میں کرنیل سر ویسٹ رجوے بجائے جنرل لمسڈن کے مقرر ہوئے۔ مجھے یہ خبر دی گئی کہ کرنیل صاحب ان سندوں کو نہیں تسلیم کرتے جو افغانی اپنی زمینوں کے مطالبات میں پیش کرتے ہیں بلکہ ان سے مزید سندوں کے خواہشمند ہیں۔ اس بات سے افغانی بہت برہم ہوئے اور سچ پوچھو تو رنج مجھے بھی ہوا۔ مگر جب اس معاملہ کو زیادہ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مزید سندوں کا طلب کرنا محض ہماری خیر خواہی کی بنا پر تھا تاکہ افغانیوں کے دعوے اور مضبوط ہو جائیں اور پھر ان پر کوئی اعتراض نکر سکے غرض بغیر کسی مزید کشش اور لڑائی کے کرنیل صاحب نے سرحدی جھگڑے کا فیصلہ کردیا اور ہندوستان آتے وقت کرنیل موصوف بماہ ۱ اکتوبر ۱۸۸۶ء میں معہ اپنے ساتھیوں کے مجھ سے ملنے کابل تشریف لائے۔ میں ان کی خدمات سے ایسا خوش ہوا تھا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے ان کی خوب خاطر و مدارات کی اور میں نے کرنیل رجوے۔ قاضی اسلم خاں۔ کرنیل ہولڈچ۔ کرنیل یاٹی اور ان کی سفارت کے بہت سے دیگر ہمراہیوں کو طلائی تمغے عطا کیئے۔ سر ویسٹ رجوے حقیقت میں ایک دور اندیش مدبر ہے اور جب کوئی کام کرتا ہے اس کے متعلق کل آیندہ معاملات کو خوب سمجھ لیتا ہے مجھے امید ہے کہ کرنیل موصوف کو ہمیشہ ان کے ارادوں میں کامیابی ہوتی رہے گی۔

۲۲ر جولائی سنہ ۱۸۸۷ء سینٹ پیٹرسبرگ میں سرحدی معاہدہ کے متعلق دستخط ہوئے مگر بکیم اگست کو لارڈ ڈفرن کی اس کے متعلق میرے پاس ایک چٹھی آئی پھر میں نے انگریزی حکومت کی اس امداد پر جو اس نے روسیہ کے مقابلہ میں مجھے دی بہت ہی سرگرمانہ الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں پھر چمن بید کے قریب آب پاشی کے متعلق روسیوں اور افغانیوں میں جھگڑا پیدا ہوا اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کے لئے گورنمنٹ انڈیا نے کرنیل یاٹی کو روانہ کیا۔ کرنیل موصوف نے بغیر کسی مزید کشش کے اس کا فیصلہ کر دیا۔

سر ویسٹ رجوے کی مشن نے سرحد کا فیصلہ ذوالفقار سے خواجہ سالار تک صرف کیا اگرچہ میں نے اس وقت حکومت ہند کو لکھا تھا کہ یہ سرحد پامیر تک کیوں نہیں بڑھائی جاتی مگر بات نہ بنی۔ اگرچہ سنہ ۱۸۷۳ء کے عہدنامہ کے بموجب یہ بات قرار پائی تھی کہ بدخشاں اور واخان افغانی عملداری میں شامل رہے اور روشن و شغنان جو بدخشاں کے حصّے ہیں ان پر بھی افغانیوں کا تسلّط رہے مگر روسیہ نے بعد ازاں اس سے انحراف کیا اور روشن و شغنان کو اس نظر سے دبانا چاہا کہ ان مقامات سے اس راستہ پر قابو ہو سکتا ہے جو سیدھا ہندوستان کو جاتا ہے۔ میں نے محض دوراندیشی سے اپنے گورنر کو حکم دیا کہ دونوں مقامات پر روسیوں کے داخل ہونے سے پہلے قبضہ کر لی کیونکہ ان مقامات پر میرا دگنا حق تھا ایک تو یہ کہ سنہ ۱۸۷۳ء کے عہدنامہ کے بموجب یہ دونوں شہر میری عملداری میں شریک کر دیئے گئے تھے دوسرے شاہ بخارا نے درواز کی طرف اس حصّہ ملک پر قبضہ کر لیا تھا جو دریائے جیحوں کے ساحل پر واقع ہے اس کے مقابلہ میں انصاف یہ چاہتا تھا کہ میں بھی شغنان کے اُن حصّوں پر قبضہ کر لوں جو دریائے مذکور کے داہنے ساحل پر واقع ہیں اور جہاں وکٹوریہ لیک کا دہانہ آ کے ملا ہے۔

اس مقام پر قبضہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۴ر جولائی سنہ ۱۸۹۲ء میں سوماتاش کے قریب میرے افسر شمس الدین خاں میں اور روسی افسر کرنیل یوناف میں لڑائی ہو گئی۔

اس جھگڑے کا تصفیہ بماہ نومبر سنہ ۱۸۹۳ء میں ڈیورنڈ مشن کے اثنے پر ہوا اور پھر میں نے سنہ ۱۸۹۴ء میں اپنی فوجوں کو وہاں سے واپس طلب کر کے اور بجائے ان مقامات کے درواز پر قبضہ کر لیا۔ بماہ مارچ سنہ ۱۸۹۵ء یہ عہدنامہ قرار پایا کہ درواز کو بخارا افغانستان کے حوالہ کر دیئے اور روشن و

شغنان پر روسیہ قبضہ جمالے۔ واخان وکٹوڑ یہ ایک تنگ گویا دوبارہ افغانستان کی سرحد قرار پائی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے بعد سے مجھے اس دن کے جھگڑوں سے آج کے دن تک چھٹکارا ملتا رہا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہمیشہ ہمیشہ خداوند تعالےٰ میرے ملک میں اسی طرح صلح و امن قایم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ہندوستان اور افغانستان میں سرحدات کا تعین
اور سفارت ڈیورنڈ

جب میں اپنے اور ہمسایوں سے سرحدبندی کا فیصلہ کرچکا تو اب میں ہندوستانی حکومت سے سرحد کے متعلق فیصلہ کرنے کی طرف رجوع ہوا کیونکہ میرا یہ منشا تھا کہ میری سلطنت کے گرد حدبندی کی ایک ایسی دیوار کھڑی کی جائے کہ جو میری حفاظت ملک کی پوری ضامن ہو۔ میں نے اس بنا پر پہلے لارڈ ڈفرن اور پھر لارڈ لنسڈاؤن سے درخواست کی کہ اپنے ہاں کے اعلیٰ درجے کے تجربہ کار افسروں کو کابل روانہ کیجے تاکہ ان سے چند معاملات کے متعلق بحث کی جائے اور سرحد کا معاملہ بھی طے کرلیا جائے۔ خود ویسرائے بھی سفارت کے فائدوں سے ناواقف نہ تھے۔ میں نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اگر سر مارٹمر ڈیورنڈ اس سفارت کے سرکردہ بنا کے بھیجے جائیں تو اور بھی اچھا ہے ڈیورنڈ صاحب اس وقت فارن سیکریٹری یا معتمد محکمہ خارجہ تھے بدقسمتی سے اسی اثنا میں ادھر تو میں بیمار ہوگیا ادھر اسحٰق خاں نے بغاوت شروع کردی۔ اس وجہ سے سفارت کا التوا ہوگیا کیونکہ میں بغاوت کی خبر پاتے ہی ترکستان چلا گیا تھا۔ ۱۸۹۰ء میں میں ترکستان سے واپس آیا انگریزی حکومت سے میرے وہی تعلقات قایم تھے جن کا ذکر میں ابھی کرچکا ہوں اور جسکی وجہ سے میں نے لارڈ سالسبری کو لندن خط لکھا تھا اس کا جواب انہوں نے مجھے یہ دیا کہ آپ ان غلط فہمیوں کا تصفیہ جن سے کشش پیدا ہوگئی ہے ہمارے ہندوستانی حکام سے کریں۔

اسی اثنا میں مجھے لارڈ لینسڈون نے یہ خط لکھ کے بھیجا کہ میں نے سفارت کا سرکردہ لارڈ رابرٹ کو مقرر کیا ہے۔ اس وقت میں ہزارہ کی بغاوت فرو کرنے میں لگا ہوا تھا دوسرے افغانی خیال کے بالکل خلاف تھا کہ میں ایک کثیر تعداد فوج کے ساتھ لارڈ رابرٹ کو اپنے ملک میں آنے دوں۔ دوسرے ایک بات یہ بھی بہت بڑی تھی کہ لارڈ رابرٹ سے جو لڑائی ہوئی تھی اس میں بہت سے

افغانی مار ڈالے گئے تھے اور ان کے رشتہ دار اس وقت موجود تھے اور ساتھ ہی بہت سے افغانیوں کو لارڈ رابرٹ سزا بھی سخت دے چکے تھے اس لئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہ تھا کہ ایسے شخص کو اتنی بڑی فوج کے ساتھ کابل میں بلا کے مہمان رکھا جائے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ رابرٹ محض ایک سپاہی ہے اور سپاہی سے ان اہم معاملات سلطنت کا فیصلہ نہیں ہو سکتا اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ آگے بڑھنے کی حکمت عملی کا موئد ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ سپاہی ہمیشہ جنگ کا خواہاں رہتا ہے اور مدبّر سلطنت اس دُھن میں لگا رہتا ہی کہ جہاں تک ہو جنگ ٹل جائے اور صلح ہو جائے۔ اور سنئے بعض لوگوں نے مجھسے یہی کہا کہ لارڈ رابرٹ کی مدت ملازمت پوری ہو چکی ہے مگر وہ بہ حیثیت کمنڈر انچیف ہند اور کچھ دنوں محض اس غرض سے ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں کہ خواہ جنگ سے ہو یا صلح سے امیر کی سرحدوں سے کچھ اُچکیں۔ مگر میں نے اس خبر کو لغو سمجھا میں تو اصل میں ایسے موقع پر سفارت کا آنا کسی صورت سے مناسب ہی نہیں خیال کرتا تھا سر جنگ وائسرائے اس معاملہ پر ایسے مصر ہوئے اور انہوں نے اپنے اصرار پر یہانتک زور دیا کہ مجھے ایک اعلان بصورت خط بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ گورنمنٹ انڈیا اب زیادہ صبر نہیں کر سکتی امروز فردا کی حد ہو چکی اس لئے اسے اور اتنے عرصہ کے بعد جس صورت سے ہو سکیگا اس کا فیصلہ کیا جائیگا۔ اتفاق سے میں اس وقت بیمار تھا میں نے سردار عبداللہ خاں توخی اور میر منشی سلطان محمد خاں کو جو میرے ملازمین میں سے تھے یہ کہا کسی انگریز کو وائسرائے کے پاس ہندوستان بھیجوں تاکہ وہ تصفیہ کرائے اور جنگ کی بلا اوپر کی اوپر ٹل جائے چنانچہ مسٹر پائن کا انتخاب کیا گیا ایک خط تو میں نے وائسرائے کو بھجوا دیا کہ میں مسٹر پائن کو سفارت کے متعلق تصفیہ کرنے کے واسطے اپنا ایک دستی خط دیکے روانہ کرتا ہوں۔ وہ سب باتوں کا تصفیہ کر دیں گے۔ اس خط کے پہنچتے ہی حکام ہند کو اطمینان ہو گیا اور اب انہیں کسی سخت کارروائی کرنے کا خیال نہیں رہا۔ ایک خط میں نے وائسرائے کو دیا اور ایک سر مارٹمر ڈیورنڈ فارن سیکرٹیری کو اور مسٹر پائن کو ہدایت کر دی کہ اول تو تم بہت ٹھیر ٹھیر کر سفر کرنا اور شہروں میں کئی کئی روز کی دیر لگا دینا اور دوسرے جب وہاں پہنچ ہی جاؤ تو وائسرائے سے کہہ سنکے مدّت سفارت اور بڑھوا دینا صرف اس لئے کہ لارڈ رابرٹ کا زمانہ ملازمت ختم ہونے کو ہے وہ جب ولایت چلے جائیں گے پھر بات سو بات۔

میں نے ویسرائے کو لکھا تھا کہ آپ ایک نقشہ بنا کے مجھے بھیجدیں اور اُس نقشہ میں سرحدوں کا نشان دیدیں تاکہ میں سمجھہ لوں کہ کونسا حصہ میرے پاس رہے گا اور کونسا گورنمنٹ انڈیا کا ہے۔ ساتھہ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ یاغستان کے کون سے حصّہ کو وہ اپنے زیر اثر لینا چاہتے ہیں اور کونسا حصہ میرے تحت میں رکھنا چاہتے ہیں۔ میں اپنی تجویز میں آخر کار کامیاب ہو گیا۔ لارڈ رابرٹ ہندوستان سے روانہ انگلستان ہو گئے اور چلتے وقت اُنھوں نے مجھے ایک خط لکھا کہ سخت افسوس ہوا کہ آپ سے ملاقات نہوئی۔ غرض اُنکے جاتے ہی میں نے سفارت انگریزی کو فوراً طلب کر لیا۔

یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ جو نقشہ ویسرائے نے مجھے بنا کے بھیجا اُس میں تمام ملک زیرستان جاریدہ چمن اور وہاں کا ریلوے اسٹیشن۔ چاغ۔ بلند خیل۔ تمام مہمندی ملک۔ اسمار۔ چترال اور دوسرے ممالک اپنے زیر اثر تجویز کیے۔ اس بنا پر میں نے افغانی جرگوں کے متعلق ایک طویل خط ویسرائے کو لکھا جس کا خلاصہ میں یہاں درج کرنا چاہتا ہوں۔

"یاغستان کے متعلق میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ میرے زیر اثر کر دیا جاتا تو میں ضرور یاغستانی جرگوں کو اس قابل بنا دیتا کہ وہ گورنمنٹ انڈیا کے سخت سے سخت دشمن سے وقت پر جنگ کر سکتے اور میرے ساتھہ ہو کے گورنمنٹ کے سینہ سپر ہوتے کیونکہ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگجو ہیں اور وقت پر بڑا کام دیتے۔ میں رفتہ رفتہ اُنہیں صلح پسند اور گورنمنٹ انڈیا کا دوست بنا دیتا۔ اور اگر آپ میری سلطنت سے اُنہیں بالکل علیحدہ کر دینگے تو وہ میرے کام کے ہونگے نہ آپکے۔ آپ کو ہمیشہ اُن سے جنگ کرنی پڑے گی اور یاغستانی کبھی لوٹ مار سے باز نہیں آنے کے جب تک آپکی گورنمنٹ قوی ہے تو وہ دبے رہینگے اور جہاں کسی دشمن نے ہندوستان پر حملہ کیا تو سب سے زیادہ سخت دشمن گورنمنٹ کے وہ ہونگے خوب سمجھہ لیجے کہ یاغستان مثل کمزور دشمن کے ہے اور یہاں کے لوگ اپنے سے زیادہ قوت والے کے قدموں پر پڑے رہتے ہیں اور اُس وقت تک جبتک کہ وہ قوی ہو۔ اور جہاں اُنہیں زیادہ کمزوری محسوس ہوئی وہ فوراً پلٹ پڑتے ہیں اور اُسی پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیے جن ممالک کا آپ مجھسے قطع تعلق کرنا چاہتے ہیں ان میں وہ لوگ رہتے ہیں جو میرے ہم قوم ہی ہیں ہم مذہب بھی ان ہی سے مجھے قوت ہے انکے علیحدہ ہونے سے میری قوت میں اضمحلال پیدا ہو جائیگا اور جب میری قوت ایسی زوال پذیر ہوئی تو گورنمنٹ انڈیا کے لیے سخت بُرا ہے۔

میری ایک نہ سُنی اور گورنمنٹ انڈیا ان ملکوں پر قبضہ کرنے کے لیے ایسی آمادہ ہوئی کہ اُسی بلند خیل اور وانہ وحوب سے میرے افسروں کو زبردستی نکال دیا اور ان سے کہدیا کہ اگر اتنے اور اتنے عرصہ میں تم یہاں سے نہ چلے گئے تو پھر تمہارے ساتھ زبردستی کیجائیگی۔ چونکہ مجھے گورنمنٹ انڈیا سے جنگ کرنی نہیں تھی میں نے فوراً اپنے افسروں کو بُلا لیا اور لکھدیا کہ تم ملک چھوڑ کے چلے آؤ۔

تیمور حرزا حکمران اسمار نے ۱۸۸۷ء میں مجھسے بیعت کی تھی اور قسم کھائی تھی کہ آپ کی فرمانبرداری میں اپنے اُوپر لازمی سمجھونگا۔ اور میں اپنے کو اور اپنے ملک کو آپ کی نگرانی میں دیتا ہوں۔ تاکہ میں اپنے صعب ترین دشمن عمرا خان والیئے باجور کے حملہ سے نجات پاؤں۔ افسوس ہے کہ اُسے ایک غلام نے قتل کر ڈالا۔ اس بنا پر میرے سپاہ سالار غلام حیدر خاں نے ۱۸۹۱ء میں اسمار پر قبضہ کیا جس پر گورنمنٹ انڈیا کو بہت غصہ آیا۔ کیونکہ ان نیوٹریل شہروں پر گورنمنٹ انڈیا تاک لگائے بیٹھی تھی یاغستان۔ چترال۔ سوات۔ بنیر۔ دیر۔ چیلاس۔ اور وزیرستان۔ یہ کل ممالک یاغستان کہلاتے ہیں۔ گورنمنٹ انڈیا نے مجھپر زور دیا کہ میں اسمار کو چھوڑ دوں۔ لیکن چونکہ اسمار میرے مقبوضہ ملکوں۔ کنار۔ لمغان۔ فرستان۔ اور صوبجات جلال آباد کا دروازہ تھا۔ اور اسی ملک سے پامیر اور چترال کے رستوں پر قابو ہوسکتا ہے۔ میں نے چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ خیال کیا کیونکہ اس کا چھوڑ دینا ایسا ہے جیسا ہرات۔ قندہار۔ اور بلخ کو چھوڑ دیا جو میری سلطنت کے قومی اور زبردست اعضا ہیں۔ علاوہ اسکے گورنمنٹ انڈیا نے یہ بھی زور دیا کہ میں چار باغ کو بھی چھوڑ دوں۔

یاغستان کے علاوہ کافرستان اور بلوچستان میں بھی گورنمنٹ انڈیا کے افسروں نے مداخلت کرنی شروع کی۔ بڑی بات تعجب کی یہ ہوئی کہ گورنمنٹ انڈیا نے مجھسے یہ کہا۔ ہم مزید ملک افغانستان سے لینا نہیں چاہتے۔ ہماری خواہش تو یہ ہے کہ افغانستان کو قوی دیکھیں"۔ یہ بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف نجک کی پہاڑیوں پر قبضہ کر کے میری عملداری میں ریل بھی بڑھا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ افواہ بھی گرم ہوئی کہ انگریز قندہار تک ریل لانا چاہتے ہیں خواہ میری مرضی ہو یا نہ ہو اور اسکے متعلق پارلیمنٹ لندن میں بحثیں بھی ہونے لگیں۔ میرے ایجنٹ برابر مجھے اطلاعیں دیتے تھے کہ افغانستان کے متعلق یہ یہ کارروائی ہو رہی ہے۔ یہاں یہ کیفیت تھی اور وہاں روسیہ شغنان اور روشن کے بارے میں تنازعہ بڑھتا جاتا تھا۔

ان تمام پیچیدگیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے میں نے انگریزی مشن کو مدعو کیا جسکے سرگروہ سر مارٹمر ڈیورنڈ تھے انھوں نے مجھ پر بھروسہ کیا اور میں اُن پر بھروسہ کرتا تھا۔ کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر — از سوئے کینہ کینہ و زاز سوئے مہر مہر

وہ میری ذات پر بھروسہ کرکے بماہ ستمبر ۱۸۹۳ء میں پشاور سے کابل روانہ ہوئے۔ آپکے ساتھ کرنیل الیاس کوارٹر ماسٹر جنرل آفس کے کپتان میک ماہان۔ میز رس اسمتھ۔ محکمۂ خارجہ کے مسٹر کلارک میجر فین وسیرائے کے ڈاکٹر۔ مسٹر دولینڈ اور چند ہندوستانی افسر اور منشی وغیرہ سفارت میں ساتھ تھے جب یہ مشن کابل میں پہنچی تو میرے جنرل غلام حیدر نے اس کا استقبال کیا۔ میں نے اندکی کو جو میرے بیٹے حبیب اللہ خان کے رہنے کی کوٹھی تھی مشن کے فروکش ہونے کے لیئے مقرر کی۔ معمولی دربار کے بعد ہمنے فوراً سرحدی معاملات پر بحث کرنی شروع کر دی۔ ڈیورنیڈر جیسے روشنضمیر برا علی تھے ایسے ہی فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ کل معاملات کا بہت سہولیت سے فیصلہ ہو گیا میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ ہر لفظ خواہ میری زبان سے نکلے خواہ ڈیورنیڈر صاحب کی یا سفارت کے کسی عہدہ دار کی زبان سے نکلے فوراً لکھ لیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے میر منشی سلطان محمد خان کو پردے میں بٹھا دیا کہ اُسے کوئی دیکھ نہ سکے اور وہ کل باتوں کو برابر لکھتا چلا جائے۔ کوئی بھی سوا میرے اس کارروائی سے آگاہ نہ تھا کہ پردے کے پیچھے کیا گل کترے جارہے ہیں۔ یہ لوگ پہلے انگریزی میں باہم گفتگو کرکے پھر مجھسے فارسی میں باتیں کرتے تھے۔ چونکہ منشی نہایت زود نویس ہے اُسنے ایک ایک لفظ قلمبند کر لیا۔ جو میرے دفتر میں محفوظ ہے اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ تھا کہ شغنان اور روشن کے بارے میں جو روسیہ سے نزاع ہو رہا ہے اُس کا فیصلہ مذکورۂ بالا اُصول پر ضرور ہونا چاہیئے۔

صوبہ واخان جو میری عملداری میں تھا میں اُسے انگریزوں کے دیدینے پر راضی ہو گیا۔ کیونکہ اُس کا فاصلہ کابل سے بہت تھا اور ساتھ ہی میری کل سلطنت سے بھی علیحدہ تھا اسکی قلعبندی کرنیکو بڑا صرفہ بیٹھتا تھا۔ غرض بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ چترال اور درۂ مار وغیل سے پشاور تک اور وہاں سے کوہ ملک سیاہ۔ کافرستان۔ اسمار۔ موہمند۔ لال پورہ اور وزیرستان کا ایک حصہ میری سلطنت میں شامل کیا گیا۔ اور اُسکے مقابلے میں میں نے چمن کے جدید ریلوی اسٹیشن چاغی اور باقیماندہ حصۂ وزیرستان۔ بلند خیل کرم۔ آفریدی۔ باجور۔ سوات۔ بنیر۔ دیر چترال اور

چیلاس سے دست کشی کی۔

دو اقرار نامے لکھے گئے جن پر میری مہر اور دستخط ہوئے اور سفارت کے آدمیوں نے بھی اُن پر اپنے دستخط کیے۔ جب یہ تصفیہ ہو گیا تو سر مارٹمر ڈیورنیڈ نے کہا کہ جب امیر نے کل دوستانہ برتاؤ کیا اور محض دوستی کا لحاظ کر کے ان ممالک سے دست برداری کی تو گورنمنٹ انڈیا بجائے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ کے اب اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفے کے دیا کریگی اور ساتھ ہی ہتھیاروں سے بھی مدد دیگی اور آیندہ سے ہر افغانی کو اسلحہ کی خرید و فروخت کی اجازت دیجاتی ہے۔ افغانی گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی اسلحہ کی آمد و برآمد اپنے ملک میں رکھے۔

روانہ ہونے سے دو روز پہلے مشن کے کل ممبر مع عبدالرحیم خاں مشرقی سکرٹری افضل خاں برٹش ایجنٹ متعینہ کابل۔ نواب ابراہیم خاں وغیرہ حبیب اللہ نے باغات بابر میں دعوت دی یہاں گو کہ میرے دونوں بیٹوں حبیب اللہ و نصر اللہ۔ میرے سپہ سالار غلام حیدر خاں۔ میرے میر منشی اور تین ملکی افسروں نے استقبال کیا۔

۱۳ نومبر کو سلام خانہ کے ہال میں ایک عام دربار ہوا جس میں کابل کے کل ملکی اور جنگی افسر اور مختلف جرگوں کے سردار مع میرے بڑے بیٹوں کے موجود تھے فتاحی اسپیچ میں نے دی جس میں میں نے عہدنامہ کی پوری شرطوں کو بیان کیا۔ میں نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُسنے اپنے فضل سے صلح و امن کے ساتھ اتنے بڑے معاملہ کا فیصلہ کرا دیا۔ پھر میں نے ڈیورنیڈ صاحب اور سفارت کے دوسرے ممبروں کا شکریہ ادا کیا کہ محض انکی قابلیت سے اہم اور پیچیدہ معاملات جھگڑوں میں سلجھ گئے۔ اسکے بعد ڈیورنیڈ صاحب نے ایک مختصر اسپیچ دی جسکے آخر میں یہ بیان کیا کہ ابھی وسیرائے کی ایک تار برقی میرے پاس آئی ہے جسمیں وہ اپنی بے انتہا خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مجھے اس فیصلہ پر پورا اطمینان ہے اور ساتھ ہی لارڈ کیمبرلے نے بیت امرائے لندن میں اپنا اطمینان اس فیصلہ کی نسبت ظاہر کیا۔

کل جرگوں کے قبائل نے جو اُس وقت موجود تھے اور میرے کل ملکی اور جنگی افسروں نے ڈپوٹیشن کے ایڈریس کی نقل پر جو انھیں دیگئی تھی اپنے دستخط ثبت کیے اور دو سلطنتوں میں از سر نو دوستی کے قائم ہو جانے پر بہت خوشی ظاہر کی۔

میں دوبارہ پھر اُٹھا اور سب کے سامنے اُس کاغذ کو پڑھا۔ آج میر منشی پردہ میں نہیں بٹھایا گیا۔ بلکہ اُسکو عام حضور رہنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ کل اسپیچیں قلم بند کرتا جائے۔ دوسرے روز ہزار کاپیاں چھپوا کر اُن نسخوں کی عام طور پر تقسیم کر دیں۔ اس کارروائی سے افغانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی محبت پیدا ہو گئی۔ دوسرے روز میں نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ میں سفارت کے ممبروں کو تمغے دینا چاہتا ہوں چنانچہ سفارت کے ممبر اسکے بہت خوش ہوئے اور میں نے بڑے اہتمام سے وہ تمغے اپنے میر منشی۔ جنرل غلام حیدر خاں اور کوتوال کی معرفت سفارت کو بھجوا دیئے۔ میر منشی کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ تم اپنے ہاتھ سے تمغے دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور سفارت کے ممبروں نے بڑی خوشی سے لے لئے اور مجھے شکریے کے خط بھیجے اسکے بعد ۱۴ نومبر کو سفارت کابل سے روانہ ہو گئی۔

شاید اسقدر اور لکھ دینا غیر ضروری نہ ہو گا کہ اس فیصلے کے بعد لارڈ لینسڈون نے جون ۱۸۹۴ء میں یہ اسپیچ دی تھی کہ اس فیصلے سے آیندہ کل سرحدی جھگڑے مٹ گئے اور اب ہمیشہ سرحد پر امن و امان رہیگا چونکہ جرگے ہماری سرپرستی میں آگئے ہیں۔ لاٹ صاحب بہادر کی تو یہ پیشین گوئی تھی۔ اور میری یہ پیشین گوئی تھی کہ گورنمنٹ ان جرگوں کو اپنی سرپرستی میں لیگی تو اُسے ہمیشہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا چنانچہ میری ہی پیشین گوئی صحیح نکلی اور جنگ چترال۔ جنگ باجور۔ جنگ مالاکنڈ۔ جنگ وزیری۔ اور جنگ آفریدی کا وقوع ہوا اور رہوا۔ وجہ یہ کہ اب انھیں اسلامی حکمراں کے زیر حکومت آنیکی تو اُمید نہیں رہی اور نہ یہ اُمید کرنی چاہیئے کہ وہ انگریزی حکومت کی اطاعت کرینگے۔ اس لیئے ہمیشہ یہی کشت و خون ہوتا رہے گا۔

ساتواں باب

افغانستان کی آیندہ حالت

خدا ہی رازوں کو جانتا ہے اور اُسی کو علم ہے کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے

کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا۔ اس لئے جو کچھ میں افغانستان کی آیندہ حالت پر بیان کروں گا اسبات کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا کہ وہ صحیح بھی ہو اور اگر میں اسبات کا دعویٰ کروں کہ نہیں جو کچھ میں کہتا ہوں وہی ہو گا اور اسمیں سر مو تفاوت نہیں ہو سکتا تو گویا میں نے قرآن سے انحراف کیا تو بھی ایک دوربین اور بالغ نظر موجودہ حالات سے ہر شے کی آیندہ قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے اور اس پیشین گوئی یا فیصلہ سے وہ پیغمبر نہیں بن سکتا۔ میری تاریخ کا پڑھنے

۱۱۹

خوب سمجھ سکتا ہے کہ مجھے ملک اور انسانی اقوام کا کتنا بڑا تجربہ حاصل ہوا اور اس لحاظ سے اگر میں کوئی بات کھونگا تو وہ ضرور میرے جانشینوں کے فائدے کی ہوگی۔

میں اس باب کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک حصّہ میں تو ملک کی ترقی کا بیان ہوگا اور ساتھ ہی کچھ نصائح اور ہدایتیں ہونگی کہ افغانستان کی اندرونی حکمت عملی کیا ہونی چاہئے اور ملک کے ہر محکمہ کی ترقی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اگرچہ ان باتوں کا گزشتہ باتوں میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ میں اپنے ناظرین تاریخ سے معافی مانگتا ہوں کہ اگر ملک کی ترقی کے متعلق کچھ بیانات مکرر آجائیں تو وہ معاف کر دیں۔ میں اُن واقعات کو ذرا کھولکر بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ بتفصیل ہر شے کا علم ہو جائے اور میری گورنمنٹ کی اندرونی حکمت عملی کھلجائے۔

دوسرے حصہ میں افغانستان کی حکمت عملی خارجہ سے بحث ہوگی اور بتایا جاویگا کہ ہمسایہ سلطنتوں سے اسکے تعلقات سیاسیہ کیونکر ہیں۔

افغانستان کی آئندہ حالت

افغانی حکمت عملی اور اندرونی معاملات

جب سے کہ میں تختِ سلطنت پر بیٹھا ہوں اور جو کچھ ترقیاں اس زمانے سے اس زمانے تک ہوتی رہی ہیں ان سے یہ اُمید بندھتی ہے کہ ایک زمانہ میں افغانستان ایک زبردست اور خود مختار سلطنت خداوند دوالجلال کے حکم سے ہو جائیگی۔ حضورِ انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قدسی میں آیا ہو "جب خداوند تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت بدل دیتا ہے جو اُسی کے موزوں ہو اور پھر بہت جلد وہ کام بن جاتا ہے" خداوند تعالےٰ چونکہ افغانستان کی حالت بدلنا چاہتا ہے اس لئے اُسنے وہ باتیں پیدا کر دی ہیں جن سے افغانستان کی آئندہ ترقی کی کامل اُمید ہوتی ہے

اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ کیا تو افغانستان ترقی کرتے کرتے دنیا کی زبردست سلطنتوں میں ہو جائیگا اور اگر اس کا تنزل شروع ہوا تو صفحۂ ہستی سے آناً فاناً میں مٹ جانا کوئی بات ہی نہیں ہو آخری ناشدنی حالت ایک کوتاہ اندیش اور کمزور شاہ کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسی کمزور حالت میں افغانستان میں طوائف الملوکی پیدا ہو جائیگی اور پھر سلطنت کا لفظ کبھی اُسکے نام کے ساتھہ نہ لیا جائیگا۔ اپنے مطلب کو زیادہ توضیح سے بیان

کرنیکے لئے میں صاف کہتا ہوں کہ افغانستان ان دونوں کے بین بین تو کسیطرح نہیں رہ سکتا۔ یہ قوی خارج از بحث ہی کہ میں یہ خیال کروں۔ کمزور حالت ہی میں سہی۔ اور صوبوں کی تقسیم ہو جانیکے بعد ایک کمزور ریاست کی طرح رہ سکتا ہے نہیں یہ بات ہرگز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر ملک میں اتنی قوت نہیں ہوئی کہ وہ کسی حملہ آور سے بغیر بیرونی مدد کے اپنے کو بچا سکا تو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو حملہ آور قوم اس پر قبضہ کریگی اور کیا وہ سلطنت اسکو اپنی عملداری میں ملالیگی جسنے مدد دی ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ نہ تو انگلستان نہ روسیہ تن تنہا تمام ملک پر قبضہ کریگا کیونکہ ایک سلطنت دوسرے کی مزاحم ہوگی مثلاً انگریز روسیہ کو کب اجازت دیسکتے ہیں کہ تمام افغانستان کو تنہا قبضہ کرکے ہندوستان کو خطرہ میں ڈالدے اسیطرح روسیہ کبھی خاموش نہیں بیٹھنے اور نہ انگلستان کو تنہا قبضہ کرنے دیگا جبتک کہ غنیمت میں سے وہ کچھ اُسے بھی حصّہ نہ دیدے۔

اگر افغانستان خوش قسمتی سے ایسے شاہ کے زیر نگین ہوا کہ جو مدبّر ہے دور اندیش بھی ہے۔ اولوالعزم بھی ہے مغرور بھی ہے تو وہ ایسی ترقی کرے گا کہ بایدو شاید اور افغانستان ایک زبردست قوی خود مختار سلطنت بن جائیگا اور اگر افغانستان پر ایسے شاہ کی حکومت ہوئی جو مثل شاہ بخارا یا ہندوستان کے رئیسوں کیطرح ہوا تو وہ اپنی نادانی سے اُلٹے سیدھے معاہدے کرکے اپنے کو برباد کردیگا۔ پھر جب معاہدے ہوگئے پھر بھلا جان کس طرح بچ سکتی ہے۔ معاہدوں کے پورا کرنے میں اگر کچھ ڈھیل ہوئی تو ہمسایہ سلطنتیں تو ایک طرف چھوٹی چھوٹی اُسی کے ملک کی ریاستیں دبانے کھڑی ہو جائینگی کہ معاہدوں کو پورا کرنا چاہئے مجھے کچھ توضیح کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں اس معاملہ میں زیادہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ وہ عہدنامے کس قسم کے ہوتے ہیں کیونکہ جو لوگ مشرقی حکومتوں کی تاریخ جانتے ہیں وہ اس قسم کے معاہدوں کا کافی علم رکھتے ہیں

اب ذرا اس پر خیال فرمائیے جو ابھی بیان ہو چکا ہے کہ آیا افغانستان تقسیم ہو جائیگا اور اپنی خود مختاری سلطنت کو کھو کے اس قابل نہیں رہنے کا کہ اپنی آپ نگرانی کرسکے۔ میں ان دونوں باتوں پر بحث کرنا اور کچھ رائے دینی چاہتا ہوں۔ میں اس معاملہ میں یہ رائے دونگا کہ افغانستان ایک زبردست اور مختار سلطنت کیونکر بن سکتی ہے اور بحث کا دوسرا پہلو یہ ہوگا کہ وہ کیا ترکیب ہے جس سے افغانستان تقسیم ہونے سے بچ جائے۔ یہ پہلو دوسرے حصے کے متعلق ہوگا جس میں افغانستان کی خارجہ حکمت عملی پر بحث ہوگی۔

افغانستان بڑا زرخیز ملک ہے جسمیں ہر قسم کے پھل پھول اگر ہنرمند باغبان کی زیر نگرانی ہوں تو خوب پیدا ہوسکتے ہیں۔ باغبان سے مُراد دور اندیش حکمران سے ہے اور وہ زمینیں جن کا باغبان لائق نہیں ہے بنجر ہو جاتی

ہیں اور اگر ان میں کچھ پھول پھل اُگتے بھی ہیں تو بہت کم مگر افغانستان میں قدرتی طور پر سرسبزی اور دولتمندی ودیعت ہوئی ہے بشرطیکہ اُس سے فائدہ اُٹھایا جاوے۔

(۱) **معدنیات**- معدنیات سے ملک مالا مال ہو رہا ہے- سونا- چاندی- تانبا- لوہا- کوئلہ- یاقوت زبرجد وغیرہ کی کانیں ہر جگہ موجود ہیں اور بکثرت ہیں- اور بعض کانیں یوروپی ماہرین طبقات الارض کے بیان کے بموجب دنیا میں سب سے بڑی ہیں- مگر جب تک کہ جواہرات کا پورا علم نہ ہو یہ مثل پوشیدہ خزانے کے ہیں جو آنکھ سے اوجھل ہے اور دکھائی نہیں دیتا- ایسے شخص کے آگے جو ایسا بے خبر ہو- پتھر کے ٹکڑے اور ہیرے میں کچھ فرق نہیں ہو سکتا-

(۲) **تجارت**- افغانی تجارت کے ذریعے اور اسباب بیشمار ہیں- علاوہ معدنیات کے جو ملک کو سرسبز کر سکتی ہیں- اور صرف ایک کوئلہ نے انگلستان کو انگلستان بنا دیا ہے- یہاں چشمے اور جھرنے ایسے ہیں جن سے ملک کی پیداوار میں بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے اور کلیں وغیرہ چل سکتی ہیں-

(۳) افغانی خواہ عورتیں ہوں یا مرد دونوں بہادر- ذہین تعلیم کے شائق- آزادی پر جان دینے والے- قوی- تندرست- نہ جوا کھیلیں اور نہ کوئی نشہ کی چیز استعمال کریں ان میں جدید صلاحات کے اخذ کرنیکا بہت کچھ مادہ موجود ہے- وہ علم کی طرف دوڑتے ہیں سُست نہیں ہیں- اور نہ اپنے اجنبی ہمسایوں سے اُنہیں کوئی تعصب ہے- وہ مثل ہندوستانیوں کے نہیں جنھیں حالانکہ انگریزی سلطنت میں رہتے ہوئے ایک صدی گزر گئی لیکن اب بھی خیالات میں وہ بالکل انگریزوں سے اجنبی ہیں- وہ سمجھتے ہیں کہ کوٹ پتلون پہننا گناہ ہے اور وہ ابھی تک اپنے وہی پُرانے لباس اور پھٹپھٹر کرتی ہوئی جوتیاں پہنتے ہیں جو زمانہ دراز سے ان میں چلی آئی ہیں (امیر کی یہ ناواقفیت ہے دال ہے آپنے اپنے سفر راولپنڈی میں شاید کسی لکھنوی کو غرارہ پائجامہ اور گھیتلا جوتی کے دیکھ لیا ہوگا جس سے امیر کو کل ہندوستانیوں پر یہ دھوکا ہوا) مگر اُسکے خلاف افغانی اس تھوڑے سے وقت میں اپنے تبدیل ہوگئے کہ اُنہوں نے مثل اپنے بھائی ترکوں اور یوروپی اقوام کے کوٹ پتلون اختیار کر لیا- اور وہ ہر یوروپی مرد عورت کے ساتھ ملنے اور اُن سے تحصیل علم کرنیکے لئے ہر وقت تیار ہیں-

(۴) **قومی قرضہ**- افغانستان کوئی قومی قرضہ نہیں رکھتا اور نہ اُسے کوئی تاوان جنگ دینا ہے اسلیئے مثل اور حکومتوں کے اس پر اس قسم کی مشکلات نہیں پڑتیں کہ قومی قرضہ کا وبال جڑھا رہے یا تاوان جنگ بھگتنا پڑے اور

ایسی حالت میں وقت ہوتی ہے کہ جہاں قرضخواہ نے یہ دیکھا کہ میرا قرضدار جنگ کی تیاری کر رہا ہے اور فوجیں جمع کر رہا ہے بس اُس نے اُسی وقت دبانا شروع کیا کہ کل کام بند کر کے پہلے ہمارا قرضہ ادا کرو پھر اپنا سامانِ جنگ کرنا۔ خوش قسمتی سے اس قسم کی کوئی مزاحمت افغانستان کی ترقی کی راہ میں نہیں ہے نہ دولِ خارجہ کے ایلچی ہیں جو الٹی سیدھی باتیں کر کے سلطنت کے معاملات میں خلل اندازی کرتے رہیں اور نہ کوئی بین الاقوامی معاہدے اور حقوق ہیں کہ دول خارجہ مداخلت کرنے پر تیار ہو جائیں اور نہ کوئی ایسی بات ہے کہ ہمسایہ دولتوں کو ریلوں وغیرہ کے ٹھیکے دیدیئے جاتے ہوں اور نہ کوئی بااختیار رزیڈنٹ یہاں رہتا ہے جیسے یہ اختیار ہے کہ وہ ہندوستانی رئیس سے پوچھے کہ تونے کے روٹیاں کہائیں۔ غرض جس طرح اُنکے ملکی معاملات کی نگرانی ہوتی ہے اُنکے ذاتی معاملات کی بہی یونہی نگہداشت کیجاتی ہے۔

(۵) افغانستان کے دونوں طرف دو قوی ہمسائے ہیں یعنے انگلستان اور روسیہ۔ اگرچہ ہمسائے افغانستان کی سخت پریشانی کا باعث ہیں تو بھی وہ ایک دوسرے سے کشش رکھتے ہیں اور بجائے اسکے کہ ان سے خطرہ متصور ہو افغانستان کو ایک قسم کی نجات انکی باہمی کشش سے ملی ہوئی ہے۔ اصل میں افغانستان کی زندہ گی کا دارومدار اس پر ہے کہ نہ تو روسیہ اجازت دیگا کہ انگلستان افغانستان کا کوئی حصہ اچک لے اور انگلستان راضی ہوگا کہ روسیہ کوئی ٹکڑا افغانستان کا دبا بیٹھے اسکے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ دونوں زبردست ہمسائے گلخپ بھی کرنا نہیں چاہتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ افغانستان آزاد چھوڑ دیا جائے۔

(۶) مذہب افغانستان کی قوت کا بہت بڑا باعث یہ بھی ہے کہ افغانی کل مسلمان ہیں۔ ہاں اور مذہب کے لوگ بھی آباد ہیں۔ لیکن اُنکی تعداد اسقدر زیادہ نہیں ہے جتنی ترکی میں یونانیوں اور ارمنیوں کی ہے۔ جنھیں وبال خارجہ ہمیشہ اُن کے آقا کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کیلئے اُبھارتی رہتی ہیں۔ افغانی اسباب میں ایسے متعصب ہیں کہ وہ کسی دوسرے مذہب والے بادشاہ کی حکومت میں رہنا نہیں چاہتے۔ اور سوائے اسلامی بادشاہ کے سب کو کافر جانتے ہیں۔ اور انھیں یقین ہے کہ کفار کے مقابلے میں جو مسلمان قتل ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائیگا اس لیئے افغانستان کا ہر مرد اور ہر عورت شب و روز دعا مانگا کرتی ہے اے اللہ مجھے شہید ماریو۔

اصل یہ ہے کہ افغانی بالطبع آزادی پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان پر انکے ہی ملک کے بادشاہ کی حکومت ہو۔

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ ہندوستانی حدود پر جو ملک مثلاً خیبر وغیرہ آباد ہیں وہاں ابھی تک امن نہیں ہوا جب تک کسی شخص کے ساتھ ایک فوجی گارد نہو وہ آزادی سے یہاں کی سیاحت نہیں کر سکتا۔ ملک پہاڑی ہے۔ راستے ایسے دشوار گزار ہیں جنسے قدرتی طور پر یہاں کے پیدائشی جنگجویوں کی حفاظت کے لئے حصن حصین کا کام دیرہے ہیں۔

اسی نظر سے نہ تو روس کے یہ مناسب سمجھتا ہے کہ آرام سے بیٹھے بٹھائے کیوں ادھر کا رخ کر اپنی جان آفت میں ڈالی۔ کیونکہ صدہا پہاڑی میلوں کا حالت جنگ میں سفر کرنا آسان نہیں ہے۔

ادھر انگلستان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ سوائے زر خطیر خرچ کرنے اور بکثرت قیمتی جانوں کے ضائع کرنیکے یہاں اور رکھا ہی کیا ہے اور اگر اس پر بھی یہ ملک فتح ہو گیا تو ہمیشہ قبضہ نہیں رہ سکتا۔ یہاں کی آمدنی اُس خرچ کے مقابلے میں جو گورنمنٹ جنگی اور ملکی انتظام میں کرنا چاہی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھے گی۔

موجودہ حالت میں افغانستان کسی دولت خارجہ کے لئے ملکی حالت کی طرف سے مفید نہیں ہے ہاں جنگی فائدہ اس سے ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ملک میں ہو کے ایک ہمسایہ سلطنت دوسری سلطنت پر حملہ آور ہو اور ساتھ ہی یہ بات بھی ضرور ہو کہ افغانی بھی اُنکی مدد کریں۔ اب رہا یہ کہ افغانستان پر مستقل قبضہ رکھنا اُس کو کوئی دولت خارجہ پسند نہیں کرنے کی۔ کیونکہ آپ دیکھیں گے کوئی زمانہ جاتا ہے کہ افغانستان اپنی معدنیات اور تجارت کے ذرائع سے قوی ہوتے ہوتے اتنا شائستہ اور مہذب ہو جائیگا کہ تار اور ریلوں کے ذریعہ سے اپنے ہمسایہ ممالک سے تمدن اور شائستگی میں ملجائے گا۔ اور اسٹیم بھی چلنے لگیں گے۔

انگلستان کی دلی آرزو ہے کہ افغانستان محفوظ رہے

اور زبردست بن جائے

اگرچہ بعض کم ہمت انگریزی افسروں کی یہ حکمت عملی ضرور ہے کہ آگے بڑھو اور افغانستان کو اپنی عملداری میں شریک کرلو اور ساتھ ہی چند افغانی جرگوں کا ملک اپنی عملداری میں شریک کرنے کے لئے بھی جان

لڑائی۔ مگر یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ان ویران قطعات پر قبضہ کرنے سے حاصل ہی کیا ہوا۔ اگر ہوا تو یہ ہوا کہ خزانۂ ہند پر بار پڑا اور لاحاصل ایک زبردست فوج انتظام ملکی و جنگی قائم رکھنے کے لئے رکھنی پڑی۔ ناحق بیٹھے بٹھائے ادھر اپنی ذمہ داریاں بڑھالیں اور اُدھر فوجوں کا بار اپنے ذمّہ لے لیا۔ مگر یہ کم ہیں افسر جنہیں اپنی عقل اور دور اندیشی پر بڑا گھمنڈ ہے سمجھتے ہیں کہ ہمارا علم خدا کے علم سے بھی زیادہ ہے (معاذ اللہ) اسی خیال سے وہ ہر ناصح کی نصیحت پر مضحکہ اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کبھی وہ ہمارے مقابلے میں کیا جائے۔ وہ دل سے جنگ کو پسند کرتے ہیں اور اُنکی عقلمندی کا مدار اسی پر ہے کہ بڑھو آگے بڑھو۔ مگر بہت سے یوروپی مدبّر اور یوروپی رعایا موجود ہے جو آگے بڑھنے کی حکمت عملی سے تخت متنفر ہے اور چاہتی ہے کہ افغانستان اس قدر قوی بنے کہ ہندوستان کی سلطنت کی پوری حفاظت کر سکے۔ میں اس بات سے بہت خوش ہوں کہ زور بروز ان صلح پسند لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور وہ لوگ افغانستان اور انگلستان میں کم ہوتے جاتے ہیں جنکی وجہ سے زمانۂ گزشتہ میں بہت کچھ خونریزی ہو چکی ہے۔

انگریزی وزرا نے افغانستان کو مدد دینے پر اپنی مرضی ہی کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اسبات کی ذمہ داری کی ہے کہ افغانستان کو قطعی مدد دیجائے گی تاکہ وہ قطعی خود مختار سلطنت بنے اور اگر کسی دولتِ خارجہ نے حملہ کیا تو اُس وقت بھی انگلستان سینہ سپر ہونیکے لئے موجود ہوگا۔

بعض مضائع افغانستان کو سبز اور مضبوط بنانیکے لئے

کچھ ذرائع تو میں اُوپر بیان کر چکا ہوں کہ افغانستان سرسبز کیونکر ہو سکتا ہے اب میں ذرا تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔ میں ترقی کے ہر پہلو پر بحث نہیں کرنے کا مجھے تو صرف چند خاص خاص اور بڑی بڑی باتیں جن پر افغانستان کی ترقی کا دارومدار ہے دکھائی ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جب کوئی مکان بنجاتا ہے تو اُسکے لئے پہلے فرش فروش اور سامان کی ضرورت ہوتی ہے اور جب مکان بناتے ہیں تو اُسکی حفاظت کے لئے پہلے دیواریں اُٹھوائی جاتی ہیں اور اگر گھر ایسا ہو جس میں سانپ کنکھجورے اور گڑھے وغیرہ ہوں تو رہنے والے کا سب سے پہلا فرض یہ ہو گا کہ بود و باش اختیار کرنے سے پہلے مکان کو صاف کرے۔ یہی مثال بالکل افغانستان کی ہوئی۔

محفوظ رکھنے کے لیئے پہلے حد بندی کی گئی اور سرحدی خط کھینچ دیئے گئے اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ صوبے درحقیقت افغانستان کے ہیں۔ اور ان سے افغانستان کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ سرحد بندی قائم ہونے کے وقت میں نے اندرونی اصلاحات کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ خوش قسمتی سے مجھے اللہ نے اس میں کامیاب کیا اور ہمسایہ دولتوں کا آگے بڑھنا بالکل رُک گیا۔ تمام قسم کے آئے دن کے قضیئے جاتے رہے اور اب ایک حد تک کسی قسم کی پیچیدگی کا اندیشہ نہیں ہے۔

مَیں اور میرے جانشین اور میرے ہمسایہ سلاطین کے جانشین بھی ہمیشہ ان معاہدوں پر قائم رہیں گے۔ میرے جانشینوں کے لیئے میں حد بندی کو گویا آگے کی ترقی کرنے کی ایک بنیاد قائم چھوڑے جاتا ہوں۔ اور اب یہ معاملہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ انہیں اپنی ہمسایہ دولتوں سے اس معاملہ میں خط و کتابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہنے کی۔

خیال تو کیجئے سرحدی خط مثل ایک فصیل یا شہر پناہ کے ہو گیا ہے جب یہ کام ہو چکا تو اب میرا فرض ہے کہ زہریلے جانوروں سے گھر کو بالکل پاک و صاف کر دوں اور اُسکے امن و صلح پر قائم رہنے کے لیئے جو جو مزاحمتیں ہیں اُنکیں بیچ میں سے دور کر دوں۔ چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ تمام چھوٹے چھوٹے سرداروں۔ قزاقوں۔ چوروں۔ رہزنوں کا جنھوں نے ایک آفت برپا کر رکھی تھی بیج تک مار دیا اور افغانستان کو ہمیشہ کی پریشانی سے نجات دی۔ طوائف الملوکی کا ستیاناس کر دیا گیا۔ اور سب کو ایک حکومت اور ایک قانون کے ماتحت کر دیا۔

مجھے اس امر میں بہت کامیابی ہوئی اور اب میری سلطنت متحد حالت میں ہے۔ بہت سے جرگوں کے سردار جو پہلے تلخ ترین دشمن تھے دلی دوست بن گئے ہیں۔ اور مَیں اس دوستی کے صلہ میں اپنی گورنمنٹ میں اُنہیں معزز عہدوں سے ممتاز کرتا ہوں۔ اور جن لوگوں نے میری اطاعت نکرنی چاہی اُنہیں میں نے جلاوطن کر دیا۔ الحمد للہ اس وقت میری کل سلطنت میں سردار سے لیکے ایک بھکاری تک ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حکومت کا مزاحم ہو۔ یا میرے بعد میرے بیٹے کی حکومت میں رخنہ اندازی کرے۔

جو لوگ میری اس حکمت عملی پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے نہایت سختی کا برتاؤ کیا۔ اُنھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ڈاکو اور رہزن کو بغیر سزا دیئے کے چارہ ہی نہیں۔ کونسی مہذب گورنمنٹ ہے۔

جو بغیر خونریزی کے مہذب نہیں ہو۔ یہ خیال کرکے وہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ میں نے کونسا فعل کیا اعتراض کرنے کو تو سب ہی اعتراض کیا کرتے ہیں اس سے ہوتا ہی کیا ہے۔

اسوقت جبکہ میں افغانستان کے اندر ملک کو ایک سلطنت کی صورت بنانیکے لیئے تیغ بُرّاں کے جوہر دکھا رہا تھا اور اُدھر اپنے ہمسایوں پر قلم کے زور سے یہ ثابت کر رہا تھا کہ یہ مستقل سلطنت ہی ایسی حالت میں بھی مجھے ملک کی اصلاحات اور ترقی کا برابر خیال لگا ہوا تھا۔ ان ترقیوں کا ذکر میں نے اُن کے اصلی موقعوں پر کیا ہے یہاں میں صرف اسقدر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ افغانستان کے لئے کرنا چاہیئے اُس کا ۱/۴ حصہ ابھی کیا گیا ہے۔ اس لیئے میں آیندہ ترقی کرنے کے لئے اپنی قوم سے بطور ایماء کے کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے نصیحت میں اپنے جانشین یا اپنے آدمیوں کو یہ کرتا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ افغانستان ایک زبردست سلطنت بن جائے تو اتفاق شرط ہو صرف اتفاق ہی تنہا اسکو ایک زبردست سلطنت بنا دیگا۔ تمام شاہی خاندان اور رعایا کے ایک ہی مقاصد ہوں ایک دل ہو اور اپنے گھروں کے بچانیکے لیئے ایک ہی رائے ہو۔ بچپن سے اس عمر تک شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو کہ میں نے کسی نہ کسی قوم یا ملک کی تاریخ خود نہ پڑھی ہو یا دوسرے سے پڑھوا کر نہ سنی ہو میں نے صرف یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایشیا میں بالخصوص مسلمانوں کی سلطنتوں کو زوال ہوا ہے وہ محض باہمی جنگ وجدل اور نااتفاقی سے اسلام نے صرف اس مقولہ کے صدقہ میں ترقی کی تھی کہ "سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں"، مگر جب بھائی چارا جاتا رہا۔ اسلام کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے جانے لگیں اور ان میں پھوٹ پڑگئی۔ میں اپنے جانشین اور اپنی رعایا سے عرض کرتا ہوں کہ خدا کے لیئے ایک دل اور یکساں مقاصد رکھنا اور اتفاق کو ہاتھ سے نہ دینا۔

خرابی کا باعث ہے یہ سب نفاق ۔۔۔۔ اے اتفاق اتفاق اتفاق

اُنھیں بغور دیکھنا چاہیئے کہ میں کیونکر حکومت کرتا ہوں۔ وہ لوگ جو ہندوستان میں جلا وطن کر دیئے گئے تھے یا روسیہ سے بھاگ کے چلے گئے تھے وہ کس طرح میرے تخت کے گرد جمع ہیں اور جان فدا کرنے کے لیئے حاضر ہیں۔ میں کہیں اس حکمت عملی پر بحث کر آیا ہوں کہ دشمن کو دوست کیونکر بنایا کرتے ہیں اس لیئے میں یہاں لکھنا نہیں چاہتا۔ مجھے امید ہے کہ کابل میں میرے بچوں میں اور میرے

خاندان میں کسی قسم کی نکا فضیحتی میرے مرنے کے بعد کبھی نہیں ہوئیگی۔ کیونکہ میں نے اپنی زندگی ہی میں اس کا انتظام کر دیا ہے جس سے میرے خاندان کے کل لوگ اور میری رعایا یہ سمجھتی ہے کہ بزرگی اور استحقاق بڑے بیٹے کو ہے۔ میں نے اپنے پیشروں کی طرح یہ غلطی نہیں کی کہ اپنی سلطنت اور فوجوں کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیتا۔ جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ باہم جنگ کریں اور اُن میں نا اتفاقی پیدا ہو۔

اگر میرے بیٹوں نے میری نصیحت کی طرف سے کان بہرے کر لیئے اور باہم لڑائی چھیڑ دی تو اُنکی سزا اُنھیں یہ دیجائیگی کہ ملک اُنکے ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اور پھر قومیت مطلق نہین رہے گی اور جب بدقسمتی سے اُنکی یہ نوبت ہو جائے تو انھیں کلام پاک کی یہ آیت پڑھنی چاہیئے

(ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم)

یعنی یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ اگر میرے بیٹے خوش قسمتی سے باہم متحد رہے جسکی بظاہر ہزار درجہ اُمید کیجاتی ہے تو اُنھیں کبھی آنچ نہ آئیگی۔

اب رہا اُن لوگوں کا خیال جو ہندوستان یا روسیہ میں انگریزوں اور روسیوں کی پناہ میں ہیں اُن کا اختلاف کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ روز مرہ اُنکے ساتھی اُن سے علٰحدہ ہو کر کابل چلے آتے ہیں اب وہ یک بینی دو گوش بیکے رہ گئے۔ کہہ ہی کیا سکتے ہیں۔ تمام دنیا کا بہادر اور اعلیٰ درجے کا سپہ سالار بھی کوئی شخص ہو اور ساتھ فوج نہ رکھتا ہو کیا کر سکتا ہے۔ اسیطرح وہ مظلوم افغان جو ہندوستان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور منہ کھولے ہوئے افغانستان کے تخت کو دیکھ رہے ہیں کیا کر سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ ایک بوڑھا افغان تخت افغانستان ہی کی آرزو میں مر گیا۔

اس کے علاوہ انگریزی گورنمنٹ جانتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنے زمانہ سلطنت میں کیا کیا کیسی کیسی عہد شکنیاں کیں اور روسیہ سے کس طرح ملگئے۔ ان سب باتوں کو انگریزی افسر ابھی بھولے نہیں بھلا وہ دوبارہ آزمائش کا کیونکر خیال کرنے لگے۔ کیونکہ آزمودہ را آزمودن جہل است۔

اسکے علاوہ مجھے یہ خیال ہے کہ یہ شاہزادے کبھی بھی خواہ انگریزوں کی مدد سے سہی اتنی قوت حاصل کر سکتے ہیں کہ افغانستان کا ایسی حالت میں مقابلہ کریں جبکہ وہ اس قدر ترقی کر رہا ہے۔ مگر بات تو یہ ہے کہ انگلستان اپنے معاہدوں کے خلاف کبھی ان دل نا خواستہ شہزادوں کو مدد نہیں دیسکتا

تھا اگر عہد شکنی ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ افغانستان سے علانیہ جنگ شروع ہو جائیگی جو میرے اور میرے بچوں کی دلی خواہش کے خلاف ہے۔ اگر انگریز اپنے معاہدوں پر قائم ہیں وہ کبھی اُنکے خلاف دوسروں کو مدد دیکے اُنھیں پریشان نکرینگے ان سب باتوں پر خیال کرکے میں یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ انگریزوں کی حفاظت میں ہیں اُن سے پریشان ہونیکی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر خدانخواستہ انگریزی افسروں نے اپنے معاہدوں کی پرواہ نہیں کی اور میرے بیٹوں کے دشمنوں کو مدد دی تو میں اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ وہی رنگ اختیار کریں جو میں نے شیر علی کے وقت میں اختیار کیا تھا اور نہایت شجاعت اور جانبازی سے جنگ کریں اور اپنے دشمن کو مار کے نکالدیں۔ اور اگر اتفاق سے اُنھیں شکست ملے حالانکہ مجھے پوری اُمید ہے ایسا کبھی نہیں ہونیکا تو وہ انگریزوں کے خلاف اپنے کسی ہمسایہ سے طالب امداد ہوں اور پھر مقابلہ کریں۔ لیکن مجھے قوی اُمید ہے ایسا کبھی نہیں ہونیکا اور میں حکم لگاتا ہوں کہ انگلستان کے مقاصد افغانستان کے ساتھ بہت ہی وابستہ ہیں اور ہندوستان کی حفاظت کا دار و مدار اسی پر ہے کہ افغانستان قوی اور خود مختار سلطنت بنی رہے اور شاید ہی خاندان کے ارکین میں مخالفت کراکے اس میں کوئی ضعف پیدا ہونے دیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرے بیٹے اور جانشین اسکو سمجھیں کہ تین شخص جو روسیہ کی نگرانی میں ہیں اُنکے جانی دشمن ہیں۔ ہاں یہ بہت بڑی اور اصلی وجہ خوف کی ہے جس پر زیادہ توجہ درکار ہے اسکی بابت میں مفصلہ ذیل بیان کرنا چاہتا ہوں۔

روسیہ انگریزوں کی بالکل ضد ہے اور اُسکی خواہش ہے کہ افغانستان کمزور ہوکے پارہ پارہ ہوجائے تاکہ اُس کا راستہ ہندوستان میں آنیکا صاف ہو جائے اور اگر انگلستان کسی دعویدار سلطنت کو اُبھار کے افغانستان پر حملہ آور ہونا چاہیگا تو روسیہ موقع کو غنیمت جان کے فوراً جنگ پر آمادہ ہو جائیگا۔ روسیہ کی دلی آرزو بر آئیگی۔ کیونکہ اُسکی دلی خواہش ہے کہ افغانستان چھوجرا کر دیا جائے۔ دوسرے جب شیر علی کے زمانے میں روسیہ نے افغانستان میں قدم رکھا ہے اور اپنے تمام معاہدوں کو توڑ کے وہ آگے بڑھا ہے تو روسیہ کے روکنے میں جو کمزوری انگریزوں سے ظاہر ہوئی تھی وہ اظہر من الشمس ہے اس لیئے روسیہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر افغانستان میں کوئی پیچیدگی پیدا ہوئی تو اُسے آگے بڑھنے کا پورا موقع ملیگا اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ انگریز کچھ نہ کرسکیں گے۔ ہاؤس آف کامنس میں بحث مباحثے ہوئے

رہ جائینگے یا انگریزی اخبارات اُلٹی سیدھی تحریروں سے اپنے کالم سیاہ کر دینگے۔ غرض کوئی عملی کارروائی مطلق نہو سکے گی۔

محمد اسحٰق جو روسیہ میں رہتا ہے اُسکے ساتھیوں کی تعداد بہت سی ہی اور وہ ضرور اگر اُٹھ کھڑا ہوا تو پریشانی پیدا کر سکتا ہے اب یہ خدا کو خبر ہے کہ کامیابی کسے ہو۔ میرے ایجنٹ جو روسیہ میں گشت لگاتے ہیں اسحٰق کے ساتھیوں کو اسقدر راہ پر لانیکے لیئے کامیاب نہیں ہوئے جتنے وہ ہندوستان میں کامیاب ہوئے ہیں مگر تو بھی مجھے اُمید ہے کہ اگر ترغیب کا ایسا ہی سلسلہ بنا رہا تو ضرور آہستہ آہستہ کامیابی ہو جائیگی۔ بااینہمہ میں یہ جتا دیتا ہوں کہ ان حالات کو نظر کرتے کچھ زیادہ خوف نہیں ہے۔ اور میں نے محض آئندہ احتیاط کے لیئے مبالغہ سے زیادہ کام لیا ہی کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اسحٰق اور اُسکے باپ سے افغانستان کا بچہ بچہ نفرت کرتا ہے اس بیان کرنیکی کچھ ضرورت نہیں ہے کہ اس حقارت کے اسباب کیا ہیں۔ ہاں صرف دو لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں کہ شاہی خاندان میں جو کچھ خونریزی ہوئی یہ صرف اسحٰق کے باپ عظیم کی وجہ سے ہوئی کہ اُسنے میرے باپ اور شیر علی میں جنگ کرا کے شاہی خاندان کو تہ و بالا کر دیا۔

دوسرے اُسکی بیرحمیاں بھی حد سے تجاوز کر چلی تھیں۔ اول درجہ کا شراب خوار اور بد اعمال شخص تھا۔ ساتھ ہی سب سے زیادہ بزدل یہی کیفیت اُسکے بیٹے اسحٰق کی ہے۔ اس سے بھی سب نفرت کرتے ہیں نہ اس لیئے کہ اس میں پنج عیب شرعی موجود ہیں بلکہ وہ کئی بار نکس عہد کر چکا ہی اور اُسنے مجھ سے بغاوت کی اور جس وقت وہ مجھسے شکست کھا کے بھاگا تو اُن لوگوں کو جنہوں نے اُسکی مدد کی تھی یہیں چھوڑ کے چلا گیا اور وہ بیچارے طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو گئے اس سے زیادہ نامردی اور کمزوری کیا ہوگی۔ اسکے علاوہ وہ مطلق جنگ آور اور مرد میدان نہیں ہے۔ اور افغانستان کی حکومت کے لیئے جنگی قابلیت کا ہونا سب سے زیادہ ضروری ہی جو فوج اُسکی پاس تھی اُسکی شائستگی میں کلام نہیں مگر اُسکے خراب مشیروں اور اُسکی ناقابلیت فنون جنگ نے اُسکے لیئے یہ نتیجہ پیدا کیا کہ وہ میرے مقابلے میں ٹھیر نہ سکا اُس کے بیٹے نے بھی جنگ میں خوب جان لڑائی مگر کیا ہوتا ہے "پدر تمام نکرد و پسر تمام کند" کا مضموں ہوا وہی شکست جو باپ کی تقدیر میں لکھی تھی بیٹے کو بھی ہوئی اسحٰق کے بیٹے کا نام اسمٰعیل ہے اور وہ میرے بڑے بیٹے سے دس برس بڑا ہے اور اپنے باپ

کی نسبت نہایت قابل اور فنونِ جنگ سے ماھر ہے مگر ممکن نہیں کہ وہ کابل کے تخت لینے کا حوصلہ کر سکے کیونکہ کابل کے سردار اور وہاں کی رعایا اس سے بالکل ناواقف ہے افغانی جسکو دیکھہ لیتے ہیں اور تجربہ کر لیتے ہیں اُس پر تو بمشکل بھروسہ کرتے ہیں لیکن جسکی صورت نہیں دیکھی بھلا اُسپر بھروسہ کرنے کا خیال اُنکے دل میں آنے کیوں لگا۔

دوسری مشکل اسحٰق اور اُسکے بیٹے کے لیئے یہ ہے کہ اگر وہ کابل آنا چاہیں تو تین مہینے میں پُہنچ سکتے ہیں مگر یہ اُس وقت کہ راستہ میں اُنکی مزاحمت نکیجائے اور اگر مزاحمت کی گئی تو پھر برسوں میں بھی پہنچنا کارے دارد۔ مگر میں بالکل تیار ہوں کہ اگر وہ ادھر آنے کا قصد کریں تو سرگرمی سے اُنکا استقبال کروں کہ وہ اپنے آدمی ہی جمع نکرنے پائیں۔

اور اگر اسحٰق کو روسیہ نے مدد دی تو پھر یہ جنگ انگلستان اور روسیہ میں چھڑ جائیگی اسکی بابت میں اپنے دوسرے باب میں تحریر کر چکا ہوں۔ میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ روسی اُمیدواران تخت کابل کی خبر رکھنا۔ انگریزی اُمیدواران کابل کیطرف مزید توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔

میرا بیٹا اس سے خوش نہو کہ وہ تخت کابل کا وارث ہوگا بلکہ اُس کو چاہیئے کہ سب سے پہلے وہ قابلیت پیدا کرے جس سے وہ تخت کابل پر متمکن رہ سکے۔ تخت کابل پر قائم رہنے کے لیئے اس کا فرض ہے کہ میری حکمتِ عملی پر اور میری ہدایتوں پر کاربند ہو اگر ایسا نہ کیا تو تخت کابل پر قبضہ رکھنا محال ہو جائیگا پہلی بات تو یہ چاہیئے کہ وہ اپنی قوم پر ثابت کر دے کہ میں ایک زبردست حکمران ہوں محنتی ہوں اور قوم اور ملک پر جان فدا کرتا ہوں۔ اور اگر ان میں سے ایک بات میں بھی کمزوری دکھائی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف سلطنت ہاتھہ سے جاتی رہیگی بلکہ خود اسکی جان کے لالے پڑ جائینگے۔ زبردست یا خودرائے ہونیسے یہ غرض نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے یا کسی سے مشورہ ہی نہ لے بلکہ میری یہ مراد ہے کہ انصاف کو ہاتھ سے نہ دے اور کسیکے ہاتھہ کا آلہ نہ بنے۔ سبکی سُنے لیکن اپنے خیال میں جو ٹھیک بیٹھے اسی پر عمل کرے اُسے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ افغانیوں کی ہر عورت اور ہر مرد حتی کہ ایک فقیر سے لیکے ایک دوکاندار تک اس بات کا مجاز ہے کہ وہ ہر قسم کی اطلاع بذریعۂ عرضی کے اپنے امیر کو دیسکتا ہے اگر اُسنے کوئی اطلاع دی اور اگر وہ خبر ملکی مقاصد کے لیئے یا اُسکی ذات کے لیئے مفید ثابت ہوئی تو میرے جانشین کا فرض ہے کہ اس شخص کو خواہ خفیہ پولیس کا آدمی ہو یا نہو ضرور کچھہ صلہ دیا جائے۔ اور اگر اُسکی خبر تحقیق کی بعد غلط نکلے

تو اس بات کی جستجو کرنی چاہیئے آیا وہ خبر نیک نیتی کی بنا پر دیگئی تھی یا کسی چالاکی سے

آخر الذکر حالت میں اُسکو سزا دینی چاہیئے۔ مَیں نے اُن خبروں سے جو میرے اُمرائے دربار سردار اور خفیہ پولیس کے لوگ دیتے ہیں اور جو خبریں میرے اُن مخبروں کے پاس سے آتی ہیں جنہیں میں نے ممالک غیر تعینات کر رکھا ہے کچھ خبرت حاصل کر رکھی ہے۔

میرے غیر ممالک کے مخبر مجھے وہ اخبارات بھی بھیجدیتے ہیں میرے ملک کی بابت خبریں درج ہوتی ہیں۔ مَیں ان خبروں اور اخباروں پر غور کرتا ہوں اور پھر اپنے مطلب کے موافق نتیجہ نکال لیتا ہوں اور اسکے علاوہ کسیکی خبر یا بات کی پرواہ نہیں کرتا۔

میں اپنے بیٹوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ امیر شیر علی کی حکمت عملی پر نہ چلنا کہ اُسنے اپنے مصاحبوں کی رائے پر عمل کیا۔ ان کمبختوں نے پہلے تو یکے بعد دیگرے اُسکے بھائیوں سے لڑوا دیا اور پھر انگریزی حکومت سے مٹ بھیڑ کرادی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر علی بالکل برباد کر دیا گیا۔ یہ اُنھیں چاہیئے کہ یعقوب خاں کی کمزور حکمت عملی کا تتبع کریں جس نے گورنمنٹ انگلستان کو خوش کرنے کے لیئے ایسے معاہدے کرلیئے جنکو وہ کبھی ایفا نکر سکا۔

مثلاً اُس میں اتنی قوت اور قابلیت نہ تھی کہ وہ سر کویگنیری کو قتل ہونیسے بچاتا اور پھر نادانی سے اُسے کابل میں بلالیا۔ یہ اُسکی بڑی غلطی تھی جس سے کابل کا تخت وہ کھو بیٹھا۔ اور انگریز جنہوں نے ایسے کمزور حکمران پر بھروسہ کیا نقصانات سے بچ نہ سکے۔ نہ میرے بچوں کو چاہیئے کہ وہ چچا عظیم کی حکمت عملی اختیار کریں جسنے شراب خانہ خراب سے اپنا بخت اپنا تخت اور اپنی سلطنت کھودی مطلب یہ ہیکہ جہانتک ہو میرے بیٹوں کو چاہیئے کہ وہ مذکورۂ بالا حکمرانوں کی طرز حکومت سے پہلو بچائے رکھیں۔

میں اپنے بیٹے کو ایک اور ہدایت کرتا ہوں کہ کاروبار ملکی کے درمیان وہ ایک وقت تعلیم حاصل کرنے اور اپنی واقفیت بڑھانیکا ضرور خاص کر نظے جیسا کہ میں اپنے تمام زمانۂ سلطنت میں کرتا رہا ہوں اسکی ترکیب میں نے یہ کی کہ جہاں شام ہوئی اور دن بھر کے کام کی تکان اعضا پر غالب ہوئی اور میں نے اپنا سلسلۂ تعلیم شروع کیا۔ یعنی کبھی تاریخیں میرے آگے پڑھی جاتی تھیں۔ کبھی دول غیر کی جغرافیے کبھی نامور آدمیوں کے سوانح عمری۔ پھر مدبران یورپ کی اسپیچیں اور مضامیں اور اُسکے بعد وہ کل مضامین جو میرے مخبروں نے اخباروں سے کاٹ کر میرے پاس بھیجے ہیں پڑھے جاتے تھے۔ اِن سب باتوں سے مجھے

عجیب وغریب واقفیت حاصل ہوگئی۔

اگرچہ میری کتاب کے ہر باب میں میں نے اپنے بیٹوں اور جانشین کو کچھ ہدایتیں ضرور کی ہیں لیکن یہاں خاص طور پر میں نے وہ اُصول بیان کردیئے جو سلطنت کے قیام کے ذریعے ہیں۔ اب رہا انتظام کے متعلّق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا اس لیئے کہ جوں جوں ملک ترقی کریگا اور اسکی قوت بڑہی گی اُسی صورت سے اُس کا انتظام کیا جائیگا۔

میں نے کنسٹیٹیوشنل گورنمنٹ کا بنیادی پتھر رکھدیا ہے اگرچہ ابھی تک اُسکی عملی صورت نہیں دکھائی دی مگر یار باقی صحبت باقی۔ ہر حکمران کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے ان طریقوں کو دیکھے جنکی بنا پر حکومت ہورہی ہے اور کسی طریقہ کے اخذ کرنے یا قبول کرنے میں جلدی سے کام نہ لے بلکہ رفتہ رفتہ سوچ سمجھکر جو اچھے طریقے ہیں اُنھیں اپنے ہاں رواج دے دے۔

میرے خیال میں اصل پوچھو تو سب سے اچّھا طریقۂ حکمرانی وہ ہے جو عرب کے بڑے مقنّن قوانین یعنی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایجاد فرمایا ہے اور وہ طریقہ جمہوری سلطنت کا تھا۔ مہاجر اور انصار کو آزادی سے رائے دینے کا اختیار تھا۔ ہر شخص خلیفہ کے انتخاب میں اپنی رائے دیسکتا تھا اور کثرت رائے پر فیصلہ ہوا کرتا تھا میں نے ان ہی اصول پر گورنمنٹ کا بنیادی پتھر رکھا ہے میرے دربار میں اس وقت رعایا کی طرف سے تین قسم کے قائم مقام جمع ہیں جو مجھے جنگ کے متعلق سامان حرب وغیرہ کے متعلق اور معاملات میں آزادی سے مشورہ دیتے ہیں۔

ان تین اقسام کے قائم مقاموں کے نام یہ ہیں۔

سردار۔ خوانین ملکی۔ اور ملّا۔ اول الذکر پشتینی اسی عہدے پر چلے آتے ہیں۔ اور امیر کی اجازت سے وراثتہً انکو جگہ ملتی رہتی ہے۔

خوانین ملکی کا انتخاب کیا جاتا ہے اور انتخاب کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شہر اور قصبہ سے صرف ایک شخص باشندوں کی پسند پر لیا جاتا ہے اور یہ ملک اور آرباب پھر اپنے میں سے ایک شخص کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر سارے شہر بھر وسہ ہوتا ہے اور سب اُسے مانتے ہیں اور ایسے شخص کو خان کہتے ہیں تو میرے ہاں پارلیمنٹ یا ہاؤس آف کامنس میں اسی قسم کے خان بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں اسکی ضرورت ہے کہ رعایا کے انتخاب کے بعد پھر گورنمنٹ کی طرف سے ان خوانین کی

قابلیت جانچی جاتی ہے یہ دیکھا جاتا ہے کہ انھوں نے یا انکے باپ دادا نے گورنمنٹ کی کیا خیر خواہی کی ۔ ان باتوں کا ضرور لحاظ کیا جاتا ہے۔

تیسرے گروہ میں خان عالم یعنی ملّا اور قاضی اور مفتی ہوتے ہیں جو پارلیمنٹ میں نشست کرتے ہیں۔ طلبہ کو مذہبی علوم کی ڈگریاں دیتے ہیں اور مذہبی فیصلے کرتے ہیں۔

اس گروہ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ قوانین سلطنت مدوّن کرے یا بل بنائے کیونکہ اُنھیں اتنی وسیع تعلیم اور قابلیت حاصل نہیں ہے مگر ہاں وہ زمانہ آنے والا ہے کہ اُنھیں یہ قابلیت بھی حاصل ہو جائیگی۔ اور جب یہ بات حاصل ہو جائیگی تو افغان اپنے پر خود حکومت کرنے لگیں گے۔

مئیں اپنے بیٹوں اور جانشین کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہرگز اس گروہ کے ہاتھوں کا آلہ نہ بنیں اور معاملاتِ سلطنت میں کبھی اُنھیں دخل نہ دیں اور فوجوں کے بھرتی کرنے اور لشکر کے زبردست بنانے اور سامان حرب جمع کرنے میں نہایت سرگرم رہیں اور براہِ راست کل سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھیں اور مزید براں کسی صلاح ملک یا انتظام میں رائے دینے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھیں۔

میرے بیٹوں اور جانشینوں کو چاہئیے کہ کسی قسم کی نئی اصلاح اتنے جلدی ملک میں جاری کریں جس سے تمام ملک اپنے حکمرانوں کے خلاف شمشیر بدست ہو کے اُٹھ کھڑا ہو۔ اُنھیں ایسی کنسٹیٹیوشنل گورنمنٹ کی بنیاد ڈالنی چاہئیے جو نرم نرم قوانین یورپ کے دار العلوم کے اُصول پر تعلیم کے متعلق جاری کریں اور اس سہولت سے عملدرآمد کریں کہ نئی اصلاحات سے لوگ مایوس ہوتے چلے جائیں۔

یہ بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ جو لوگ غیر ملکی دربار میں ہیں وہ کہیں دول غیر سے رشوت لیکے اُلٹی رائے نہ دیں اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہئیے اور اُنکی رائے پر آنکھ بند کرکے کاربند نہونا چاہئیے کیونکہ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے خوب کہا ہے۔

وہ شخص اپنی تھیلی کی حفاظت کرسکتا ہے جو ایک زمانے کو جیب کترا سمجھے"

صرف اس لیئے کہ کابل کا تخت اپنے ہاتھ میں رہے اور تخت کابل کے فرضی دعویدار دول غیر کی مدد سے نہ اُٹھ کھڑے ہوں بڑی توجہ اور خیال کی ضرورت ہے اور وہ توجہ محض جنگی انتظام کی طرف مبذول کرنی چاہئیے اگرچہ میں نے فوجی قوت بڑھانے کے متعلق اور مقامات میں لکھدیا ہے لیکن اب مئیں اور بھی اس مقام پر لکھنا چاہتا ہوں۔

صرف دس لاکھ سپاہ کسی غیر سلطنت کے حملہ کو روکنے اور افغانستان کی حفاظت کرنے کے لیئے بہت کافی ہے اور اگر فوج کی اتنی تعداد ہوگئی تو پھر افغانستان دنیا کی کسی سلطنت سے نہیں ڈر سکتا۔

ہر سپاہی کو جسکے پاس زمانۂ حال کی بندوق ہو پانسو کارتوس رکھنے چاہئیں اور جس سپاہی کے پاس ہنری مارٹین ہوئے زمانۂ جنگ میں پانچھزار کارتوس ملنے چاہئیں جب اسقدر سامان جمع ہوجائے تو دس لاکھ فوج پھر بڑی زبردست تیار ہوسکتی ہے۔ اس فوج کو میں نے اس طرح تقسیم کیا ہے تین لاکھ تو رگلر فوج یعنے باقاعدہ اور سات لاکھ والینٹر اور ملیشیا۔ اس آخرالذکر کو نہایت اعلی درجہ کی قواعد سکہانی چاہیئے۔ سامان خورد ونوش اسقدر جمع ہے کہ اتنی فوج کے لیئے بوقت جنگ تین سال تک کافی ہوسکتا ہے۔ ہاتھی اونٹ گھوڑے یابو۔ خچر اور دوسرے باربرداری کے جانور ہر وقت مہیّا رکھنے چاہئیں۔ کیونکہ بڑی بڑی مہذب دولتوں کو فوجوں کے جمع کرنے میں اتنی مشکلات نہیں پڑتیں جتنی باربرداری کے جانوروں کے بہم پہنچانے کے لیئے دقتیں پیش آتی ہیں۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ افغان اپنے پہاڑوں پر جانوروں سے زیادہ دوڑتے اور چڑھ جاتے ہیں اور ایسی حالت ہیں کہ اُنکے پاس اُنکی بندوق۔ سامان حرب اور خیمے ہوتے ہیں اور اُنھیں اس پر بھی کچھ تکلیف کرنا نہیں پڑتا۔ اس لیئے باربرداری کے جانوروں کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے اور اگر ضرورت بھی ہوتی ہے تو ایک کثیر تعداد سپاہ کے لیئے چند جانوروں کی۔

یہ کہنا مبالغہ نہوگا کہ دس لاکھ افغانی سپاہ کو جتنے باربرداری کے جانوروں کی ضرورت ہوگی اُسیقدر صرف ایک لاکھ انگریزی سپاہ کو ہوگی۔ اس لیئے کہ انگریزی سپاہ کو سامان خورد ونوش کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً شراب۔ سوڈا واٹر۔ اور دوسری عیش کی چیزیں۔ بعض نکتہ چین یہ ضرور کہیں گے اگرچہ انگریزی سپاہی عیش وعشرت میں مثل شاہزادہ کے رہتا ہے لیکن کیسا شاندار زبردست جنگ آور ہے۔ بیشک مجھے نکتہ چین کی رائے سے بالکل اتفاق ہے کیونکہ میں انگریزی سپاہی کی تعریف میں رطب اللسان ہوں اور اُسکی قابلیت جنگ کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں تو یہاں صرف خچروں کی ضرورت اور سپاہیانہ ہنروں کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

دس لاکھ سپاہ کے جمع کرنے کے لیئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس لیئے میں اپنی آمدنی کی مناسبت سے فوج کو برابر بڑھاتا چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ باقاعدہ فوج جسکی تنخواہ گورنمنٹ کے خزانہ سے ملتی ہے

تین لاکھ تعداد سے زیادہ نہیں چاہیے لیکن ہمارے ملکی خزانے میں اتنی قدرت ہے کہ اگر جنگ ہو تو وہ دس لاکھ تک فوج رکھ سکتا ہے اور دو سال تک بشرطیکہ جنگ جاری رہے برابر اتنی بڑی تعداد کا بوجھ اٹھائیگا۔

بااین ہمہ ضرورت اس بات کی زیادہ ہے کہ اسقدر روپیہ خزانے میں جمع رہے کہ ہم سامان حرب تیار کرنے کے لیئے کارخانے بناتے چلے جائیں اور حسب ضرورت اسلحہ تیار کرتے رہیں اور اسکی بھی اشد ضرورت ہے کہ افغانستان کی معدنیات سے۔ لوہا۔ تانبا۔ پیتل اور کوئلہ نکالا جائے تاکہ اس سے ہمارے بہت سے کام نکلیں۔

میں نے ہر قسم کا انتظام کر کے یہانتک کرلیا ہے کہ اگر جنگ ہوئی تو کافی تعداد میں فوج لا سکتا ہوں۔ میری فوجوں میں زبردست توپخانہ اور ہر قسم کا سامان حرب موجود ہے۔ اور غلہ اس کثرت سے موجود ہے کہ کبھی باہر سے منگانے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ کھتے بھرے پڑے ہیں اور سامان خورد نوش تمام ملک کے لیئے کافی ہے۔

دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو باقاعدہ فوجوں کی تعداد بڑھانے کی اور دوسرے افسر زیادہ کرینگی۔ مجھے خوف ہے کہ ان دونوں باتوں کی تکمیل کے لیئے زیادہ وقت کی ضرورت ہوگی۔ مگر کچھ زیادہ فکر کی بات نہیں ہے۔ افغان پیدائشی سپاہی ہیں۔ بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ معمولی کسانوں نے اعلیٰ درجہ کی فوجوں کی طرح سے میدان جنگ میں داد شجاعت دی ہے۔

ایک بہت بڑی چیز جسکی ضرورت ہے روپیہ ہے جسکے لیئے خزانہ ہر وقت منہ کھولے بیٹھا رہتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت خزانہ میں اتنا روپیہ ہے کہ سابق امیروں میں کسی کے عہد میں نہ تھا مگر جتنا میں چاہتا ہوں اُسقدر جمع نہیں ہوا ہے۔

میں نے افغانستان کے ہر شہر میں فوج کے لیئے سامان خورد نوش جمع کرنے کے واسطے گودام بنائے ہیں اور کل گودام اسوقت بھرے ہوئے ہیں۔ اس لیئے میں اپنے بیٹے اور اپنے جانشین کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان گوداموں کا سلسلہ برابر قائم رکھے اور ہر سال ذخائر میں نیا غلہ داخل اور پرانا خارج کرتا رہے پرانا غلہ سستی قیمت پر فروخت کر ڈالے اور نیا غلہ مثلاً گیہوں اور جو بھر لیا کرے جو ہر سال فروخت ہو وہ پھر آخور بھی خچروں۔ گھوڑوں اور جانوران باربرداری کے لیئے خرید لیا کرے

میرا بیٹا اور جانشین اس بات کو سمجھ لیں کہ اگر ناتجربہ کار اس حکمت عملی پر کہیں نے اڑتالیس ہزار گھوڑے اور خچر جمع کر رکھے ہیں معترض ہوں کہ اتنے جانوروں کا خرچ کیوں بڑھا رکھا ہے اور لاکھوں من غلہ گیہوں جمع کر رکھا ہے تو انکی ایک نہ سنیں۔

معترض اکثر یہ کہا کرتے ہیں بھلا گورنمنٹ اِن کثیر تعداد جانوروں کا خرچ کیوں گوارا کرتی ہے بوقت ضرورت ہم ملک سے کرایہ پر کر لینگے۔ ان کی اس رائے پر بھی دھیان نہ رکھا جائے جانشین اسکی مقتضی ہیں کہ ہم ہر وقت تیار رہیں کیونکہ مجھے تجربہ ہے کہ بوقت ضرورت سامان مہیا کرنے میں بہت کچھ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ ان بار برداری کے جانوروں کے علاوہ اسکی بھی ضرورت ہے کہ ہر وقت ایک مقدار روپیہ کی خزانہ میں جمع رہے۔

میرے جانشین اور بیٹوں کو اپنی کثیر تعداد سپاہ کو دیکھ کے مغرور نہ ہونا چاہیئے اُنکا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کو نگاہ رکھیں کہ کس صورت سے فوج خوش اور مطمئن رہ سکتی ہے فوج کا نہ ہونا ہزار درجہ بہتر ہے اس سے کہ فوج ہو اور ناراض ہو۔

فوج کے خوش رکھنے کی تدبیر خود شاہ کر سکتا ہے۔ ہاں ایک بات کہدینی ضرور ہے کہ ایک تو تنخواہ ماہ بماہ دینی چاہیئے۔ دوسرے اُنہیں ناحق نہ پریشان کرنا چاہیئے۔ امیر شیر علیخاں اپنی فوج پر جبر ہی کرتے تھے اور تنخواہ بھی نہ دیتے تھے اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انگریزی فوجیں کابل پر بڑھی ہیں تو اُنہوں نے مطلق مقابلہ نہیں کیا صرف افغانستان کے کسان تھے جنہوں نے جنگ کی تھی باقی سپاہی تو کوئی بھی نہیں لڑا اتنا لشکر کی ناراضگی کیوجہ سمجھنی چاہیئے کہ شاہان افغانستان کی قسمت کا ہمیشہ ایک ہی جنگ میں فیصلہ ہوتا رہا اسکی وجہ فوج کی ناراضگی ہوتی تہی کہ وہ تنگ آکے خود اپنے کو دشمن کے حوالے کر دیتی تہی۔ یا ایک بار شکست کھاکے پھر میدان میں ٹھیرنا گوارا نکرتی تہی اور منتظر رہتی تہی کہ کوئی موقع ہو تو یہاں سے کافور ہو جائے

جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں فوج کو ماہواری نقد تنخواہ ملنی چاہیئے اور اُنہیں کبھی یہ حکم ندینا چاہیئے کہ تم محاصل ملکی میں سے اپنی تنخواہ آپ مہیا کر لو جیسا کہ سابق امیروں کا قاعدہ تہا۔ سپاہی کو تنخواہ ہی نہ ملے تو وہ ہر وقت اپنے بی بی بچوں کی پریشانی میں رہے گا۔ ایسی حالت میں کیا خاک اپنے فرائض کی تکمیل کر سکیگا یا اگر اُسے گاؤں میں بہیجا جائےگہ تو اپنی تنخواہ زمینداروں سے وصول کر لے تو اُس جگہ میدان جنگ مین

کون لڑے گا۔

زر بدہ مرد سپاہ را تا سر بدہد اگرش زر ندہی سر بنہد در عالم

سپاہیوں کو خدا نے بہادر پیدا کیا ہے۔ وہ جنگ کے لیئے شائستہ بنائے جاتے ہیں۔ بہادر اور سچے افسروں کے ماتحت اپنے فرائض کی تکمیل کرتے ہیں۔ ایک قابل جنگی افسر کی ماتحتی میں مٹھی بھر سپاہی بڑے بڑے کار نمایاں کرسکتے ہیں۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ۔ ایک بہادر بھیڑیا کبھی بھیڑوں کی کثرت سے خوف نہیں کھاسکتا یا جس طرح فردوسی کا مقولہ ہے" تعداد کی زیادتی کوئی چیز نہیں ہے دو سو بہادر جنگجو ایک لاکھ بھیڑ یا دہسان پر بھاری ہیں۔

افسروں کے انتخاب کے لیئے بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ تمام افسر خواہ ریاست اور فنون جنگ سے اعلی ماہر ہوں اور اگر ممکن ہو تو عالی خاندان بھی ہوں۔ رعایت سے ترقی دینے کا میں بالکل مخالف ہوں۔ بلکہ اُنکے فنونِ جنگ کے امتحان پر۔ اُنکی خدمات پر۔ اُنکی نیک چلنی پر۔ اُنکی شجاعت اور بوتمت جنگ اُنکے انتظام پر اور اسبات پر کہ وہ سپاہیوں میں ہر دل عزیز ہیں ترقی دینی چاہیئے آخر الذکر صفت کو سب سے افضل سمجھنا چاہیئے۔

تمام افسروں کا فرض ہے کہ وہ جنگ کا سائنس پڑہیں۔ بہت سی کتابین فارسی زبان میں ترجمہ ہو گئی ہیں اور بہت سی ابھی ہونی باقی ہیں۔ میرے جانشین اور میرے بیٹوں کو میری ان نصیحتوں پر عمل کرنا چاہیئے وہ اسبات کو بھی گوشگذار کرلیں کہ اگر ہمسایہ دولتوں کی طرفسے اس بات کی درخواست دیجائے کہ ہم اپنے افسر تمہیں دینا چاہتے ہیں۔ اس درخواست کو کبھی منظور نکیا جائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خود غرضی جنون کے دوسرے درجے پر ہے۔

مثلاً اگر کسی ہمسایہ سلطنت نے تمہیں اپنے جنگی افسر دیئے کہ وہ افغانیوں کو قواعد وغیرہ سکھائیں۔ تو تم سمجھ لو کہ وہ قواعد ہی کی تعلیم نکرینگے بلکہ یہ بھی تعلیم کرینگے کہ ہمارے مقاصد کا بھی وقت ضرورت خیال رکھیں مجھے اُمید ہے کہ افغانی بہت جلد اس بات کو سیکھ جائیں گے کہ اپنے قومی مقاصد اور ملکی فوائد کو دوسرے ملک کے مقاصد پر ہر طرح ترجیح دیں۔ پھر وہ اپنے ملک اور قوم کے فدائی بن جائینگے جب اُنہیں یہ فراست حاصل ہو جائیگی تو پھر ممالک یورپ میں اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے جانا کچھ بھی قابلِ اعتراض نہیں رہنے کا۔

اُسوقت اُنکی یہ کیفیت ہو جائیگی کہ اپنے ملک کے دشمن کو اپنا ذاتی دشمن خیال کرینگے۔ ایسی حالت میں ہمارا فرض ہو جائیگا کہ مزید فنون جنگ حاصل کرنیکے لیئے ہم اپنے نوجوان افسروں کو یورپ روانہ کریں پھر جب وہ تعلیم پا کے واپس آئیں گے تو آسانی سے دوسرے افسروں کو تعلیم کر سکیں گے۔

اس وقت تو ہمیں صرف اسی پر قناعت کرنی چاہیئے کہ ہمارے سپاہی اپنی پہاڑیوں میں کس طریقہ پر جنگ کریں اور جو کتابیں قواعد وغیرہ کے متعلق یورپی زبانوں میں لکھی گئی ہیں اُنکا فارسی میں ترجمہ ہو جائے اور وہ افسروں اور سپاہیوں کو پڑھایا جائے۔ اُن دنوں میں جبکہ میرے سپاہیوں کے پاس نہ اچھی بندوقیں تھیں نہ وہ قواعد جانتے تھے اور محض زمینداروں اور کسانوں کے گروہ کے مثل تھے انگریزی سپاہ سے اس بہادری سے جنگ کی تھی کہ نہ صرف انگریزوں نے بلکہ تمام دنیا نے شجاعت پر آفرین کہی تھی۔

اب الحمد للہ اُنکے پاس موجودہ ساخت کی اعلیٰ درجے کی رئفل موجود ہیں۔ میرے سپاہ سالاروں نے اُنہیں قواعد سکھائی ہے وہ دنیا کی شائستہ سے شائستہ فوج سے اچھی طرح جنگ کر سکتے ہیں اپنے سے دُگنے سپاہیوں سے نہ سہی مساوی تعداد میں مقابلہ کرنے سے وہ کسی طرح ہیٹے نہیں ہو سکتے۔ جاننے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقام سعدآباد میں میرے پاس صرف آٹھ ہزار سپاہی تھے، اور امیر شیر علی خاں کے پاس ستر ہزار فوج تھی کیسی فاش شکست دی تھی کہ اُسے اپنا سامان اور اپنی مجروحین کو میدانِ جنگ سے اُٹھانے کا بھی ہوش نہ رہا۔ اس فتح کا یہ نتیجہ ہوا کہ امیر شیر علی کی حکومت کا فیصلہ ہو گیا اور میرے والد ماجد جو قید میں تھے تخت کابل پر بٹھا دیئے گئے۔ حضرت شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے۔

رعیت چو بیخ است سلطاں درخت درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

میری نصیحت کا دوسرا حصہ یہ ہے جو میں اپنے جانشین اور اپنے بیٹوں کو کرتا ہوں کہ کسی حکومت کی زندگی اور اُس کی بقا بالخصوص رعایا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیئے میری جانشین اور میرے بیٹوں کا فرض ہے کہ رعایا کی بہبودی اور فلاح کے لیئے ہمہ تن کوشاں رہیں اور کسی وقت غفلت نہ کریں اگر رعایا دولتمند ہے گورنمنٹ پہلے دولتمند ہوگی۔ اگر رعایا میں امن ہے گورنمنٹ میں خود بخود امن ہوا اگر رعایا عالم اور بیدار مغز ہے وزرا جو سلطنت کا کھمبو کہتے ہیں اعلیٰ درجے کے ہوشیار اور مدبر ملیں گے۔ رعایا

کی تعلیم کا سب سے ضروری کام جس طرح ہو رعایا تعلیم یافتہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہونگی ملک ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ ابتدائے عمر میں بچے جو کچھ سیکھتے ہیں اپنی ماؤں سے سیکھتے ہیں اور جو خیال اس وقت بچپن کے زمانہ کے دلنشین ہو جاتے ہیں اُنکا اثر اخیر عمر تک رہتا ہے اور دماغ میں یہ خیالات ایسے جم بیٹھ جاتے ہیں کہ پھر اُن کا نکلنا محالات سے ہے۔

اگر مرد اور اُنکی عورتیں تعلیم یافتہ ہیں تو اراکین سلطنت اُن میں سے انتخاب کیئے جائیں گے وہ روشن ضمیر بھی ہوں گے۔ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار بھی ہوں گے اور ان کی رائے سلطنت کے کاموں میں بہت اچھی تلی ہوگی۔

یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ اگر رعایا وحشی ہے تو گورنمنٹ بھی پہلے وحشی ہوئی اور اسی لیئے سختی اور درشتی کا برتاؤ رعایا سے کرنا پڑتا ہے اور ہر وقت جنگی قانون کا اجرا رہنا ہے۔ اسی طرح وحشی حکومتیں اس قابل ہی نہیں ہوتیں کہ وہ شائستہ اور مہذب رعایا پر حکومت کر سکیں اور اگر ایسا موقع ہو بھی جاتا ہے تو بادشاہ کو اپنا سر نذر کرنا پڑتا ہے۔ جیسا انگلستان میں چارلس اول کے وقت میں ہو چکا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر گورنمنٹ وحشی ہے تو اُس کی رعایا بھی وحشی ہوا اور اگر گورنمنٹ تعلیم یافتہ ہے تو اُسکی رعایا بھی تعلیم یافتہ ہو ورنہ نباہ کسی صورت نہیں ہو سکتا ہمیشہ جوتی پیزار رہے گی اور دونو ناخوش زندگی گذاریں گے۔

مَیں مثلاً ایک کہانی حسب موقع بیان کرتا ہوں جس سے میرے مقصد کی توضیح ہو جائیگی ایک نجومی نے بادشاہ سے کہا کہ فلاں تاریخ بہت کثرت سے بارش ہوگی اور جو شخص اس بارش کا پانی پیئے گا دیوانہ ہو جائیگا۔ بادشاہ یہ سنکے سٹ پٹا گیا اُس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ فوراً چند حوض پانی کے بھر لیئے جائیں تاکہ خالص پانی محفوظ رہے اور مَیں اور میرے وزرا بارش کا پانی نہ پئیں۔ بارش ہوئی اور لوگوں نے چونکہ چشمے یا حوض اُنکے لیئے محفوظ نہ تھے وہی پانی پیا۔ پانی کا پینا غضب ہو گیا۔ سب دیوانے ہو گئے۔ اب شاہی وزرا کے احکام مطلق نہیں مانتے۔ ہر چند بادشاہ اور وزرا سمجھاتے ہیں لیکن کوئی نہیں سنتا۔ آخر بادشاہ نے دق ہو کے اپنے وزرا سے کہا کہ مجلس شوریٰ میں رعایا کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا ناچار اُن ہی کے کہنے پر عملدرآمد کرنا ہوگا۔ اس لیئے مناسب ہے کہ ہم بھی بارش کا پانی پی لیں تاکہ سب یکرنگ ہو جائیں۔ چنانچہ یہی عملدرآمد کیا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بادشا اور وزیر بھی دیوانے۔

ہو گئے۔ بہلا دیوانے کیونکر ملک کو قایم رکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ پڑوسی جھپٹ پڑے اور دیوانوں کو مار کے باہر نکال دیا اور ملک پر قابض ہو گئے۔

رعایا کی بہبودی اور فلاح انصاف اور بے رو و رعایت قوانین پر موقوف ہے۔ قانون کی نظر میں بادشاہ اور فقیر یکساں ہیں۔

میرے جانشینوں کو چاہیے کہ گذشتہ امیروں کی تقلید نہ کریں۔ جن کے زمانہ میں ہر رئیس اور عہدہ دار کا علیحدہ قانون تھا نہ کوئی عدالت تھی نہ دربار شاہی۔

یہ میں قبول کرتا ہوں کہ میں جیسی عدالتیں اور انصاف کا جیسا کہ پیمانہ چاہتا ہوں اپنی خواہش میں کامیاب نہیں ہوا تو بھی ڈھنگ ایسا ڈالدیا ہے کہ ترقی کی گنجایش آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے اور میں نے جو کچھ ترقی کی بتدریج کی ہے۔ مثلاً میرے آغاز سلطنت میں بغاوتیں اور فسادات بہت ہوئے تھے۔ انکے مقابلے میں میں سزائیں بھی ایسی سخت ہی دیتا تھا۔ لیکن جوں جوں رعایا شائستہ اور امن پسند ہوتی گئی۔ میں نے بھی سزاوں میں کمی کرنی شروع کردی اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ سزا اب بہت ہی خفیف دیجاتی ہے۔

میرے جانشین اور بیٹوں کو بھی اسی حکمتِ عملی پر عملدرآمد کرنا چاہیے اور وقتاً فوقتاً قوانین میں رعایا کی حالت کے بموجب ترمیم ہوتی رہے۔

اُنہیں سمجھنا چاہیے کہ مختلف ممالک میں پارلیمنٹیں اور مجالسِ شوریٰ وغیرہ محض اسی لیے ہیں کہ دنیا کی تہذیب اور ترقی کے ساتھ ساتھ وہ قوانین میں بھی تبدیلی کرتے رہیں اور ترقی عالم کے ساتھ قدم بقدم چلیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ زمانہ قریب ہی کہ میری رعایا تعلیم اور نیک گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں ترقی کرتے کرتے اپنے لیے خود قوانین مرتب کرنے لگے گی۔ قوانین سے غرض مذہبی قوانین نہیں ہیں بلکہ ملکی قوانین ہیں۔ مذہبی قوانین جو عبادت کے متعلق ہیں پہلے سے منضبط ہو چکے ہیں۔

جو عدالتیں میں نے قایم کی ہیں اُنکی تعداد سابق امیرانِ کابل کی عدالتوں سے بدرجہا بڑہی ہوئی ہے تو بھی اور جدید عدالتوں کے قایم کرنے کا فکر رہتا ہے۔ صرف خزانہ کو دیکھنا ہے۔ اگر خزانہ اجازت دیگا تو اور عدالتیں کھولدی جائیں گی۔ جب مختلف صوبجات میں عدالتیں قایم ہو جائینگی تو لوگوں کو مقدمات کرنے کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرنیکی تکلیف نہیں رہنی کی۔

اور ایسا موقع ہو کہ خزانے میں تو اتنی گنجایش نہ ہو کہ زیادہ عدالتیں قایم کرے - اور مقدمات کی کثرت سے مزید عدالتوں کی ضرورت ہو تو اُس وقت سوائے اُس ترکیب کے اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ دو لفظی اور فوری فیصلہ کیا جائے اور بہت سے مقدمات صرف زبانی طے کر دیئے جائیں - جج کے آگے مدعی اور مدعا علیہ گواہ پیش ہوں تو وہ سب کا بیان سنکے فوراً اُسی وقت زبانی فیصلہ سُنا دے چلو چُھٹی ہوئی - اس صورت سے ایک دن میں کئی مقدموں کا فیصلہ ہو سکتا ہے -

جتنے مقدمات - وراثت - ملکیت - معاملات - تجارت وغیرہ کے فیصلے ہوئے ہوں - سرکاری دفتر میں حوالہ دینے کے لئے اُنکی کامل مسلیں رہنی چاہئیں - منشی سرکاری دفاتر میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ کوئی غلط فہمی بیچ میں آکے واقع نہو -

یہ ضروری بات ہے کہ عدالتوں اور انتظام میں بتدریج تبدیلیاں کی جائیں کیونکہ اگر سیاست کی باگیں ڈھیلی پڑ گئیں اور ذرا بھی انتظام میں نرمی پہنچی تو لوگ باغی ہو جائیں گے اور مفسد طبائع کو سرکشی کا موقع ملیگا -

مثلاً میں نے محکمۂ خبر رسانی قائم کیا ہے جسکے کل میرے ملکی افسر مخالف ہیں - کیونکہ نہ تو وہ رشوت لیسکتے ہیں اور نہ میری رعایا سے بالجبر روپیہ وصول کر سکتے ہیں - اُن مخبروں کی وجہ سے اُنکی جان نکلتی ہے - مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے اراکین سلطنت میرے بیٹوں سے محکمۂ خبر کے افسروں کی سختی سے شکایت کرتے ہیں اور اُن کے دماغوں میں ایسی بُرائی بھری ہے کہ وہ ان سے بدظن ہو گئے ہیں - مگر میں اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس محکمہ کو قائم رکھیں اور اس کے خلاف کوئی بات دل میں نہ لائیں - کیونکہ یہ محکمہ عام مہذب گورنمنٹوں میں موجود ہے - یہ مخبر تمام اندرونی اور بیرونی معاملات پر مجھے مطلع کرتے رہتے ہیں اور میرے دشمنوں کی دغابازی اور بے ایمانی اور میرے خلاف سازش کی مجھے اطلاع کرتے رہتے ہیں - اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ ہمسایہ گورنمنٹوں کی دیکھ بھال اور خیالات کے جانچنے کا اور دوست و دشمن میں تمیز کرنیکا نہیں ہے - کیونکہ ہمسایہ گورنمنٹوں کے طرز و انداز کا مجھے بڑا خیال رہتا ہے اور جو کچھ ان سے خط و کتاب ہوتی ہے وہ میرے دفتر میں محفوظ ہے - میرے بیٹوں کو چاہئے کہ وہ غور سے انوار سہیلی کتاب پڑھیں اُس کے پڑھنے سے بہت فائدہ ہوگا اور عقل بڑھے گی -

لیکن تمام ہمسایہ طاقتوں کے خیالات دلی کا مطالعہ کرنے کے لیئے اور دوست دشمن میں امتیاز کرنیکے لیئے سوائے محکمۂ خبر رسانی اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ساتھ ہی انواریسیلی کا مطالعہ بھی ضرور فائدہ رساں ہوگا۔ لیکن یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ مطالعہ کتب اُسی وقت فائدہ دیسکتا ہے جب کچھ ذاتی جوہر بھی موجود ہو اور اگر گرہ ہی میں عقل نہیں ہے تو ہزاروں کتابوں کا دیکھنا ہی بے سود ہے اس کی مثال اس قصّہ سے معلوم ہو جائیگی۔

ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو ایک نجومی کے سپرد کیا اور کہا جہانتک تجھسے ممکن ہو تو بہ نسبت اپنے دوسرے شاگردوں کے اس شہزادہ کو زیادہ محنت سے درس دیجو کیونکہ میں تجھے اس کا معاوضہ بھی سب سے زیادہ دوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد امتحاناً بادشاہ نے کل طلبہ کو بلایا اور انگوٹھی مٹھی میں دبا کے اُن میں سے کسی سے دریافت کیا کہ میری مٹھی میں کیا ہے۔ طالب علم نے ستاروں کی گردش سے حساب نکال کے یہ بتا دیا کہ کوئی چیز گول گول ہے پھر بادشاہ نے دوسرا سوال کیا۔ رنگ کیا ہے؟ جواب دیا سفید۔ پھر پوچھا۔ کس چیز کی بنی ہوئی ہے جواب دیا چاندی کی اور بیچ میں خلاف ہے۔ اب آگے نتیجہ خود نکل سکتا ہو کہ انگوٹھی ہے اس سے بادشاہ کا اطمینان ہو گیا کہ نجومی تعلیم تو خوب دیتا ہے۔ اب شہزادہ کی باری ائی اُس سے بھی انگوٹھی ہاتھ میں لیکے یہی سوالات کیئے گئے سب کے جواب ٹھیک ٹھیک دیئے۔ مگر جب آخری سوال آیا تو کہدیا "چکی کا پاٹ ہے" بے وقوف یہ نہ سمجھا کہ اول تو چکی چاندی کی ہوتی نہیں دوسرے انسان کی مٹھی میں چکی آکیونکر سکتی ہے۔

بادشاہ نے کبیدہ خاطر ہو کے نجومی سے کہا ابسی ہی تعلیم دی ہے؟ اُس نے جواب دیا خداوند نعمت جہانتک نجوم کا دخل تھا وہاں تک تو شہزادہ امتحان میں پورا اُترا اور جہاں عقل کی ضرورت تھی وہاں اس نے ٹھوکر کھائی۔ اس میں فدوی کا قصور ہی کیا ہے۔

ایکبات اور سمجھ لو کہ سلطنت کی قوت قوم کی خوشحالی بغیر مذہب کے نہیں ہو سکتی اسکو یاد رکھیئے کہ قوم بغیر مذہب زندہ نہیں رہ سکتی اور ان میں دیر یا بجلدی تنزل لازمی ہے۔ مسلمان بہادر ہیں اسلیئے کہ وہ اپنے مذہب کے پابند ہیں۔ مئیں نے کئی کتابیں حفاظت مذہب کے متعلق لکھی ہیں اور ایک کتاب جہاد پر بھی تصنیف کی ہے۔ اسی کے متعلق جتنی کتابیں اور رسالے لکھے ہیں انکے نام حسب ذیل ہیں۔

تقویم دین۔ پندنامہ۔ یہ دونوں کتابیں کل کتابوں سے اچھی ہیں اور ہر مسلمان کے مذاق کی ہیں

میں مذہب کے متعلق زیادہ لکھنا نہیں چاہتا مگر جن لوگوں کو مذہب سے لگاؤ ہو وہ مذکورہ بالا کتب کو دیکھیں میں اپنے جانشینوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جس طرح میں نے افغانستان میں اسلام کی صورت قائم کی ہے وہ صورت میرے بعد بگڑ نہ جائے۔ ان اصولوں کے قائم کرنے سے یہ کتنا بڑا فائدہ ہوا کہ وہ روپیہ جو ملا کہا کے چلے جاتے تھے خزانہ شاہی میں داخل ہو رہا ہے اور ان سب کی تنخواہیں کر دی ہیں مثلاً قاضی۔ مفتی۔ امام مؤذن۔ اور محتسب یہ سب مہینہ پاتے ہیں اور رعایا سے ایک پائی وصول کرنیکا بھی کوئی واسطہ نہیں ہا

اس سے یہ بھی ایک نتیجہ نکلا کہ دینی افسران سرکاری کے ماتحت ملا وغیرہ آگئے اور اب چاروناچار انہیں تاج کی اطاعت کرنی پڑتی ہے کیونکہ وہ ملازم تاج ہیں اور انکی موقوفی بحالی کا اختیار تاج کو حاصل ہے اسلام کا اتحاد قوت کا ضامن ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے "کیا تم خداوند تعالیٰ کی برکت نہیں سمجھتے کہ اس نے تم میں بھائی چارا اور دلی الفت پیدا کر دی۔ جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے" حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائے نبوت سے منشار عالی یہ تھا کہ انہیں اتحاد پیدا کر دیا جائے۔ تاکہ کا نمایاں کر سکیں مثلاً آپنے حکم دیا کہ لوگ ساتھ ملکے کھائیں محلہ کی مسجد میں کل محلہ والے جماعت سے نماز پڑھیں۔ اور جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کریں۔ کیونکہ جو لوگ ہفتہ بھر تک نہیں مل سکتے اُن سے جامع مسجد میں اچھی طرح ملاقات ہو جائیگی اور جو لوگ جامع مسجد میں بھی نہیں مل سکتے وہ عید گاہ میں سال میں دو دفعہ تو ضرور ہی ملیں گے۔ آپ یہ تو ایک شہر کے باشندوں کی کیفیت ہوئی اب سنئیے تمام ممالک کے مسلمان ملانے کے لئے حج قائم کیا۔ آپ حج کو جائیے دنیا بھر کے مسلمان مل سکتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حج کے دنوں میں اتنا مجمع ہونا طاعون یا وبائی بیماری کی علامت ہے میں حفظان صحت کے متعلق کچھ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ لندن یا یورپ کے اور شہروں میں جبکہ اتنی کثیر تعداد سے لوگ رہتے ہیں تو طاعون سے مر کیوں نہیں جاتے۔ اسکی وجہ ہے کہ یورپ کے شہروں میں صفائی کے متعلق اُن ہی اصولوں پر کاربند ہوا جاتا ہے جو حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قایم دیئے ہیں اگر مکہ معظمہ میں بھی اسیطرح صفائی سے کام لیا جائے تو ہماری پاس تو کھڑی ہو۔ یہاں یہ غضب ہے کہ ایک اصول پر چل رہے ہیں اور باقیماندہ کو چھوڑ دیا ہے۔

اخیر میں اتنا ضرور کہوں گا اگر خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں چند سال اور بھی زندہ رہا یا میرے مرنیکے بعد افغانستان میں وعویداران سلطنت کا کوئی جھگڑا نہوا اور کسی سلطنت نے حملہ

بھی کیا اور میرے جانشینوں نے میری ہدایتوں پر عمل بھی کیا تو میں دکھاؤنگا کہ افغانستان کی آیندہ حالت کیسی زبردست ہوتی ہے۔ انشاءاللہ ملک کے وسیع رقبہ پر نظر کر کے ملک کی قدرتی دولتوں پر خیال کر کے اور مخلوق کے بہادر اور قوی الجثہ ہونے کو مدِّنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ چونکہ حدبندی کے نشانات قایم ہوگئے ہیں اس لئے زبردست ہمسایوں میں سے کوئی ہمسایہ حملہ نہیں کرسکتا۔ نہ اب بغاوتیں اور جرگوں کے فسادات ہونگے۔ کیونکہ ان کا خاتمہ ہوچکا ہے لشکر۔ سامان حرب اور خزانہ باقاعدہ اُصول پر قایم ہوچکا ہے۔ اور ایک حد تک کابل بھی ہی۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ فوراً ملک کو مالامال کرنیکے لئے تجارت بہت وسیع پیمانہ پر جاری کی جائے۔ ملک میں عام تعلیم کا رواج دیا جائے۔ اور معدنیات کی دولت حاصل کی جائے۔ اور بیرونی مہاجنوں۔ تاجروں اور مسافروں کی پوری حفاظت کیجائے۔ اور جب برف پگلتی ہے اس کا پانی جمع کرکے محفوظ کرلیا جائے تاکہ گرمیوں میں کام آئے۔

جو زمینیں کہ اس وقت بنجر پڑی ہیں انہیں جوتا بویا جاوے کیونکہ وہ کل زمینیں باآور ہیں میں نے بہت سی نہریں دریاہیں سے کاٹ لی ہیں اور بہت سی نہریں زیرتعمیر ہیں۔ استراخاں میں چمڑے۔ اُون۔ گھوڑوں اور بھیڑوں کی تجارت بڑے زور پر ہے۔ میں نے افغانی تاجروں کو بغیر سود کے روپیہ قرض دیا۔ ہے کہ وہ تجارت کریں۔ سود کے بجائے میں آمد و برآمد مال محصول جنگی لیتا ہوں۔ جس کا فائدہ سود سے کہیں زیادہ ہے اور نیز تاجروں کو اس سے خوب فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن اب اس کی ضرورت داعی ہوئی ہے کہ دولِ خارجہ کے بنکوں سے معاملہ کیا جائے کہ بنک نوٹ افغانستان کے خزانہ میں چلائے جائیں اس طرح کرنے سے روپیہ بیکار نہیں رہنے کا اور سال میں کئی بار اس کا دَوَر بڑھ جائیگا اور تجارت کو بہت نفع پہنچیگا۔ اس بناء پر میں نے ہنڈوی اولیں اف ایکسچنج کا قاعدہ اپنے ہاں جاری کردیا ہی۔

اگرچہ میں آزادانہ تجارت کے فوائد سے لاعلم نہیں لیکن اس کا وقت ابھی نہیں آیا کہ میں تجارت کے متعلق موجودہ یورپی حکمت عملی پر کاربند ہوں اس لئے میں نے دولِ خارجہ کی تجارت کے لئے بہت سی مزاحمتیں پیدا کردی ہیں تاکہ ملک کی دولت ملک میں رہے ملک کو جن اشیاء کی ضرورت ہو وہ خود تیار کرے۔ اور ساتھ ہی میری یہ کوشش ہے کہ کثرت سے تجارتی اشیاء تیار ہوں کہ جو باہر ملکوں میں جاکے فروخت ہوں اور میرا ملک ہمسایوں کی دولت سے مالامال بن جائے۔ کتغان اور ترکستان سے غلہ بہت

کثرت سے باہر جاتا ہے اور ساتھ ہی افغانستان کی معدنیات سے بھی جو باہر جا کے فروخت ہوتی ہیں بہت سا روپیہ جمع ہو جاتا ہے - اسکے علاوہ میوہ اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ جو ہماری ضروریات سے بدرجہا زیادہ ہے مگر افسوس یہ ہے کہ نہ تو ہمارے قبضہ میں ریلیں ہیں اور نہ جہازات کہ ہم میوہ باہر روانہ کر سکیں۔

میں اپنے بیٹوں اور جانشین کو نصیحت کرتا ہوں کہ سڑکوں کا سلسلۂ تعمیر برابر جاری رہے لیکن ریل اُس وقت تک نہ بنے جبتک سلطنت کی حفاظت کے لئے کافی لشکر جمع نہ ہوجائے - ہاں جب ایک زبردست شائستہ فوج تیار ہو جائے تو بیشک پھر ریلوے کے بنانے میں تامل نکیا جائے۔ کیونکہ ریل بھی دولت کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس سے چاروں طرف سے دولت اُمنڈ پڑیگی - جب ریلیں بنجائینگی تو افغانستان صحت - عمدہ آب و ہوا اور مختلف میووں کی سبب بہشت بریں ہی - لوگ گرمیوں میں تبدیل آب و ہوا کے لئے آیا کرینگے اور دولتمندوں کا یہ ایک مرکز بن جائیگا۔

سوئٹزرلینڈ کا موسم مثل افغانستان کے ہے مگر اس میں میووں اور مشرقی منظروں کی یہ دلربائی کہاں جو افغانستان میں ہے - مسافروں کا ہجوم رہا کرے گا اور وہ ہمیشہ ہزار ہا روپیہ یہاں آ کے خرچ بھی کرینگے اور یہاں کی ساخت کی اشیا بھی خریدینگے - اس سے میری رعایا مالا مال ہو جائیگی۔

میرے بیٹے اور جانشین اتنا اور سمجھ لیں کہ جب ریلوں کے بننے کا موقع آئے تو ہرگز کسی دولتِ خارجہ کی کمپنی کو ٹھیکہ نہ دیں بلکہ خود بنائیں اور جسقدر روپیہ ہو اُسیقدر تعمیر کریں - ریل تو ریل معدنیات کا ٹھیکہ بھی ہرگز نہ دیں - سب سے پہلے ریلیں ملک کے اندرونی حصص میں سرحدوں سے دور بنی چاہئیں اور اپنے ہی شہروں میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلیں اور جب ملک قوی بنجائے اور قوت زبردست ہو جائے تو پھر اپنے ہمسایوں سے ریل کا ملا دینا کچھ مضایقہ نہیں رکھتا - اور یہ بھی وہاں رکھنا چاہئیے کہ پہلے اُسی ہمسایہ کی سرحد سے ریل ملے جو مخالفت میں زیادہ شدید نہو - اور اگر بغیر دوسری قوموں کے ٹھیکہ دیئے کام نہ چلے اور ضرورت ہی ٹھیکہ کی داعی ہو تو اُس سلطنت کی کمپنیوں کو ٹھیکہ دیدیا جائے - جو ہمارے ملک سے بہت دور ہو اور کم سے کم ہماری سرحد اُس سے نہ ملتی ہو مثلاً امریکہ - اطالیہ اور جرمنی ہے - ان ملکوں کی کمپنیوں کو ٹھیکہ دیدیا جائے - اس لئے کہ انکے ملک افغانستان سے بہت فاصلے پر ہیں - میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ملک میں انجنیروں کی زیادہ ضرورت ہو تو مذکورۂ بالا ممالک ہی سے منگائے جائیں - میرے بیٹوں اور جانشینو کو چاہئے کہ وہ نہ کسی سے جھوٹے وعدے کریں اور نہ عہدشکنی کریں۔

چاہے وہ بجے کے طور پر کسی ایک شخص سے کوئی وعدہ کریں سلطنت سے ہر حالت میں عہد شکنی کرنی چاہیے - اگر وہ یہ سمجھیں کہ عہد شکنی سے کوئی فوری فائدہ متصور ہے تو اُنہیں ہرگز لالچ کرنا نچاہیے۔ اس فائدے پر خاک ڈالی جائے۔ کیونکہ نیکنامی کی شہرت سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں - قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں صداقت آگئی وہاں دروغگوئی نہیں ٹھیر سکتی اور راستبازی ہمیشہ کذب پر غالب رہتی ہے -

ہمیں اپنے نبی آخر الزماں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ بننا چاہیے۔ کیونکہ حضور انور زمانہ نبوت سے پہلے کل عرب قوموں میں صادق مشہور تھے اور یہ اُسی صفت کی وجہ تھی کہ جب آپنے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو لوگ یقین کرنے لگے کہ جو کچھ آپ دعویٰ کرتے ہیں سچّا ہے کیونکہ آپ نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا - یہ صرف آپ کی راستبازی کی وجہ تھی کہ بی بی خدیجہ جو عرب کی دولتمند خاتون تھیں آپ کی طرف رجوع ہوئیں اور نکاح کر لیا - اسکی وجہ یہ تھی کہ آپنے جب تجارت کے لیے حضور انور کو مال دیا تو بہت بڑا امین پایا اسکے بعد اپنے کو بھی آپ کے حوالہ کر دیا -

اس دولتمند خاتون نے اشاعتِ اسلام میں آپ کو بہت مدد دی اور گو کہ آپ کی صرف ۲۵ سال کی عمر تھی اور حضرت بی بی خدیجہ پچاس سال کی تھیں - لیکن اس نوجوانی میں بھی آپ نے دوسرا نکاح نہ کیا - آپ کی صداقت اور راستبازی کی یہ ادنیٰ دلیل ہے کہ جب حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضرت بی بی عائیشہ آپ کی چاہیتی بی بی کی نسبت کوئی آپ سے دریافت کرتا کہ یا حضرت آپکو بی بی خدیجہ سے زیادہ محبت تھی یا حضرت بی بی عائیشہ سے تو آپ فرماتے کہ بی بی خدیجہ سے -

یہ بہت پیاری ضرب المثل ہے " رہ راست برو اگرچہ دور است " حضور انور نے ارشاد کیا ہے " صداقت تمہاری روح کی بہت بڑی قوت ہے مگر بے ایمانی روح کے لئے زہر ہلاہل ہی "

تجارت کو وسعت دینے اور ملک کو دولتمند بنانے کی اور بھی صورتیں ہیں جن سے ریلوں کے جاری ہونے کے برابر فائدے پہنچ سکتے ہیں - ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ افغانیو کو مہذب - اور متمدن ممالک سے قریب کر دیا جائے یعنی افغانستان کے لئے ایک بندرگاہ تجویز ہو اور کل سامان آمد برآمد اُسی بندرگاہ پر بار کیا جائے اور اُتارا جائے اور ہمارے چند اسٹیمر ہوں - جو یورپی سمندروں میں دورہ کرتے پھریں - افغانستان کا جنوب مغربی گوشہ خلیج فارس اور بحیرہ عرب کے

متصل آکے واقع ہوا ہے - یہاں ایک مسطح ٹکڑا زمین کا قندہار - بلوچستان - ایران - اور کراچی کے قریب موجود ہے - جب سے تخت کابل پر بیٹھا ہوں زمین کے اس ٹکڑے پر میری نظر رہی ہی اگرچہ اب وہ گمنامی کی حالت میں پڑا ہوا ہے - لیکن جب یہ افغانستان کے ساتھ شریک کرلیا جائیگا - اس وقت اسکی قیمت کا اندازہ ہوگا کہ اُسکے شریک کرنے سے افغانستان کی سلطنت سمندر کے کتنے قریب ہو جاتی ہے - مگر اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے - جب افغانستان اور انگلستان کی دوستی بہت مستحکم ہو جائیگی اور برطن اعظم افغانستان پر کامل بھروسہ کرنے لگے گا اور اُس کا دلی منشا ہوگا کہ افغانستان کو قوی بنائے جو ہندوستان اور روسیہ کے درمیان حد فاصل ہے تو وہ کچھ خدمات کے صلہ میں زمین کا یہ ٹکڑا افغانستان کو دیدے گا یا کسی حصۂ زمین سے اُس کا تبادلہ کرے گا یا کچھ جدید معاہدے کر کے یہ پارۂ زمین سونپ دیگا - یعنی افغانستان سالانہ محاصل میں سے کچھ ادا کرتا رہے یا ایک مقررہ رقم اُس کے معاوضے میں دیا کرے اگر اس صورت سے افغانستان کا اتصال سمندر سے ہو گیا تو پھر دیکھنا کہ یہ کس قدر دولتمند اور سرسبز ہوتا ہی اگر میری زندگی میں یہ بات مجھے نصیب نہیں ہوئی تو میں اپنے جانشین اور بیٹوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ اس پر نظر رکھیں اور اس حصۂ زمین کو کبھی دل سے نہ بھلائیں - اس کے علاوہ دریائے جیحوں پر انہیں چھوٹے چھوٹے اگنبوٹ رکھنے چاہئیں یہ بوٹ ہماری شمال مغربی سرحدات کی بھی حفاظت کرینگے اور تجارت کے لئے بھی بہت مفید ہونگے - اور میں امید کرتا ہوں اور خداوند تعالےٰ کے حضور میں یہ دعا ہی کہ اگر میری ان آرزوؤں میں سے کہ افغانستان کے چپہ چپہ پر ریلیں بنجایئں چاروں طرف تار برقیاں لگ جائیں - جہاز چلنے لگیں - معدنیات کا باقاعدہ کام شروع ہو جائے - بنک کھلجائیں - بنک نوٹ جاری ہو جائیں - تمام دنیا کے سیاح اور دولت مند افغانستان میں آنے لگیں - دار العلوم اور دوسرے جدید مدرسے افغانستان میں جاری ہو جائیں - کوئی آرزو بر نہ آئے تو تو میرے جانشین اور میرے بیٹوں کو یہ توفیق دیجو کہ وہ ان کل باتوں کی تکمیل میرے بعد کر دیں - اور جیسا میں دل سے افغانستان کو بنانا چاہتا ہوں وہ اُسے بنا دیں - آمین -

افغانستان کی خارجہ حکمت عملی اور ہمسایہ دولتوں سے اُس کے سیاسی تعلّقات

(۲)

اس بحث میں مجھے کچھ گزشتہ بیانات کے حوالے دینے پڑینگے اور گزشتہ واقعات کا ایک مختصر خاکہ کھینچنا پڑے گا۔ تاکہ اس بات کی پوری توضیح ہو جائے کہ ہمسایہ دولتوں سے افغانستان کے تعلقات کیوں قایم ہوئے اور اب کیا ہیں۔

افغان کل سنی المذہب مسلمان ہیں اور انکی روایتوں کے بموجب وہ اسرائیلی ہیں افغان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ افاغنہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے سپاہ سالار کا نام تھا۔ وہاں سے لفظ افغان نکلا ہے اور بعض کا یہ بیان ہے کہ افغان یرمیاہ کی اولاد میں سے ہیں جو ساؤل کا بیٹا تھا۔ افغانی لوگ مثل اسکاٹس۔ ہائی لینڈرس اور دوسرے پہاڑی لوگوں کے بڑے بہادر اور جنگجو ہیں۔ وہ اس بات کے ہمیشہ شائق رہے ہیں کہ خود اپنے پر آپ حکومت کریں تاکہ آزادی اور خود سری میں کوئی فرق نہ آئے۔ افغانستان کے مختلف جرگوں کے بہت سے سردار ہندوستان پر حملہ کر چلے ہیں اور اُسے فتح کر کے اُس پر حکومت بھی کر چکے ہیں۔

مثلاً غوری۔ تغلق۔ غلزئی۔ اور دُرّانی۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ جب افغانیوں پر ایک بیدار مغز مسلمان حکمراں رہا تو پھر افغانیوں نے اپنی جبلّی شجاعت اور چُستی سے وہ ترقی کی اور اسقدر فتوحات کیں کہ بابر و شاید اور اپنی فتوحات سے اپنے بادشاہ کے جھنڈے کو سربلند کر دیا۔ علاوہ اس کے بابر کو جو ہندوستان کا پہلا شہنشاہ تھا افغانیوں ہی کے ذریعہ سے اتنی بڑی فتوحات ہوئیں۔ ایران میں بھی ان ہی کی تلوار کا لوہا مانا گیا۔

غرض جب افغانیوں نے کسی کو مدد دی وہ مدد بے انتہا مبارکبادی کے ساتھ قبول کر لی گئی اور اُس کا نتیجہ نیک ہوا جس ملک نے اپنے دشمنوں کے خلاف افغانیوں سے مدد لی۔ یقیناً اسکی فتح ہوئی۔ افسوس ہے اُس گورنمنٹ کی بدقسمتی پر جسکے خلاف افغانی دوسرے بادشاہ کو مدد دیں اور جسکے خلاف انہوں نے مدد دی ہو خواہ وہ گورنمنٹ اپنی فوجی قوت میں بے نظیر ہی کیوں نہو۔ میرا یہ دعویٰ ہو اور میں اپنے دعوے میں سچّا ہوں اور جنہوں نے افغانستان کی تاریخ پڑھی ہے وہ

میری تصدیق کرینگے۔ میں پھر زور دیکے یہ کہتا ہوں کہ اس وقت ہمسایہ سلطنتوں میں کوئی سلطنت بغیر افغانیوں کی امداد کے اپنے حریف سے تنہا مقابلہ کبھی کرہی نہیں سکتی اور یہ یاد رکھیئے کہ جب وہ گورنمنٹ میدان جنگ میں آئیگی اور افغانی دوسری جانب ہونگے - اسکی شکست بلکہ بالکلیہ بربادی یقینی ہے یہ۔ صحیح ہے کہ افغانستان میں ابھی اتنی طاقت نہیں ہے کہ اگر ہمسایہ دولتوں میں سے کسی سے وہ تنہا ہاتھ ملائے تو اس بات کا دعویٰ کیا جائے کہ افغانستان فتح پائے گا۔ لیکن اس میں تو شک ہی نہیں ہوتا کہ دوسری سلطنت اگر اسکی مدد کرے تو پھر اُس کا فتح پانا یقینی ہے۔

تاریخ سے ثبوت ملتا ہے کہ اسکندر اعظم سے اس صدی تک ہندوستان اُن حملہ آوروں کے رحم پر رہا جو مغربی سمت سے یا وسط ایشیا سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ مگر دو سو برس سے مغربی سمت سے ہندوستان پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ افغانستان مغل شاہوں کے پاس تھا اور افغانیوں نے ہمیشہ شاہوں کا حملہ آوروں کے خلاف ساتھ دیا ہے۔ مگر مغل سلطنت کے زوال پر نادر شاہ ایرانی اور احمد شاہ دُرّانی نے افغانیوں کی مدد سے ہندوستان پر حملہ کیا۔

چونکہ مجھے احمد شاہ کی وقت کی سلطنت سے بحث کرنی مقصود ہے اور تاریخی سلسلہ بھی اُسکی تخت نشینی سے شروع ہوتا ہے اس لئے میں اُس زمانے کے کچھ واقعات مختصر طور پر بیان کرنے چاہتا ہوں۔

۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کی وفات کے بعد افغانستان میں طوایف الملوکی پیدا ہوگئی - اور اسی طوایف الملوکی سے دُرّانی خاندان کا آغاز ہوا جسکے ساتھ تعلق ہونے کا مجھے فخر ہے (یعنی میں بھی دُرّانی ہوں) احمد شاہ دُرّانی سلطنت کا بانی سدوزئی جرگہ کا افسر تھا۔ جسکو خاندان ابدالی کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے۔ حضرت چمکانی ولی اللہ کی خواب میں زیارت ہونے کے بعد اُس نے اپنا لقب شاہ دوری دوران رکھا۔

میرے دادا امیر دوست محمد خاں بارک زئی تھے جو خاندان دُرّانی کی ایک شاخ ہے احمد شاہ سدوزئی دُرّانی کا پہلا بادشاہ اور میر دوست محمد خان بارک زئی دُرّانی کے پہلے بادشاہ کا سلسلہ نسب یہاں آکے ملجاتا ہے۔ اس طرح سدو اور برک ان دونوں خانداں کے بزرگ باہم سگے بھائی تھے۔

سات برس کی سلطنت کے بعد اس کے سوتیلے بھائی نے اسکی آنکھیں نکال لیں اور اسکو تخت سے اتار دیا - اور وزیر فتح خان کی مدد سے بادشاہی حاصل کرلی - مذکور وزیر دوست محمد خاں موجودہ خاندان کے پہلے امیر کا بھائی تھا -

یہ مشہور و معروف شخص افغانستان کی تاریخ میں بہت نامور ہوا ہے اور اسکو شاہ گر کہتے تھے اور جس طرح انگریزی تاریخ میں **وارِدک** کی شہرت ہے اسیطرح اس شخص کی بھی ہے اسکی قابلیتیں جرأت - دلیری - فیاضی اور تدبر کا تمام یورپی مورخوں نے جنھوں نے افغانستان کی تاریخ لکھی ہے اعتراف کیا ہے -

سنہ ۱۸۰۱ء میں شاہ شجاع معزول شاہ کے سگے بھائی نے شاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا اور پشاور سے کابل کی طرف بڑھا مگر وزیر فتح خاں نے اُسے شکست دی اور وہ خیبر کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا - مگر آخر کچھ جھگڑے اور فساد کے بعد سنہ ۱۸۰۳ء میں شاہ شجاع کو تخت کابل نصیب ہوگیا - اس نے فوراً محمود کو تخت سے اُتار کے قید کردیا اور ساتھ ہی کشمیر کو فتح کرکے اپنی عملداری میں شامل کرلیا - بغیر تاریخی تفصیلی واقعات کے اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ سنہ ۱۷۹۳ء سے تیمور شاہ کی وفات کے بعد لڑائیوں - جور و تعدی اور سختی کا بازار بہت گرم رہا - گورنمنٹ کی جو صورت احمد شاہ درانی نے قایم کی تھی وہ بالکل مٹ گئی اور اب شخصی حکومت کا دور دورہ ہوا - جسمین خود سری - شراب خواری - عیاشی اور ایک کو ستائی اور دوسرے کو بدھائی کے سوا اور رکھا ہی کیا تھا - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سدوزی شاہوں نے سلطنت کو کھو دیا - اور افغانستان کی عظیم اور وسیع سلطنت پارہ پارہ ہوگئی اور اس میں طوایف الملو کی قایم ہوگئی - جب اِن کے قبضہ مین یہ سلطنت آئی تھی تو اس کی بہت وسعت تھی -

شاہ شجاع سنہ ۱۸۰۳ء میں تخت نشین ہوا - فتح خاں سے شرایط کرنے پر راضی نہوا ناچار فتحخاں نے پھر سنہ ۱۸۰۹ء میں شاہ شجاع کو شکست دیکے ایک بار اور بھی اپنے قدیم دوست محمود کو تخت نشین کردیا - شاہ شجاع شکست کھاکے رنجیت سنگھ پنجاب کے راجہ کے پاس چلا گیا اور مدد کا خواہاں ہوا اُسنے اپنی سکھ فوجوں کی مدد دی مگر محمود کی پشت پناہی پر اہل ملک اور فتح محمد خان تھے - پھر کامیابی ہوتی تو کیونکر - ہر دفعہ شاہ شجاع نے مع اپنے ہمراہیوں کے شکست کھائی اور اپنا سامنہ

لیکے رہ گئے۔ اسکے بعد رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع سے بڑا غیر رحمانہ برتاؤ کیا اور اسکو قید کر دیا اصل بات یہ تھی کہ رنجیت سنگھ کوہ نور ہیرا مانگتا تھا اور شجاع انکار کرتا تھا۔ اخیر رنجیت سنگھ نے زبردستی چھین لیا۔ اور اب یہ ہیرا ملکہ معظمہ انگلستان کے پاس ہے۔

مورخوں نے اُس مایوسی اور خوشی کا خاکہ اُتارا ہے۔ جو ایک شاہ کو ہاتھ سے کھو دینے اور اور یہ پتھر دوسرے کے ہاتھ لگ جانے سے ہوتی ہے۔ دنیا کا یہی طریقہ ہے ایک بادشاہ جنگ میں مقتول ہوتا ہے اور ایک فتح پاتا ہے۔ مقتول کے متعلقین سر پر ہاتھ رکھ کے روتے ہیں اور فاتح کے متعلقین خوش ہوتے ہیں۔ جب شاہ شجاع پر رنجیت سنگھ نے بہت ظلم توڑا تو وہ کسی ترکیب سے اپنی حرم کو لیکر قید خانہ سے نکل انگریزوں کی حفاظت میں چلا گیا۔ اور یہاں اُس کو آرام ملا۔

شاہ شجاع کے شکست کھانیکے بعد فتح خاں محمود خاں کے نام سے سلطنت کرتا رہا۔ اس نے اپنے شاہ کے لئے حاجی فیروز سے ہرات فتح کر لیا۔ اور ایرانیوں کو شکست دی جنہوں نے یہ چاہا تھا کہ ایک تو شاہ ایران کا سکہ ہرات میں چلے اور دوسرے اسکا سالانہ خراج دیا جائے

۱۸۱۸ء میں بدنصیب اور شوم اور بداختر محمود نے اپنے ناہنجار بیٹے کامران کے بہکائے سکھائے میں آکے اپنے محسن اور محسن بھی کیا جس نے دوبارا اُسے تخت کابل پر بٹھا ظلم اور تعدی کے ساتھ آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ صرف آنکھیں نکلوانے ہی پر قناعت نہ کی بلکہ اس محسن کش شاہ نے اپنی موجودگی میں اپنی آنکھوں کے آگے اپنے سچے محسن کا ایک ایک عضو کٹوایا۔ اور اس طرح اس بے نظیر اور نامور شخص کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ گویا افغانستان کا وارویک دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی شجاعت۔ قابلیت۔ شرافت اور مدبری پر لوگ دلدادہ تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے چھوٹے بھائی دوست محمد خاں کے ساتھ ہو گئے اور سب نے مل کے اسکی کابل کے تخت کیطرف رہنمائی کی۔

فتح خاں کے باپ وزیر پاینده خاں سے جس کو سردار سرفراز خاں بھی کہتے ہیں اکیس قابل لائق بیٹے تھے۔ یعنی وزیر فتح خاں۔ سردار محمد عظیم۔ تیمور قلی۔ پُردل۔ شیر دل۔ کوہن دل رحیم دل مہر دل۔ عطا محمد۔ سلطان محمد۔ سید محمد۔ امیر دوست محمد خاں۔ امیر محمد۔ محمد زمان۔

زماں خاں - حیدر خاں - طرّہ باز - جمعہ اور خیر اللہ -

اس بہادر اور شاہ گر کے بیرحمانہ قتل سے سب بھائی اور قوم درّانی بھڑک اٹھی اور سب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ محمود اور اس کے بیٹے شہزادہ کامران کامران سے اس کا انتقام لینا چاہئے - اس کا نتیجہ یہ ہوا - کہ فتح خاں کے چھوٹے بھائی دوست محمد خاں نے محمود کی فوجوں کو شکست دی اور ۱۸۲۶ء میں کابل کی سلطنت کا تاج اپنے سر پر رکھا - اس طرح سلطنت افغانستان سدوزئی خاندان سے بارک زئی خاندان میں تبدیل ہو کے آگئی -

ابھی تک یہ سلطنت الحمد للہ اسی خاندان کے ہاتھ میں ہے - ہاں کچھ قلیل عرصہ اسمیں شاہ شجاع اور اُسکے مددگار انگریزوں کی وجہ سے خلل اندازی ضرور ہوئی - مگر یہ خلل اندازی کچھ دیر پا نہ تھی - شاہ محمود کو محسن کشی کی پوری سزا مل گئی - اور وہ شکستہ دل اس جہان فانی سے کوچ کر گیا - اور اس کے بیٹے شہزادہ کامران کو جو دراصل اس غیر رحمانہ قتل کا باعث تھا - اسی کے ایک افسر وزیر یار محمد خاں نامی نے ہرات میں قتل کر ڈالا -

یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ جب ملک ایک زبردست شاہ کے زیر نگین ہوتا ہے خواہ وہ شاہ غلط کرے یا صحیح دُوَل خارجہ اُس طرف کا رُخ بھی نہیں کرتیں اور کسی معاملہ میں دخل نہیں دیتیں - اور جہاں سلطنت ایک کمزور شاہ کے ہاتھ میں آئی دُوَل غیر سو کھڑ پنچیں پیدا کر دیتی ہیں اور خواہ مخواہ دخل درمعقولات دینے کو مستعد ہو جاتی ہیں - یہی کیفیت افغانستان کی ہے - جب اسپر ایک کمزور شاہ کی حکومت ہوئی اور خانگی لڑائیاں پیدا ہوئیں اور انگریز اور روسیوں نے دست اندازی کی اور دعوےداروں کو اپنے قبضہ میں کر لیا کہ جب موقع ملے انھیں تخت پر بٹھاویں - ان واقعات سے افغانستان کی تاریخ لبالب بھری ہوئی ہے -

پہلے زمانہ میں روسیہ بہت دور تھا اور انگریزی سلطنت قریب تھی اس لئے بہ نسبت روسیہ کے انگریزی گورنمنٹ نے معاملات افغانستان مین بہت حصہ لیا ہی - اب بدقسمتی سے افغانستان بجائے ایک کے دو چکیوں کے بیچ میں واقع ہی -

تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ انگلستان نے افغانستان کے معاملہ میں بہت کچھ دخل دیا - اور بڑی بڑی غلطیاں کیں اور اسی وجہ سے انگلستان کے نقصانات بھی ہوتے رہے مگر روسیہ نے

بہت کم دخل دیا اور کم ہی نقصان اُٹھایا۔ مگر یہ امید کیوں نہ کی جائے کہ انگلستان نے جس قدر نقصان اُٹھایا اُسیقدر فائدہ بھی حاصل کرلیا ہی۔ ہاں اُس وقت فائدہ ہوسکتا ہی کہ اگر کروڑہا روپیہ برباد کرنے اور ہزارہا قیمتی جانوں کے ضایع کرنے کے بعد انگلستان کو یہ سبق ملگیا ہی کہ افغانستان سے جنگ کرنا مفید نہیں ہے بلکہ اس سے دوستی رکھنا مفید ہے۔ تو یقیناً اس نے اپنے تمام گزشتہ نقصانات کی تلافی کرلی۔

جب میرے دادا دوست محمد خاں تخت نشین ہوئے ہیں میں اُنکے واقعات تاریخی نہیں لکھنا چاہتا کیونکہ میں اُن کا پوتا ہوں مجھپر اُنکی جانب داری کا الزام قایم ہو جائیگا۔ میں صرف بعض اُن توضیحات کو نقل کرتا ہوں جو انگریزی مورخوں نے لکھی ہیں جن سے کم سے کم ہماری آئندہ حکمت عملی کا نقشہ کھنچ جائے گا۔

"ابتداء سے روسیوں کی یہ خواہش ہے کہ کسی نہ کسی صورت سے ہندوستان پر حملہ کریں۔

۱۷۹۱ء میں ملکہ کیتھرائن نے بخارا اور کابل کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنیکی تدبیر سوچی تھی پھر ۱۸۰۰ء میں شہنشاہ پال اور نپولین نے ملکے ہندوستان پر حملہ کرنا چاہا۔ ۱۸۰۷ء میں نپولین و شہنشاہ روس نے پھر ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور ایکے شاہ ایران بھی ان دونوں کے ساتھ تھا مگر پھر باہم جھگڑا ہونے لگا اور یہ ارادہ آخر کو ٹوٹ گیا۔

۱۸۳۷ء میں روسیہ اور ایران ہرات پر حملہ کرنیکے لئے مل گئے تاکہ ہرات کو فتح کرکے ہندوستان پر چھاپہ ماریں لیکن ہرات کے مضبوط قلعہ کو فتح نہ کرسکے اور شکست کھاکے بھاگے۔

۱۸۵۵ء میں پھر روس نے ہندوستان پر حملہ کرنیکا سوچ بچار کیا مگر یورپی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ اپنی تجاویز عملی صورت میں نہ لاسکا۔

پھر روسیہ نے دوست محمد خان کا رُخ بدلنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۵ء تک وہ انگریزوں کے خلاف امیر شیر علی خاں سے برابر سازش کرتے رہے (ماخوذ از کرزن رشیا ان سنٹرل ایشیا صفحات ۳۲۳-۳۲۰)

دوست محمد خاں فتح خاں کا بھائی کابل کا بادشاہ ہوا۔ اسکی شہرت۔ روشن ضمیری بہادری انصاف پسندی میں بہت بڑی ہے۔

کامران نے ہرات لے لیا۔ قندہار مختلف ہاتھوں میں جانیکے بعد آخر سرداروں کے قبضہ میں آیا سندھی امیر خود مختار ہو گئے رنجیت سنگھ نے عالمگیر پریشانی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور شکستہ بادشاہت کو صدمہ پہنچایا۔

یہ اور اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں کہ اب گورنمنٹ انڈیا پر زور پڑنے لگا کہ روسیہ اپنے قدم وسط ایشیا میں جما رہا ہے۔ اور جب ۱۸۳۷ء میں روسیہ نے ہرات کا محاصرہ کر لیا تو معاملہ بہت ہی کھنچ گیا۔ اب کوشش یہ کی گئی کہ کسیطرح دوست محمد کو روسیہ اور ایران کی دوستی سے توڑ لیا جائے۔ آخر دوست محمدؐ اس شرط پر راضی ہوا کہ اگر تم مجھے رنجیت سنگھ کے حملہ سے بچادو تو میں تمہارے ساتھ ہو جاتا ہوں۔

رنجیت سنگھ نے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا اگر انگریز حامی نہ بنتے تو دوست محمدؐ ضرور ایرانیوں کی حفاظت میں چلا جاتا۔ اب ہمیں بڑی دقت ہوئی کیونکہ رنجیت سنگھ سے ہمارے تعلقات ایسے تھے کہ ہم اُسکے معاملہ میں دست اندازی نہیں کر سکتے تھے اور نہ یہ گوارا تھا کہ دوست محمدؐ شاہ ایران سے ملجائے۔ ایک عرصہ تک جان مخمصہ میں پھنسی رہی۔ آخر صلاح یہ ٹھیری کہ دوست محمدؐ کو تخت کابل سے اُتار کے اُسکی جگہ شاہ شجاع کو جو ۲۸ سال سے ہمارے ہاں پناہ گزین تھا بٹھایا جائے۔ اس ترکیب سے ہمارا اثر وسط ایشیا پر پورا ہو جائیگا۔

۱۸۳۸ء اور ۱۸۳۹ء میں سر جان کینی کی فوج دُرّانی ملک سے آگے بڑہی راستہ میں اُسکی بہت خفیف مزاحمت ہوئی۔ لیکن غزنی میں دوست محمدؐ خاں نے سر ڈبلیو ایچ میگناٹن کی اطاعت قبول کر لی۔ شاہ شجاع واپس آگیا اور سب باتیں ٹھیک ٹھاک ہو گئیں۔

شاہ کی فوجیں جمع ہوئیں دُرّانیوں کے احکام جاری ہو گئے۔ سر جان کینی ہیرج تک پہنچے چاروں طرف سے مبارکبادی کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مبارک مبارک کی آوازیں ہر گوشہ سے پیدا ہونے لگیں۔ مگر افسوس بلکہ ہزار افسوس۔ خاک اس سیاہی کائنات پر۔ کیسے کیسے خوش منظر آنکھوں کے آگے آتے ہیں مگر خواب پریشان سے زیادہ انکی وقعت نہیں ہوتی۔ بماہ نومبر ۱۸۴۱ء میں یکایک زلزلہ محسوس ہوا اور کانیں پھٹ گئیں۔ یعنے انگریزی سفیر قتل کر ڈالا گیا۔ تمام انگریزی فوج برباد کر دیگئی ملکہ معظمہ کی ۴۴ ویں پلٹن معہ بہت سی کور فوجوں کے تہ تیغ کر دیگئی۔ تمام توپیں لیلی گئیں۔ افسر اور

لیڈیاں گرفتار ہوگئیں۔ آناً فاناً میں ہوا کا رخ اِدہر سے اُدہر پلٹ گیا۔ اور وسطی ایشیا میں فی الحال انگریزی سلطنت کے رعب و داب میں فرق آگیا۔ اور افغانیوں کی بن آئی۔ موسم بہار میں شاہ شجاع الملک جسکی پشت پناہی پر انگریز تھے قتل کر ڈالا گیا۔

جس طریقہ سے ہم برباد کئے گئے اور ہماری تدابیر سر کے بل اوندھی گر پڑین یہ در اصل خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہماری زیادتیون اور بیرحمانہ کارروائیون کی سزا تھی۔ خداوند تعالیٰ جس قوم کو سربلند کرنا چاہے اُس کو کوئی نیچا نہین دکھا سکتا" انچہ برماست ازماست" (الیلنس ڈائرکٹری سیاحت افغانستان براہ سندھ صفحات ۱۳ وغیرہ سنہ ۱۸۴۳ء)

کابل قندہار۔ اور پشاور پر مختلف بھائی حکومت کر رہے تھے جو باہمی مخالفت کی وجہ سے نابید ہوگئے۔ دُرّانیوں نے قندہار اور ہرات کے حکمرانوں کے آگے سر اطاعت خم کیا مگر دوسرے جرگے بالکل آزاد رہے۔ دُرّانیوں کے زوال سلطنت کے زمانے میں رنجیت سنگہ یوروپی افسروں کی ماتحتی میں اپنی فوجوں کو شائستہ بنا رہا تھا۔ یہی صورت تھی کہ جس سے رنجیت سنگہ افغانی مختلف جرگوں کا خوفناک دشمن ثابت ہوا۔

اگر اُس وقت سب جرگے باہم متفق ہوجاتے تو کسی کی کیا مجال تھی جو افغانی حدود کی طرف آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکتا۔ نااتفاقی کا بُرا ہو جس سے رنجیت سنگہ کے ہاتھ کشمیر۔ ملتان۔ لگ گیا اور بلندی سندھ پر آگیا اُس نے اُن قوموں کو جو کشمیر کے جنوبی سمت رہتی تھیں اپنا مطیع بنالیا۔ اور بعد ازاں حکمران کابل اور پشاور کے حکمرانون کے جھگڑے سے فائدہ اُٹھا کے قندہار پر حملہ آور ہوا اور پشاور کو فتح کر کے دریائے انڈس کے تمام میدانی ملکوں پر قابض ہوگیا۔ سندھ کے امیر شکارپور میں گرفتار ہوئے اور بلوچستان کے شہزادوں کے پاس سوائے نام ہی نام کے اور کچھ نہیں رہا۔ دوست محمد سردار کابل اپنی روشنضمیری اور اولوالعزمی میں بڑا نامور تھا۔ پشاور کا ان بغاوتوں اور لڑائیوں میں بڑا نقصان ہوا لیکن یہ ملک پھر بھی اتنا نہیں برباد ہوا۔

علاوہ اس مہم کے جو عارضی طور پر قندہار میں کامیاب ہوئی۔ شاہ شجاع سلطنت کے دوسرے حصوں میں اپنی حوصلہ افزائی دکھا رہے تھے۔ مگر اب پھر انھیں انگریزی مقام لودیانہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔ وہ بہت دور دور گشت لگاتا رہا اور اس نے اپنی اس آوارہ گردی کی مفصل کیفیت قلمبند کی ہے

ایک وقت تو ایسا گزرا کہ رنجیت سنگھ نے اُسکو گرفتار کر لیا اور اُسکے ساتھ سخت وحشیانہ برتاؤ کیا۔ اور اُس سے زبردستی کوہ نور ہیرا چھین لیا۔ اور دوسرا وقت آیا تو وہ کابل کا شاہ بنایا گیا۔

سر اے برنس نے اِن واقعات کو نہایت خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے اور ساتھ ہی مسٹر کنولی کی کتاب بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اِن کمزوریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کی سلطنت نے خراسان کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ہرات پر چڑہائی کی۔ اگرچہ ایرانی فوج شائستہ تھی اور افسر بھی یوروپی تھے لیکن بار بار کے حملوں سے بھی دال نہ گلی۔

کامران اگرچہ ایک کمزور اور بزدل حکمران تھا۔ لیکن یار محمد خان جیسے وزیر کی وجہ سے سلطنت کی حالت اچھی تھی۔ اسکے ایک سال بعد پھر شاہ ایران نے بہ نفس نفیس ہرات پر حملہ کر کے اُس کا محاصرہ کر لیا لیکن اُسے سخت نقصان اٹھاکے واپس ہونا پڑا۔ گیارہ کرنیل۔ ۵۴۔ افسر اور سترہ سو پچاس شائستہ سپاہی کام آئے۔ یہ صورتیں تھیں جن سے ہندوستان اور انگلستان کے سیاسی معاملات میں ایک عظیم تبدیلی پیدا ہوگئی (الفنسٹن ایکاونٹ آف دی کنگڈم اف کابل)

جب سے انگریزوں کا ایران سے معاملہ ہوگیا۔ اُس وقت یہ قرار پایا کہ ہندوستان سے افغانستان پر حملہ کیا جائے لیکن ۱۸۱۴ء میں ایران اور انگلستان میں ایک عہدنامہ ہوا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر کوئی یوروپی طاقت ایران پر حملہ آور ہوگی تو ہم کیا تو فوج سے مدد دینگے اور کیا خرچہ جنگ کے متکفل ہونگے۔ لیکن یہ ایک خطرناک معاملہ تھا۔ اسکی کوئی تشریح معاہدہ میں نہ تھی کہ اگر ایران کی طرف سے کچھ زیادتی ہو اور اُس وقت اُس پر حملہ کیا جائے تو پھر مدد کی کیا صورت ہوگی۔

سنہ ۱۸۲۵ء میں عباس مرزا اور روسیہ سپاہ سالار پسکاوچ کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر عباس مرزا کو شکست ہوئی اور معاہدہ ترکمانچی کے بموجب ایک زبردست رقم تاوان جنگ کی اُنھیں دینی پڑی۔ اسوقت ایران کی حالت روپیہ کے لحاظ سے بہت ہی نازک ہوگئی۔ انگریزوں سے کہا گیا کہ اپنے معاہدہ کی رو سے خرچہ جنگ دلواؤ۔ یہاں جواب صاف کے سوا رکھا ہی کیا تھا۔ مگر یہ کہا کہ اس شرط پر تین لاکھ پونڈ دیتے ہیں کہ معاہدۂ سابق کالعدم سمجھا جائے۔ چنانچہ یہ تھوڑی سی رقم بھی ایران میں بڑے شکریہ کے ساتھ قبول کی گئی۔ اس معاملہ کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی دربار میں انگریزی رسوخ گھٹ گیا۔ اور روسیوں کا بڑہتا چلا گیا۔ اور قدرتاً یہ ضرور ہوا کہ کمزور ایران پر ایسے وقت روسیہ کا بالکل اثر ہو جاتا۔

۱۸۳۴ء میں فتح علی ایران کا بوڑھا شاہ مرگیا۔ اور اُسکی جگہ اُس کا پوتا شہزادہ محمد میرزا تخت پر بیٹھا۔ اس نوجوان کو بطور میراث اپنے شجیع اور دلاور باپ کی شجاعت کا حصّہ ملا تھا۔ اس حوصلہ مند شہزادہ نے اپنے روسی مشیروں کے سکھانے پڑھانے سے ہرات پر ایک دفعہ اور بھی حملہ کر دیا۔ ہرات افغانستان کے غربی سمت واقع ہے اور یہی ایک حصہ شاہی خاندان افغانستان کا آزاد رہگیا تھا ہرات کا حکمران شاہ کامران محمد شاہ کا بیٹا تھا۔

نوجوان شاہ ایران کو اگرچہ انصافاً کوئی حق ہرات پر حملہ کرنے کا نتھا۔ مگر مسٹر الیس سفیر انگلستان متعینہ دربار ایران نے اپنی گورنمنٹ کو لکھا کہ شاہ ایران کو حق پہنچتا ہے کہ وہ افغانستان کو غزنی تک اپنی سلطنت میں شریک کرلے اور چونکہ کامران نے شاہ ایران کی سلطنت سیستان کا ایک حصہ دبا لیا ہے اس لئے شاہ کو حق حاصل ہے کہ وہ ہرات پر حملہ کر کے اُسکو اپنے قبضہ میں لے آئے۔

مگر ہندوستان اور انگلستان کے لئے اگر کوئی نازک اور خطرناک بات تھی تو صرف یہ کہ ایران کے پیچھے روسیہ ہے اور ہرات پر وہ ضرور ایران کی مدد کریگا۔ مسٹر الیس نے بیان کیا کہ جب ایران اور روسیہ میں اتحاد ہے تو ایران کے سرزمین افغانستان میں قدم بڑھانے کے یہ معنے ہیں کہ روسیہ اپنا ہاتھ وہانتک پھیلائے۔

لیکن بدقسمتی سے ایک شرط معاہدہ میں یہ تھی کہ اگر ایران اور افغانستان کی جنگ ہو۔ تو انگلستان کسی کی مدد نکرے۔ جب تک دونوں سلطنتیں بیچ بچاؤ کے لئے نہ بلائیں۔ الیس اور اوسکے جانشین۔ ایم نیل نے بہتیری کوشش کی کہ ایران کو ہرات کے حملہ سے روکیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ انگلستان نے سینٹ پٹرسبرگ اپیل کی کہ ہرات پر حملہ نکیا جائے مگر جواب نفی میں دیا گیا خوف یہ تھا کہ اگر ہرات پر ایران کا قبضہ ہوگیا۔ تو روسیہ سیدھا ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ اسی بنا پر ۱۸۳۷ء کے آغاز میں لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل ہند نے ایم نیل کو ایران روانہ کیا تاکہ شاہ کو ہرات کے حملہ سے باز رکھیں۔ کیونکہ اس حملہ سے ہم خوش نہیں ہیں۔ مبادا ہمیں دست اندازی کرنی پڑی۔

شاہ ایران نے انگریزی ایلچیوں کی بات نہ سُنی اور ۲۲ نومبر ۱۸۳۷ء کو حملہ بولدیا۔ اور محاصرہ کر لیا گیا۔ بیچارہ ایم نیل۔ انگریزی ایلچی ایک عرصہ تک ٹھیرا رہا کہ شاہ کو ہرات کے حملہ سے روکے

مگر روسی سفیر کا رسوخ اسقدر تھا کہ انگریزی سفیر کی ایک نہ چلی اور بیچارہ ناکام ہندوستان کی طرف روانہ ہوا چھ روز تک گولہ باری کرنے کے بعد ایرانی اور روسی فوجوں نے ۲۳ جون ۱۸۳۸ء میں حملہ کر کے ہرات کو بزور شمشیر لے لینا چاہا۔ افغانیوں نے مار کے دونوں کا پلیتھن نکالدیا اور سخت نقصان کے بعد دونوں فوجیں پس پا ہو گئیں۔ شاہ اس شکست سے ایسا دل شکستہ ہوا کہ محاصرہ اٹھا دینے کی دل میں ٹھان لی۔ ادہر یہ غضب ہوا کہ کرنیل اسٹاڈارٹ شاہ کے کیمپ میں ایک الٹیمیٹم لے کے پہنچے۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ انگریزی جہاز خلیج فارس میں روانہ کر دیئے گئے ہیں۔ فوج مقام کرک پر اُتار دی گئی ہے اگر شاہ یک لخت ہرات سے واپس آئیں گے تو وہ اس کو انگریزوں کی طرف سے اعلان جنگ سمجھیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ ستمبر کو شاہ گھوڑے پر سوار ہو کے ہرات کی طرف سے سیدھے اپنے گھر کو ہو لئے۔ ساڑھے نو مہینے تک محاصرہ رہا اب اس واقعہ کو نصف صدی گزر چکی ہے روسیوں نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر کچھ بھی نہو سکا۔ ہرات ابھی تک افغانی قبضہ میں ہے۔

شاہ شجاع الملک احمد شاہ درانی کا پوتا ۱۸۰۳ء سے ۱۸۰۹ء تک افغانستان مین حکومت کرتا رہا جب اسکی سلطنت جاتی رہی تو افغانستان ایک زمانہ دراز تک طوائف الملوکی کا جولانگاہ بنا رہا۔ آخر ۱۸۲۶ء میں دوست محمد کابل میں تخت نشین ہوئے۔ اور اس عجیب و غریب شخص نے تین سال تک انگریزوں کے قبضہ کابل کے زمانہ میں افغانستان کو ایک حد تک قابو میں رکھا۔ کئی سال تک لگاتار کوشش کے بعد دوست محمدؐ اپنے دشمنوں پر غالب آئے اور ۱۸۲۶ء میں مستقل طور پر کابل کے تخت پر بیٹھے۔ وہ انگریزوں کا بہت دوست تھا۔ لیکن جب دوسری پنجاب جنگ میں اس نے سکھوں کی مدد کی تو اُسکی دوستی کی گرہ کھل گئی۔

شاہ شجاع جو بیچارہ برباد ہو کے لودیانہ میں مقیم تھا اس کے پھر تخت نشین ہونے کی تحریک ہونے لگی۔ اسکی بہت سی تدبیروں پر پانی پھر چکا تھا۔ مگر آخر کار ۱۸۳۲ء میں رنجیت سنگھ میں اور اس میں کچھ معاہدہ ہوا۔ رنجیت سنگھ نے ایک عرضی شاہ شجاع کی طرف سے انگریزوں کو بھیجی کہ اسکی مدد کر کے اس کو تخت کابل پر بٹھانا چاہئے۔ انگریزی گورنمنٹ نے جواب دیا کہ ہماری اس حکمت عملی میں فرق آئیگا جو ہم نے افغانستان کی نسبت قایم کر رکھی ہے کہ اس ملک کے معاملات میں دخل

ندیا جائے۔ لیکن غلطی یہ ہوئی کہ چار مہینے کی پیشگی پنشن گورنمنٹ انگریزی نے شجاع کو دیدی سولہ ہزار روپیہ شاہ شجاع نے بطور جنگی خزانے کے سمجھے اور وہ ۱۸۳۳ء میں تخت کابل پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ امیران سندھ سے کامیاب لڑائیوں کے بعد شاہ شجاع قندہار پر بڑھا اور اسکے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ قندہار فتح ہونے کو ہی تھا کہ دوست محمد کابل سے اسکی خلاصی کے لئے آیا اور فوج قلعہ سے ملکے شاہ شجاع کا مار کے بھر کس نکالدیا۔ وہ وہاں سے بھاگا اور اپنا توپخانہ اور سامان باربرداری پیچھے چھوڑ گیا۔

جنوب میں دوست محمد کی غیر موجودگی میں رنجیت سنگہ نے اٹک سے عبور کرکے پشاور پر قبضہ کرلیا۔ اور افغانوں کو درۂ خیبر میں بھگادیا۔ پھر اسکے بعد دوست محمد نے اس شبہہ پر کہ رنجیت سنگھ کے ساتھ انگریزوں کی مدد ہے اپنا میل جول شاہ ایران سے شروع کیا۔

شاہ شجاع پٹ پٹا کے پھر لودھیانہ آ موجود ہوئے۔ مارچ ۱۸۳۶ء میں لارڈ اکلینڈ لارڈ ولیم بنٹیک کی جگہ گورنر جنرل ہند ہو کے آئے۔ دوست محمد نے انھیں مبارکبادی کا خط بھیجا۔ جسکے جواب میں جدید گورنر جنرل نے یہ خط لکھا "آپ واقف ہیں کہ انگریزوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسری خود مختار ریاستوں میں دخل دیں" لارڈ آکلینڈ اس بات سے خوف زدہ تھے۔ اُنھیں یہ بھی نہ معلوم تھا۔ کہ روسیہ اور ایران کے ساتھ کیا حکمت عملی برتیں۔ انھوں نے کپتان برنس کو برائے نام تجارتی کمیشن کا سرگروہ بنا کے کابل بھیجا۔ یہ اگرچہ ایک سیاسی اصول تھا مگر کسی قسم کی ہدایت نہیں کی گئی۔ بماہ ستمبر ۱۸۳۷ء میں برنس کابل پہنچے۔ دو مہینے پہلے سے ایرانی فوج نے ہرات کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ کپتان برنس دوست محمد کے بڑے طرفداروں میں تھے۔ کیونکہ ابھی ۱۸۳۲ء میں اُنکے مہمان ہو چکے تھے۔ اس دوستی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہ شجاع کو ہمیشہ کے لئے محروم کردیا جائے اور دوست محمد کو قوی بنایا جائے تاکہ ہندوستان کی حفاظت ہو سکے۔

کپتان برنس سخت پریشان ہوئے کہ میں ایک نازک وقت میں کابل پہنچا ہوں کیونکہ ایرانی سفیر بھی بہت سے تحفہ تحائف لیکے کابل آرہا ہے جو قندہار پہنچ چکا ہے تاکہ امیر کو یقین دلائے کہ ایران تمہارا دوست ہے۔ دوست محمد نے راز کی بات برنس سے کہدی کہ جب مجکو انگریزوں کی امداد سے مایوسی ہوئی تو میں نے ایران اور روسیہ کی دوستی تلاش کی۔ چونکہ سکھوں کی قوت زیادہ ہوتی

جاتی ہے اس لئے میں تو مدد کا بھوکا ہوں خواہ کسی طرف سے مجھے ملے۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اگر ہندستانی انگریزی حکومت مجھے مدد دینے کا یقین دلائے تو میں ایران اور روسیہ کی دوستی کو اب بھی بالائے طاق رکھ سکتا ہوں۔

برنس نے اپنی گورنمنٹ سے ان دوستانہ تجویزات کے بارے میں خط و کتابت کی اور خود بڑے زور کے الفاظ میں سفارش لکھی کہ افغانستان کو ضرور دوست بنایا جائے۔ اسی اثنا میں برنس نے ایک اور اولوالعزمی کا کام کیا کہ قندہار کے سرداروں کو اسباب کی ترغیب دی کہ تم ایرانیوں کی مدد سے دست کشی کر لو۔ گورنمنٹ انڈیا تم کو روپیہ سے بھی مدد دے گی اور آدمیوں سے بھی۔ ایرانی تمہاری مدد صرف اس لئے کرتے ہیں کہ تمہاری آڑ میں اپنی فتوحات کا ثمرہ اٹھائیں اور پھر تم منہ تکتے کے تکتے رہ جاؤ۔

برنس نے یہ درخواست اپنے طور پر کی تھی کچھ گورنمنٹ کے اشارہ سے نہیں کی تھی۔ لیکن یہ غنیمت ہوا کہ جب گورنمنٹ کو اسکی اطلاع ہوئی تو اُس نے برنس کو یہ لکھدیا کہ تم ان تجاویز کو اور تازہ کر لو۔ گورنمنٹ تمھاری ہمزبان ہے۔

برنس کے تعلقات میں جب روسی ایلچی کابل میں آگئے تو ایک گونہ ضعف آگیا۔ تو بھی دوست محمد نے برنس کو یقین دلایا کہ اس خاطر و مدارات پر خیال نہ کرنا۔ میرا دل تو انگریزوں کی طرف مائل ہے اور میں یہی چاہتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو انگریزوں سے دوستی ہو جائے۔ برنس نے اپنی گورنمنٹ کو لکھا کہ امیر دوست محمد خان پر پورا بھروسا کیا جائے اور اُسکی دوستی قابل اعتبار ہے۔ اسکا جواب لارڈ آکلینڈ نے اُنکے خلاف اُمید دیا جنکے الفاظ امیر افغانستان کی نسبت مشتبہ و مبہم تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برنس کی سفارت کابل ناکامیاب ثابت ہوئی اس پر بھی دوست محمد نے اپنے موروثی غرور کو نظر انداز کر کے گورنر جنرل ہند سے التجا کی اور لکھا کہ آپ افغانستان کی مدد کر کے اُس کی مصیبتوں کو کم کیجئے آپ کے تھوڑی سی توجہ دینے سے افغانستان کی حالت سنبھل سکتی ہے۔ اس پُر اثر تحریر پر بھی وائسرائے ہند نے کچھ توجہ نہ کی۔ آخر روسی ایلچی جو اس وقت کابل میں موجود تھا۔ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ چونکہ اُسنے اپنی گورنمنٹ کی طرف سے ہر قسم کے وعدے کئے۔ اور دوست محمد سے کہا آپ کسی کام میں پریشان نہ ہوں جس قسم کی آپ کو ضرورت ہو گی ہم مدد دینگے۔ اور اس

ایلچی نے واپس ہوتے وقت قندہار کے سرداروں سے عہد و پیمان کر لیا اور اپنے مطلب کی ساری باتیں کر کے اُن لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کے چلا گیا۔ پرنس سخت مایوسانہ حالت میں بماہ اگست ۱۸۳۸ء میں کابل سے روانہ ہوا۔

پرنس بیچارہ اس لئے اور بھی ناکامیاب ہوا کہ جب وہ ہندوستان سے افغانستان روانہ ہوا ہے سر آکلینڈ کی حکمت عملی میں بتدریج تبدیلی پیدا ہوتی گئی۔ کیونکہ لارڈ آکلینڈ ہندوستان میں ایک مصلح جو شخص کی صورت میں نمودار ہوا تھا۔

اپریل ۱۸۳۸ء تک کوئی تبدیلی افغانستان کی حالت میں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُسکی تحریری دستاویز سے یہ ثبوت ملتا ہے جہاں اُسنے لکھا ہے کہ انگریزی حکومت نے اسباب کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ شاہ شجاع جبتک ہماری حفاظت میں رہے اُسے کابل کے تخت کی طرف رہبری کرنے میں ہرگز مدد نہ دیجائے۔

مگر یہ عجیب بات ہے کہ بماہ جون اُس سے ایک معاہدہ کیا اور جسکے ذریعہ سے انگریزی سپاہ کے ساتھ شاہ شجاع کو تخت کابل لینے کے لئے روانہ کیا۔ اس حکمت عملی کی توضیحات نہیں ملتیں۔ ظاہر طور پر ہماری سرحد ستلج سے ہرات تک اور حدود ایشیا تک جنکی دوری بارہ سو میل ہے قایم تھی۔ دنیا میں ایک شور و شغب برپا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی انگریزی گورنمنٹ اسباب سے ضرور واقف تھی کہ ایک ایرانی لشکر جس میں روسی والنٹیر اور فوج بھی شامل ہے ہرات کا محاصرہ کر رہی ہے اور ایرانی اور روسی جاسوس افغانستان میں اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ غالباً ان ہی دونوں صورتوں سے گورنر جنرل نے حکمت عملی کو بدلا۔ یہی کیفیت اسوقت بھی ہے جبکہ افغانی سرحد ہرات کے پرے ہے اور جبکہ دوست محمد کی اولاد مسند کابل پر جلوہ افروز ہے۔

غرض نہ تو انگلستان نے اور نہ ہندوستان نے اسبات کو گوارا کیا کہ ہرات افغانستان کے قبضہ سے نکل جائے۔ ہماری دوستی رنجیت سنگھ کے ساتھ بہت مضبوط تھی۔ کیونکہ دوست محمد اور رنجیت سنگھ میں جھگڑا تھا اس لئے صوبہ پشاور کی حالت انتظام کے لحاظ سے اچھی نہ تھی۔

معلوم نہیں یہ کسے یاد ہے کہ پہلی افغانستان کی جنگ کی ذمہ داری کا تاریک سایہ کسکے سر پر ڈالا جائے۔ متوفی لارڈ بروٗن نے بیت عوام کی کمیٹی میں ۱۸۵۱ء میں یہہ بیان کیا۔

افغانی جنگ صرف میری تحریک سے ہوئی۔ بیشک بورڈ آف ڈائرکٹرز سے میں نے مشورہ نہیں لیا۔ یہ سب کچھ صحیح ہے مگر اُس زمانے کی انگریزی گورنمنٹ اسکی ذمہ دار تھی جسکے ممبروں کے ذریعہ سے ہندوستان کے معاملات ہوتے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بات ہے کہ ایسٹ انڈین کمپنی نے اس معاملہ میں کوئی مخالفت نہیں کی۔

۱۸۳۸ء میں ہندوستان کی انگریزی گورنمنٹ رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع میں ایک معاہدہ ہوا جسکی شرط یہ تھی کہ شاہ شجاع ایک فوج کے ساتھ جس فوج کی تنخواہ انگریز دینگے اور جس فوج کو مہاراجہ پنجاب کے ساتھ تعلق ہو کابل جائے اور شاہ شجاع کو تخت پر بٹھلائے اُسکی مدد کے لئے پیچھے انگریزی فوج ہوگی۔ جب یہ معاہدہ ہو چکا تو صرف دو رجمنٹیں انگریزی فوج کی تیار کی گئیں اور شاہ شجاع کو تخت پر بٹھلانے کے لئے یہی فوج کافی سمجھی گئی۔ مگر سر ہر یفین سپہ سالار انگریزی نے اسکی سخت مخالفت کی کہ تھی بھر انگریزی سپاہی اتنی دور دوراز اور سخت مہم میں جاکر کیا کار نمایاں دکھا سکتے ہیں۔ بعد ازاں گورنر جنرل نے ایک اور غلطی کی کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کا ایک لشکر شاہ شجاع کے ساتھ نامعلوم وحشی افغانستان میں بھیجا جائے۔ تمام آدمیوں نے جنکے الفاظ وزن رکھتے ہیں اس اولوالعزمی کی مخالفت کی۔ مسٹر الفنسٹن جو ۳۰ سال پیشتر کابل کی شن کا سر گروہ بناکر بھیجا گیا تھا یہ لکھتا ہے کہ اگر ایک لشکر دروں میں بھیجا جائے اور اگر ہم اُسکے سامان خورد ونوش کا انتظام کر سکیں تو ہم تخت کابل لے سکتے ہیں اور شاہ شجاع کو اُسپر بٹھا سکتے ہیں۔ لیکن ایسے برفستانی دور دراز ملک میں یہ بات محال ہے۔ لارڈ ولیم بٹنگ اور لارڈ آکلینڈ نے پے درپے سخت غلطی کی۔

پھر مارکوئس ویزہ لکھتے ہیں کہ "یہ وحشی مہم ایک دور دراز چٹان والے جنگل ریتلے اور برف میں ڈھکے ہوئے ملک میں ایک طفلانہ بازی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی" انکے قریب قریب ڈیوک اف ولینگٹن کی رائے ہے (ماخوذ دی افغان وارز مصنفہ آر کھبالڈ فوربس صفحات ۱-۱۳)

برنس اور میگناٹن نے اپنی خونی قسمتوں کو بھگتا کیونکہ وہ اس شخص کی تائید میں لگے تھے کہ جس سے افغانی مخالفت کر چکے تھے۔ (ماخوذ زاہد صفحہ ۱۸۷)

میں افغانستان کی نہ تو تاریخ لکھتا ہوں اور نہ جو انگریزوں سے لڑائیاں ہوئیں اُنکے حالات قلمبند کرتا ہوں کیونکہ اگر میں کل تفصیلی حالات لکھوں تو اُسکے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی۔

افغانستان کی مختلف جنگوں کے حالات بڑے بڑے مصنف لکھ چکے ہیں مگر مطلب یہ ہے کہ دوست محمد خان نے کبھی برنس اور میکناٹن کی ہدایتوں کے خلاف نہیں کیا اور کل آدمی جنھیں بخوبی علم ہے اسباب کو سمجھتے ہیں کہ والیسرائے اور ہندوستانی حکومت نے اُ امیر دوست محمد خان کو تخت کابل سے اُتار کر ۱۲ نومبر ۱۸۴۰ء میں ہندوستان میں لاکر قید کر دیا تھا۔

اس ناانصافانہ حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ کابل میں کل انگریزی سپاہ قتل کر ڈالی گئی اور ساتھ ہی شاہ شجاع کی بھی گردن مار دی گئی۔ اور پھر ناچار دوست محمد خان کو انگریزوں نے افغانیوں کے حوالہ کیا۔ امیر دوست محمد خان ۱۸۴۳ء میں تخت کابل پر بیٹھے۔ اور نو ۹ جون ۱۸۶۳ء تک حکومت کی اور ہرات میں وہ اپنی فطری موت سے مرے۔ جہاں ان کا مقبرہ موجود ہے۔

اُنکی (امیر دوست محمد خان کی) وفات کے بعد اُسکے سب سے بڑے لڑکے یعنے میرے والد امیر افضل خان کے موجود ہونیکے سبب شیر علیخان نے خطاب امیری اختیار کیا جو کچھ اسکے بعد گزرا وہ میری کتاب کے ماسبق بابوں میں درج ہو چکا ہے صرف اتنا ایزاد کرنا باقی ہے کہ اُسکے عہد حکومت میں برٹش حکومت یا ہندوستانی حکومت کی غلطی کے سبب اُسے روس سے خط و کتابت کرنے کا موقع ملا جس کا بعد میں اُسپر الزام لگایا۔

اسیطرح شیر علیخان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اُسنے عام دربار میں ملکہ معظمہ کی نسبت درشت الفاظ استعمال کیئے۔ اور انگریزوں کو شکتا رہا اور روسیوں سے سازباز کرنے میں کسر نہ کی۔ حکومت افغانستان اور حکومت ہندوستان کی علی التواتر غلطیوں سے جنگ ثانی پیش آئی جس میں افواج شیر علیخان کو ہزیمت ہوئی اور مدد کے خیال سے روسیوں کی طرف بھاگ گیا۔ روسی حکومت اسقدر فاصلہ پر تھی کہ وہ اپنی فوج سرحد افغانستان پر جمع نہ کر سکی اور بالآخر امیر شیر علیخان دل شکستہ اور وجع مفاصل سے لنگڑا تا روس کے راستہ میں مر گیا۔ بعدہ ہندوستانی حکومت نے تیسری غلطی کی جسکے باعث سر لوئشس کواگنزی اور اُسکی فوج کی ہلاکت ہوئی۔

اُن پریشانیوں کی جو امیر شیر علیخان کے ہاتھوں سے انگریزوں کو پہنچیں اُنھوں نے اُسکی تلافی اس کے بیٹے یعقوب خان کے ساتھ عہد و پیمان کرنے میں کی۔ مگر سب سے بدتر یہ ہے کہ اُنھوں نے سر لوئشس کواگنزی کو مٹھی بھر انگریزوں کے ساتھ بلا کافی گارڈ کے روانہ کر دیا۔ لیکن کوئی زبردست

فوج اُسکی حفاظت کے لیئے ساتھ نہیں کی اور اسی وہم میں رہے کہ یعقوب خان کافی حفاظت کریگا حالانکہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یعقوب خان نے اپنے آدمیوں سے یہی دریافت کر لیا ہو کہ انگریزی سفارت کابل میں آئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یعقوب خان گرفتار ہوا اور تمام ملک میں عالمگیر شورش مچ گئی اور اس افغانی جنگ ثانی میں بڑی خونریزی اور روپیہ کا کھلیان ہوا۔

ان تمام آفتوں کے گزر جانے کے بعد آخر میں روس سے چلا آیا اور کابل کے تخت پر بیٹھ گیا اور انگریزی سپاہ کو اپنی حدود کے باہر بحفاظت پہنچا دیا۔

کیونکہ انگریزوں اور افغانستان کا مختصر سا تذکرہ کر چکا ہوں میں اب اس معاملہ کو صاف کر کے دکھانا چاہتا ہوں جس سے افغانستان کی آیندہ حکمت عملی کھلجائے اور جس سے معلوم ہو کہ افغانستان کا انگلشیہ اور روسیہ سے کیا تعلق ہے۔ پیشتر اسکے کہ میں کچھ کہوں میں منسلکہ نقشہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور انگلستان اور افغانستان کے گزشتہ تعلقات پر نظر کر کے تاریخی واقعات کے خفیف مطالعہ سے بات صاف ظاہر ہو جائیگی کہ میرے دادا امیر دوست محمد خان کے ضعف سلطنت کے زمانہ میں انگریزوں نے اس سے فائدہ اٹھاکر افغانستان کی مخصوص سرحدی ریاستوں کو کاٹکر اپنی حفاظت میں لے لیا۔ پھر امیر شیر علیخان اور یعقوب خان کے زمانہ میں اُنھوں نے وادی قرم - درہ خیبر کچھ حصہ پشین اور دیگر مخصوص مقامات دبا لیئے۔

میرے عہد حکومت میں بھی باوجود میری سخت روک تھام لارڈ لینسڈون کی حکومت نے میرے افسروں کو بلند خیل وزیرستان اور دیگر مقامات سے نکالدیا۔ اور یہ دھمکی دی کہ انگریزی سنگینیں میری طرف پھرا چاہتی ہیں۔ اور جدید چمن اسٹیشن میری رعایا اور نیز میری مرضی کے خلاف بنا لیا۔ اگرچہ سر مورٹیمر ڈیورنڈ کی مشن نے مجھے کچھ معاوضہ دیکر اس معاملہ کا تصفیہ کرا دیا۔ اور میں بالکل رضامند اور مطمئن ہوں کہ میں نے انگریزی دوستی میں کھونے سے زیادہ حاصل کر لیا۔ میں ان واقعات کو ناظرین کتاب پر محض اس وجہ سے ظاہر کرتا ہوں کہ انگلستان اگر افغانستان کا کوئی ٹکڑا لینا نہیں چاہتا پھر بھی اُسنے لینے کے موقع کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور اس دوست نے بمقابلہ روس کے بہت کچھ لیلیا ہے۔ مذکورہ تاریخی واقعات کے بعد جو انگریزی مستند تاریخوں اور مدبروں کی برات سے اخذ کیئے

گئے ہیں۔ میں اس بارہ میں اپنے جانشین اور اپنی قوم کو نصیحت کرتا ہوں میں اسباب کی بحث کرنا نہیں چاہتا کہ میرے ارکین اس سے زیادہ عاقل ہیں جیسا کہ باہر کے مصنفوں نے انہیں سمجھا ہے اور میرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اگر اُسکو تمام دنیا پر ظاہر کردوں تو میری صرف بیوقوفی ہی نہیں بلکہ بدتہذیبی بھی ہے۔ میں صرف چند اشارے کرونگا۔ اور بقیہ معاملات اپنے جانشین کے غور کرنے کے لئے چھوڑ دونگا۔ "عاقل را یک اشارہ کافی است"

غیر ملکوں میں پارلیمنٹ اور دیگر کونسلوں کے افتتاح پر بادشاہ کی یہ عادت رہی ہے کہ اپنے تخت کی اسپیچ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ "میری حکومت کا غیر قوموں کے ساتھ نہایت مہذب دوستانہ تعلق رہا ہے" اگرچہ غالبًا وہ ان الفاظ کے دوہرانے کے وقت جانتے ہیں کہ وہ اُن میں سے بعض سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ مگر یہ اُنکی حکمت عملی ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس مثال کی پیروی کروں اور اس قسم کے مہمل جملے دوہراؤں تو میری قوم اور میرے جانشین ان سطروں کو پڑھنے کے لائق اور قابل نہونگے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تاریکی میں پڑجائینگے اس لئے میں چند سادے جملے کہونگا۔

تعریف اُس خدا کو جو تمام دلوں کا حاکم ہے اور خوشنودی کے وقت دشمنوں کے دلوں میں دوستی پیدا کرنے والا ہے۔ میری حکومت کا تعلق گرد و نواح کی قوموں یعنے انگلستان۔ روس۔ ایران و چین کے ساتھ قابل اطمینان اور دوستانہ ہے۔ دشمنی کا کوئی سبب نہیں ہے۔ اور نہ فی الحال دشمنی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ میرے کسی دوست کے پاس نہ تحریری اور نہ کسی قسم کا ثبوت ہی جس سے افغانستان کی حکومت پر عہد شکنی یا مخالفت کا الزام آئے۔ اگرچہ میں اُن افواہوں کا جو وقتًا فوقتًا اڑتی ہیں جوابدہ نہیں ہوں۔ نہ کسی غیر قوت کے پاس اس کا ثبوت ہی کہ افغانستان نے اُسے ابھارا (اگرچہ میں اسبات کو تسلیم نہیں کرتا کہ کوئی سلطنت میری حکومت کی دشمن ہے) اپنی تخت نشینی کی تاریخ سے میں نے کبھی ہراس یا بزدلہ پن نہیں ظاہر کیا۔ نہ میں نے اپنے کسی پڑوسی کی خوشامد کرکے اپنی تئیں یا اپنی قوم کو خفیف کیا ہے اور نہ میں نے کسی ایک کے ساتھ دوسرے سے زیادہ طرفداری کرکے بلا ضرورت کسی قوت پر دشمنی یا ناپسندیدگی ظاہر کی ہے

میں نے اپنے پڑوسیوں سے مثل اپنے پیشرؤوں کے کوئی ایسا قول اور قرار نہیں کیا جو پورا نہو سکا ہو۔

مین نے رسول مقبول کے نصائح کی نہایت پابندی سے پیروی کی ہے اور اُنکے قدم بقدم چلا ہوں خدایا اُنکی روح پاک پر اپنی رحمتیں برسا - خیرالامور اوسطہا -

اگر کسی حکومت یا حکومت کے اہلکار نے میرے ساتھ اخلاقی برتاؤ کیا ہو تو مین نے بھی ویسے ہی اخلاق سے اُس کا جواب دیا ہے - اور اگر کسی نے میرے ساتھ وحشیانہ اور بدتہذیبی سے سلوک کیا ہے تو میں نے کبھی ترکی بترکی جواب دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی - ساتھ ہی اسکے میں نے ایک حد تک خوداری ظاہر کرنے یا اُس سے زیادہ بدتہذیبی ظاہر کرنے میں جسکے کرنے کا مستحق تھا نہایت لحاظ رکھا ہے جا مئے - ضرورت سے زیادہ نیک ہونا انسان کی وقعت کھو دیتا ہے - کیونکہ کمان اسوقت تک تیر کی تابع نہیں ہوتی جبتک کہ وہ بھی نہ جھکے -

میں کسی خاص قوت کا نام نہیں لینا چاہتا بلکہ اپنی رعایا کو مطلع کرنیکے لیئے ایک اشارہ کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ مختلف قوموں کے حرکات کے فرق امتیاز کرنیکی کوشش کریں -

بعض اون میں سے جوک کی مانند ہیں جو خون پیتی رہتی ہے یہانتک کہ انسان بلا درد کے ہلاک ہو جاتا ہے - اور بعض پھانس کی مانند ہیں جو کھٹکتی رہتی ہے مگر ہلاک نہیں کرتی - یعنی مثل بھڑ کے ہیں جسکے ڈنگ سے سوزش تو بہت ہوتی ہے مگر موت کا ڈر نہیں ہوتا -

بعض قومیں جدید علاقے اپنی قوت و فتوحات کے ذریعہ حاصل کرتی ہیں اور بعض دغابازی حیل اور ملک کے رئیسوں میں خانہ جنگی کرا کے اور خود بیچ والی آڑ میں بیٹھ جاتی ہیں اور دوسروں کی حماقت سے حکومت حاصل کرتی ہیں - ایسی قوموں سے معاملہ رکھنا بہت دشوار ہے اور اُنکے ساتھ معاملہ کرنے میں انسے زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے جو برملا حملہ کرتی ہیں - یہ بڑا پیچیدہ اور نازک مسئلہ ہے اور میں اپنی رعایا کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے تمام تعلقات میں بہت محتاط رہیں "ہر وقت چوکنا رہنا چاہیئے" اور "علم بہت بڑی قوت ہے" اسکے علاوہ میری رعایا کے لیئے اتفاق سب سے بڑی چیز ہے ایسا نہو کہ تم میں باہم نااتفاقی ہو اور پڑوسی دغابازی سے چھیڑ عنٹو کریں -

آگے بڑھنے سے پیشتر مجھے اسباب کے اظہار کرنیکی ضرورت ہے - چونکہ عام طور پر لوگ مجھسے واقف نہیں ہیں اس لیئے مجھے ظالم - طامع - اور شکی سمجھتے ہیں - اِن الزامات کے جوابات میری طرف سے بہت مصنفوں نے جو مجھسے بخوبی واقف ہیں دئے ہیں - مثلاً سر ویسٹ رجوے سر لپیل گرفن - اور دیگر

مشہور مدبروں کی تحریرات اسکے متعلق ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہی اور ٹھیک کہا ہی کہ اگرچہ امیر بہت سختی سے حکمرانی کرتے ہیں مگر حق یہی ہی کہ اُنہیں سخت رعایا پر حکومت کرنی ہے۔ سرالفرڈ لائل نے اپنے مشہور شعروں میں میری مشکلات کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

خداوند تعالیٰ کے سارے طریق مثل تازیانے کے ہیں۔ اور مجھ جیسے خداوند تعالیٰ کے ایک ادنیٰ سے بندہ کا فرض ہی کہ اُسکے ہر امر پر سر تسلیم خم کردے۔ کیا خدا کی شان ہی کہ کافروں کی مدد کا احسان کس طرح سر پر لیا گیا۔ کسی رئیس نے اس شخص سے زیادہ جو اس ملک پر حکومت کرتا ہے اور افغانوں کو ایک دن مہذب بناویگا کبھی خشوع و خضوع کے ساتھ خدا تعالیٰ سے اپنی مدد اور استقلال کے لیے دعا نہیں مانگی۔ میری حالت عجیب عبرت انگیز ہے میں نصف برباد شدہ قلعہ سے کابل پر حسرت سے نظر کر رہا ہوں جسکے قریب پہاڑیوں کو توپوں کا تاج پہنایا گیا ہے اور جسکے دور کی پہاڑیاں سفید برف سے ڈھکی دکھائی دے رہی ہیں۔ انگوروں کے گچھے نہایت شاداب اور تروتازہ معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھنے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ حکومت کرنے والا جنت کے حضری اُڑا رہا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اس وقت میں دوزخ پر حکومت کر رہا ہوں"

جب میں افغانستان کے گزشتہ واقعات کا خیال کرتا ہوں تو میرے دل میں شک پیدا ہوتا ہی کیونکہ پہلے بادشاہ یا تو قتل کئے گئے یا بے انصافی سے تخت سے اُتار دیئے گئے یا اندرونی یا بیرونی دوستوں کیوجہ سے قید کر دیئے گئے۔ سعدی کی نظم ہے۔

گلے خوشبوے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

سعدی کے مذکورۂ بالا فقرے سے ظاہر ہے کہ مجھپر پڑوسیوں کے اور امن دوست لوگوں کے برتاؤ سے برعکس اثر پڑا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ خود غرض لوگ لٹیروں کی طرح تاک میں ہیں کہ موقع ملے اور افغانستان کا کوئی حصّہ دبا لیں شک کرنا انسانی فطرت کا مقتضا ہی جونہی اُسکی آنکھہ لگی۔

اور اُنہوں نے کومل لگائی اور اگر اتفاق سے اسکی آنکھ کھل گئی اور پوچھا تم کیا کرتے ہو؟ تو جواب یہ ہے میں تمہارا دوست ہوں۔ میں تو صرف مذاق کرتا تھا۔

آنکھ بچی اور وہی دوست مذاق ہی مذاق میں اُسکا مال لیکر رفوچکر ہوئے۔ ایسی مشتبہ زندگی خوشی کی زندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُس کو ہمیشہ اسبات کا خوف رہتا ہے کیا تو اُسے دھوکا دیا جائیگا یا وہ مار ڈالا جائیگا۔ مگر میری جیسے حالت میں ان باتوں کا ہونا لازمی ہے میں نے اپنے معتمد دوستوں سے بارہا اسبات کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ ہماری بھی کیا ناخوش زندگی ہے۔ حالانکہ تم ہر وقت میرے رو برو رہتے ہو مگر میں اسبات کو جانچتا رہتا ہوں کہ تم میں سے کون اپنی بیوقوفی سے مجھپر حملہ کر بیٹھے گا۔ اور تمہاری حالت یہ ہی کہ تم اسقدر متفکر ہو کہ تم نے اپنے اہل و عیال کو مذبذب حالت میں چھوڑ رکھا ہے اور ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ دیکھئے ہم میں سے کون صحیح و سلامت بہر حال بچوں سے ملتا ہے اور کون اپنے ہی قصور یا اپنے ہم جلیسوں کے ساتھ سازش کی علت میں پھانسی پاتا ہے سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

خوش ست زیر مغیلان براہ بادیہ خفت الخ

میں اس ناپسندیدہ مضمون پر زیادہ گفتگو نہ کروں گا۔ میں صرف اتنا اور کہوں گا۔ اگر ہر سلطنت میں عیب و صواب کمزوری ہوتی ہے اور اس پر نکتہ چینی کا موقع ہے مگر بڑی سی بڑی غلطی بھی عمداً نہیں ہوتی تاہم یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی قوم پر زیادہ خوش اسلوبی سے حکومت اسیوقت ہو سکتی ہے جبکہ گورنمنٹ میں اُسکے ممبر ہوں جن قوموں پر غیر حاکم میں اُن میں غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ جب حاکم و محکوم مختلف قوم ہوں تو اُنکے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں اس لئے میں ضرور کہونگا کہ میں اپنے لوگوں کو اُس سے بہتر جانتا ہوں جتنا غیر ملک والے اُنہیں سمجھیں۔

غیر ولایت کے سفیر کابل میں اور کابل کے سفیر غیر ولایت میں

افغانستان خود مختار سلطنت ہے اور اسکو ابھی دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے اس لئے نہایت ضروری امر ہے کہ اسکے سفیر اور وزرا غیر سلطنتوں میں رہیں۔ اور غیر سلطنتوں کے سفیر دربار کابل میں تا وقتیکہ افغانستان کی حالت ایسی نہ ہو جائے کہ بہت سے اس قسم کے اور امور رائج ہوں اس معاملہ کو بھی

سردست ملتوی رکھنا چاہیئے۔

مَیں اپنے بیٹوں اور جانشین اور اپنی قوم کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس اصول کو مدِ نظر رکھیں اور جبتک میری دلی آرزو پوری ہو جائے کبھی اس سے توجہ نہ اٹھائیں۔ میں اس قسم کی چند مفید اور غیر مفید باتوں کا تذکرہ کروں گا۔ ایک معنے کر تو افغانستان بہت سی باتوں میں دنیا کی تمام اسلامی قوتوں سے بڑھکر خود مختار ہے۔ برخلاف بعض اسلامی سلطنتوں کے یہ یورپ کی متحدہ قوتوں کے تکلیف دہ اختیارات سے محفوظ ہے۔ کسی خارجی دولت کا اس پیسے اس پر قابو نہیں ہے اور نہ افغانستان کے آلات حرب خریدنے سے مانع آسکتی ہے کیونکہ اسے نہ تو تاوان جنگ دینا ہے۔ اور نہ قومی قرضہ چکانا ہے۔

انگلستان کا فرض ہے کہ افغانستان کی آزادی قائم رکھنے کے لیے حملہ آوروں کے خلاف افغانستان کی طرف سے لڑے۔ مگر اس پر بھی انگلستان کو اسکی اندرونی حکمت عملی میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہے۔ انگلستان کا یہ فرض ہے کہ سالانہ ایک مسلمان ایلچی میری سلطنت میں بھیجے جو پیدائشاً ہندوستانی ہو مگر اُس کا تقرر میری مرضی کے مطابق ہوگا۔ یہ اختیار سوائے افغانستان کے انگلستان نے اور کسی اسلامی سلطنت کو نہیں دیا ہے اور نہ دنیا کی کوئی قوت از روئے معاہدہ افغانستان کے اندرونی و بیرونی معاملات میں دست اندازی کر سکتی ہے۔

ہاں ایک بات ضرور ہے کہ اگر افغانستان کسی خارجی دولت سے خط وکتابت کرے تو اُسکی اطلاع برطانیہ اعظم کو دینی ضرور ہوگی۔

جبکہ ہر دیگر اسلامی سلطنتوں کے سفیر غیر سلطنتوں میں ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ افغانستان اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے کہ اس کا سفیر کسی دولت خارجہ کے دربار میں ہو۔ ہاں میرے آدمیوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بغیر سوچے سمجھے میری نصیحتوں کا نتیجہ نہ نکال لیں۔ مثلاً کسی حالت میں سردست غیر سفارت کا اپنی سلطنت میں آنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ زمانہ ابھی اسباب کا مقتضی نہیں ہے۔ اولاً جبتک کہ ہم اسقدر توانا ہو جائیں کہ غیر سلطنتوں کا حملہ نہ روک سکیں کابل میں غیر سفارت کا بلانا سخت نادانی ہے۔ جب مناسب فوجی تیاریاں ہو جائیں اور ریل اور تار برقی جاری ہو جاوے اُس وقت اس سوال پر غور کیا جائے۔

سر دست غیر سفارت کے کابل مین آنے میں دوسرا خطرہ یہ ہی کہ میری رعایا کافی طور پر ایسی تعلیم یافتہ نہیں ہے کہ اپنے نیک و بد کو سمجھے - وہ تو ابھی تک اپنے حاکم ہی کی قدر نہیں جانتی - باوجودیکہ ابھی کچھہ اختیار نہیں ہے غیر سفیر میری رعایا کو غلط افواہیں اڑانے اور میری سلطنت کے خلاف غیر حکومت کے پاس شکایت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں - مگر اختیار ہونیکی حالت میں تو خود ہی منصف بنجائیں گے - اور میرے اور میری رعایا کے جھگڑے فیصل کرنا چاہیں گے - اور یارون کی غرض یہ ہو گی کہ میرا ملک پارہ پارہ ہو جائے -

تیسرا خطرہ یہ ہے کہ اگر افغانستان میں غیر سفیر رکھے جائین غیر سلطنتوں کے فساد کی وجہ سے جرگوں میں نفاق پھیلنے کا اندیشہ ہوگا - اور ملک کے بٹ جانیکا خوف رہیگا - اگر ہم اسکو اسطرح ہر قسم کی مداخلت کرنے کا ذرا ہی موقع دین تو ہر بڑی سلطنت اپنی عنایتین جتائیگی اور مختلف معاملات میں دخل چاہیگی - اگر میری قوم کافی طور پر ان جدتوں کی عادی ہو جائے اور ایسے موقعے پیش آئیں تو ملک کی ترقی میں سخت ہرج واقع ہوگا۔

جب افغانستان میں کافی ترقی ہو جائے اور اسکے پاس غنیم کے مقابلے کے لیے پوری قوت ہو اور اوسکے مدبر بھی اپنے عالی مراتب کے لائق تعلیم یافتہ ہو جائیں اور سفارت میں ایسا ملکہ حاصل کرلیں کہ غیر سفیروں کے پیچوں کا ترکی بترکی جواب دے سکیں اُس وقت غیر سفارت کو آنے دینا چاہیئے - اس کام کے فائدے بیشمار ہیں -

دیکھو ایک فائدہ تو یہ ہے مثلاً کل سفیر کابل میں جمع ہیں اگر کوئی ایک سلطنت ناانصافی اور ہٹدھرمی سے حدود کابل پر جنگ چھیڑنا چاہے تو وہ سب ملکر اُسے روکیں گے کہ دیکھہ کیا غضب کرتی ہے اور کابل اُسکے بیجا حملہ سے نجات پا جائیگا - اُسکو جنگی حکمت عملی برتنے کے کافی وجوہات بیان کرنے ہونگے دوسرا فائدہ یہ یہ سمجھئے کہ افغانستان کے سفیر غیر سلطنتوں میں رہ کے اپنے تجربوں سے بہت کچھہ فائدہ اٹھائیں گے جو بالعموم قوم کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا اور دیگر ممالک کے مختلف قسم کے آدمیوں سے میری قوم کو واسطہ پڑیگا -

اگر یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو تجارت کو بھی فروغ ہوگا اور سیاح نیز دولتمند میرے ملک کے ذریعہ آمدنی سے فائدہ اُٹھائیں گے - جسقدر زیادہ تعداد ملک میں دولتمندوں کی ہوگی اسی قدر وہاں -

جھگڑے فساد کا اندیشہ کم ہو گا کیونکہ اپنے مقبوضات و سرمایہ کی حفاظت نگرانی کے لئے امن قایم رکھنا انھیں کے لئے مفید ہے۔

سناسب وقت پر باہمی سفارت سے آخری فائدہ یہ ہو گا کہ میری سلطنت کی وقعت و شہرت بڑھ جائیگی۔ کیونکہ ایشیائی بادشاہ غیر بادشاہوں کی نظر میں اپنی وقعت و عظمت کی قدر بمقابلہ اور باتوں کے زیادہ کرتے ہیں۔

دنیا ایکدن میں تیار نہیں ہوئی اور خدا تعالیٰ نے دنیا کو ایک ہفتہ میں بناکر ہماری واسطے مثال قائم کی ہے کہ ہم صابر بنیں اور کام محنت و استقلال سے کریں۔ پہلی ایک بات یہ ہے کہ ہم انگلستان سے یہ بند و بست کریں کہ وہ اپنا ہندوستانی مسلمان سفیر ہمارے دربار میں بھیجے اور ہمارا سفیر ہندوستانی حکومت میں جائے۔ مگر دربار لندن میں ہمارے سفیر کے رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں کامیاب ہونیکی کئی بار میں نے کوشش کی جسکی ۱۸۹۵ع میں سخت ضرورت واقع ہوئی تھی اور میں نے اپنے بیٹے شہزادہ نصراللہ خان کو خاص اسی عرض سے انگلستان روانہ کیا تھا۔ اُسکی سفارت کے ناکامیاب ہونے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ مگر اس مضمون پر مزید بحث کرنے سے پہلے مجھے اپنے بیٹے اور جانشین کو اسبات کی نصیحت ضرور کر دینی چاہئے کہ اسبات کے انکار کر دینے سے تم بگڑ نہ بیٹھنا۔ کیونکہ ہمیں اُس عاشق کی کہانی یاد رکھنی چاہئے جسکو اُسکی معشوقہ ہر روز اپنے ہاتھ سے سردہ کی پھانک دیتی تھی۔ وہ بدقمت اُسکی چھوٹی چھوٹی قاشیں کرتی تھی اور جب اُس کا عاشق اُسکے پاس آتا تھا تو عمدہ قاب میں اُسکے سامنے رکھدیتی تھی۔

ایکدن اتفاق سے تلخ سردہ آگیا۔ اور اُسنے بغیر چکھے حسب دستور اُسکے سامنے رکھدیا۔ عاشق نے اُسکو کھالیا اور تلخی کی کچھ شکایت نہ کی۔ سردہ کا صرف ایک ٹکڑہ رہ گیا تھا کہ اُس کا ایک دوست آگیا اور کھانے کے لئے اُسکو اٹھایا مگر کڑوا پاکر اپنے دوست سے کہا تونے اپنی معشوقہ سے اُسکی تلخی کی کیوں نہ شکایت کی۔ اُس نے جواب دیا "یہ بڑی ناشکری کی بات تھی کہ ہر روز تو میں میٹھا سردہ کھاتا تھا صرف ایکدن کڑوا سردا کھاکے شکایت کرتا"

اس بات نے اُسکی معشوقہ کے دل میں اُسکی بڑی قدر کر دی۔ اُن احسانات کے سامنے جو ملکہ معظمہ۔ اُسکے خاندان اور سلطنت نے مجھپر میرے خاندان اور میری حکومت پر کئے ہیں ایک تلخ انکار

بھی برداشت کرنا چاہئے۔

دربار لندن میں سفیر نہ رہنے سے افغانستان ہی کو خوف نہیں ہے بلکہ انگلستان کے لئے بھی ایساہی خطرہ ہے۔اگر انگلستان ہندوستانی سرحد یا ہندوستان کی حفاظت کو کم ضروری سمجھے۔ تو افسوس ہے۔ کیونکہ ہندوستان ہی کیوجہ سے انگلستان بڑی سلطنت بنی ہے۔ تمام دنیا میں یہ بات مشہور ہے کہ ملکہ معظمہ ہی کو قیصرہ بننے کا فخر حاصل ہے۔ اور اُسکی سلطنت شاہی سلطنت ہوئی ہے ہندوستان ہی کی وجہ سے انگلستان کو ہالینڈ اور دیگر چھوٹے ملکوں پر اعزاز ہے۔

مملکت برطانیہ اعظم کے پاس سے اگر ہندوستان نکلجائے تو سلطنت کا اطلاق اُسپر سے جاتا رہے اس لیئے ہندوستان کو غیر سلطنتوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیئے اُسکی حفاظت کرنا اُسکا فرض ہے۔ پھر بھی انگلستان میں ہندوستانی معاملات پر اسقدر کم توجہ ہے کہ دیکھنے والے کو اس شخص کا مقولہ سچ معلوم ہوتا ہے جس نے انگلستان کو مخاطب بناکر یہ کہا ہے۔

"اے انگلستان یہ نہ سمجھ کہ ہندوستان مصائب ہی سہنے کے لیئے موزوں ہی جو تیری ہی وجہ سے اُسے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ آخر تا کجے۔ اِن مصیبتوں کی بھی انتہا ہے جب یہ مصیبتیں اپنی انتہائی حد کو پہنچ جائیگی تو ہندوستان کو خود بخود ان سے سبکدوشی حاصل ہوگی"

خدا نہ کرے کہ انگریزوں کے یہ خیالات ہوں کیونکہ اگر انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو انکو رہنے کے لئے دوسرے مقامات موجود ہیں۔ مگر جو ریاستیں یا سلطنتیں اسوقت انگریزوں کی پشت پناہی پر انند کے تار بجارہی ہیں ایسی حالت میں کہ کوئی ہمسایہ سلطنت اپنے ساتھ شریک کرے تو وہ کہاں جاسکتی ہیں۔ اور اگر بدقسمتی سے انگلستان کا یہ ارادہ ہو کہ وہ بغیر جنگ کیئے اُسکو چھوڑنا چاہے تو اُس کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے دوستوں اطلاع دیدے کہ تم اپنا آپ حفاظت کا انتظام کرلو میں یقین نہیں کرتا کہ روسیہ کو افغانستان سے دشمنی ہے اور اگر ہے بھی تو اس لیئے کہ وہ اسکے لیئے ہندوستان میں مانع ہے اور جب کبھی اُس پر حملہ ہوا بھی تو وہ ہندوستان ہی کی وجہ سے ہوگا اُس مسئلہ کے متعلق میں کسی اور مقام پر بحث کروں گا۔

افغانستان کے متعلق اکثر اخبارات اور رسالوں میں جو کچھ مضامین وقتاً فوقتاً شایع ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ کے بعض ممبروں کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہی کہ ہندوستان کی ساتھ میری ملک کے

تعلقات اور اُسکی دوستی کہانتک سمجھی گئی ہے۔

اگرچہ روسیہ حتے الوسع کوشش میں ہے کہ اپنے حدود ہندوستانی سلطنت کی مشرقی جانب براہ خشکی بالکل ملا دے۔ بعض وقت مجھے ممبران پارلیمنٹ کی لاعلمی پر ہنسی آتی ہے اور بعض وقت افسوس ہوتا ہے۔ اُن کا قول ہے۔

"ہمیں افغانستان کو اپنا سد راہ ہونے دینا چاہیے۔ ہم اپنی ریل کی سڑک روسیہ کی ریل سے ملا دیں۔ افغانستان کو ملیامیٹ کر دیں اور اپنی حکومت ہندکی کوشش کے ایک جانب تو قندہار تک اور دوسری جانب روسیہ تک پھیلا دیں"

روسیہ کے سچے بہی خواہ امن کے دشمن اور انگلستان کے دانا دشمن اس بات کو سمجھتے کہ وہ در پردہ روس کی دوستی میں انگلستان کی مخالفت کر رہے ہیں۔

یہ مشہور بات ہے کہ جب دو قومیں ایک دوسرے سے ناواقف ہوں اور اُنہیں باہم ربط و ضبط کا اتفاق نہوا ہو تو اُن میں غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں جو دوستانہ مراسم و تعلقات کیلئے سم قاتل ہیں شبہہ کیحالت میں حکمت عملی کچھ کام نہیں دیتی۔ اگر ٹھیک بات بھی کہی جائے تو اُس پر شبہہ اور بے اعتباری ظاہر کی جاتی ہے اور معنی غلط لیئے جاتے ہیں۔ اُس حالت میں جبکہ مدبران وطن اور ہندوستانی حکومت کی یہ کوشش ہو کہ افغانستان کا سفر مقرر نہ کیا جائے تو ایک دوسرے سے کیسے آشنا ہو سکتے ہیں۔

عرصہ سے میری رائے ہے کہ دولت افغانستان کی سفارت صرف انگلستان میں رہے اور انگلستان کی سفارت کابل میں۔ اس سے انگلستان کے اور افغانستان کے مراسم اب سے زیادہ بڑھ جاتے دوستی کو استحکام ہوتا غلط فہمیاں اور شبہے دور ہو جاتے اور افغانستان میں قوت کا اندازہ ہوتا اور تعلیم اور انگلستان کی جدید ایجادیں رائج ہو جاتیں۔ اور افغانستان کے نو عمروں کو انگلستان میں اور یورپ میں تعلیم کے لیئے جانے کا راستہ کھلجاتا۔

حکومت انگلستان کو ایشیائی معاملات اور حکمت عملی کی سچی واقفیت ہوتی اور اُس غلط بیانی کی تردید ہو جاتی جسکی وجہ سے ہماری قوم غیر قوموں کے نزدیک بے اعتبار سمجھی جاتی ہے اور افغانستان کی وقعت دنیا میں اور بالخصوص اسلامی سلطنتوں کی نظروں میں بڑھ جاتی اور خود مختار سلطنت شمار کی جاتی جیسا کہ برطانیہ اعظم اپنی خیال میں سمجھے ہوئے ہے۔

انگلستان کو افغانستان کے عملاً خود مختارانہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی - میرا تجربہ ہے کہ جب کبھی میں نے کسی دشواری کی شکایت انگلستان سے کی تو مہذب اور متین جواب یہ ملا کہ مجھے ہندوستانی حکومت سے عذر کرنا چاہئے - کیا خوب بات ہی کہ جسکی شکایت ہو وہی منصف بھی بنایا جائے -

انگلستان کے منصف اور مدبر اس بات پر متفق ہیں کہ افغانستان سے لڑنا نچاہئے مگر جب والیرائے ہندوستان لڑائی چھیڑ دے تو پھر پھٹے ہوئے دودہ کو بچانے سے کیا فائدہ - کسی کا قول ہے - ؎

انچہ دانا کند کند ناداں   لیک بعد از ہزار ارسوائی

زہر کا پہلے ہی سے نہ کھانا اس سے بہتر ہے کہ زہر کھالیں اور پھر طبیب سے اُسکا اوتار چاہیں - جو تغیرات افغانستان کے متعلق انگلستان کی حکمت عملی میں پڑے ہیں اُن سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ انگلستان افغانیون کے تعلقات کو ہرگز نہیں سمجھا میں چند ضروری تغیرات کا مجملاً تذکرہ کرونگا میرے دادا دوست محمد خان کے زمانہ میں ابتدائی حکمت عملی یہ ہوئی کہ افغانستان کے شاہی خاندان کی خانہ جنگیوں میں مداخلت کی اور ایک کو تخت سے اوتار کر دوسرے کو تخت نشین کر دیا - اسوقت جو شخص بے دخل اور قید کیا گیا وہ میرا دادا دوست محمد خان تھا - جس نے انگریزوں کے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی - ایسی صورت میں اُنھیں ایسا کرنے کا مجاز نہ تھا -

افغانستان کی رعایا کی خواہشات کے خلاف شاہ شجاع کا جبراً تخت پر بیٹھایا جانا حکمت عملی نہ تھی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز بُرے طور سے کابل میں تباہ ہوئے اور اس سے اُنہیں سبق ہو گیا - کہ آیندہ کبھی تخت کابل کے لیئے وارثوں کی خانہ جنگیوں میں مداخلت نکرینگے -

دوسری حکمت عملی افغانستان کے متعلق یہ برتی گئی کہ افغانستان کو تنہا چھوڑ دیا گیا - اور جسکو انگریزون نے بہت زبردست سمجھا - مگر میں اُسکو نہایت کمزور اور ڈرپوک حکمت عملی کہتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر شیر علی روسیہ کی بغل میں جا بیٹھا اور اُس سے افغانستان اور انگلستان کے ساتھ دوسری جنگ کا آغاز ہوا -

دیکھئے کیا تعجب کی بات ہی کہ انگلستان نے روسیہ سے اُسکے کاموں کے متعلق کچھ بھی جواب طلب نکیا - حالانکہ افغانستان سے برطانیہ اعظم کے معاہدے ہو چکے تھے - جنکی رو سے انگلستان کو ضرور تھا کہ روکتا مگر نہیں "گدہے والے پر بس نہ چلا گدہیا کے کان کھینچے - بچارے شیر علی پر عتاب

نازل ہوا۔ اور تماشے کی بات تو یہ ہے کہ لارڈ لٹن نے خود شیر علی کو جنرل کاف مین سے خط و کتابت کرنے کی اجازت دی۔ میں امیر شیر علی کو عہد شکنی کے الزام سے بری نکروں گا مگر جو کچھ ہوا۔ وہ ہندوستانی حکومت کی ٹھوس پالیسی کی بدولت ہوا۔

تیسری حکمت عملی لارڈ لٹن کے زمانہ میں یہ ہوئی کہ اگلی یہ کوشش تھی کہ افغانستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قندہار اور دیگر مخصوص علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیں اور بقیہ دیگر حکمرانوں کو دیدیں یہ بھی پذیرانہ ہوئی مگر یہ پالیسی لارڈ لٹن کی آگے بڑھنے کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔

چوتھی حکمت عملی یہ تھی کہ افغانستان کو خود مختار قرار دیا جائے تاکہ ہندوستان اور روسیہ کے درمیان ہندوستانی سلطنت کی محافظت کے لئے مضبوط روک ہو جائے اور یہی حکمت عملی ہے جو ہندوستان نے دانشمندانہ اختیار کی ہو اور مجھے اس سے بہت مسرت ہوئی۔ مگر صرف اس قدر افسوس ہے کہ پورے پورے طور سے اُس پر عمل نہیں کیا گیا۔

لندن میں میرے سفیر رکھنے کے خلاف جسقدر ہندوستانی انگریزیں اسیقدر باتیں میں اور اگر آگے بڑھنے کی حکمت عملی کے معاون شامل کر دیئے جائیں تو اس سے بھی زیادہ جن میں سے چند باتوں کا میں تذکرہ کرتا ہوں۔ اولاً یہ کہ جسوقت تک انگلستان کا سفیر کابل میں نہ آئے افغانستان کا سفیر لندن میں نہیں رہ سکتا۔ درانحالیکہ انگلستان کا سفیر کابل میں ہے۔ اور میرا سفیر ہندوستان میں موجود ہے پھر کیا وجہ ہے کہ میرا سفیر لندن میں نہ رہے۔ علاوہ ازیں برطانیہ اعظم سے میرا معاہدہ ہے کہ میں سوائے انگلستان کے کسی اور قوت سے تعلق نہ رکھوں گا۔ اور ایسی حالت میں روسیہ یا کوئی دوسری قوت اسبات پر کہ میرا سفیر لندن میں رہے تو سفیر کابل میں رکھے جانے کی بابت مجھ پر زور نہیں ڈال سکتی۔

میں نے کسی غیر قوت سے کوئی ایسا معاہدہ نہیں کیا ہے کہ بدون انکی مرضی کے میرا سفیر لندن میں نہ رہ سکے۔ اگر میں خود ہی صرف انگلستان سے تعلق رکھوں تو روسیہ یا کسی اور قوت کو اس سے کیا غرض مجھے اپنا اختیار ہے اور کوئی سلطنت اسبارہ میں مداخلت کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ میرا سفیر لندن میں اُسوقت تک نہ رہیگا جبتک ملکہ معظمہ کا انگریزی سفیر کابل میں نہ رہے جو انگریزی لفظ "ملکہ معظمہ کا سفیر" سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا مراد ہے نہیں۔

معلوم یہ عذر کیوں کیا گیا۔ کیوں کہ ایک مسلمان سفیر پہلے ہی سے میرے دربار میں ہے اور جو سرکاری خط وکتابت میں بخطاب "انگریزی وکیل کابل میں" نہ کہ "وائسرائے کا وکیل بمقام کابل" لکھا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ عذر ہی عذر ہے اور کچھ نہیں۔ مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ وقت بھی آئیگا کہ ایک انگریزی سفیر میرے دربار میں رہے۔ مگر سر دست وقت یہ ہے کہ ہندوستانی انگریزوں کی یہ عادت ہے کہ وہ ہندوستانی شاہزادوں اور رئیسوں کو کٹ پتلی سمجھتے ہیں جو اُنکے یا ریزیڈنٹوں کے اختیار میں ہوں میرے خیال میں یہ ریزیڈنٹ اصل رئیس ہوتے ہیں اور رئیس اُنکے بے قید اختیارات کے تابع اور وہ ان رئیسوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جسکو مغرور پٹھان برداشت نہیں کر سکتے۔ زیادہ محفوظ طریقہ تو یہ ہے کہ انگریزی ایجنٹ مسلمان ہو۔ انگریزی سفیر کے انگریز ہونے کا عذر اس دلیل سے بسہولت دفع ہو سکتا ہے کہ کل انگریزی ایجنٹ وافسر مدبر نہیں ہیں۔ بہ ایں بات سے ملکہ معظمہ کی دیسی رعایا کو اپنے بے اعتبار سمجھے جانیکا گمان ہوگا در آنحالیکہ وہ انگریزوں کی طرح وفادار ہیں۔ اگر انگریزی سلطنت انگریزی رزیڈنٹ کے امن اور نیک چلنی کی ذمہ دار خود ہو جائے تو مجھے اُسکے رکھنے میں کچھ ذاتی عذر نہیں ہے۔

افغانستان میں بہت سے انگریز تجارت وغیرہ میں مختلف عہدوں پر میری ملازمت میں ہیں اگرچہ انکو میری سلطنت کے معاملات میں کبھی دخل دینے کا موقع نہیں ملا ہے اور واقعی اُن کو میری اندرونی اور بیرونی حکمت عملی کی اصلا خبر ہی نہیں ہے مگر وہ انگلستان میں اپنے کو میرا مشیر قوت بازو اور ذاتی دوست مشہور کرتے ہیں۔ مگر اسیات کی صحت کے متعلق انگریز خود سمجھ سکتے ہیں کہ کہاں تک صحیح ہے۔

بعض موقوں پر مجھے اس امر کی خبر لگی ہے کہ ان حضرات نے انگریزوں کو یقین دلایا کہ میں اُنکے اختیار میں ہوں۔ اگر ایک معمولی دکاندار یا کاریگر اس طرح شیخی مارے تو ملکہ معظمہ کے پولیٹیکل ایجنٹ سے جو انگریز ہی ہو کیا امید کیجا سکتی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ میں ہندوستانی سلطنت سے اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ وصول کرتا ہوں اس لئے مجھے لندن میں سفیر رکھنے کی ضرورت نہیں۔

اس امداد کو میں نے کسی ایسی شرط پر منظور نہیں کیا بلکہ اور باتوں کی وجہ سے وہ جاتی ہے جنمیں

ان معاملوں کا ذرا سا بھی تذکرہ نہیں ہے کہ جو لندن یا ہندوستان سے تعلق رکھتی ہوں - اس مدد سے میرے مرتبہ میں فرق نہیں آتا بلکہ میری دوستی کی زیادتی کا سبب ہے اور انگلستان اپنا روپیہ فضول نہیں دیتا - تاریخیں ان مثالوں سے بھری ہوئی ہیں کہ جن بادشاہوں نے دوسرے بادشاہوں سے مدد لی ہے انکے سفیر بھی آخر الذکر کے دربار میں مستقل طور سے رہے ہیں - برطانیہ اعظم نے قدیم زمانے میں یورپ کے دو ایک شاہزادوں کو مدد دی ہے اور ساتھ ہی بلا تامل اُسکے ایجنٹ اپنے ہاں رکھے ہیں -

اور ایک دلیل یہی ہے کہ اگر میرے سفیر کو لندن میں رہنے کی اجازت دیجائے تو انگریزی سلطنت کو مجھے خود مختار بادشاہ ماننا پڑے گا - مگر میں کبھی سے خود مختار تو ہوں اور جس کا اظہار بیسیوں مرتبہ سرکاری طور سے ہو چکا ہے - مجھے بادشاہ سلطنت خداداد افغانستان کے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے اور جبکہ میری قوم نے مجھے "ضیاء السلطان و ضیاء القوم والملۃ" کا خطاب دیا وایسرائے ہند نے نہایت مہذبانہ طور سے اسکی مبارکباد دی -

بعض نکتہ چینوں کی یہ رائے ہے کہ اگر افغانستان کا سفیر لندن میں رہے اور گورنمنٹ سے بالا بالا خط وکتابت کرے تو سلطنت افغانستان اور فارن افس شملہ کے درمیان پیچیدگیاں پیدا ہو جائینگی - مگر میرا ایسا خیال نہیں ہے - مجھے ہندوستانی ایجنٹ کے واپس بلانیکی ہرگز ضرورت نہیں بلکہ جب کبھی میری حکومت اور وایسرائے ہند کے درمیان اختلاف ہو تو وایسرائے اور میرا لندن کا سفیر ہمارے مقدمہ کو سکرٹری آف اسٹیٹ لندن کے روبرو پیش کریں تاکہ دربار خاص کے وزرا فیصلہ کرنیسے پہلے فریقین کے عذرات سن لیں اور اس طرح وہ غلط حکمت عملی اُٹھ جائے جسکے باعث صرف ایک فریق کی کہانی سنی جاتی ہے -

موجودہ حالت میں افغانستان کو اپنے معاملات ٹھیک ٹھیک بیان کرنیکا موقع دیا جاتا - میری برابر یہی کوشش ہے کہ میری قوم کے دل سے انگریزوں کی پرانی دشمنی کا خیال نکلجائے اور بجائے اسکے انگریزوں کے سچے دوست اور بہی خواہ بن جائیں اگر اس حالت میں انکا ہموطن لندن میں سفیر مقرر ہو جائے تو خط وکتابت و تعلقات کی وجہ سے دونوں قوموں میں دوستی کے مراسم پیدا ہو جائینگے اور انگریزوں کو افغانستان کے حالات اب سے کچھ زیادہ معلوم ہونگے -

مجھے ان انگریزی مدبروں اور جرنیلوں کی رائے سے اتفاق نہیں ہے جو اپنے مضامین میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ افغانوں سے جسقدر کم واسطہ پڑے اچھا ہے مگر جس قدر زیادہ انگریز اور افغانوں کے دوستانہ تعلقات بڑھیں گے اُسی قدر دوستی کے وہ ننھے ننھے پودے زیادہ پھلیں پھولیں گے جن کو بہت ہی کوشش سے میں نے بویا ہے۔ اگر انگریزی مصنفوں کا یہ خیال ہے کہ افغانستان پر حملہ کیا جائے اور اسکی اصولی حکمت عملی میں دست اندازی کی جائے تو افغانوں سے کم تعلق رکھنا بہتر ہے۔ مگر میرے خیال میں جبتک بھڑوں کے چھتہ کو نہ چھیڑا جائے اُس وقت تک وہ نہیں کاٹیں گی۔

میں اپنے بیٹے اور جانشین کو اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ جہانتک ممکن ہو انگریزوں سے دوستی بڑھائے جس صورت میں کہ انگریز میرے بیٹے اور جانشین کی بات نہ پوچھیں تو اسکو اس کی شکایت نکرنی چاہئے ورنہ جو کچھ ہے وہ بھی جاتا رہیگا اور اُس شخص کی حالت ہوگی جسکو خواب میں خدا نے ایک پیسہ دیا اس شخص نے کہا میں تو جواہرات لونگا پھر خدا تعالیٰ نے اُسے روپیہ دیا مگر اُس نے پھر جواہرات ہی کی خواہش کی۔ اُسکی بعد کچھ اشرفیاں دی گئیں مگر اس نے اسپر بھی اکتفا نہ کیا اور یکایک آنکھ کھل گئی تو کچھ نہ تھا اُس نے فوراً آنکھیں پھر بند کرلیں اور ہاتھ پھیلا کے کہا "جو تیرا دل چاہے دے میں اُسے لیکر شکر گزار ہونگا" مگر وقت گزر چکا تھا اور اُس نے کچھ نہ پایا۔

آٹھواں باب

انگلستان۔ روسیہ اور افغانستان

اسمیں شک نہیں کہ میری کتاب کا یہ حصہ بہت ہی با اہم ہے لیکن ناظرین سمجھ لیجئے کہ اس حصہ میں جو کچھ میں بیان کرونگا وہ میرا ذاتی تجربہ ہوگا۔ مشکلات پریشانیوں۔ سفروں اور مختلف قسم کی اداریوں میں ہو کے تمام تجربے میں نے حاصل کئے ہیں۔

بچپن سے ۱۸۸۰ء تک قریب چالیس سال مجھے روسیہ میں رہنا پڑا۔ اس عرصہ میں میں روسیہ اور حدود روسیہ میں رہا۔ پھر روسی چینی اور ایرانی روسی کی حدود کی سیر کرتا رہا۔ ۱۸۸۰ء سے ابتک سوائے اس کے میرا اور کوئی کام نہیں رہا ہو کہ میں شب و روز اپنے دو زبردست ہمسایوں کی حکمت عملیوں کو غور سے مطالعہ کرتا رہا ہوں۔

یہ بڑی نادانی کی بات ہوگی کہ میں اُن ذرائع کو کھولدوں جن کی وجہ سے مجھے کل خبریں لگتی رہتی ہیں اور میں نے یہانتک تجربہ حاصل کیا ہے میں صرف واقعات بیان کروں گا اور میرے بیان میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہوگا جس سے گورنمنٹ کے رازوں کا افشا ہوتا ہو۔

میں مختلف ممالک کے مدبران ملکی۔ سیاحوں اور مصنفوں کی تحریروں یا تقریروں پر کچھ نکتہ چینی نہ کروں گا مجھے تو ایسی باتیں کہنی ہیں جو میرے جانشین۔ بیٹوں اور میری قوم کے لئے مفید ہوں۔ رائے دیتے وقت میں بالکل آزادانہ اور غیر طرفدارانہ عملدرآمد کروں گا میری تحریر ایسی بے لاگ ہوگی کہ کوئی شخص نہ مجھے انگلستان کا طرفدار کہہ سکے گا اور نہ روسیہ کا۔

ایشیا کی اسلامی حکومتوں۔ کے لیئے انگلستان اور روسیہ کی حکومت عملی

ایشیا میں روسی حکمت عملی تو یہی ہے کہ خواہ حق سے یا ناحق سے دوستی یا دشمنی سے صلح سے یا جنگ سے براعظم ایشیا کے صفحہ سے ہر اسلامی حکومت کا نام ونشان مٹ جائے۔ وہ خوش ہوگا جب وہ ترکی ایران اور افغانستان کو دیکھے گا کہ وہ بحیثیت سلطنت نہیں رہیں اور روسیہ کے ہاتھ میں آلہ بن رہی ہیں۔ پھر یہ خدا کو معلوم ہے کہ ایسی حالت میں وہ اُنھیں برائے نام ہی زندہ رکھے گا یا ہمیشہ کے لیئے حرف غلط کی طرح سے چھیل ڈالیگا روسیہ کی دلی خواہش ہے کہ ایران۔ ترکی اور افغانستان کو نگل جائے اور جب وہ اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہوگا تو اس بات کی کوشش کرے گا کہ اسلامی سلطنتوں کا رشتہ تعلق انگلستان سے قطع ہو جائے۔ ان کا رجوع میری طرف ہو تاکہ وہ انگلستان کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہو جائیں۔ یہ ہی صورت اسلامی سلطنتوں کے مٹنے کی ہے کہ روسیہ اپنی طرف رجوع کرکے انکو کھا جائے گا۔ اگر روسیہ وہ مذکورہ بالا حکمت عملیوں میں ناکامیاب ہوگا تو وہ ضرور اس امر کی کوشش کرے گا کہ اسلامی سلطنتوں اور انگلستان میں غلط فہمیاں پیدا کرے اور پھر انگلستان سے گٹھ کر اسلامی سلطنتوں کے حصہ بخرے کی تجویز کرے اور برطن اعظم سے ملکے ایشیا میں ہر مسلمان کو نہتا کردے۔ روسیہ کی یہی دلی آرزو ہے اور ہر وقت وہ اسی تاک میں رہتا ہے کہ جس طرح ہو پہلے مسلمان سلطنتوں اور اسلامی گروہوں میں نااتفاقی پیدا کرے اور پھر ان کو انگلستان سے توڑ دے۔

روسیہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر اب کسی اسلامی سلطنت یا خود انگلستان سے جنگ ہوئی تو

اُس کی کل مسلمان رعایا بھڑک اُٹھے گی اور اس وقت اُسے ٹوپی سنبھالنی بھی مشکل پڑ جائیگی - ایسی عام بغاوت میں روسیہ کی سلطنت پارہ پارہ ہوکے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوئے گی اور اس وسیع سلطنت کا بھی پھر اسی طرح خاتمہ ہوگا جس طرح دنیا میں شخصی جبریہ حکومتوں کا خاتمہ ہو چکا ہے -

اس ثبوت میں کہ جو کچھہ میں نے روسی حکمت عملیوں کے بارہ میں لکھا ہے آمیں سر مو تفاوت نہیں ہے میں چند گزشتہ واقعات تاریخی امور سیاسیہ کے عالموں اور طلبہ کے لیئے بیان کرتا ہوں جنکو دیکھہ کے وہ یہ سمجھہ لیں کہ روسیہ کا دلی منشا رہی ہے کہ اسلامی سلطنتیں بالکل غارت ہو جائیں اور اگر یہ نہ ہو تو کمزور تو ضرور ہی ہو جائیں -

اپنے زمانہ قیام روسیہ میں مجھے کئی بار روسی حکمت عملیوں کے متعلق جنرل کاف مان گورنر جنرل روسی ترکستان اور دوسرے بڑے بڑے حکام سے روسی حکمت عملیوں پر بحث اور گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے - اس گفتگو سے مجھے یقین کامل ہو گیا کہ مذکورۂ بالا حکمت عملی بالکل صحیح ہے روسیہ کو کب امید تھی کہ ایک دن میں کابل کا بادشاہ بنونگا اور اس کے ارادوں کی سخت مخالفت کرونگا - صرف ایک مثال سے روسیہ کی ساری دغابازی اور حکمت عملی کا افشار راز ہو جائیگا کہ ۱۸۷۹ء میں جبکہ میں جنرل کاف مان کی عام تدابیر اور ذاتی خیالات کو دیکھہ رہا تھا کہ اسی اثنا میں اس نے سفیر روسی کونٹ سوودلف متعینہ لندن کی معرفت اپنی گورنمنٹ کو یہ لکھہ کے بھیجا تھا -

روسیہ لعلعلہ انگلستان کا ایشیا میں صرف ایک ہی مقصد ہے اور ان دونوں کا صرف ایک ہی دشمن ہے ان کا باہمی مقصد تو یہی ہو کہ تمدن پھیلے اور نصرانیت کی اشاعت ہو جو دونوں ملکوں کا مذہب ہے اور ان دونوں کا دشمن اسلام ہی اور انگریزی سلطنت ہند کو صرف اسلام ہی سے خطرہ ہی اسکے علاوہ اور خوفوں کا جو خیال کیا جاتا ہے وہ محض توہم ہے مذہب اسلام انگلستان ہندوستان میں اصلی اور خطرناک دشمن ثابت ہو چکا ہے اور انگریزوں کی مسلمان رعایا اس امید میں بیٹھی ہوئی ہے کہ جب اُسے موقع ملے وہ ہندوستان میں انگلستان کے خلاف اُٹھہ کھڑی ہو - اسواسطے انگلستان کے لیئے یہ بات بمنزلہ فرض کے ہے روسیہ سے اتحاد پیدا کرے اور افغانستان کو مثل اور وسطی ایشیائی مسلمان ریاستوں کے باہم تقسیم کرے جب یہ بات ہو جائیگی تو ہندوستان اور روسیہ کی حدود مل جائیں گی اس صورت سے انگلستان ہر قسم کی پریشانی سے نجات پا جائیگا اور اگر ایسے وقت میں ہندوستان میں مسلمانوں نے بغاوت کی

تو روسیا انگریزون کو مدد دینے کے لیئے موجود ہو جائیگا اس لیئے انگلستان کا فرض ہی کہ وہ بالکلیہ روسیہ کے وعدوں پر اعتماد کلّی کرے وغیرہ "

اسوقت جب روسیہ کا ایلچی لندن میں انگریزوں کو اپنی دوستی کا یقین دلا رہا تھا تو یہاں کابل میں امیر شیرعلی خاں کو انگریزوں کے خلاف اُبھار رہا تہا اُسے دم جہانسے دیکے اپنے ساتھ ملا لیا اور انگریزوں کے مقابل میں برانگیختہ کر دیا اس صورت سے روسیہ نے انگلستان اور افغانستان کے درمیان ناراضی کا بیج بو دیا جس کا نتیجہ جنگ ہوئی جس میں انگلستان اور افغانستان کی کثیر تعداد جانیں اور روپیہ برباد ہوا روسیہ کی بالکل یہی کیفیت ہے جو نیچے لکھی ہوئی مثال سے تطابق کھاتی ہے یعنی ایک شخص نے ایک چور سے کہا کہ فلاں جگہہ مال رکھا ہوا ہے تو جا کے چوری کر اور اس سے اپنی کمیشن لے لی اہی اثنا میں وہ مکان دار کے پاس بھاگا ہوا گیا اور کہا چور آتا ہے تو ہوشیار ہو جا اور اوس سے بھی اپنی کمیشن لے لی۔

امیر شیرعلی نے نہایت بیوقوفی سے روسی وعدوں پر اعتماد کر لیا اور روسی ایجنٹ جب انگلستان اور شیرعلی کی لڑائی شروع ہوگئی سیدہا اپنے ملک چلدیا انگریزی گورنمنٹ نے دوسری طرف روسیہ سے اس امر کی بازپرس نہ کی کہ تو نے کیوں اپنے وعدہ کے خلاف افغانی معاملہ میں دست اندازی کی بجائے اس کے کہ افغانستان کے کمزور کرنیوالی روسی حکمت عملی کی علانیہ مخالفت کی جاتی انگریزوں نے اُلٹی اُس کی تائید کی قندہار۔کرم۔خیبر اور دوسرے صوبوں کو افغانستان کی سلطنت سے جدا کر لیا اس صورت سے روسیہ کی دلی مراد برآئی جو ہمیشہ افغانستان کو کمزور دیکھنے کا آرزو مند ہے۔

روسی حکومت کی یہ حکمت عملی امیر بخارا وسط ایشیا کے میروں ترکی ایران اور افغانستان کے ساتھ یکساں ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی اسلامی سلطنت ایسی قوی ہو کہ جو حملوں کا کلہ بکلہ جواب دیسکے رفتہ رفتہ اور بہت آہستہ آہستہ لیکن مضبوطی کے ساتھ اُس نے ایشیائی دولتوں کی مشکلات اور کمزوری سے اب تک بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے اُس نے ہمیشہ دوسروں کو برباد کر کے اپنا گھر بھرا ہے ابھی تک وہ کئی اسلامی ریاستین بالکلیہ ہضم کر چکا ہے بہت سی اُڈ کچھری اس کے قبضہ میں ہیں اور وہ یہ دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اسلامی بادشاہ اس کے سامنے جنگی تیاریاں کرے

سپاہ سالار کافمان کے بیان کے بموجب روسیہ اسلام کا زبردست دشمن ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اسلام اور ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کے ساتھ انگریزی حکمت عملی دوستانہ ہے وہ چاہتی ہے کہ یہ سلطنتیں قایم اور زبردست اور خودمختار رہیں مگر یہ حکمت عملی ہنگامی حادثات کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے انگلستان کی حکمت عملی مثل روسیہ کے مستقل مضبوط اور زبردست نہیں ہے انگلستان کا تو یہ طریقہ ہے کہ جہاں تیا مدبر بارہما عہدہ پر ہوا اور اس نے اپنی حکمت عملی کا اظہار کیا کل انگلستان اس کے ساتھ ہوگیا مگر جب وہ عہدہ سے علیحدہ ہوا اور دوسرا شخص اسکی جگہ پر ہوا بس کل حکمت عملی اس کے مشیر کی ایک لحظہ میں بدل گئی اور اس کے ساتھ ہی سلطنت کی حکمت عملی میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انگلستان کی بہ اور یہ مستقل حکمت عملی ہے برطن اعظم کی تمام حکمت عملی زمانہ دراز سے یہ چلی آتی ہے کہ اسلامی حکومتیں جو ہندوستان اور ایشیائی روسیہ میں مثل ایک زبردست دیوار کے ہیں ہندوستان اور روسیہ کے بیچ میں قایم رہیں اور ان کو خودمختار رہنے کے لئے مدد دیجائے اس کے برخلاف روسیہ کی حکمت عملی یہ ہے جو نہ صرف ہندوستان سے اپنی حدود ملانا چاہتا ہے بلکہ اسے یہ ڈر ہے کہ اگر اب کے ترکی۔ ایران۔ افغانستان یا ہندوستان سے جنگ ہوئی تو روسیہ کی تمام مسلمان آبادی بغاوت کردیگی۔

اس لئے بلاشبہہ دنیا کے کل مسلمان روسیہ کے مقابلہ میں انگریزی دوستی کو ترجیح دیتے ہیں مسلمانوں کا خیال ہے کہ ان کا اتحاد اور امن برطن اعظم کی دوستی پر منحصر ہے اسی لئے باوجودیکہ انگلستان کے مقابلہ میں انھیں روسیہ سے کم شکایتوں کا موقع ملا ہے پھر بھی وہ انگریزوں کے خلاف روسیہ سے مصافحہ کرنا نہیں چاہتے اور اگر انھوں نے کبھی ایسا کیا تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اپنی خوشی کی خلاف مجبور ہوکے کیا۔

مذکورۂ بالا توضیحات پر غور کرنے کے بعد انگلستان اور ہندوستانی سلطنت کے مقاصد کے لحاظ سے ایک بات بہت ضروری ہے اور وہ اسی طرح ترکی۔ ایران اور افغانستان کے مقاصد کے لئے بھی اعلی درجہ کی ہے یہ ایک مشورہ ہے اگر مذکورۂ بالا دولتوں نے قبول کرلیا تو انکے لئے بہت ہی مفید ہوگا یعنے ترکی۔ ایران اور افغانستان جو تین اسلامی سلطنتیں ہیں اور جنکا ایک ہی مذہب ہے اگر ممکن ہو تو ریلوں اور تار برقی کے ذریعہ سے ان تینوں کے پایہ تخت مل جائیں اگر خدا ایسا کرے

تو روسیہ کے راستہ میں ایک زبردست دیوار حائل ہو جائے اور پھر وہ کبھی ہندوستان پر حملہ نہ کر سکے اور خود یہ سلطنتیں اسکے حملہ سے محفوظ ہو جائینگی اس اتحاد ثلاثہ کی بنیاد چونکہ انگلستان کے فائدہ کے لیئے قائم کی جائیگی اس لیئے انگلستان کا فرض ہی کہ اس بارہ میں مدد دے کیونکہ یہ اتحاد ثلاثہ انگلستان کی خواہش اور مدد پر منحصر ہے ترکی اور ایران تو برابر اپنے دوستانہ تعلقات بڑھا رہے ہیں لیکن افغانستان خاموش ہے کیونکہ برطن اعظم سے اس کا معاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ بغیر علم اور برطن اعظم کے مشورہ کے کسی دولت غیر سے سیاسی خط کتابت نہ کرے اسی لیئے وہ ایران اور ترکی سے خط کتابت نہیں رکھتا اگرچہ وہ ایران اور ترکی کے مقاصد کو مثل اپنے ذاتی مقاصد کے سمجھتا ہے البتہ سلطان ترکی شاہ ایران اور میری یہی حکمت عملی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی خودمختاری کو قایم رکھیں اور نہ روسیہ کو اور نہ انگلستان کو ایسا موقع دین کہ ہماری سلطنت کا کوئی حصہ اُچک لے اور جو لوگ ہم تینوں کی کمزوری کے کوشاں ہیں اُن سے جنگ کرین اور ہم جانتے ہیں کہ انگلستان ہماری سلطنت کا کوئی حصہ نہیں چاہتا بلکہ وہ روسیہ کے مقابلہ میں ہماری حفاظت کرنے پر آمادہ ہے جبتک انگلستان کی یہ حکمت عملی ہو ہماری دوستی بھی اس سے قایم ہے ۔

میں ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ برطن اعظم کی یہ خواہش ہے کہ ایشیا کے مسلمان حکمران باہم متحد ہو جائیں ۱۸۷۸ء میں جب امیر شیر علی خاں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان دیا ہے اور اپنی فوجین ہندوستان کی حدود پر جمع کی ہیں تو سلطان ترکی کا ایک ایلچی وہاں کابل میں آیا تھا اُس نے امیر کو یہ ترغیب دی کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا ہرگز اعلان نہ دیں امیر نے سلطانی ایلچی کا کہنا مان لیا اور ہندوستانی سرحدات پر اپنی فوجی تیاریوں کو بند کر دیا جب انگریزوں نے شیر علی کی اس فوری تبدیلی کو دیکھا تو اُنہیں تعجب ہوا لیکن تحقیق کے بعد اُنہوں نے اس بات کو معلوم کر لیا کہ یہ ساری کارروائی سلطان کے ایلچی نے کی ہے بدقسمتی سے امیر شیر علی کے پاس سلطان سے براہ راست خط کتابت کرنے کا کوئی موقع نہ تھا اس لیئے اُنہیں اس ایلچی پر شبہہ ہوا اودھر روسی ایجنٹ نے جو کابل میں موجود تھا یہ کہا یہ تو انگریزون کا مخبر تھا! آپنے اسکے کہنے پر کیوں جنگ کی تیاری موقوف کر دی امیر شیر علی کو بھی اس بات کا یقین آگیا کہ میرے ساتھ کچھ ضرور بہ چال کی گئی ہے اور وہ بجائے اس کے کہ ترکی سے اس معاملہ میں تحقیق کرتا وہ روسی ایجنٹ کے دم دلاسے

میں آگیا اس صورت سے سلطان کی سفارت ناکامیاب ہوی اگر پہلے سے ان دو اسلامی ممالک میں کوی مستقل سلسلہ خط کتابت کا ہوتا تو افغانستان اور ہندوستان کو کتنا بڑا فائدہ پہنچتا۔

غرض اُس مدت تک جبتک کہ انگلستان اور افغانستان باہم رابطہ اتحاد رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کی ترقی اور تنزل لازم و ملزوم ہے روس کبھی افغانستان یا ہندوستان پر حملہ آوری کا تصور کسی کامیابی کی امید کے ساتھ نہیں کرے گا۔ اگر روسیہ ایسی حماقت کرے کہ وہ افغانستان یا دیگر دولت اسلامیہ پر حملہ آور ہو (حالانکہ یہ میرا خیال ہے کہ وہ اس معاملہ کو خوب بہتر سمجھتا ہے) جنکی امداد پر برٹن اعظم موجود ہے۔

روسیہ کو ایسی مشکلین پیش آئیں گی کہ ایک طرف تو دولت اسلامیہ کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور دوسری جانب سے عام مسلمانوں کی یورش اُسکی سلطنت پر ہوگی ساتھ ہی انگریزی فوج غالباً سینٹ پیٹرسبرگ یا دوسرے حصص ملک پر جو یوروپین سلطنت میں واقع ہیں حملہ آور ہوگی اور جس سے یہ نتیجہ ہوگا کہ یہ بڑی سلطنت جو اتحاد کے ساتھ نہیں بلکہ رعب کے ساتھ قایم ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فنا ہو جائیگی

یہ بہت افسوسناک امر ہے کہ برٹش سلطنت بجائے اسکے کہ مسلمان حکمرانوں کو مدد دے اور انکی سلطنت کو مستحکم کرے اُلٹی چال چل رہی ہے یعنے یہ کہ ممالک ایشیا کی طرف روسیہ کی پیشقدمی کو روکے اپنے فرائض منصبی اور عہدناموں کے خلاف یہ کرتی ہی کہ جہاں روسیہ کسی مشرقی ممالک کے ایک حصہ پر قبضہ کرتا ہے (تاکہ سرحد ہند کے قریب ہوتا چلا جائے) تو انگلش سلطنت دوسرے حصہ پر ایک گوشہ سے قبضہ کر لیتی ہے اور اس لحاظ سے دونوں دولتوں میں فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے اسطرح اسلامی سلطنتیں اور ریاستیں روز بروز منقسم ہوتی جاتی ہیں اور ایک بڑا فاصلہ جو حدود ہندوستان اور روسیہ میں تھا روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔

جب برٹن اعظم اور روسیہ مین جنگ شروع ہوگی تو یقیناً اسلامی سلطنتیں اور مسلمان انگلستان کا ضرور ساتھ دیں گے۔

اولاً اپنی مذہبی آزادی کے لحاظ سے جو ملکہ معظمہ کی حکومت میں اُنہیں حاصل ہی اور مزید براں اس لحاظ سے کہ انکو بخوبی معلوم ہے کہ وہ روسیہ کی جور و تعدی سے اسوقت تک محفوظ ہیں جبتک کوئی دوسری عظیم سلطنت مثل انگلستان کے مشرق میں روسیہ کی مغلوب کرنیوالی موجود ہی۔

وہ جانتے ہیں کہ انگلستان کا مشرق میں تنزلزل ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ممالک اسلامیہ روسیہ کے قبضہ میں آجائیں گے۔ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ایران میں بہ نسبت انگلستان کے روسیہ کا زیادہ رسوخ ہے غلطی پر ہیں۔ انکو جاننا چاہیئے کہ روسیہ کی افواج کا رعب کچھ ایسا ایرانیوں پر بیٹھا ہوا ہے کہ وہ ہوں ہاں نہیں کرتے اور بالکل خاموش ہیں۔

کاش ایران کبھی روسیہ کو انگلستان کے ہاتھوں سخت پریشانی میں دیکھے تو بھی ایران سب سے پہلے ریچھ کے چنگل سے اپنے کو آزاد کرنے میں گوئے سبقت لیجائیگا۔

انگلستان و روسیہ کے تعلقات جو اسلامی سلطنتوں اور ایشیا کے مذہبی گروہوں سے ہیں ان پر نظر ثانی کرنیکے بعد میں چند امور کا ذکر کروں گا جن کا تعلق خاصکر افغانستان سے ہوگا۔

ہندوستان پر روسیہ کا حملہ اور اُسکی حکمت عملی افغانستان کے متعلق

آخر باب میں میں نے روسیہ کی حکمت عملی کا جو وسط ایشیا کی اسلامی ریاستوں کے متعلق ہے بیان کیا تھا جس میں افغانستان بھی بلاشبہ داخل ہے۔ لیکن میں اس کے ساتھ اسی سلسلہ میں جو میں نے بیان کیا ہے اور چند امور کا ذکر کروں گا جنکا خاص تعلق افغانستان سے ہے۔

موجودہ حالتوں کو نظر کر کے اسباب کا حکم لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان پر روسیہ کا حملہ کرنا مشکل ہی نہیں ہے بلکہ ناممکن ہے یہ خیال کرنا کہ روسیہ کا ہندوستان پر حملہ کرنیکا ارادہ نہیں ہے غلط ہے۔ روسیہ کی تو دلی آرزو ہے کہ کوئی صورت ایسی نکلے کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو بڑے بڑے انگریزی مدبروں کی بھی یہی رائے ہے ہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ روس کا ارادہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا نہیں ہے مگر ان کا شمار انگلیوں پر ہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مشرق میں انگریزی سلطنت پر اور ہندوستان پر روسیہ کی خواہش حملہ کرنیکی نہیں ہے ایسے آدمیوں کی میں نے چار قسمیں کی ہیں۔

اوّل وہ لوگ کہ جو امور سیاسیہ سے ناواقف ہیں۔ اور یہ اس دماغ کے آدمی ہیں کہ بارہا روسیہ کو معاہدہ کرتے اور توڑتے دیکھ چکے ہیں لیکن پھر بھی اُنہیں روسیہ کے اس کہنے پر

بھروسہ ہو جاتا ہے کہ میں امن کی خواہش رکھتا ہوں وہ اسباب کو سمجھ نہیں سکتے کہ روسیہ کی حکمتِ عملی کا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ جہاں اسکو موقع ہاتھ لگے وہ فوراً معاہدہ کو توڑ ڈالے جہاں وہ کوئی نیا ملک لیتا ہے فوراً نئے معاہدے کرتا ہے مگر خدا علیم ہے کہ اس کا کوئی وعدہ ابتک ایفا نہیں ہوا دوسرے گروہ میں وہ ہیں جن میں براہِ راست یا اور صورت سے روسیہ کے تائید کی روح پھنکی ہوئی ہے۔

تیسرے درجہ کے وہ لوگ ہیں جنہیں برٹن اعظم کی وسیع سلطنت پر بہت غرور رہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اتنی زبردست سلطنت ہے جب پھر محض ناممکن ہے کہ روسیہ ہندوستان پر حملہ کر سکے۔

چوتھے وہ لوگ ہیں کہ جو صلح کے عاشق ہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ روسیہ وسط ایشیا میں صوبہ پر صوبہ نگلے چلا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی حدود کے قریب قدم بڑھا رہا ہے اور یہ بھی وہ آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ ہندوستان پر روسیہ کے حملہ آور ہونکی تدبیریں کئی دفعہ ظاہر ہو چکی ہیں پھر بھی انکا یہ خیال ہے کہ اگر انگلستان نے روسیہ کی حکمت عملی سے اختلاف نہیں کیا اور اس کے معاملات سے کچھ سروکار نہ رکھا تو وہ کبھی ہندوستان پر حملہ نہیں کریگا فردوسی نے کیا خوب کہا ہے "اگر تم اپنے دشمن پر اس بات کا اظہار کردو کہ تم جنگ کے لئے تیار نہیں ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن تم پر حملہ کر دیگا" مجھے اس وقت ایک حکایت یاد آئی کہ ایک کبوتر نے سامنے سے ایک بلی کو آتے ہوئے دیکھا کبوتر نے اس بلی کو دیکھ کر اس خیال سے آنکھیں بند کرلیں کہ جب میں بلّی کو نہیں دیکھنے کا تو بلّی بھی مجھپر نظر نہیں ڈالنے کی کبوتر اسی خیال میں رہا اور بلّی نے اُسے پکڑ کے اُس کا لقمہ خام کیا۔

جو کچھ میں نے پہلے بیان کیا ہے اس کے متعلق یہ بات اور بھی بیان کرنی ہے کہ ملک روس کے بارہ برس کے قیام میں مجھے اس کا کافی طور سے ثبوت ملا ہی کہ روسیہ ہر وقت ہندوستان پر حملہ کرنیکا ارادہ رکھتا ہے اور وہ اپنے اس جوڑ توڑ میں بہت مستعدی سے لگا ہوا ہی۔

اُن تمام اسباب کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے جو روسیہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے متوجہ کرتے ہیں بس یہی کیا کم ثبوت ہے کہ روسی قوم ذاتی طور سے شریر اور مفسد ہے۔

اور ہر بات میں پیشقدمی کرتی ہے۔ روسی اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ایشیائی حکمران اکیلے میرے حملوں کو قیامت تک نہیں روک سکتے ہاں ہندوستان میں صرف انگریزی ہی سلطنت ہے جس سے وہ کھٹکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ روسیہ برٹن اعظم کو اپنا خطرناک ایشیائی دشمن سمجھتا ہے۔ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اگر انگریزوں کا قدم ایشیا میں نہ ہوتا تو آج روسیہ ایران۔ افغانستان چین اور ترکی کو اس صبر کی نگاہ سے نہ دیکھتا اور وہ اب تک اُنکی آزادی برقرار نہ رکھتا۔ مشرق میں کسی یورپی سلطنت کے مقبوضات اور وہ بھی اچھے کام کے ملکی مقبوضات جتنے انگریزی قوم کو حاصل ہیں۔ وہ اور کسی کو نصیب نہیں۔ انگریز الگ کھڑے ہو جاتے اور روسیہ سے کہتے کہ لے جو چاہو کر۔ بشرطیکہ اگر وہ اپنے مال غنیمت میں اُن کو بھی حصّہ دار ٹھیراتا تو مخالفت نہ ہوتی۔

انگلستان کی رعایا مشرق میں روسیہ سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اس کا فرض ہی نہیں ہے بلکہ اس کی خیر اسی میں ہے کہ روسیہ کو ایشیائی چھوٹی اور کمزور قوتوں پر ہاتھ صاف کرنے دے اور ہندوستان کی سرحد سے روسیوں کو دور رکھے۔

بوجوہات بالا قدرتی طور سے مشرق میں برٹن اعظم کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ روسیہ ان نقصانات کو جو برٹن اعظم کے ساتھ جنگ کریمیا میں اُٹھا چکا ہے ابھی بھولا نہیں ہے علاوہ اس کے اکثر اس نے انگریزوں سے زک اُٹھائی ہے۔

روسی ہندوستان کو سونے اور چاندی کا گھر سمجھتے ہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ روسی سپاہی ہندوستان کو لوٹنے کی آرزو میں مرے جاتے ہیں اور جہاں یہ خیال ہوا کہ ایک دن ہم کو بھی سرحد پر جانا ہوگا اور ہم بھی وہاں کی دولت لوٹیں گے تو بس باغ باغ ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں وہ دن بہت جلد آئے کہ ہم سے اور انگریزوں سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔

کمبخت روسیوں کی حماقت سنئے وہ ایسی ہوا میں ہیں کہ ہندوستانی انگریزوں سے ہمدردی نہیں رکھتے اور خرس روس کو بہت ہی عزیز رکھتے ہیں۔ اس کے پیروں کی خاک آنکھوں سے لگاتے ہیں اور تو اور بعض روسی خر انٹ مدبروں کا بھی اسپر صاد ہے کہ جہاں ہم لوگوں نے ہمالہ اور ہندو کش کے پہاڑی سلسلوں پر قدم رکھا اور ہندوستان کی طرف ایک آنکھ بھر کے بھی دیکھا کہ سارے ہندوستانی مکھیوں کی طرح آپڑیں گے اور انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کے ہمارے حمایتی بنجائیں گے۔

روسیوں کا یہ خبط اس درجہ تک بڑھ گیا ہے کہ وہ جانتے ہیں جہاں ہم نے ہندوستان کی طرف قدم اُٹھایا کہ انگریز دُم دبا کے بھاگ جائیں گے اور مقابلہ تو درکنار اپنی بھی خبر نہ لینگے۔ میں خوب سمجھے بیٹھا ہوں کہ ایک نہ ایک دن انکی حماقتیں ان پر ستم ڈھائیں گی۔

روسیوں نے یہ ٹھان لی ہے کہ ہم اسی طرح وعدے کرینگے اور توڑیں گے۔ بڑے بڑے کاغذی عہدنامے جب چاہیں گے گھڑ لینگے اور پھر انکو بالائے طاق رکھ کے اپنی بے عنوانیوں کو قایم رکھینگے۔ اور یوں ہی چپکے چپکے آگے بھی بڑھیں گے

دوسری طرف یہ حال ہے کہ انگریز ان باتوں سے بے پرواہی کرتے ہیں اور چپکے ایک کونے میں بیٹھے ہیں روسیہ کی ان حرکتوں پر ہوں تک بھی نہیں کرتے۔ یہ صاف انگلستان کی کمزوری کی دلیل ہے کہ وہ اس سے کتنا ڈرتا ہے۔ ایسی ڈھیلی ڈوری چھوڑنے سے یہ ہوتا ہے کہ روسیہ خوب دل کھول کے اپنے داؤں کرتا ہے اور شرقی ممالک میں اس کا اقتدار اور رنگ بڑھتا جاتا ہے اور ادھر انگلستان کے رسوخ اور اس کے سیاسی رُعب میں فرق آتا جاتا ہے۔ روسی اقتدار نے جو رنگ پکڑتا جاتا ہے۔ ان کو شمر پر بٹھا رکھا ہے۔ اور اس کا یقین دلایا ہے کہ تمام شرقی سلطنتیں مرضی یا غیر مرضی میرا ساتھ دیں گی۔

پانچواں سبب اور شاید معقول سبب یہ ہے کہ اگرچہ وہ جانتا ہے کہ انگلستان سے وہ سمندر میں مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن وہ اس بات کو بھی سمجھتا ہے کہ انگلستان اس کے مقابلہ کے لیئے اپنے وسیع سلطنت ہونیکی وجہ سے زیادہ فوج نہیں لاسکتا۔

روسی یہ سمجھ رہے ہیں کہ جس پھرتی سے ہم ریلیں اور سڑکیں بنا رہے ہیں وہ اس بات کا پورا پورا یقین دلا رہی ہے کہ ہماری سرحدیں بہت جلد انگریزی سرحدوں سے آملیں گی۔

یہ بات تو طے ہوگی کہ روسی اب نہیں تو بجلدی یا بدیر ہندوستان پر حملہ کریں گے اب سینکڑوں سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا حل ہمارے لیئے ضروری ہے میں کوئی پیغمبر نہیں ہوں اور ہمارے مذہب کی یہ تعلیم بھی ہے ،،خدا عالم الغیب ہے۔ اور صرف اُسیکو غیب کے حالات معلوم ہیں،، (قرآن پاک) یہ تو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ کل کیا پیش آنی ہے مگر جو واقعات کہ سامنے ہیں ان کو دیکھ کے میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں۔

جب کسی کام کے لیئے "غیر ممکن" کا لفظ بولا جاتا ہے تو میں اسکو نہیں مانتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ "غیر ممکن" کا وجود کہیں بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ کی مرضی یہ ہے کہ فلاں کام یوں ہوگا تو وہ یقینی ہو کے رہیگا۔ چاہے وہ کام ہماری نظروں میں بالکل ہی غیر ممکن سا معلوم ہوتا ہو واقعی اللہ پاک کے لیئے کوئی کام بھی غیر ممکن نہیں ہے۔ اگر اسکی یہی مرضی ہے کہ فلان کام یوں نہ ہو تو یاد رکھو کوئی انسانی قوت اس کے خلاف نہیں کر سکتی۔ اس لیئے یہ بات بالکل ممکنات سے ہے کہ روس ہندوستان پر حملہ کرے۔ اور یہ وہ اکیلا نہیں کر سکتا۔ جب تک کوئی اور سلطنت اس کے ساتھ نہ ہوے۔ مگر اُس کی امید نہیں پڑتی کہ کوئی اور قوت اس کا ساتھ دے اور خالی تو وہ حملہ کرنے سے رہا۔ ہاں بعض سلطنتیں ساتھ بھی دیدیں لیکن روسیہ کے یہ منصوبے بس خواب وخیال ہیں جو کبھی بھی پورے نہیں ہو نیکے۔

ممکن ہے کہ روس کا خواب تھوڑا بہت صحیح ہو۔ جیسے کہ ایک ڈاکٹر کے خواب کا حشر ہوا جس نے ایک مریض کا علاج کیا۔ جب اسکو صحت ہوگئی تو اس سے کہا گیا کہ خزانے سے جتنی اشرفیاں لیکے لیجائے۔ حریص ڈاکٹر نے اتنی اشرفیاں لادیں کہ اسکا بازو ٹوٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہیں۔ اشرفیوں کے بدلے بازو میں سخت درد ہو رہا تھا۔ اسیطرح روسی بھی ہندوستان کے لوٹنے کرلئے بہت سی تکلیفیں اور زبردستی کا بوجھ اُٹھائیں۔ جیسے کہ ڈاکٹر کو اپنے خواب میں پیش آیا۔ یعنی روسیہ کو ہندوستان کے حملہ میں ناکامی ہوگی اور سوائے تکلیفوں کے اسکے ہاتھ کچھ نہیں لگیگا۔

اب ہم کو دوسرا پہلو دیکھنا چاہئے کہ ہندوستان پر حملہ کرنے میں کوئی اور سلطنت بھی روسیہ کا ساتھ دیگی۔ اس میں تو کچھ کلام نہیں کہ بعض یورپی قومیں انگریزی سلطنت کو بُری نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور اسکی طرف سے اُن کو تعصب ہے۔ اس غلط فہمی نے انکو انگلستان کی طرف سے بدظن کر رکھا ہے اور حاسدانہ برتاؤ قایم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انکو روس سے کوئی خاص ہمدردی نہیں ہے اور انگلستان کے مقابلہ میں روس کا ساتھ دینے سے انکا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور پھر انگلستان روسیہ کی طرح ہر بات میں پیشقدمی کرنیوالا اور ظالم نہیں ہے۔

گزشتہ سالوں میں فرانسیسیوں نے روسیوں سے اتحاد قایم کرنے میں اپنا طبعی میلان ظاہر کیا

اور ساتھ ہی ساتھ انگلستان کی طرف سے بھی انکی قوت بڑھتی گئی ہے۔ اس سے مجھے کھٹکا ہوتا ہے کہ فرانسیسیوں کو انگریزوں سے اپنا پرانا اختلاف جو ہندوستان اور جنگ واٹرلو میں ہو چکا ہے یاد آئے اور وہ روسیہ کا ساتھ دیں جیسے خود بھی آبائی دشمن کا حق ادا کرنا ہے اب ایک ایسے شخص کے لیے جسکی نظر ملکی اور سیاسی واقعات پر لگی ہوئی ہے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اگر فرانس نے روس کو مدد دی تو جرمنی انگلستان کا ہاتھ بٹائیگی۔

یہ بھی اس کے ساتھ ہی معلوم ہے کہ انگلستان اور جرمن۔ روس اور فرانس سے کہیں زبردست ہیں۔ انگلستان تو بحری قوت کا بادشاہ ہے اور جرمنی کی فوجی ترتیب اور طرز عمل دنیا مین سب سے زیادہ مکمل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ آسٹریا۔ اطالیہ اور امریکہ اگرچہ علانیہ روسیوں کے دشمن نہیں ہیں اور نہ خصوصیت کے ساتھ اُنہین انگلستان سے دوستی کا تعلق ہے تو بھی اُن کا میلانِ طبع انگلستان کی طرف ہے اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر روسیہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو کوئی یورپی طاقت اور امریکہ اُس کا ساتھ نہیں دینے کی یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی دولت ایسے وقت میں ضرور انگلستان کے ساتھ ہو جائے گی۔

مگر یہ جنگ پھر یورپی جنگ ہوگی اور براعظم یورپ کے لیے نہایت خطرناک ثابت ہوگی تمام دنیا اس جنگ میں مبتلا ہو جائے گی پھر جو آفت دنیا پر آئے گی کس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکتی ہے اس آنیوالی یورپی جنگ کی پیشین گوئی بڑے بڑے مدبر کر چکے ہیں۔

خیر اس بحث کو جانے دیجے کہ آیا یورپی دولتیں انگلستان کا ساتھ دیتی ہیں یا روسیہ کا بلکہ اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ آیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایشیائی سلطنتیں متحد و متفق ہو جائیں اس وقت پر یہ کیفیت ہے کہ ایشیائی حکمران اپنی پگڑی سنبھال رہا ہے۔ اُنکی نہ تو یہ خواہش ہی کہ روسیہ کیساتھ ملکے وہ انگلستان سے جنگ کریں اور انگلستان کے ساتھ شریک ہو کے روسیہ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ روسیہ ہو یا انگلستان دونوں زبردست قوتیں ہیں اور انکی حکمت عملی یہی ہے کہ اپنی یورپی وقعت قایم رکھیں اور کسی صورت سے نیچا نہ دیکھیں اور اپنی حدود کو ان دونوں زبردست حکومتوں کی دستبرد سے جہان تک ہو سکے بچاتے رہیں ان میں سے کسی کا بھی یہ خیال نہیں ہے

کہ روسیہ کے حملہ میں ہندوستان پر چڑھ دوڑیں۔ اسکے علاوہ جانتے ہیں کہ ہماری نجات بہت اسی میں ہے کہ دونوں سلطنتیں قوی رہیں کیونکہ ان میں سے اگر ایک سلطنت ایشیائی کمزور ملکوں پر حملہ کرے تو دوسری اس کو ڈانٹ دے۔

ان دونوں عظیم سلطنتوں کی رقابت ایشیا کی ضعیف حکومتوں کے لیئے خدا کی خاص برکت ہے۔ یہ وہ تقسیم ہونے سے بچی ہوئی ہیں۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے کہ "مارِ نادران کا ریچھ اژدرا نی گلڈاک سے پکڑا جا سکتا ہے"۔ جاپانی سلطنت وسط ایشیا میں نہیں ہے اس لیئے روسیہ کی ہندوستان کی طرف منہ موڑنے میں مزاحمت نہیں کر سکتی اس لحاظ سے جاپان حملہ ہندوستان کے وقت نہ روسیہ کے ساتھ مل سکتا ہے نہ برطن اعظم کے ساتھ جاپان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ ایشیائی سمندروں میں انگریزی بحری قوت کو درجہ کمال پر پہنچا ہوا دیکھے اور اسکی یہی دلی خواہش ہے کہ جاپان اور انگلستان میں ہمیشہ اتحاد رہے تاکہ روسیہ ایشیا کو بالکل زیر و زبر نہ کر ڈالے۔ غرض اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی سلطنت ہندوستان کے حملہ میں روسیہ کا ساتھ دینا نہیں چاہتی۔

لیکن افغانستان کی سلطنت اس وقت ترقی کنان سلطنت ہے اور اسکو ایک نہ ایک روز ایشیا میں بڑی ناموری حاصل ہوگی اور ہمیشہ انگلستان اور روسیہ کی مرجع خیالات رہا کریگی ان دو زبردست ہمسایوں میں افغانستان کی دوستی یا دشمنی ایشیا میں بہ نسبت دوسری سلطنت کی زیادہ قابل لحاظ ہوگی کیونکہ افغانستان کے پاس ایک زبردست فوج ہے جسمیں لاکھوں مسلمان بہادر ہیں۔ جو پیدائشی جنگجو ہیں خواہ شائستہ سپاہی ہوں یا ایک کسان۔ جسوقت وہ اپنے خدا اور حضرت پیغمبر کے نام پر شمشیر بکف ہوکے کھڑے ہوتے ہیں تو جب تک اُن میں سے ایک ایک نہیں مر لیتا منہ نہیں پھیرتے۔

وہ خدا اور رسول کے لیئے لڑتے ہیں اپنے مذہب اپنے وطن اپنے خاندان اپنی قوم اپنے بادشاہ اپنی آزادی اور خودمختاری کے لیئے جنگ کرنے اور جان دیتے ہیں۔ حکمرانِ افغانستان اپنی جغرافیائی اور سیاسی ملکی حدود کے لحاظ سے بہت نامور ہے۔

اگر اسوقت جب انگلستان اور روسیہ کی جنگ ہوئی افغانستان کی موجودہ حالت بنی رہی تو یقین ہی سمجھ لیجئے کہ فتح اسی سلطنت کو حاصل ہوگی جس کے ساتھ افغانستان ہو جائیگا۔

اس لیئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب تک افغانستان قایم ہے اور جب تک افغانستان کی دوستی انگلستان کے ساتھہ ہے یہ محال عقل ہے کہ روسیہ ہندوستان کی طرف آنکھہ بھر کے بھی دیکھہ سکے۔

روسیہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ جب تک افغانستان خودمختار اور برقرار ہے محض ناممکن ہے کہ ہندوستان کی طرف آنکھہ اُٹھانے کا بھی اُسے خیال ہو۔ ایسی حالت میں روسیہ افغانستان کو ملا لینے کے جوڑ توڑ کرے گا اسی لیئے افغانی اور انگریزی مدبّروں کو خیال رکھنا چاہیئے اور کوئی صورت ایسی نہو جس سے افغانستان کا تعلق انگلستان سے قطع ہوجائے۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ روسیہ افغانستان سے جنگ کرنیکی مشکلات کو خوب جانتا ہے ان سیاحوں کی تحریروں کو بالائے طاق رکھدو جو ہفتہ دو ہفتہ کے لیئے کسی شہر میں آئے نہ ملک کی زبان جانیں اور نہ یہاں کی طرز جہانداری۔ بس ادہر اُدہر ٹہیلے اُدہر چکّر لگایا اور اپنے ملک میں پہنچ کر اس ملک کے حالات پر ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کردیں۔ اور اپنے زعم ناقص میں تمام اندرونی حالات لکھدیئے۔ آج کل عامۃ خلایق کی یہی کتابیں رہبری کرتی ہیں جن سے سوائے نقصان پہنچنے کے فائدہ خاک نہیں ہوتا۔

بڑے بڑے عالیقدر یورپی مصنفوں کی کیفیت سنئے کہ وہ بڑے وثوق سے کل افغانستان کی آبادی پچاس لاکھہ اور فوج کی تعداد چھتیس ہزار لکھتے ہیں۔ مجھے ان تحریروں پر بہت ہنسی آتی ہے اور ان کی جہالت پر افسوس کرتا ہوں آپ خیال تو کیجے تقریباً نصف صدی سے یہی تعداد آبادی اور فوج کی لکھی جارہی ہے یہ جاہل نادان مصنف یہ نہیں سمجھتے کہ پچاس برس میں کچھہ تو کمی بیشی ہوئی ہوگی۔ ایک شخص نے جو کچھہ اٹکل پچو لکھدیا بس سب آنکھہ بند کر کے اسی پر کاربند ہونے لگے۔ میں اصل میں ان مصنفوں پر کوئی الزام نہیں رکھتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کے پاس علم حاصل کرنے کے ذرائع بالکل نہیں ہیں لیکن اس بات پر میں ان کا بڑا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہی غنیمت سمجھا ہے کہ آبادی اور فوج کی تعداد کو ابھی اتنا ہی برقرار رکھہ چھوڑا ہے اگر وہ اس تعداد سے بھی کم کردیتے تو میں اُن کا کیا کرسکتا تھا۔

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ افغانستان ابھی تک اتنا قوی نہیں ہے کہ تنہا اپنی آزادی کو برقرار

رکھ سکیگا اسکو مدد کے لیئے کسی نہ کسی دولت کی طرف ضرور رجوع ہونا پڑے گا ہر بالغ نظر اس بات کو جانتا ہے کہ دریا میں دو کشتیان جارہی ہیں اگر ایک شخص ایک پیر ایک کشتی پر رکھے اور دوسرا پیر دوسری کشتی پر تو وہ دریا میں گر کر ڈوب جائے گا - ہاں اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہو جائے تاکہ کنارہ پر سلامتی سے پہنچ جائے -

اسکے علاوہ اس بات کی بہی ضرورت ہے کہ اگر ایک سلطنت سے تعلق ہوگیا تو کیا ضرور ہے کہ بیٹھے بیٹھائے دوسری سے بلا ضرورت خواہ مخواہ غرفش کرے -

بہلا افغانستان کی سی ایک چھوٹی سلطنت جو مثل بکری کے دو شیروں کے بیچ میں ہے یا مثل گیہوں کے چکّی کے دو پاٹوں میں ہے کیوں کر قایم رہ سکتی ہے سوائے اسکے کہ پسکر آٹا ہو جائے - اس لیئے یہ ضروری امر ہے کہ ایک سلطنت حملہ کرے تو دوسری سلطنت اس کا ساتہہ دے - یہ افغانستان کو بالکل اختیار ہے کہ وہ ان دو سلطنتوں میں سے خواہ کسی کو ترجیح دے مجہے معلوم ہے کہ روس نے اپنی ریل بڑہاتے بڑہاتے میرے ملک تک پہنچادی ہے یہ اندیشہ کی بات تو ہے اور ہمیں ہر وقت اس سے ہوشیار ہی رہنا چاہیئے مگر افغانستان کا اس سے فائدہ بہی ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ اگر انگلستان بغیر کسی معقول وجہ کے افغانستان کا کوئی حصّہ اپنے ملک میں شامل کرنا چاہیگا تو اُسے خوف یہ ہوگا کہ روس آگے نہ بڑھ آئے اب - افغانستان کی وہ حالت نہیں ہے جو شاہ شجاع اور شیر علی کے وقت میں تہی کہ روسی اسقدر دور تہے کہ افغانی حدود پر بے آب و گیاہ جنگلوں سے فوجیں لانا بالکل ناممکن تہا -

یہ میں بیان کر چکا ہوں کہ افغانستان مجبوراً دو سلطنتوں میں ایک سلطنت سے اتحاد قایم رکھے گا اسوقت اس نے بلاشبہہ انگلستان کی دوستی کو ترجیح دی ہے اول اس وجہ سے کہ انگلستان کا ارادہ ایران اور ترکستان پر حملہ کرنے کا نہیں ہے اسی وجہ سے اسکو افغانستان میں سے راستہ تلاش کرنیکی ضرورت نہیں پڑنے کی جبکہ روس کا ارادہ ہندوستان پر حملہ کرنیکا ہے تو وہ ضرور افغانستان میں سے ہو کر جانا چاہے گا اور اُسے یہ اندیشہ ہوگا کہ کہیں پیچھے سے افغان نہ آن پڑیں ادہر اسکی یہ بہی خواہش ہوگی کہ جسطرح سے ہو افغانستان پر قبضہ کر لوں دوسری وجہ یہ ہے کہ انگلستان ایک بہت بڑی بحری قوت ہے اور وہ روسیہ سے خشکی پر لڑنا نہیں چاہتی

اس لئے انگلستان کے واسطے یہ بہت ہی فائدہ بخش بات ہے کہ افغانستان روس میں اور اس میں حد فاصل رہے۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انگلستان افغانستان کو قوی دیکھنا چاہتا ہے اور جانتا ہو کہ افغانستان کی قوت ہندوستان کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ روسیہ اسکے برخلاف چونکہ انگلستان سے خشکی میں جنگ کرنا چاہتا ہے اس لئے اسکی یہ خواہش ہے کہ افغانستان یا تو میرے ساتھہ شریک ہو جائے یا ہندوستان کے حملہ میں مجھے مدد دے اور یا اسکی خودمختارانہ حالت ہمیشہ کے لئے مٹادی جائے۔ تیسرے انگلستان کے پاس ہتھیار اور روپیہ موجود ہے لیکن وہ جنگجو آدمی چاہتا ہے لیکن افغانستان کے پاس جنگجو لوگ موجود ہیں مگر اس کو روپیہ اور اسلحہ کی خواہش ہے۔ طرفین کا فائدہ اسی میں منصور ہے کہ انگلستان اور افغانستان باہم مل جائیں اس صورت سے انگلستان کو افغانی بکثرت مل جائیں گے اور خدمات قبول کر لیں گے جس کے معاوضہ میں انگلستان انھیں روپیہ اور ہتھیار دیگا۔

روسیہ افغانیوں کو روپیہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ اس کی ضرورتوں کے لئے بھی کافی ہو۔ اور ساتھہ ہی روسیہ کو افغانستان میں سے آدمیوں کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ملک جنگجو اقوام کا معدن ہے۔ چونکہ افغانستان کی کسی قسم کی خدمت کی روسیہ کو ضرورت نہیں ہے اسکی خواہش صرف یہ ہے کہ افغان ہندوستان کا راستہ دیدیں تاکہ آخر میں افغانستان بھی اس کے قدموں کے نیچے آجائے۔

یہ ضرور ہے کہ روسیہ حکمران افغانستان سے وعدہ کریگا کہ پنجاب یا ہندوستان کا کوئی حصہ وہ بطور معاوضہ کے اس کی نذر کریگا اور یہی سبز باغ دکھائیگا کہ روسیہ افغانستان سے ایسے معاہدے کریگا کہ افغانستان کی حالت ہمیشہ خودمختاری کی بنی رہے۔ مگر اس قسم کے معاہدے ہمیشہ نقش برآب ثابت ہوئے ہیں اور روسیہ کا جہاں موقع ہوا اور اس نے آناً فاناً میں کل معاہدوں کو بالائے طاق رکھہ کے اس ریاست کا لقمہ تمام کیا۔

اچھا یہ خیال بھی کر لو کہ روسیہ عہد شکنی نہیں کریگا (حالانکہ ایسا خیال کرنا بالکل ایک معجزہ ہوگا) ایسی حالت میں بھی ہزارہا فوج، عہدہ دار وغیرہ کی روزمرہ افغانستان ہی میں ہو کے

ہندوستان سے روسیہ اور روسیہ سے ہندوستان تک آمد ورفت رہے گی۔ اس صورت سے بھی افغانستان ہمیشہ روسیہ کے قدموں کے نیچے پائمال ہوتا رہیگا اور اسکو اختیار ہوگا کہ افغانستان کے کل ذرائع باربرداری اور سامان خورونوش وغیرہ کے اپنے استعمال میں لائے۔ وہ افغانیوں پر زور دیگا کہ فوج میں بھرتی ہوں۔ اور روسیہ ہمیشہ انھیں جنگ کے وقت آگے ہی رکھے گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مارے جائیں تو افغان ہی مارے جائیں اور فتح حاصل ہو تو اس کا ثمرہ خود اُٹھائے۔ اور اگر موقع بنے تو اُن کے مال اور بیوی بچوں پر بھی قبضہ کرے افغانیوں کو یہ شرمناک نظارہ برداشت نہو سکیگا اور وہ مجبور ہو کے روسیوں سے برسرِ پرخاش ہوں گے اور یہی گویا افغانی اور روسی جنگ کی ابتدا ہوگی۔

اب چونکہ انگلستان کی مدد تو حاصل ہونی خواب وخیال ہو جائیگی اس لیئے ہزاروں آدمی میدان جنگ کی نذر ہو جائیں گے اور اُنکے بچے اور عورتیں روسیوں کے رحم پر چھوڑ دیجائینگی۔ اس لئے میں اپنے بیٹوں اور جانشین کو نصیحت کرتا ہوں کہ روسیہ سے کبھی دشمنی نہ کرے اور اس کو دوست بنائے رکھے کیونکہ روسیہ ایک زبردست قوت ہے ممکن ہے کہ کسی مشکل کے وقت میں وہ تمہارے کام آئے۔

اس سے زیادہ افغانیوں کی حماقت نہیں ہو سکتی کہ وہ روسیوں کو اپنی طرف سے بھڑکائیں بس عاقلانہ حکمتِ عملی یہ ہے کہ روسیہ سے بہت گھرے تعلقات نہ رکھیں اور خیر الامور اوسطہا پر عمل کریں۔ نہ ایسے کڑوے ہوں کہ کوئی تھوک دے اور نہ ایسے شیریں ہوں کہ کوئی نگل جائے۔

اگر بدقسمتی سے انگلستان اپنی حکمت عملی تبدیل کردے اور افغانستان پر حملہ آور ہو اور اس کی مراد یہ ہو کہ افغانستان کی خود مختاری کا خاتمہ کردے یا افغانستان کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملا لے۔ اور جنگ کے بعد انھیں بالکُلّیہ شکست بھی ملے تو وہ فوراً روسیہ سے ملجائیں کیونکہ بہ نسبت انگلستان کے اس کی حدود افغانستان سے قریب ہیں اس لئے اس کی مدد زیادہ فائدہ دے گی۔ شیر علی کا زمانہ نہیں ہے کہ روسیہ نے وعدہ بھی کیا اور کچھ مدد نہ دیسکا۔ کیونکہ وہ دور بہت تھا۔

غرض یہ ہے کہ افغانستان کی حکمتِ عملی اپنے دو زبردست ہمسایوں سے دوستانہ رکھنی چاہئے

اور ترکیب یہ ہے کہ سلطنت حملہ بکرنا چاہے اور دیکھا جائے کہ اسکو حملہ کرنیکا خیال نہیں اس سے اتحاد رکھنا فائدہ بخش ہے مگر جسکی یہ آرزو ہو کہ کسی طرح افغانستان کا قلع قمع کر دیا جائے اس سے چوکنا رہنا بہتر ہے۔ افغانستان کا طرز انداز یہ ہو کہ ایک کو سائی دوسرے کو بہا جائی وہ ہمیشہ ہوشیار رہے اور اپنی سلطنت میں کسیکو دخل ندینے دے اور اُنکے معاہدوں وغیرہ پر بھروسہ نکرے

روسی مدبروںکی حکمتِ عملی جنگی رائے کے مطابق ایشیا میں نقل و حرکت جاری ہی بہت ہی تعریف کے قابل ہے۔ روسی سیاسی دائرہ مثل فوجی دستوں کے ہے جو ایک نہایت ہی قابل سپہ سالار کے زیر کمان آگے بڑھتا ہے۔ اور جس نے اپنے لشکر کے چار حصّے کر رکھے ہیں اور ایک ہی وقت میں چار لڑائیاں لڑ سکتا ہے وہ اس طرح سے فوجی حصّوں کو ترتیب دیتا ہے کہ انمیں سے کوئی حصّہ اسبات کو نہیں جان سکتا کہ اُسے کب یک لخت جنگ کا حکم ہو جائیگا وہ دشمن پر برابر نظر رکھتا ہے اور جسوقت دیکھتا ہے کہ وہ غافل ہے یا کمزور ہے بغیر اطلاع دیئے فوراً حملہ کر دیتا ہی اور اسے ذرا ہی مہلت نہیں دیتا۔

اور حکومت روسیہ کے افسر اُسی اثنا میں مشرق کے چار مقامات سے کبھی اپنی توجہ نہیں ہٹاتے کوریہ اور چین ایک طرف پامیر اور افغانستان دوسری طرف تیسری طرف ایران اور چوتھی جانب ترکی۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ چاروں سلطنتیں بالکل تیار اور ہوشیار ہیں وہ اپنا رُخ کسی دوسری کمزور ریاست کی طرف پھیر دیتا ہے۔

جامی فرماتے ہیں جب سکندر نے مشرق پر حملہ کرنیکا ارادہ کیا تو اس نے اپنی فوج کو انہی لشکر گاہ کے ڈیروں کے اُن دروازوں کیطرف آراستہ کیا جنکا رُخ جانب غرب تہا یہی کیفیت روسی حکمتِ عملی کی ہے شیر علی کے زمانہ میں وہ افغانستان میں خوب ہاتھ پیر مار رہے تہے لیکن میری حکومت میں جب وہ قلعہ نو۔ پنجدہ اور مرغاب کے تماشے دیکھا چکے اور اُنہیں معلوم ہو گیا کہ افغانستان توپ کے گولوں سے ہماری دعوت کرنیکے لیئے تیار ہے تو انہوں نے اپنا رُخ پامیر کی طرف پھیر لیا لیکن جب دیکھا کہ انگریز کشمیر اور چترال کی حدود پر مزاج پرسی کرنیکے لیئے تیار رہیں تو اس نے اسکو بھی نظر انداز کیا اور چین کی طرف جھک پڑا مگر اُسی اثنا میں جرمنی۔ فرانس اور انگلستان لینا لینا کہکے دوڑ پڑے وہاں کیا تہا مونچھ یوں نہیں یوں سہی۔ آپ نے جھٹ چین کو چھوڑ کے ایران کی طرف توجہ مبذول کی۔

ممکن ہے کہ روسی افسروں نے یہ خیال کیا ہو کہ اگر افغانستان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ روسیہ پامیر سے اُتر کے چترال۔ کشمیر اور پنجاب پر حملہ آور ہوگا اور اُسکا راستہ سیستان خلیج۔ فارس اور کوئٹہ سے قرار پائے گا اور چین کی طرف سے وہ برما اور بنگال پر حملہ آور ہوگا۔ اس لحاظ سے افغانستان اپنی جنگی تیاریوں کو موقوف کردیگا لیکن افغان جانتے ہیں کہ روسیہ کا کابل کو اس طرح چھوڑ دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ موقع کی تاک میں لگا ہوا ہے اور یا میرا مرنا تاک رہا ہے کہ عبدالرحمٰن کے مرتے ہی کوئی موقع ایسا ہو کہ کابل پر دوڑ پڑوں۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے روسی دوست کئی بار مایوس ہو چکے اور آخر اُنہوں نے اپنا دل خوش کرنے کے لئے کئی بار میرے مرنے کی خبریں آڑا دیں مگر الحمد للہ میں اب تک زندہ ہوں اور بیدار ہوں مگر وہ مجھے ملزم نہ گردانے کیونکہ میں مجبور ہوں جب تک خداوند تعالیٰ کا حکم نہیں آیگا میں نہیں مرنے کا۔

یہ روسی فوجیں جو افغانستان کی حدود پر جمع ہوئی ہیں ان کا رُخ کیا ایران کی طرف پھر جائے گا یا وہ مجھ پر اس خیال سے حملہ کریں گے کہ میں انگلستان کے خلاف وسیوں سے ملجاؤں یہ فوجیں انگریزی مدبّروں کو پریشان کرنے کے لئے اکٹھی ہوئی ہیں کہ انگریزی فوجوں کی نقل و حرکت بند ہو جائے یا اُن فوجوں کے جمع کرنے کا یہ مدّعا ہو کہ میرے مرنے کے بعد اسحاق کو کابل کے تخت کا دعویدار بنا کر کے کھڑا کردیں یا وہ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ اگر انگلستان قندہار پر قبضہ کرے تو وہ ہرات اور بلخ کو دبا بیٹھے غرض افغانستان کی حدود پر اس کا فوجوں کے جمع کرنے کا کیا مطلب ہے کوئی نہیں جانتا مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ میں کوئی ڈرپوک آدمی نہیں ہوں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ روس ہرات لے لیگا وہ اصل معاملہ سے واقف نہیں ہیں۔ روسی افسر ایسے بیوقوف نہیں ہیں۔ وہ ۱۸۳۸ء کی شکست فاش کو بھولے نہیں ہیں۔

جب ایک بے وقوف شرابی کامران کے قبضہ میں ہرات تھا اور اس وقت روس اور ایران کی فوجوں نے مل کے حملہ کیا تو چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد دونوں فوجیں بےعزّتی کی شکست کھائے اپنے گھر واپس چلی گئیں اور ہرات فتح نہ ہوسکا حالانکہ کامران افغانستان کا بادشاہ نہ تھا بلکہ شہر ہرات اس کے قبضہ میں تھا۔

اسوقت میں ایک ہی ہفتہ کے اندر ایک لاکھ جنگ جو ہرات میں پہنچا سکتا ہوں افغانستان میں جدید آلات حرب کا ذخیرہ موجود ہے اور تمام ملک جنگ آوروں سے بھرا پڑا ہے۔ تمام روسی ترکستان میں مسلمان سردار علماء اور جرگوں کے افسر جنگ کے وقت میرے ساتھ شریک ہو جائینگے اور روس کے خلاف غدر کر دیں گے۔ روسی افسر اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری زندگی میں ہرات پر حملہ کرنا ناممکن ہے کیونکہ میں ہر وقت انکا سرگرمی سے استقبال کرنے کے لئے تیار ہوں۔

افغانستان کی شمال مغربی حد کے دوسرے سرے پر دوہ دوی نامی ایک قلعہ ہے جسکو میں نے بلخ کی حفاظت کے لئے بنایا تھا اور جسکی تعمیر پورے بارہ سال میں ختم ہوئی تھی اس عرصہ میں روزمرّہ ہزارہا آدمی اُس قلعہ پر کام کرتے رہے تھے۔ قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا ہے اور اس قلعہ سے ان راستوں پر جو دریائے جیحوں اور حدود افغانستان کی طرف جاتے ہیں قلعہ جو ہے اسکی قلعجندیاں زمین کے نیچے پوشیدہ ہیں اور انتظام ایسا کر دیا ہے کہ بڑی سے بڑی قلعہ شکن توپیں بھی اس قلعہ کو مضرت نہیں پہنچا سکتیں یہ بات صحیح ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کا سامان حرب اور موجودہ ساخت کی توپوں کے آگے کسی قسم کا قلعہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا مگر یہ خوب سمجھ لو کہ جلدی چلنے والی بحری توپیں۔ کرپ۔ ہاچ کس۔ نارون فیلڈ۔ میکزم اور دوسرے قسم کے آلات حرب ان قلعجات میں بھی موجود ہیں اور یہ ایسے آلات حرب ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اور کسی یورپی دولت کے ہاں ہوں تو ہوں اگر یورپ میں ان کے علاوہ اور جدید آلات حرب کی ایجاد ہوئی تو سب سے پہلا شخص میں ہوگا کہ ان ہتھیاروں کو منگا کے اپنے قلعہ میں رکھوں گا اور میں اپنے ہمسایوں سے کسی صورت سے بھی پیچھے نہیں رہنے کا۔

غالباً روسیہ مرو اور عاشق آباد سے ہرات پر حملہ آور ہوگا تاکہ قندھار اور کوئٹہ کے راستے پر اُس کا قابو ہو جائے اور دوسرا حملہ تاشقند۔ سمرقند پر سے بلخ پر ہوگا جو کابل اور پشاور کی راہ پر واقع ہے اور تیسرا حملہ بدخشاں سے فیض آباد اور کتعان پر ہوگا اور اگر روسیہ نے ایک ہی وقت میں افغانستان اور ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ پامیر۔ چترال اور کشمیر کی طرف سے حملہ آور ہوگا ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ زمانہ آئندہ میں روسیہ کو یہ موقع حاصل ہو جائے کہ وہ برہما اور ایران کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کرے۔

جب روسیہ پنجدہ کے پاس آگیا تو میں نے پہلے کی نسبت ہرات کی قلعبندیاں اور زیادہ مضبوط کردیں جب روسیہ نے یہ دیکھا تو وہ بلخ کی طرف اپنی تیزی دکھانے لگا اس مقام کو بھی میں نے بہت مضبوط کردیا۔جب یہاں بھی دال نہ گلی تو اس نے بدخشاں اور پامیر کا رُخ کیا اسکا جواب میں نے یہ دیا کہ فوراً کافرستان کو فتح کرلیا اور جلال آباد۔لمغان۔کابل اور پنج شہر کے جس قدر راستے تھے سب کو کاٹ دیا اور اس حصّہ ملک میں روس کے ساتھ جنگ کرنیکے لئے تیار ہوگیا۔

۱۸۹۳ء میں میں نے سر۔ایم۔ڈیورنیڈ سے کہا تھا کہ اگر انگریزوں نے چترال اور باجور مجھ سے لیلیا تو میں داخان پر روس کے حملہ کو نہیں روک سکتا اسی لیئے میں نے مقام مذکور کو انگریزوں کی ذمہ داری پر چھوڑ دیا اب چونکہ روسی ایران کی طرف اپنی تیزی دکھارہے ہیں میں نے مناسب سمجھا ہے کہ ہرات اور قندھار کے بیچ میں افغانستان کی جنوبی مغربی حدود پر اپنی توجہ مبذول کروں اس صورت سے میں روسیوں کے لیئے خواہ وہ کسی طرف سے حملہ آور ہوں ہر وقت توپ گولوں کی دعوت کرنے کے لئے تیار ہوں ادہر میرے مخبر چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں جو روسیہ کی نقل وحرکت کی مجھے اطلاع دیتے رہتے ہیں اس کے علاوہ میرے دربار میں بدخشان۔دروازہ کلاب۔روشن اور بخارا کے سابق حکمران حاضر رہتے ہیں ادھر میں نے ترکمانوں کے سیردل اور سرداروں کے لڑکوں کو اپنے باڈی گارڈ میں بھرتی کرلیا ہے تاکہ مجھ میں اور ان میں دوستی ہمیشہ برقرار رہے۔باوجودیکہ مجھے اس کا علم ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں روسی اسبات کو جانتے ہیں کہ انگلستان اور افغانستان باہم متحد ہیں وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی ہرات یا افغانستان کے کسی حصّہ پر حملہ نہیں کرسکتے ان کل باتوں کو مدّنظر رکھ کے روسی میرے ملک کی حدود پر ہمیشہ کثرت سے فوجیں جمع رکھتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن کے مرنے پر افغانستان میں اگر کوئی بدامنی پیدا ہوئی تو ہم اپنی رعایا کی حفاظت کریں گے اسی لیئے میں بھی روسی حدود پر اپنی فوجیں جمع رکھتا ہوں محض اس خیال سے کہ اگر روسیہ میں عام بغاوت ہوئی تو سرحد پر امن قایم رکھ سکیں گی۔

میں عام طور پر یہ بیان کرتا ہوں کہ موجودہ روسی حکمت عملی ہرگز اس کی مقتضی نہیں ہی

کہ انگلستان یا افغانستان سے روسی گورنمنٹ جنگ پر آمادہ ہو کیونکہ وہ ابھی ایسے جنگ کے لیئے تیار نہیں ہے روسی حکمتِ علی تو اسپر مبنی ہے کہ آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھائے اور اُسے مضبوطی سے جمائے اور جسکو کمزور دیکھے اس کا ملک ہضم کر جائے بس وہ اپنی اُسی حکمتِ علی سے قدم بہ قدم آگے بڑھتا چلا آتا ہے اور اس صورت سے وہ جانتا ہے کہ ایک دن ہندوستانی سرحد سے ملجاوُنگا جب اسکی حدود ہندوستان سے ملحق ہو جائیں گی تو وہ فوراً انگلستان سے جنگ شروع کر دیگا مگر جبتک افغانستان اور ہندوستان متحد ہیں وہ خواب میں بھی ہندوستان سے جنگ کرنیکا خیال نہیں کرنیکا تو بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم ایک بے ثبات بھروسہ پر اپنا دار و مدار نہ رکھیں اور جہاں تک ہم سے ممکن ہو روسی حملہ کو روکنے کے لیئے ہر وقت تیار رہیں میرے خیال میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جن سے میں ایسی تدبیر کر سکتا ہوں کہ روسی کبھی ہندوستان پر حملہ ہی نکریں مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صرف اپنی ذات تک ان معاملات کو محدود رکھوں انمیں پہلی تدبیر یہ ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

انگلستان اور افغانستان متحد ہو جائیں جب یہ اتّحاد قایم ہو جائیگا تو روسیہ کسی صورت سے بھی دونوں میں سے ایک پر حملہ نہیں کر سکتا وہ انگریز جن کا یہ مقولہ ہے کہ ہرات یا افغانستان کے کسی حصّہ کے لیئے ہم کیوں روس سے جنگ کریں وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہرات ہندوستان کی کنجی ہے اور ہرات پر جنگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ گویا تو پھر اُسے ہندوستان پر حملہ کرنا کچھ بھی مشکل نہوگا انگلستان کے لیئے یہ بات بہت مشکل ہوگی کہ وہ اس وقت ہندوستان پر حکومت کریں گے کہ جب روسی سرحدیں ہندوستان سے مل جائیں یا اُسے مجبوراً اتنی کثیر تعداد فوجونکی سرحد پر رکھنی پڑے گی کہ ہندوستان کا کامل خزانہ بھی جس کے اخراجات کے لیے متحمل نہیں ہو سکتا۔

روسیہ کا قریب ہو جانا انگلستان کے لیئے صدہا مشکلات کا دروازہ کھولدیگا اور اُسوقت جب افغانستان کی جنگ آور قومیں اور بہادر ترکمان روس کے جھنڈے کے نیچے جنگ کرنے کے لیئے تیار ہوں گے تو انگلستان خود سمجھ سکتا ہے کہ اسے کتنی کثیر تعداد فوجیں مقابلہ کے لیئے

بہم پہنچائی ہوں گی اگر انگلستان نے وہ معاہدے جو اس نے میری گورنمنٹ کے ساتھ کئے ہیں کبھی نہ توڑے اور مجھے امید ہے کہ وہ کبھی نہیں توڑنے کا یعنی جب کبھی روس انگلستان پر حملہ کریگا تو وہ ضرور افغانستان کی طرف سے روس سے جنگ کریگا پھر اس وقت اگر اُس نے پہلو تہی کی تو اُسے اپنی اس پہلو تہی کی عام آدمیوں کے آگے توضیح کرنی پڑے گی کیونکہ وہ یہ خوب سمجھے کہ روسیہ کا افغانستان پر حملہ کرنا بمنزلہ ہندوستان پر حملہ کرنے کے ہے اور اسکا حملہ یوں بھی رُک سکتا ہے کہ افغانستان اور انگلستان میں اتحاد قایم رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب تک انگلستان روسیہ کو نہ روکے گا روسیہ آگے بڑھنے سے نہیں رُک سکتا اگر انگلستان یہ چاہتا ہے کہ روس کی آگے بڑھنے کی حکمتِ عملی کو مات دے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے ان کمزور اصولوں کو چھوڑ دے جو وہ روسیہ کے ساتھ برتتا ہے اگر روسیہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے ذرا بھی قدم آگے بڑھایا تو اس کا نتیجہ جنگ ہوگا تو وہ پھر کبھی بھی آگے بڑھنے کا نام نہیں لینے کا میں اچھی طرح جانتا ہون کہ اس وقت روس جنگ کے لئے تیار نہیں ہے نہ وہ انگلستان کے خلاف کارروائی کرنی چاہتا ہی لیکن انگلستان کی سہل انگاری سے یہ ڈر لگتا ہے کہ اس کا قدم آگے بڑھنے سے نہیں رُکنے کا اگر ترکی ایران اور افغانستان میں سے کسی سلطنت پر روس نے قبضہ کر لیا تو اس کا نتیجہ نہ صرف باقی ماندہ دو سلطنتوں کے لئے بُرا ہوگا بلکہ ہندوستان پر بھی اس کا بُرا اثر پڑیگا اس لئے ان تینون سلطنتوں میں سے کسی سلطنت پر وہ حملہ آور ہو تو انگلستان کا فرض ہے کہ اسکے حملہ کو روکے۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہی۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل + چو پُر شد نہ شاید گرفتن بہ پیل

تیسری صورت روسیہ کو حملہ ہندوستان سے روکنے کی یہ ہی کہ انگلستان افغانستان کو روپیہ اور ہتھیار دیکے قوی بنادے اور صاف الفاظ میں روسیہ کو آگاہ کر دی کہ اگر امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی میں یا اُن کے بعد تو نے افغانستان کو نظر بھر کے بھی دیکھا تو ہماری طرف سی اعلان جنگ سمجھیو۔

یہ بھی خوب سمجھ لیا جائے کہ افغانستان کی کسی حالت میں یہ خواہش نہیں ہوئی ہوگی کہ وہ انگریزی فوجوں کو اپنی حدود میں آنے دیگا اس وقت بھی کہ جب روس سے اسکی جنگ ہو رہی ہو

انگریزی فوجوں کو جب تک روپیہ اور ہتھیار اسکے پاس موجود ہے وہ کبھی قدم رکھنے نہ دے گا ہاں انگریزی فوجیں اس وقت کابل میں طلب کی جائیں گی کہ جب افغانستان کو ہر پہلو سے شکست ہو جائیگی اور وہ کسی ممکن ذریعہ سے بھی روس کو نہ روک سکے گا۔

جب تک افغانوں میں خود لڑنے کی قوت ہے اُس حالت میں وہ روس کے نہ انگلستان کے ایک سپاہی کو بھی اپنے ملک میں دشمن کے دفع کرنیکے لئے قدم رکھنے دینگے کیونکہ یہ امر مسلّم ہے کہ اگر افغانی دوسری سلطنت کی فوجوں کو اپنی مدد کے لئے اپنے ملک میں بلالیں تو بعد الفراغ وہ وہاں سے جنبش نہیں کھانے کے اور یہ بہانہ کریں گے کہ جبتک اطمینان کے قابل ملک میں امن نہو جائیگا ہم نہیں جاتے ایسی حالت میں اگر فوجوں نے یہ دیکھا کہ ملک کے لوگ ہم سے رضامند ہیں تو پھر ہمیشہ کے لئے وہ اپنے ڈنڈے ڈیرے ڈالدیں گے اور اگر افغانی اُنکے خلاف بھڑک اُٹھے تو وہ یہ کہیں گے کہ جب تمنے عہد شکنی کی تو پھر اسکی سزا میں ہم تمہارا ملک دبا لیتے ہیں۔

اگر انگلستان اور روسیہ میں افغانستان کے تقسیم کرنے کا سمجھوتہ ہو گیا تو اس کے یہ معنی ہونگی کہ ان دونوں ملکوں میں لڑائی کی بنیاد ہندوستان میں پڑ جائیگی۔ اگر فرض کرلو کہ ان دونوں سلطنتوں نے افغانستان کو تقسیم کیا تو یہ تقسیم حسب ذیل ہوگی۔ بلخ۔ ترکستان۔ کتغان۔ ہرات اور فراح۔ جو ہندو کش کے مغرب کی طرف ہیں روس لے لیگا۔ اصل میں سارے افغانستان میں یہی صوبے زیادہ بارآور ہیں اسکے مقابلہ میں انگلستان کے حصّہ میں جلال آباد اور کابل وغیرہ شہر آئینگے جو اپنے اخراجات خود بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ انگریزی مدبر میری دوستی میں شبہ کرتے ہیں انگریزوں کا فرض ہے کہ جب وہ یہ دیکھ لیں کہ افغانستان کا حکمران عقلمند۔ زبردست اور وفادار ہے تو اُنہیں جہانتک اُنسے ہو سکے مدد دینی چاہیے۔ وہ یاد رکھیں کہ ایک کمزور ناتجربہ کار اور بے بھروسہ امیر جسطرح افغانستان کے لئے خوفناک ہے اسی طرح ہندوستان کے لئے بھی اُسکی ذات سے خطرہ ہے۔

میری چوتھی رائے یہ ہے کہ انگریزوں کو ترکی اور ایران کو بہلا دینا چاہیے جیسا کہ وہ کئی سال گزشتہ سے کر رہے ہیں۔ انگلستان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ترکی اور ایران روس کے قبضہ میں نہ آنے پائیں اور اس کا یہی فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے ترکی اور ایران کو قوی بنا کے اُنسے دوستی پیدا کرے اور اس بات کی کوشش کرے کہ ان تینوں ممالک میں دوستی قایم ہو جائے تاکہ روسیہ کے

آگے ایک دیوار کھڑی ہو جائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام دنیا میں امن قایم ہو جائیگا اور ایشیا کے ملک اسکی دستبرد سے بچ جائیں گے۔ یہ ایک ظاہر امر ہے کہ اگر یہ تین سلطنتیں ایک ہو جائیں اور انگلستان ان کا دوست بنجائے تو پھر تمام اسلامی دنیا کی محبت آمیز نظریں انگلستان پر پڑنے لگیں گی اور اس سے انگلستان کے مقاصد کو بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔

میری چوتھی صلاح یہ ہے کہ انگلستان اور افغانستان کیلئے یہ لازمی امر ہی کہ وہ اپنی اپنی فوجیں زبردست بنائیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ انکی رعایا دولتمند اور خوشحال رہی اور اتنا کافی لشکر انکے پاس ہو کہ ہر وقت دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ بیمار پڑ کر دوائی کہانے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ کوئی قومی چیز استعمال کر لی جائے ایک شاعر کا قول ہی "اگر تم امن رکھنا چاہتے ہو تو جنگ کی تیاریاں کرو اور اپنی رعایا کو تعلیم دو دولتمند بناؤ اور خوش رکھو کیونکہ رعایا سلطنت کی مضبوطی کی بنیاد ہے یا وہ ایک دیوار ہے کہ جپر سلطنت کی عمارت چُنی ہوئی ہو۔

افغانستان کی بہتری اسی میں ہے کہ اس میں کارخانے بنائے جائیں۔ تجارت کی گرم بازاری ہو اور رعایا ہر وقت آرام اور محنت میں بسر کرے دوسرے حکمران قوم اور محکوموں کا باہمی تعلقات بڑہے تاکہ وہ اپنی رعایا کی مصیبتوں کا ہمیشہ تدارک کرتے رہیں۔

میں روسی حکمت عملی کے ایک پہلو کی بہت تعریف کرتا ہوں کہ میں نے روسی ترکستان میں دیسی رعایا کو دیکھا کہ انھیں کرنیل اور جرنیلوں کے عہدے ملتے ہیں اور باہمی شادی بیاہ ہوتے ہیں ہندوستانی انگریزوں اور ہندوستانیوں میں یہ تعلقات نہیں ہیں اگر ایک انگریز ایک ہندوستانی عورت سے شادی کرے تو کل انگریز سخت حقارت سے اُسے دیکھنے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگریز ہندوستانیوں میں بالکل مغائرت ہے اور دوسرے افسوسناک بات یہ ہے کہ انگریزی افسروں اور ہندوستانیوں کے دوستانہ تعلقات بھی تنزل پذیر ہیں اس وجہ سے کہ جو نوجوان افسر امتحان پاس کر کے لندن سے ہندوستان آتے ہیں وہ بالکل ناتجربہ کار ہوتے ہیں۔ انہیں صرف یہ خیال ہی کہ ہم یہاں عارضی طور پر رہیں گے اس لئے وہ زیادہ ہندوستانیوں کی پروا نہیں کرتے مگر پُرانے انگریزوں کا یہ رویہ نہیں تھا وہ ہندوستان کو اپنا گھر سمجھتے تھے اور ہندوستانیوں کے جلسوں میں اُنکی برابر آمد و رفت رہتی تھی۔

اب میں یہ بیان کرتا ہوں کہ روسیوں کے غلط خیالات کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں اور آیا روس کا

حملہ ہندوستان پر ممکن ہے یا نہیں اس کے جواب میں مجھ سے میرے روسی دوست جنکا تعلق میرے ساتھ بہت دوستانہ ہے مایوس ہو جائینگے - لیکن میں انھیں صاف طور پر کہتا ہوں کہ جبتک افغانستان کا روس کے ساتھ نہ ہو جائیگا ہندوستان پر اسکا حملہ کرنا ناممکن ہے مگر ایسے حملہ میں افغانستان کا روس کے ساتھ ہو جانا محال ہے - اگر روسی میری رائے کو مانیں کیونکہ میں اُن کا سچا دوست ہوں اور جو احسانات انہوں نے مجھپر کئے ہیں اس کے بارے میں دبا ہوا ہوں وہ کبھی بھولے سے بھی یہ بازی نہ بدیں اس کا نتیجہ روسیہ کی دایم بربادی ہوگی اور وہ نیچے لکھی ہوئی کہانی کے مصداق ہو جائینگے -

کہانی

ایک شخص بہت دُبلا پتلا تھا اس کی بیوی کو یہ فکر رہا کرتا تھا کہ کسیطرح سے میرا خاوند موٹا ہو جائے اس شخص کی عادت تھی کہ یہ بھڑوں کے چھتوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا - اس کی بیوی کئی دفعہ منع کر چکی تھی کہ تو ایسا نہ کیا کر ایک دن وہ حسب عادت بھڑوں کے چھتّوں کو چھیڑ رہا تھا کہ بھڑوں نے اُسے کاٹ کھایا اس کا سارا بدن سُوجھ گیا اور اُس کا مُنہ اُپلا ہو گیا جب وہ گھر پہنچا تو اسکی حالت اور بھی غیر ہو گئی اُسکی بیوی تو چاہتی ہی تھی کہ میرا خاوند کسی طرح موٹا ہو جائے اس لئے اُسکی یہ تبدیل ہئیت دیکھکر بہت خوش ہوئی اور اُس سے پوچھنے لگی کہ ایسا کیونکر ہو گیا - خاوند نے جواب دیا کہ مجھے بھڑوں نے کاٹ کھایا ہے اور میں سخت تکلیف میں ہوں اُسکی بیوی نے دعا مانگنی شروع کی کہ " اے خدا تو میرے شوہر کی تکلیف کو کھو دے لیکن سوجن قایم رکھ "، مگر اُس دعا کا اثر اُلٹا ہوا - سوجن جاتی رہی اور زہر خون میں رہ گیا یہی نتیجہ روسی کوششوں کا حملہ ہندوستان پر ہوگا کہ وہ دے نہ سکیں گے اور خوفناک جنگ کے مصائب اُنھیں بھگتنے پڑیں گے کیونکہ میں اُوپر کہہ چکا ہوں کہ افغانستان کا روس کے ساتھ حملہ میں مل جانا بہت مشکل امر ہے اور اگر کابل کا کوئی آیندہ امیر ایسا بیوقوف ہوا کہ اُس نے روس یا انگلستان کو افغانستان پر قبضہ کرنے دیا یا اُنکی فوجوں کو افغانستان میں سے گزرنے دیا تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو شاہ شجاع کے زمانہ میں ہوا تھا -

جب افغانوں نے شاہ شجاع کو مار ڈالا تھا اور ساتھ ہی اس کے انگریزوں کو بھی جنہیں اس نے بُلایا تھا قتل کر ڈالا انگریزی حکومت کو دو تجربے ہو چکے ہیں اب اُسے تیسرے تجربے کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر روسیہ میں کچھ بھی عقل ہے تو وہ انگریزوں کی مصیبتوں اور نقصانات سے سبق حاصل کر سکتا ہے -

افغانستان کا نقشہ دیکھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ۱۸۱۶ء سے پہلے شاہ شجاع کی سلطنت

تک کیا کیفیت رہی جس زمانہ سے کہ انگریزوں نے افغانستان کے معاملات میں دخل دینا شروع کیا کشمیر اور دوسرے سرحدی اضلاع جو ہندوستانی سلطنت کے ایک جزو بن رہے ہیں کسی زمانہ میں میرے باپ دادا کے قبضہ میں تھے اور انگریزوں نے یکے بعد دیگرے افغانیوں کے باہمی فسادات اور امیروں کے تغیر و تبدل سے فائدہ اٹھا کے اُن پر قبضہ کر لیا جہاں انگریزوں کو کوئی اچھا موقع ملا انہوں نے کبھی ملک پر قبضہ کرنے میں پہلو تہی نہیں کی مثلاً لارڈ لٹن کی یہ حکمتِ عملی تھی کہ افغانستان کو پارہ پارہ کر کے اُسے کمزور بنایا جائے۔ اسی لئے انھوں نے چترال۔ یسین اور قلات کو شیر علی کے اثر سے نکال دیا تھا پھر انگریزوں نے ۲۶ ویں مئی ۱۸۷۹ء کے معاہدہ گندمک کی رو سے پشین سبی۔ کرم شنواری خیبر۔ اور ہیوار کوتل لے لئے۔

ان کے علاوہ گزشتہ برسوں میں انگریزوں نے اپنے آگے بڑھنے کی حکمتِ عملی کی بنا پر افغانستان کا جنوبی حصہ جو بلندی سندھ کے جنوبی حدود پر واقع ہے اپنے قبضہ میں کر لیا اور اُسکا بار مظلوم اور فاقہ کش ہندوستان کے خزانہ پر پڑا اس حصۂ ملک کو انگریزی بلوچستان کہتے ہیں جس میں نوے فیصدی افغان آباد ہیں اور دس فیصدی بلوچی۔

انگریز ابھی تک رفتہ رفتہ برابر آگے بڑھتے چلے آتے ہیں انہوں نے باجور۔ دیر۔ سوات نواگی۔ بلند خیل۔ چارغ۔ وزیری اور چمن جدید پر قبضہ کر لیا ہے ہندوستانی حکومت مجھپر سخت غصہ ہوئی تھی جب میں نے یہ کہا تھا کہ میں اسمار۔ مہمند اور کافرستان کو نہیں چھوڑنے کا انگریز اس بات کو نہیں سمجھتے کہ لارنس نے سرحد کا جو خط کھینچا تھا وہ بہت عاقلانہ تھا اب اُس سے تجاوز کرنا اور افغانی ممالک پر قبضہ کرنا روپیہ کا نقصان عظیم کرنا ہے سابق کا خط کسی حملہ آور دشمن سے بہت دور کے فاصلہ پر کھنچا ہوا ہے اور موجودہ سرحدی خط تو حملہ سے بہت ہی قریب ہے۔

روسیوں کے حملہ کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ کمزور ملک پر حملہ کر کے زبردست کو چھوڑ دیتے ہیں مثلاً پچیس برس ہوئے اُس نے ایک اچھا موقع دیکھکر ترکوں پر حملہ کیا تھا اسکے بعد وہ افغانستان کی طرف رجوع ہوا مگر جب اس نے دیکھا کہ اسوقت یہ ملک ایک زبردست امیر کے تحت میں ہے تو اس نے اپنا رُخ کشمیر اور چترال کی طرف کیا اور پامیر کو دبا بیٹھا لیکن جب انگریزوں نے کشمیر اور چترال کو فوجوں اور قلعوں سے مضبوط کر لیا تو اس نے یک لخت اپنی توجہ چین اور ایران کی طرف پھیر دی

اب وہ ایک مناسب موقع کا افغانستان پر حملہ کرنے کا انتظار کر رہا ہے خواہ وہ میرے مرنے کے بعد حملہ کرے یا اور کسی مناسب موقع پر۔

اگر روس انگلستان اور افغانستان کی مشتملہ فوجوں سے جنگ کرے گا یعنی اپنی فوجوں کو پامیر کے راستہ سے کشمیر اور چترال اور بدخشاں کے راستہ سے فیض آباد پر اور کتغان ۔ سمرقند اور تاشقند کے راستہ سے بلخ پر یا مرد ۔ عشق آباد اور کشک کے راستہ سے ہرات پر یا ایران سے قندہار اور کوئٹہ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک بڑی اور طولانی جنگ ہوگی اور روس کی فوجیں قدرتی طور پر کئی حصوں میں منقسم ہو جائیں گی مگر روس کو اسبات کی ضرورت ہی کہ چین ۔ جاپان ۔ آسٹریا ۔ جرمنی اور ترکی کی حدود پہ مستقل طور پر زبردست فوجیں رکھے اسی طرح اپنے ملک کے انتظام کے لئے بھی اُسے فوجیں رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ترکمانوں کی مسلمان رعایا بغاوت نہ کر بیٹھے ۔ ایسی حالت میں کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا طریقہ جنگ کو جاری رکھ سکیگا اِس کے لیئے روس کے پاس نہ تو کافی لشکر ہے اور نہ روپیہ ہے نہ سامان خورونوش ہی اور نہ بار برداری ہے۔

اگر ہمیں یہ خیال ہو کہ روس کے حملہ کرنے کا ارادہ محض ہرات ۔ بلخ اور افغانستان کی حدود تک محدود رہے گا تو ایسی حالت میں اگرچہ میں اپنی فوج کی تعداد نہیں بیان کرتا تو بھی میں یہ ظاہر کر دیتا ہوں کہ ایسی ضرورت کے لئے مجھے انگریزی فوجی مدد نہیں چاہئے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر انگلستان یورپ میں روس پر حملہ آور ہو تو وہ پھر میرے مقابلہ کے لئے کافی فوج نہیں لا سکتا اور اُسی اثنا میں جب قلاب ۔ درواز ۔ بدخشاں ۔ شغنان ۔ روشن اور بخارا کے سابق حکمراں اور سردار جو اس وقت میرے دربار میں موجود ہیں اگر جنگ کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ روس کی جان پر کتنی آفت برپا ہو جائے اس وقت روس کیلئے اپنی رعایا کی بغاوت کا روکنا دوبھر ہو جائیگا۔

تھوڑی دیر کے لیئے اس بات کو یقین کر لو کہ روس کے حملے ہرات پر ہونگے انگلستان نے افغانستان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے معاہدونکی پروا نہ کی تو روسیوں کو یہ اطمینان ہو جائیگا کہ جس طرح ۱۸۸۵ء میں ہم نے پنجدہ لے لیا اور انگریز ہم سے نہ لڑے اسی طرح ہرات اور بلخ کی

ے لینے سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوگا لیکن میں اپنے روسی دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر آپ کا یہ یقین ہے تو آپ سخت غلطی میں ہیں افغانی ہرات کو چھوڑنے یا ایک انچ بھی اپنے ملک کو روس کے حوالہ کرنے میں رضامند نہیں ہیں جب تک اُن میں کا ایک شخص بھی زندہ رہیگا وہ جنگ سے کبھی نہیں مُنہ پھیرنے کے اور جب روسیوں کو اپنے ملک سے نکالنے پر اُنہیں مایوسی ہو جائے گی تو وہ افغانستان کو انگلستان کے آگے پیش کر دیں گے اس پر بھی اگر بر تقدیر انگلستان اور افغانستان کی مشتملہ فوجوں کو ہرات اور بلخ پر شکست ہوئی تو وہ دوبارہ کابل غزنی اور قندھار پر مقابلہ کریں گے۔ اور تیسری جنگ کوئٹہ۔ پشاور اور چترال پر لڑینگے ان تمام حالتوں میں انگریزوں اور افغانیوں کو چونکہ وہ اپنے ملک میں جنگ کریں گے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ ہر سپاہی ہر کسان اور افغانستان کے ہر کاشتکار کو روس کے مقابلہ میں لے آئیں گے۔

روس کو اس سرزمین پر جنگ کرنے سے اسی طرح نقصان ہوگا جس طرح ہنری اوّل والئی فرانس کو اسپین کی جنگ میں ہوا تھا اگر ایک بہت بڑی فوج بھیجی گئی تو وہ بھوک کے مارے تڑپ کے مر گئی اور اگر تھوڑی فوج بھیجی گئی تو دشمن اُسے چٹنی کر گیا۔ دوسرا فائدہ افغانستان اور انگلستان کے لئے یہ ہے کہ اگر انھیں پہلے مقام پر شکست ہوئی وہ دوسرے مقام پر جنگ کرنے کے لئے موجود ہوں گے۔ اسی طرح اگر دوسرے مقام پر شکست ہوئی تو وہ پیچھے ہٹ کر تیسرے مورچہ پر جنگ کریں گے مگر روس کے لئے یہ خطرناک امر ہوگا کہ وہ اتنا دور دراز ملک طے کرنے کے بعد اپنے عقب کی نگرانی کرے افغانستان اور ترکمان کی مسلمان آبادی اسکی عقب والی فوجوں کو کھا جائے گی اور اُسے سنبھلنا مشکل پڑ جائے گا اور اگر روس کو شکست ہوئی تو اس کی سلطنت جو محبت کے رشتہ سے نہیں بلکہ فوجی قوت سے وابستہ ہے پارہ پارہ ہو جائے گی روس کسی حالت میں بھی سندھ تک اپنی فوجوں کو نہیں بڑھا سکتا۔ کیونکہ اس کے لئے کروڑہا روپیہ اور کئی برس جنگ کرنے کی ضرورت ہوگی روس میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کی مفلسی کے آگے اور ہزارہا مشکلات کے سامنے اس قسم کی جرأت کر سکے گا۔

غرض ہر حالت میں انگریزون کے لیئے یہی مفید ہے کہ ہرات پر روس حملہ کرے تو وہ فوراً اس سے برسر پرخاش ہو جائیں اور انگریزون کا برسر پرخاش ہونا یہ ہے کہ وہ افغانونکی ہتھیار اور روپیہ سے مدد کریں اس صورت سے ایشیا میں افغان روس کو سنبھال لیں گے اور یورپ میں انگلستان روس کی مزاج پرسی کرے گا انگلستان کا فرض ہے کہ جہاں وہ انگلستانی سرحدات کو روسی حملہ کے خوف سے مضبوط کرتا ہے وہاں اس کو یہی چاہیئے کہ افغانی سرحدوں کو بھی مضبوط کرے۔

تہوڑی دیر کے لیئے یہ خیال کرلو اگرچہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ جس وقت روس ہرات اور بلخ پر قبضہ کرے تو انگریز ایسے نادان بنجائیں کہ اُس کے مقابل میں قندھار۔ کابل اور غزنی پر بغیر افغانیوں کی مرضی کے تصرف کرلیں اور روس کو ہرات سے مار کے نہ نکالیں یہ حکمتِ عملی افغانستان اور ہندوستان دونوں کے لئے سخت خطرناک ہوگی کیونکہ افغانستان میں روس کے آنے کا راستہ صاف ہو جائے گا اور افغانی یہ سمجھہ کر کہ انگریزوں نے عہد شکنی کی روس سے ملجائیں گے پھر روسی اور افغانی مل کے انگریزوں پر حملہ کریں گے اور روس افغانستان کے زرخیز صوبوں پر جو ہندوکش کے شمال مغربی حدود پر ہیں قابض ہو جائیگا مثلاً ترکستان افغان فراح اور ہرات سے کے ہندوکش کے جنوب مشرقی صوبوں کو یعنی پشاور سے جلال آباد اور کابل تک جو بالکل بنجر اور ویران صوبے ہیں انگریزوں کو دیدیگا اگر اس موقع پر روسیہ اور انگلستان میں تقسیم افغانستان کا معاہدہ ہوگیا تو ہندوستان کا خزانہ کبھی ان نئے صوبونکی قلعہ بندی کرنے کے لئے مدد نہیں دیسکتا روس معاہدہ توضرور کریگا لیکن اس بات کی تاک میں لگا رہے گا کہ کوئی موقع ہو تو ہندوستان پر حملہ کردوں۔

لیکن اللہ کا لاکھہ لاکھہ شکر ہے کہ افغانیوں اور انگریزوں میں اس بات کی کافی سمجھہ موجود ہے کہ باہمی اتحاد دونوں کے لئے فائدہ بخش ہے۔

ہر ملک کی تاریخ میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں ہندوستان اب ایسا تعلیم یافتہ ہوگیا ہے کہ وہ اس بات کو بخوبی سمجھہ سکتا ہے کہ انگریزوں سے اُسے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے اور روسیہ کی سلطنت کیسی ظالمانہ ہے۔

اگر اس بات کو قبول کر لیا جائے کہ مثل روسیہ کے انگلستان کے پاس کثرت سے فوجیں نہیں ہیں مگر میں اپنے روسی دوستوں کو ایک بڑے سپاہ سالار کے قول کی طرف متوجہ کرتا ہوں وہ نیپولین ہے جس نے یہ کہا تھا میں نہیں جانتا کہ انگریزوں نے کبھی شکست کھائی ہو کیوں کہ انگریزی رعایا ایسی وفادار ہے کہ جب انگریزی فوجوں کو شکست ہوتی ہے تو اُس میں ایسی ہمدردی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کو زک دینے کے لئے اپنی گورنمنٹ پر دھن۔ من۔ تن قربان کرنے کو آمادہ ہو جاتی ہے یہ خیالات انگریزی جزائر ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ تمام نوآبادیوں میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اپنے وطن کی تائید کے لئے والنٹریوں کی فوجوں پر فوجیں بھیجتی ہیں اور جب تک دشمن شکست نہیں پالیتا وہ برابر جاری رکھتی ہیں۔ اگرچہ انگریزوں کے پاس زیادہ فوج نہیں ہے لیکن انگریزی رعایا کا ہر شخص اپنی فتح مندی کے جھنڈے کے نیچے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہے اس لئے انگریزی سلطنت کی کل آبادی جو روسی سلطنت کی آبادی سے دس حصے زیادہ ہے بطور فوج محفوظ کے ہے جو جنگ کے وقت میدان میں آسکتی ہے اس لحاظ سے انگریز ایک طولانی جنگ جاری رکھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس روپیہ ہتھیار اور آدمی کافی طور پر موجود ہیں۔ طولانی جنگ کا نتیجہ یہ ہو گا کہ روس کے ذرائع خورد و نوش گھٹ جائیں گے اور مثل بڑی بڑی لڑائیوں کے جو انگلستان روس۔ فرانس اور اپنے دوسرے دشمنوں کے ساتھ لڑا یقینی اسکی فتح ہو گی۔

ختم شد